وزارت اوقاف واسلامی امور، کویت
موسوعہ فقہیہ
جلد - ۹
بیع - بیّنۃ

موسوعہ فقہیہ

شائع کردہ

وزارت اوقاف واسلامی امور، کویت

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

موسوعہ فقہیہ

اردو ترجمہ

جلد - ۹

بیع ــــــ بینة

مجمع الفقہ الإسلامی الہند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾

(سورۂ توبہ/۱۲۲)

''اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!''۔

''من يرد الله به خيرًا
يفقهه في الدين''

(بخاری و مسلم)

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے
اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔

فہرست موسوعہ فقہیہ
جلد - ۹

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ
٦	بطلان بیع کے اسباب	٧٤
٨-١٦	بیع باطل سے متعلق احکام	٨١-٧٦
٩	الف۔ تراد (باہمی واپسی)	٧٦
١٠	ب۔ مبیع میں تصرف	٧٧
١١	ج۔ ضمان	٧٧
١٢	د۔ بیع باطل کی تجزی	٧٨
١٣	ھ۔ بیع باطل کی تصحیح	٧٩
١٧-١	بیع التلجئہ	٨٩-٨٢
١	تعریف	٨٢
٢	متعلقہ الفاظ: بیع وفاء، بیع مکرہ اور بیع ہازل	٨٢
٥	بیع کے علاوہ میں تلجئہ	٨٣
١٦-٦	بیع التلجئہ کی قسمیں	٨٨-٨٤
٧-٩	قسم اول: تلجئہ نفس بیع میں ہو	٨٥-٨٤
٧	نوع اول: تلجئہ انشاء بیع میں ہو	٨٤
٩	نوع دوم: اقرار بیع میں تلجئہ ہو	٨٥
١٦-١٠	قسم دوم: وہ بیع جس میں تلجئہ ثمن یا بدل میں ہو	٨٨-٨٥
١٠	نوع اول: وہ بیع جس میں تلجئہ مقدار ثمن میں ہو	٨٥
١١	نوع دوم: وہ بیع جس میں تلجئہ جنس ثمن میں ہو	٨٦
١٧	فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین اختلاف کا اثر	٨٨
	بیع التولیہ	٨٩
	دیکھئے: التولیہ	
	بیع الثنیہ	٨٩
	دیکھئے: بیع الوفاء	

فقرہ	عنوان	صفحہ
۱-۹	**بیع جبری**	۸۹-۹۲
۱	تعریف	۸۹
۲	متعلقہ الفاظ: اکراہ علی البیع، بیع تلجئہ	۸۹
۴	شرعی حکم	۹۰
۵	مدیون کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرنا	۹۰
۶	بیع مرہون	۹۱
۷	محتکر (ذخیرہ اندوز) کو فروختگی پر مجبور کرنا	۹۱
۸	واجب نفقہ کے لئے بیع پر مجبور کرنا	۹۱
۹	شفعہ کی وجہ سے جبراً لینا	۹۲
۱-۱۱	**بیع جزاف**	۹۲-۱۰۰
۱	تعریف	۹۲
۲	شرعی حکم	۹۲
۳	بیع جزاف کی شرائط	۹۳
۴	غلہ کا ڈھیر اٹکل سے فروخت کرنا	۹۴
۵	اٹکل کی بیع کے وقت اناج کے ڈھیر کی جگہ کا برابر ہونا	۹۴
۶	پیمائش کی جانے والی اشیاء اور متفاوت عددی اشیاء کی بیع جزاف	۹۵
۷	خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی ایک کے مقدار مبیع سے واقف ہونے کے ساتھ بیع جزاف	۹۵
۸	مال ربوی کی ہم جنس سے اٹکل کی بیع	۹۶
۹	بیع میں کسی معلوم چیز کا یا اٹکل کا اٹکل میں ضم کرنا	۹۶
۱۱	مبیع کا طے شدہ مقدار سے کم یا زائد نکلنا	۹۸
۱-۲۲	**بیع الحاضر للبادی**	۱۰۱-۱۰۷
۱	تعریف	۱۰۱
۴	اس بیع سے ممانعت	۱۰۲
۵	بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کی علت	۱۰۳

فقرہ	عنوان	صفحہ

فقرہ	عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان	فقرہ

موسوعہ فقہیہ

بیع

تعریف:

۱ - بیع لغت میں ''باع'' کا مصدر ہے، جس کا معنی: مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے، یا بعض کتابوں میں موجود دوسرے الفاظ میں: کسی شی کو کسی شی کے مقابلہ میں رکھنا یا عوض دے کر اس شی کو لینا جس کا عوض دیا گیا۔

''بیع'' (شراء کی طرح) اضداد میں سے ہے، ان میں سے ایک بول کر دوسرا مراد ہوتا ہے، اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو ''بائع'' یا ''بیع'' کہا جاتا ہے، لیکن اگر لفظ بائع مطلق بولا جائے تو عرف میں عام طور پر اس سے مراد: سامان دینے والا ہوتا ہے۔ اور حطاب نے لکھا ہے کہ قریش کی زبان میں لفظ ''باع'' کا استعمال اس صورت میں ہے جب کسی چیز کو اپنی ملکیت سے نکالے، اور ''اشتری'' کا استعمال اپنی ملکیت میں کسی چیز کو داخل کرنے کے لئے ہے، اور یہی زیادہ فصیح ہے، اور فہم میں سہولت کے لئے اسی کو علماء نے اصطلاح بنالیا ہے۔

''باع'' فعل بذاتِ خود دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''بعت فلانا السلعة'' (یعنی میں نے فلاں کو سامان بیچا)، اور ان میں سے ایک مفعول پر اکتفا کثرت سے ہے، کہا جاتا ہے: ''بعت الدار''، اور کبھی کبھی تاکید کے لئے فعل کے ساتھ کوئی حرف مثلاً (من) یا (لام) کا اضافہ کر کے کہا جاتا ہے: ''بعت من فلان أو لفلان''۔

اور رہا بیع کو ''علی'' صلہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یہ کہنا: ''باع علی فلان کذا''، تو اس کا استعمال اس صورت میں ہے جب مالک کی رضامندی کے بغیر اس کا مال فروخت کر دیا گیا ہو[۱]۔

فقہاء کی اصطلاح میں بیع کی دو تعریفیں ہیں: اول بیع بمعنی أعم (زیادہ عام معنی میں) اور وہ ''مطلق بیع'' ہے، اور دوم بیع بمعنی أخص (زیادہ خاص معنی میں) اور وہ ''بیع مطلق'' ہے۔

حنفیہ نے بیع بہ معنی اعم کی تعریف بیع کی لغوی تعریف کے مطابق کی ہے، اور ''تراضی'' (آپسی رضامندی) کی قید لگائی ہے، لیکن ابن ہمام نے کہا: لغۃً بھی ''تراضی'' ضروری ہے، اس لئے کہ ''باع زید ثوبه'' کا مفہوم یہی تو ہے کہ اس نے باہمی رضامندی کے ذریعہ تبادلہ کیا ہے، اور یہ کہ غصب کے طور پر کوئی چیز لینا، اور بلاتراضی کوئی دوسری چیز دینا، اہل لغت اس کو ''باعه'' نہیں کہتے[۲]۔ اور حنفیہ میں سے صاحب ''الدرر'' نے ''تراضی'' کے بجائے لفظ ''اکتساب'' کی قید لگانا پسند کیا ہے، اور اس کا مقصد ہبہ کا ہبہ سے مقابلہ وتبادلہ سے احتراز کرنا ہے، کیوں کہ اس میں مال کا مال سے تبادلہ ہوتا ہے، لیکن ''تبرع'' کے طور پر ہوتا ہے، ''اکتساب'' کی غرض سے نہیں[۳]۔

مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ بیع ایسا عقد معاوضہ ہے جس میں عوض نہ منافع ہو اور نہ حصول لذت ہو، اور یہ اس لئے ہے تاکہ اس میں اجارہ اور نکاح سے احتراز ہو جائے، اور تاکہ اس میں ثواب کا ہبہ کرنا[۴] ''صرف'' اور ''سلم'' ہو جائیں[۵]۔

---

(۱) المصباح، المغرب، اللسان مادۂ ''بیع''، الحطاب ۴/ ۲۲۲۔

(۲) فتح القدیر ۵/ ۴۵۵۔

(۳) الدرر شرح الغرر ۲/ ۱۴۲۔

(۴) یہاں ''ثواب کے ہبہ'' سے مراد کسی کو اس مقصد سے ہبہ کرنا ہے کہ موہوب لہ اس کے ہبہ کا عوض اس کو دے۔

(۵) الحطاب ۴/ ۲۵۵۔

شافعیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ مخصوص طریقہ پر مال کو مال کے مقابلہ میں دینا بیع ہے۔

قلیوبی نے اس کی ایک اور تعریف ذکر کی ہے، اور اسی کو اولیٰ کہا ہے، وہ یہ ہے: "**عقد معاوضة مالية تفيد ملك عين أو منفعة على التأبيد لا على وجه القربة**" (یعنی ایسے مالی معاوضہ کا عقد ہے جس سے عین یا منفعت کی ملکیت ابدی طور پر حاصل ہو قربت کے طور پر نہیں)۔ پھر قلیوبی نے کہا: "**معاوضة**" کی قید سے ہدیہ وغیرہ نکل گیا، "**مالية**" کی قید سے نکاح وغیرہ نکل گیا، "**إفادة ملك العين**" کی قید سے اجارہ نکل گیا، "**تأبيد**" کی قید سے بھی اجارہ نکل گیا، اور "**غير وجه القربة**" کی قید سے قرض نکل گیا۔ اور منفعت کی قید کا مقصد یہ ہے کہ گذرگاہ کا حق اور اس جیسے دوسرے حقوق کی بیع بیع کی تعریف میں داخل رہے [1]۔

حنابلہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ہمیشہ کے لئے مال کا مبادلہ (اگر چہ ذمہ میں ہو) یا مباح منفعت کا مبادلہ (مثلاً گھر کے لئے گزرگاہ) ان میں سے کسی ایک کے مثل کے عوض بیع کہلاتا ہے، جبکہ اس میں ربا و قرض نہ ہو، اور بعض حنابلہ نے یہ تعریف کی ہے کہ مالک بنانے اور مالک بننے کے لئے مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے [2]۔

رہا بیع بہ معنی اخص، اور وہ بیع مطلق ہے، تو اس کا ذکر حنفیہ و مالکیہ نے کیا ہے، مالکیہ اس کی تعریف میں کہتے ہیں: "**عقد معاوضة على غير منافع ولا متعة لذة ذومكايسة، أحد عوضيه غير ذهب ولا فضة، معين غير العين فيه**" [3]

(۱) شرح الروض ۲/۲، القلیوبی ۱۵۲/۲۔

(۲) المغنی والشرح الکبیر ۲/۴، کشاف القناع ۱۴۶/۳۔

(۳) غير العين فيه، کے قید کا مقصد یہ ہے کہ غیر عین سلم میں معین نہیں ہوتا بلکہ "ذمہ" میں واجب ہوتا ہے اور یہاں "عین" سے مراد سونا یا چاندی ہے جو سلم کا راس المال ہو۔

(یعنی ایسا عقد معاوضہ جو منافع اور حصول لذت کے علاوہ کے لئے ہو، آپس میں غلبہ کے جذبہ سے ہو، اس کے عوضین میں سے ایک سونا یا چاندی نہ ہو، اور غیر عین اس میں معین ہو)۔

ذومکایسۃ کی قید سے ثواب کے لئے دیا جانے والا ہبہ نکل گیا، "مکایسۃ" کا معنی مغالبہ ہے، "**أحد عوضيه غير ذهب ولا فضة**" کی قید سے "صرف" اور "مراطلہ" (سونے کو سونے سے یا چاندی کو چاندی سے وزن کر کے بیچنا) نکل گئے، اور "معین" کی قید سے "سلم" نکل گیا [1]۔

پھر شافعیہ نے دیکھا کہ بیع کی تعریف سے بسا اوقات صرف بیع مراد ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ وہ عقد کی ایک شق ہے، تو انہوں نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ مخصوص طور پر عوض کے ذریعہ مالک بنانا ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے "شراء" کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ مخصوص طور پر عوض کے ذریعہ تملک (مالک بننا) ہے۔

جیسا کہ حطاب نے ایک اور تعریف (جو بیع صحیح و فاسد کو شامل ہے) ان الفاظ میں ذکر کی ہے: "**دفع عوض في معوض**" [2] (یعنی معوض کا عوض دینا)، کیونکہ اس تعریف والے کا خیال ہے کہ بیع فاسد ملکیت کو منتقل نہیں کرتی، بلکہ صرف ملکیت کے شبہہ کو منتقل کرتی ہے، پھر حطاب نے اشارہ کیا ہے کہ عرب والے کسی چیز کو صحیح محض اس کے صحیح سمجھنے کی بنیاد پر کہہ دیتے ہیں، لہذا ان کے اپنے عہد جاہلیت کے حکم کے لحاظ سے ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، گوکہ اسلامی حکم کے لحاظ سے منتقل نہ ہو، تاہم حقائق شرعیہ کا مقصود "صحیح" کا علم حاصل کرنا ہی ہے۔

(۱) الحطاب ۲۲۵/۴، البہجہ شرح التحفہ ۳/۲۔

(۲) الحطاب ۲۲۳/۴۔

متعلقہ الفاظ:

الف-ہبہ اور وصیت:

۲-ہبہ: زندگی کے دوران بلاعوض مالک بنانا ہے۔

وصیت: موت کے بعد بلاعوض مالک بنانا ہے[1]۔

یہ دونوں بیع سے اس لحاظ سے الگ ہیں کہ بیع میں تملیک عوض کے ذریعہ ہوتی ہے۔

ب-اجارہ:

۳-اجارہ: معلوم معاوضہ کے بدلے معلوم منفعت کا عقد ہے۔

لہذا اجارہ میں مدت یا عمل کی تحدید ہوتی ہے جبکہ بیع میں ایسا نہیں ہوتا۔

اجارہ میں منفعت کی تملیک ہوتی ہے جبکہ بیع میں فی الجملہ ''ذات'' کی تملیک ہوتی ہے[2]۔

ج-صلح:

۴-صلح: ایسا عقد ہے جو نزاع اور خصومت کے ختم کرنے کا متقاضی ہو۔

ابن عرفہ نے صلح کی تعریف یہ کی ہے: "الانتقال عن حق أو دعوی بعوض لرفع نزاع أو خوف وقوعه" (یعنی نزاع یا اندیشہ نزاع کو دور کرنے کے لئے عوض لے کر کسی حق یا دعوی سے ہٹنا)۔

اگر مصالحت عوض کے لینے پر ہو تو یہ صلح معاوضہ ہے، اس کو فقہاء بیع قرار دیتے ہیں، جس میں شرائط بیع کا اعتبار رہوگا۔

فقہاء کہتے ہیں: جس شئی پر دعوی ہے اس کو چھوڑ کر دوسری چیز لینے پر صلح کرنا، لی ہوئی چیز کے عوض اس شئی کی ذات کی بیع کرنا ہے بشرطیکہ لی ہوئی چیز ذات ہو، لہذا اس میں بیع کی شرائط ضروری ہونگی۔

اور اگر لی ہوئی چیز منافع ہو تو یہ معاملہ اجارہ ہے۔

لیکن اگر اس دعوی کی گئی شئی کے کچھ حصہ کو لینے اور باقی کو چھوڑنے پر صلح ہو تو یہ ہبہ ہے۔

لہذا صلح بعض صورتوں میں بیع مانی جائے گی[1]۔

د-تقسیم:

۵-حنفیہ نے تقسیم کی تعریف یہ کی ہے: کہ وہ پھیلے ہوئے غیر معین حصہ کو معین میں جمع کرنا ہے۔ اور ابن عرفہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: کہ وہ دو مالک کے مملوکہ شئی میں سے غیر معین حصہ کو معین بنادینا ہے، خواہ قرعہ اندازی کے طریقہ پر یا باہمی رضامندی سے اس میں تصرف کی تخصیص کے ذریعہ ہو۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تقسیم: بعض حصوں کو ممتاز اور الگ کرنا ہے[2]۔

بعض فقہاء نے تقسیم کو بیع قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں: ''تقسیم'': حق کو الگ کرنا، اور دو حصوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا ہے، اور یہ بیع نہیں ہے، امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بیع ہے،

---

(۱) البدائع ۶/ ۳۳۳، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۱۱، قلیوبی ۳/ ۱۵۶، مغنی المحتاج ۲/ ۶۔

(۲) الزیلعی ۲/ ۱۵۱، الشرح الصغیر ۴/ ۵ طبع دار المعارف، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۸۴، مغنی المحتاج ۲/ ۳۳۲، المغنی ۵/ ۴۳۳، منتہی الارادات ۲/ ۳۵۱۔

(۱) الاختیار ۳/ ۵، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳، مغنی المحتاج ۲/ ۱۷۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۶۰۔

(۲) البحر الرائق ۸/ ۱۶۷، منح الجلیل ۳/ ۶۱۹، نہایۃ المحتاج ۸/ ۲۶۹، منتہی الارادات ۳/ ۵۰۸۔

اور یہی ابوعبداللہ بن بطہ سے منقول ہے، اس کے بیع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حصہ میں اپنی ملکیت کو دوسرے حصہ میں اپنے ساتھی کی ملکیت سے بدل رہا ہے، اور یہی بیع کی حقیقت ہے۔

بعض مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے، ابن عبدالبر نے کہا: تقسیم بیع کی ایک قسم ہے، "المدونہ" میں امام مالک کا یہی قول مذکور ہے۔

اگر تقسیم میں رد ہو (اور رد کی تقسیم یہ ہے کہ حصوں کو مساوی کرنے کے لئے اس میں اجنبی مال سے مدد لی گئی ہو) تو یہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک بیع ہے۔

"المہذب" میں ہے: اگر تقسیم میں رد ہو تو یہ بیع ہے، اس لئے کہ صاحب رد (لوٹانے والے) نے اس چیز کے مقابلہ میں عوض کے طور پر مال خرچ کیا ہے جو اس کو اپنے شریک کے حصہ سے ملا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: اگر تقسیم میں عوض دینا ہو تو یہ بیع ہے، اس لئے کہ لوٹانے والا اس چیز کے عوض کے طور پر مال خرچ کرتا ہے جو اس کو اپنے شریک کے مال سے ملا ہے، اور یہی بیع ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ذوات الامثال کی تقسیم میں تمییز حقوق (حقوق کی نشاندہی) کا مفہوم غالب رکھا جاتا ہے، اور ذوات القیم کی تقسیم میں بیع کا مفہوم ومعنی غالب رکھا جاتا ہے [1]۔

شرعی حکم:

٦ - باتفاق فقہاء بیع جواز کے طور پر مشروع ہے، اس کے جواز کی دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس ہیں۔

کتاب اللہ میں اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: "وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" [2] (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، نیز فرمان باری

(١) المغنی ٩/ ١١٤، ١١٥، المہذب ٢/ ٣٠٧، الکافی لابن عبدالبر ٢/ ٨٧٦، منح الجلیل ٣/ ٦٤٤، الفواکہ الدوانی ٢/ ٣٢٧، البدائع ٧/ ١٧۔

(٢) سورۂ بقرہ/ ٢٧٥۔

ہے: "لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" [1] (آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

سنت رسول اللہ میں اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "عمل الرجل بیدہ، و کل بیع مبرور" [2] (آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی، اور ہر بیع مبرور (مقبول))، نیز حضور ﷺ کا اپنا فعل، اور آپ کا صحابہ کو اس پر برقرار رکھنا ہے۔

اور اجماع بیع کے جواز پر منعقد ہو چکا ہے۔

قیاس: حکمت بیع کے جواز کی متقاضی ہے، اس لئے کہ دوسرے کی چیز سے انسان کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے، اور مبادلہ کی شکل عام طور پر عوض دے کر ہی ہوتی ہے، لہذا بیع کو جائز قرار دینے میں مقصد وغرض تک رسائی اور حاجت روائی ہے [3]۔

بیع کا اصلی حکم یہی ہے، البتہ اس پر کچھ اور احکام بھی آتے ہیں، پس بیع ممنوع ہو جاتی ہے اگر بیع میں ایسی کوئی چیز ہو جو نص کے ذریعہ ممنوع ہو، صیغۂ بیع میں کوئی وجہ ہو یا عاقدین میں یا معقود علیہ میں، اور جس طرح یہ بیع کرنا حرام ہے، اسی طرح یہ بیع صحیح منعقد نہیں ہوتی، بلکہ باطل یا فاسد ہوتی ہے (جیسا کہ جمہور اور حنفیہ کے مابین معروف اختلاف ہے)، اور اس میں دونوں طرف سے لوٹانا واجب

(١) سورۂ نساء/ ٢٩۔

(٢) حدیث: "...عمل الرجل بیدہ و کل بیع مبرور..." کی روایت احمد (٤/ ١٤١ طبع المیمنیہ) نے کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (٤/ ٦٠ طبع القدسی) میں اسے نقل کیا ہے اور کہا کہ اس کی روایت احمد، بزار اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور الاوسط میں کی ہے اس میں ایک راوی مسعودی ہیں جو ثقہ ہیں، لیکن دماغی خلل پیدا ہو گیا تھا، اور احمد کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(٣) المغنی والشرح الکبیر ٤/ ٣، کشاف القناع ٣/ ١٤٥، المقدمات لابن رشد (الجد) ٣/ ٢١٣، فتح القدیر ٥/ ٧٣۔

ہوتا ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے جس کے لئے اصطلاح ''بیع منہی عنہ''، نیز علاحدہ علاحدہ ممنوع بیع کی قسمیں، اور اصطلاح ''بیع باطل'' اور ''بیع فاسد'' دیکھی جائے۔

کبھی حکم کراہت کا ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں ہے جب اس میں ممانعت غیر یقینی ہو، ایسی بیع کو فسخ کرنا واجب نہیں ہوتا۔ مالکیہ میں سے حطاب نے اس کی مثال میں درندوں کی بیع کو لکھا ہے جبکہ ان کی کھالوں کے واسطے بیع نہ ہوئی ہو[1]۔

کبھی بیع پر وجوب کا حکم آتا ہے، مثلاً وہ شخص جو کھانا یا پیا خریدنے کے لئے اضطراری حالت میں پہنچ چکا ہے تاکہ جان بچا سکے۔

کبھی بیع مستحب ہوتی ہے، مثلاً کسی نے دوسرے پر قسم کھالی کہ وہ اس کو کوئی سامان فروخت کرے، اور اس کے فروخت کرنے میں اس کا ضرر نہ ہو تو اسے قبول کرلینا مستحب ہے، اس لئے کہ غیر ضرر رساں چیز میں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرانا مستحب ہے۔

۷- بیع کی مشروعیت کی حکمت ظاہر ہے، اور وہ بندوں پر مہربانی کرنا، اور ان کے معاش کے حصول کے لئے تعاون کرنا ہے[2]۔

بیع کی تقسیم:

۸- مختلف اعتبارات سے بیع کی مختلف تقسیمیں ہیں جن میں اہم ترین مبیع کے اعتبار سے تقسیم، ثمن کے اعتبار سے تقسیم یعنی اس کی مقدار مقرر کرنے کے طریقہ کے لحاظ سے اور اس کی ادائیگی کی کیفیت کی حیثیت سے، اور حکم شرعی خواہ تکلیفی ہو یا وضعی (یعنی اثر) کے اعتبار سے۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) حاشیۃ العدوی ۲/ ۱۲۵، محاسن الاسلام للبخاری الحنفی رص ۷۹۔

اول: مبیع کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:

بیع میں مبادلہ کے موضوع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

بیع مطلق:

۹- بیع مطلق: عین کا دین سے تبادلہ ہے، اور یہ مشہور ترین قسم ہے، اور اس نوع میں انسان کو موقع ملتا ہے کہ اپنے نقود کے عوض اپنی ضرورت کی ہر شی کا تبادلہ کرے، بیع کا لفظ اگر مطلق بولا جائے تو یہی قسم مراد ہوتی ہے، اور دوسری قسموں کی طرح اس میں قید ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بیع سلم:

۱۰- یہ دین کا عین سے تبادلہ کرنا یا نقد ثمن کے ذریعہ ادھار سامان کو فروخت کرنا ہے[1]۔ اس کی تفصیل اصطلاح ''سلم'' میں ہے۔

بیع صرف:

۱۱- یہ اثمان کا تبادلہ کرنا ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ''صرف'' میں ہے۔

مالکیہ ''صرف'' کو اس صورت کے ساتھ خاص کرتے ہیں جبکہ نقد کا تبادلہ مخالف نقد سے ہو، اور یہ ''شمار'' کے ذریعہ ہوتا ہے، اور اگر اسی نوعیت کے نقد کے ذریعہ ہو تو اس کو ''مراطلہ'' کہتے ہیں جو وزن کے ذریعہ ہوتا ہے[2]۔

(۱) المجلہ: دفعہ (۱۲۳)۔

(۲) الحطاب ۴/ ۲۲۶، الدسوقی ۳/ ۲۔

بیع مقایضہ:

۱۲ - یہ عین کا عین سے تبادلہ کرنا ہے، اس کی تفصیل ''مقایضہ'' میں ہے۔

دوم: ثمن کی تحدید کے طریقہ کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:

ثمن کی تحدید کے طریقہ کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

بیع مساومہ:

۱۳ - بیع مساومہ: ایسی بیع جس میں بائع اپنے رأس المال کو ظاہر نہیں کرتا۔

بیع مزایدہ:

۱۴ - بیع مزایدہ یہ ہے کہ بائع اپنا سامان بازار میں پیش کرے، خریدار اس میں ایک دوسرے پر اضافہ کریں، اور سب سے زیادہ ثمن دینے والے کے ہاتھ سامان فروخت کردیا جائے [1]۔

بیوع امانت:

۱۵ - وہ بیوع جن میں ثمن کی تحدید رأس المال کے مثل یا اس سے زائد یا اس سے کم کے ذریعہ کی جاتی ہے، ان کو بیوع امانت اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں بائع کو رأس المال کی خبر دینے میں امین سمجھا جاتا ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اس کے بالمقابل ''شراء بالمناقصہ'' ہے یعنی یہ کہ مشتری معین اوصاف کے حامل سامان کی خریداری کی پیش کش کرے اور فروخت کرنے والے کم از کم قیمت میں فروخت کرنے میں مقابلہ کریں، اور کم از کم قیمت سے راضی ہونے والے پر بیع ٹھہر جائے، جستجو کے باوجود ہمیں کتب فقہ میں اس کا ذکر نہیں ملا، تاہم تقابل کی رعایت کے ساتھ اس پر بھی ''مزایدہ'' کے احکام جاری ہوں گے۔

الف - بیع مرابحہ: ایسی بیع جس میں ثمن رأس المال پر اضافہ کے ساتھ مقرر کیا جائے، اس کی تفصیل ''مرابحہ'' میں ہے۔

ب - بیع تولیہ: ایسی بیع جس میں بذات خود رأس المال کو بغیر نفع اور نقصان کے ثمن مقرر کردیا جائے۔

دیکھئے: اصطلاح ''تولیہ''۔

ج - بیع وضیعہ یا حطیطہ یا نقیصہ: ایسی بیع جس میں ثمن رأس المال سے کم مقرر کیا جائے یعنی اس میں خسارہ ہو، اس کی تفصیل اصطلاح ''وضیعہ'' میں ہے۔

اگر مبیع کے ایک جز کی بیع ہو تو اس کو بیع اشراک کہتے ہیں، اور یہ سابقہ قسموں سے الگ نہیں ہے [1]۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''اشراک'' اور ''تولیہ'' میں دیکھی جائے۔

سوم: ثمن (قیمت) کی کیفیت کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:

۱۶ - اس اعتبار سے بیع کی اقسام یہ ہیں:

الف - فوری قیمت: جس میں قیمت ادھار کرنے کی شرط نہیں ہوتی اس کو بیع نقد یا فوری واجب الاداء ثمن کے ذریعہ بیع کہتے ہیں۔

ب - ادھار قیمت: جس میں قیمت ادھار کرنے کی شرط ہو۔ اس نوع پر تفصیلی کلام ثمن کے مباحث میں آئے گا۔

ج - قیمت کا عوض ادھار ہو: اور یہ بیع سلم ہے، جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔

د - دونوں عوض ادھار ہوں: یعنی دین کے بدلہ دین کی بیع، اور یہ فی الجملہ ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل اصطلاح ''دین''، اور ''بیع منہی عنہ'' میں ہے [2]۔

(۱) رد المحتار ۴/ ۳، فتح القدیر ۵/ ۵۵۴۔

(۲) فتح القدیر ۵/ ۵۵۴۔

ابن رشد الحفید نے تبادلے کے طریقے، ثمن کی تحدید کی کیفیت، خیار واجب ہونے، اور مبیع اور قیمت میں سے ہر ایک میں نقد و ادھار کے لحاظ سے بیع کی تو تقسیمات ذکر کی ہیں جو سابقہ تقسیمات سے الگ نہیں (۱)۔

ان کے علاوہ مبیع کی موجودگی اور عدم موجودگی کے اعتبار سے، مبیع کی رؤیت اور عدم رؤیت کے اعتبار سے، اور عقد کو قطعی شکل دینے اور اس میں اختیار دینے کے اعتبار سے کچھ اور فروعی تقسیمات ہیں (۲)۔

چہارم: حکم شرعی کے اعتبار سے بیع کی تقسیم:

۱۷ - رہی حکم شرعی کے اعتبار سے تقسیم تو اس کی انواع بکثرت ہیں مثلاً: بیع منعقد، اس کے مقابلہ میں بیع باطل ہوتی ہے، بیع صحیح، اس کے مقابلہ میں بیع فاسد ہوتی ہے، بیع نافذ، اس کے مقابلہ میں بیع موقوف ہوتی ہے، بیع لازم، اس کے مقابلہ میں بیع غیر لازم ہوتی ہے (اور اس کو بیع جائز یا بیع مخیّر بھی کہتے ہیں)، ان انواع سے متعلق تفصیل ان کی اپنی اپنی اصطلاحات میں دیکھی جائے، اور بیوع منہی عنہا کو اصطلاح ''بیع منہی عنہ'' میں دیکھا جائے۔

کچھ اور بیوع ہیں جن کے مخصوص نام ہیں، ان کے بارے میں ممانعت وارد ہے، مثلاً بیع نجش، بیع منابذہ وغیرہ، ان کو ان کی اصطلاحات میں دیکھا جائے۔

بیع کی کچھ اور انواع ہیں جن کے نام رکھنے میں ان حالات کی رعایت ہے جو عقد کے ساتھ پائے جاتے ہیں، اور حکم میں اثر انداز ہیں، مثلاً مکرہ یا ہازل کی بیع، بیع تلجیہ، بیع فضولی، اور بیع وفا، اور ان کی بھی اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔

اسی طرح استصناع بیوع کی فہرست میں داخل ہے، حالانکہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ بیع ہے یا اجارہ، اس کی تفصیل اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھی جائے۔

ان بیوع پر فقہاء نے بیع مطلق سے الگ مستقل بحث کی ہے، تاہم وہ بیع مطلق کے بعد آتی ہے۔

اسی وجہ سے ان کو ''بیوع'' کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ مطلق بیع کے تحت آتی ہیں، لیکن وہ ''بیع مطلق'' میں داخل نہیں، جیسا کہ گذرا۔

بیع کے ارکان وشرائط:

۱۸ - بیع وغیرہ عقود کے ارکان کی تحدید کے بارے میں فقہاء کا مشہور اختلاف ہے کہ یہ محض صیغہ (ایجاب وقبول) ہے یا صیغہ، عاقدین (بائع ومشتری) اور معقود علیہ کا مجموعہ یا محلِ عقد (مبیع اور ثمن) ہے۔

جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ یہ سب بیع کے ارکان ہیں، اس لئے کہ جمہور کے نزدیک رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود، اور عقلاً اس کا تصور موقوف ہو، خواہ وہ اس کی حقیقت کا جز ہو یا نہ ہو، اور بیع کا وجود عاقدین اور معقود علیہ پر موقوف ہوتا ہے، گو کہ عاقدین اور معقود علیہ اس کی حقیقت کا جز نہیں ہیں (۱)۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بیع وغیرہ عقد کا رکن صرف صیغہ ہے، رہے عاقدین اور محل تو یہ ان چیزوں میں سے ہیں جو صیغہ کے وجود سے لازم آتے ہیں، ارکان میں سے نہیں ہیں، اس لئے کہ صیغہ کے علاوہ کوئی چیز بیع کی حقیقت کا جز نہیں ہے، گو کہ بیع کا وجود اس پر موقوف ہو (۲)۔

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۰۸۔

(۲) الحطاب ۴/ ۲۲۶۔

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۳ طبع الحلبی، مغنی المحتاج ۲/ ۵، ۷، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۰۔

(۲) الاختیار ۲/ ۴۔

بعض معاصر فقہاء کے یہاں مستحسن یہ ہے کہ صیغہ، عاقدین، اور محل کے مجموعہ کا نام "مقومات عقد" رکھا جائے، اس لئے کہ بالاتفاق ان کے بغیر عقد کا قیام نہیں ہوتا[1]۔

۱۹- صیغہ، عاقدین اور محل ہر ایک کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کے بغیر ان میں سے کسی کا شرعی وجود متحقق نہیں اور اپنے وجود یا نفاذ ان کی تاثیر کے لحاظ سے یہ شرائط مختلف ہیں۔

ان میں سے بعض انعقاد کی شرائط ہیں، ان میں کسی بھی ایک شرط کے فقدان پر عقد باطل ہوجاتا ہے۔

ان میں سے کچھ صحت کی شرائط ہیں، اور ان میں سے کسی شرط کے فقدان پر عقد کا باطل ہونا یا فاسد ہونا مرتب ہوتا ہے، جیسا کہ حنفیہ اور جمہور کے مابین اختلاف ہے۔

ان میں سے کچھ شرائط نفاذ ہیں، اور ان میں سے کسی کے فقدان پر بیع کا موقوف ہونا مرتب ہوتا ہے۔

ان میں سے کچھ شرائط لزوم ہیں، اور ان کے کلی یا جزئی طور پر فقدان کے نتیجہ میں عقد غیر لازم ہوجاتا ہے۔

شرائط کی یہ تقسیم حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے۔

ان میں سے بعض میں غیر حنفیہ کا اختلاف ہے جس کا بیان آئے گا۔

صیغہ اور اس کی شرائط:

۲۰- صیغہ (جیسا کہ حطاب نے صراحت کی ہے)[2] ایجاب وقبول ہے۔

ایجاب وقبول کی صلاحیت ہر ایسا قول رکھتا ہے جس سے رضامندی معلوم ہو، مثلاً بائع کا قول: میں نے تم کو بیچ دیا، یا تم کو دے دیا، یا اتنے میں تم کو مالک بنادیا، اور مشتری کا قول: میں نے خرید لیا یا میں مالک بن گیا، یا میں نے سودا کرلیا، یا میں نے قبول کرلیا وغیرہ۔

ایجاب جمہور کے نزدیک وہ ہے جو بائع کی طرف سے رضامندی کو بتانے کے لئے صادر ہو، اور قبول وہ ہے جو مشتری کی طرف سے رضامندی کو بتانے کے لئے صادر ہو۔

حنفیہ نے کہا: ایجاب کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جو عاقدین میں سے کسی ایک کی طرف سے پہلے صادر ہو، خواہ وہ بائع ہو یا مشتری، اور اسی طرح قبول وہ ہے جو اس کے بعد صادر ہو[1]۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "ایجاب" اور "قبول" کی اصطلاح۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ مشتری کے لفظ کا بائع کے لفظ سے مقدم ہونا جائز ہے، اس لئے کہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے[2]۔

بیع میں صیغہ کی شرائط، بیع کے علاوہ دوسرے مالی عقود میں صیغہ کی شرائط سے مختلف نہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صیغہ ماضی کا ہو یا ایسا ہو جو فوری طور پر عقد کے پائے جانے کا متقاضی ہو، جیسا کہ آئے گا، اور ایجاب وقبول میں موافقت ہو، اگر ایجاب وقبول میں اختلاف ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ایسا قبول جو ایجاب کے خلاف ہو، وہ نیا ایجاب مانا جائے گا۔

صیغہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مجلس ایک ہو، اور اتحاد مجلس، مجلس کے متفرقات کو جمع کردیتی ہے، لہذا اگر ایجاب قبول سے مؤخر ہو یا قبول ایجاب سے مؤخر ہو تو ان میں سے جو مقدم ہوگا وہ صحیح ہے،

---

(۱) المدخل الفقہی العام ۱/ ۲۹۹، ۳۰۰۔
(۲) الحطاب ۴/ ۲۲۸۔

(۱) المجلہ: دفعہ (۱۰۱)، (۱۰۲)، الاختیار ۲/ ۴۔
(۲) منح الجلیل ۲/ ۴۶۲، جواہر الإکلیل ۲/ ۲، قلیوبی ۲/ ۱۵۳، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۰۔

اورلغو نہ ہوگا جب تک عاقدین مجلس میں ہوں، اور کسی ایسی چیز میں مشغول نہ ہوئے ہوں جو اس کو عرفاً قطع کردے۔

ایک شرط یہ ہے کہ ایجاب یا قبول میں مذاق نہ ہو۔

ایجاب کے صحیح باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب کرنے والا رجوع نہ کرے، قبول سے قبل اس کی موت نہ ہوئی ہو، اور معقود علیہ ہلاک نہ ہوا ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ قبول سے قبل معقود علیہ میں کوئی ایسا تغیر پیش نہ آیا ہو جس سے اس کا نام ہی بدل جائے، مثلاً عصیر (رس) کا سرکہ میں بدل جانا۔ اس کی تفصیل اصطلاح ''عقد'' اور اصطلاح ''صیغہ'' میں ہے۔

ذیل میں صیغۂ بیع سے متعلق کچھ خاص اور اہم تطبیقات ذکر کی جارہی ہیں، حالانکہ عمومی عقود میں صیغہ کی شرائط کی طرف اشارہ آچکا ہے۔

۲۱- اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایجاب وقبول ماضی کے صیغہ سے ہو، مثلاً: میں نے بیچا، یا میں نے خریدا، یا مضارع ہو اور اس سے مراد کسی لفظی قرینہ کے سبب حال ہو، مثلاً ''أبیعک الآن'' (میں اس وقت بیچ رہا ہوں)، یا قرینہ حالیہ ہو، مثلاً مضارع کو حال کے معنی میں استعمال کا عرف رائج ہو۔

بیع منعقد نہ ہوگی اگر ایجاب یا قبول صیغۂ استفہام کے ذریعہ ہو، مثلاً ''أتبیعنی''؟ کیا تم مجھے فروخت کروگے؟ یا مضارع کے صیغہ سے ہو اور اس سے مراد استقبال ہو، مثلاً ''سأبیعک'' یا ''أبیعک غدا''۔

رہا صیغۂ امر مثلاً ''بعنی'' (مجھ سے فروخت کرو)، اگر دوسرا شخص جواب میں کہے: بعتک، تو یہ دوسرا لفظ ایجاب ہوگا، اور اول (بیع کا حکم دینے والے) کی طرف سے قبول کی ضرورت ہوگی، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اور یہی حنابلہ کے یہاں ایک روایت ہے، اور شافعیہ کے یہاں ''اظہر'' کے بالمقابل ہے[1]۔

جبکہ مالکیہ کا مذہب، شافعیہ کے یہاں ''اظہر'' اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ بیع، مشتری کے قول: "بعنی" اور بائع کے قول: "بعتک" سے منعقد ہوجائے گی، اس لئے کہ اس سے رضامندی معلوم ہوتی ہے، اور اول کی طرف سے قبول کی حاجت نہیں رہے گی[2]۔

شافعیہ نے کہا: اگر مشتری نے ماضی یا مضارع کے لفظ سے کہا: ''بعتني'' (تم نے مجھ سے بیچا)، یا "تبیعني" (تم مجھ سے بیچ رہے ہو)، اور بائع نے کہا: "بعتک" (میں نے تم سے بیچا) تو بیع منعقد نہ ہوگی، تا آنکہ اس کے بعد قبول ہو[3]۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ امر یا مضارع کے لفظ سے ایجاب صحیح ہے اگر عبارت میں ایجاب یا قبول ضمنی ہو مثلاً: ''خذ هذه السلعة بکذا'' (یہ سامان اتنے میں لے لو) تو دوسرے نے کہا: أخذتها (میں نے لے لیا)، اس لئے کہ لفظ (خذ) میں ضمنی طور پر ''بعتک فخذ'' (میں نے تم سے بیچا تو تم لے لو) ہے، اسی طرح مشتری کے ایجاب کرنے کے بعد بائع کا قول: "یبارک الله لک في السلعة" (اللہ تمہیں اس سامان میں برکت دے) ہے، اس لئے کہ اس میں بھی ضمنا "قبلت البیع" (میں نے بیع کو قبول کیا) کا معنی ہے، یہی مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، اور: ''اعتق عبدک عني بکذا'' (اپنے غلام کو میری جانب سے اتنے میں آزاد کردو) کے مثل جملوں میں شافعیہ کے نزدیک ایسا ہی حکم ہے،

(۱) شرح المجلہ للأتاسی ۲/ ۲۳، الاختیار ۲/ ۴، مغنی المحتاج ۲/ ۵، المغنی ۳/ ۵۶۱۔
(۲) منح الجلیل ۲/ ۴۶۲، مغنی المحتاج ۲/ ۵، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۰، المغنی ۳/ ۵۶۱۔
(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۵۔

اس لئے کہ اس میں بھی ضمناً: "بعنيه و أعتقه عني" (اس کو مجھ سے بیچ دو اور میری طرف سے آزاد کردو) کا مفہوم شامل ہے[۱]۔

۲۲- فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار مقصود پر دلالت کا ہے خواہ وضع لغوی کے اعتبار سے ہو یا عرف کے جاری ہونے سے ہو، دسوقی نے کہا: بیع اس چیز سے منعقد ہوجاتی ہے جو عرفاً رضامندی بتائے، خواہ لفظاً دلالت ہو یا نہ ہو، قول ہو یا تحریر، یا فریقین یا کسی ایک کی طرف سے اشارہ ہو۔

''کشاف القناع'' میں ہے: قولی صیغہ کسی معین لفظ مثلاً بعت اور اشتریت (میں نے بیچا، اور میں نے خریدا) میں منحصر نہیں، بلکہ وہ ہر ایسا لفظ ہے جو بیع کے معنی کو بتائے، اس لئے کہ شارع نے اس کو کسی معین صیغہ کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے، لہذا جو بھی اس کے معنی کو ادا کردے اس کو شامل ہوگا[۲]۔

۲۳- ایجاب وقبول کے درمیان توافق اس طرح سے ہوتا ہے کہ مشتری پوری مبیع کو پورے ثمن کے بدلہ قبول کرے، لہذا اگر وہ 'عین' کے بعض کو قبول کرے جس پر ایجاب ہوا ہے، یا اس کے علاوہ کسی اور 'عین' کو قبول کرے تو ایجاب وقبول میں توافق نہیں، اسی طرح اگر بعض ثمن کو قبول کرے (جس کے ذریعہ ایجاب ہوا ہے) یا کسی اور ثمن کے عوض کو قبول کرے تو دونوں میں توافق نہیں، الا یہ کہ ایجاب سے بہتر کی طرف قبول منتقل ہوجائے، مثلاً کسی شخص نے سامان ایک ہزار میں فروخت کیا، اور مشتری نے اس کو ایک ہزار پانچ سو میں قبول کرلیا، یا کسی شخص نے کوئی سامان ایک ہزار میں خریدا اور بائع نے آٹھ سو کے عوض اس کی بیع کو قبول کرلیا تو یہ ضمنی موافقت ہے، لیکن زیادتی لازم نہ ہوگی، الا یہ کہ فریق ثانی اس کو قبول کرلے۔

رہا ثمن میں کمی کرنا تو جائز ہے گو کہ بیع کے بعد ہو[۱]۔

اسی طرح توافق نہیں اگر سامان کو ایک ہزار میں فروخت کیا، اور دوسرے نے اس کو آدھا مثلاً پانچ سو میں قبول کرلیا، الا یہ کہ بائع اس کے بعد راضی ہوجائے، تو قبول، ایجاب ہوجائے گا، اور اس کے بعد بائع کی رضامندی، قبول ہوجائے گی۔

بعض شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بائع نے کہا: میں نے تمہیں اس کو ایک ہزار میں اور اس کا آدھا پانچ سو میں فروخت کیا اور اس نے آدھا قبول کرلیا تو جائز ہے، اور اسی سے اس صورت کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے جبکہ ثمن کے تناسب سے مبیع کی تقسیم سے بائع کی رضامندی کا قرینہ موجود ہو[۲]۔

لین دین سے بیع کا منعقد ہونا:

۲۴- لین دین یہ ہے کہ: عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کو وہ شی دے دے جس پر تبادلہ ہو رہا ہے، ایجاب وقبول نہ ہو، یا ایجاب ہو قبول نہ ہو، یا اس کے برعکس ہو، اور یہ دلالت حالیہ کی قبیل سے ہے، اور لین دین کے ذریعہ بیع قلیل وکثیر میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ (مثلاً متولی اور بغوی) کے نزدیک درست ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر فقہاء کا اختلاف ہے[۳]۔

اس میں تفصیل اور اختلاف ہے جس کا ذکر اصطلاح ''تعاطی'' میں آئے گا۔

---

(۱) شرح المجلہ ۲/ ۳۴، الدسوقی ۳/ ۳، قلیوبی ۲/ ۱۵۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۰۔

(۲) الدسوقی ۳/ ۳، کشاف القناع ۳/ ۱۴۶۔

(۱) شرح المجلہ للاتاسی ۲/ ۳۴، الشرح الصغیر ۲/ ۹ طبع الحلبی، حاشیۃ الفروق ۳/ ۲۹۰، نہایۃ شرح المنہاج ۲/ ۴۴، قلیوبی ۲/ ۱۵۴، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۰۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) شرح المجلہ ۲/ ۳۶، الدسوقی ۳/ ۳، مغنی المحتاج ۲/ ۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۱۔

تحریر اور پیغام کے ذریعہ بیع کا انعقاد:

۲۵- دو موجود اشخاص کے درمیان تحریر کے ذریعہ، یا ایک موجود شخص کی طرف سے لفظ اور دوسرے کی طرف سے تحریر کے ذریعہ عقد کرنا صحیح ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غائب کے پاس "بعتک داري بکذا" (میں نے تم سے اپنا گھر اتنے میں بیچا) جیسے الفاظ لکھ کر یا کسی قاصد کو بھیج کر بیع کا ایجاب کرے اور مشتری تحریر یا قاصد کے ذریعہ ایجاب پر مطلع ہو کر قبول کرے، تو عقد صحیح ہوگا اور بیع منعقد ہو جائے گی۔

شافعیہ نے قبول میں ''فوری ہونا'' کی شرط لگاتے ہوئے کہا: مکتوب الیہ یا مرسل الیہ کے لئے خیار کی مجلس دراز ہوتی ہے، جب تک وہ اپنی مجلس قبول میں ہو، اور کاتب کے لئے مجلس کا اعتبار نہیں، کو کہ مکتوب الیہ کے قبول کرنے کے بعد ہو، بلکہ اس کا خیار مکتوب الیہ کے خیار کے باقی رہنے تک برقرار رہتا ہے، اسی طرح انہوں نے کہا: قبول کے بعد فوراً خط یا قاصد کو بھیجنا شرط نہیں۔

غیر شافعیہ نے قبول میں ''فوری ہونے'' کی شرط نہیں لگائی ہے، بلکہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ یہاں پر ایجاب وقبول کے درمیان تاخیر مضر نہیں، اس لئے کہ مشتری کی عدم موجودگی کے ساتھ تاخیر ایجاب سے اس کے اعراض کرنے کی دلیل نہیں [1]۔

گونگے وغیرہ کی طرف سے اشارہ کے ذریعہ بیع کا انعقاد:

۲۶- گونگے کے اشارہ سے بیع کا انعقاد ہو جاتا ہے اگر اشارہ قابل فہم ہو، گو کہ گونگا تحریر پر قادر ہو، حنفیہ کے یہاں معتمد یہی ہے، اس لئے کہ اشارہ اور تحریر دونوں حجت ہیں۔

رہا نا قابل فہم اشارہ تو وہ غیر معتبر ہے۔

گویائی رکھنے والے شخص کی طرف سے اشارہ جمہور کے نزدیک مقبول نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک قابل فہم اشارہ سے بیع کا انعقاد ہو جاتا ہے گو کہ بولنے کی قدرت موجود ہو۔

رہا وہ شخص جس کی زبان بند ہوگئی یعنی اس پر گونگا پن طاری ہوگیا ہو تو اس کے بارے میں اختلاف وتفصیل ہے [1]، جس کو اصطلاح ''اعتقال اللسان'' میں دیکھا جائے۔

شرائط بیع:

۲۷- شرائط بیع کی تحدید میں فقہاء کا طریقہ الگ الگ ہے، بعض نے ان کو بذات خود بیع کی صحت کی شرط قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے مبیع کی شرائط کے ذکر کرنے پھر ثمن میں ان شرائط کے امکان تصور کے لحاظ سے، مبیع کی تمام یا بعض شرائط میں ثمن کو لاحق کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

ان میں سے اکثر شرائط میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ ان شرائط کے لئے ان کی تعبیرات کا مقصود قریب قریب ہے۔

کچھ شرائط ایسی ہیں جن کو بعض مذاہب نے انفرادی طور پر ذکر کیا ہے، دوسروں نے ذکر نہیں کیا ہے، ہر چند کہ حنفیہ شرائط انعقاد اور شرائط صحت کے درمیان فرق کرتے ہیں، پھر بھی وہ شروط انعقاد کو شروط صحت مانتے ہیں، اس لئے کہ جس کا انعقاد نہ ہو وہ غیر صحیح ہے، اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

ذیل میں جمہور کے طریقہ پر ان شرائط کا بیان ہے، نیز ان میں سے حنفیہ نے جن کو شرط انعقاد مانا ہے اس کی طرف بھی اشارہ

---

(۱) شرح المجلہ ۲/ ۳۴، الخرشی ۵/ ۵، الحطاب ۴/ ۲۴۱، القلیوبی ۲/ ۱۵۴، کشاف القناع ۳/ ۱۴۸۔

(۱) شرح المجلہ ۲/ ۳۵، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۵۷، القلیوبی ۲/ ۱۵۵۔

کردیا جائے گا [۱]۔

شروطِ مبیع:

مبیع کی شرائط یہ ہیں:

عقد کے وقت مبیع کا موجود ہونا:

۲۸ - لہذا معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک شرطِ انعقاد ہے۔

بیع معدوم کی مثالوں میں یہ ہے: پھل آنے سے قبل اس کی بیع، مضامین (جو آئندہ نر کے نطفہ سے وجود میں آئے گا) کی بیع، اور ملاقیح (پیٹ کے جنین) کی بیع، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضامين والملاقيح وحبل الحبلة**" [۲] (رسول اللہ ﷺ نے مضامین، ملاقیح، اور حبل الحبلہ کی بیع سے منع کیا ہے)، نیز اس لئے کہ اس میں غرر (دھوکہ) اور جہالت ہے، نیز حدیث میں ہے: "**نهى عن بيع الغرر**" [۳] (بیع غرر سے منع کیا ہے)۔

بیع سلم کے مستثنیٰ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ وہ صحیح ہے اگر چہ وہ معدوم کی بیع ہے، اور اس کی دلیل اس کے متعلق وارد نصوص ہیں، مثلاً: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم**" [۴] (رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کے فروخت کرنے سے ممانعت کی جو انسان کے پاس نہیں ہے، اور سلم میں اس کی رخصت دی ہے)۔

مبیع کا مال ہونا:

۲۹ - مالکیہ وشافعیہ نے اس شرط کو لفظ نفع یا انتفاع سے تعبیر کیا ہے، پھر انہوں نے کہا: جس میں نفع نہیں وہ مال نہیں، لہذا اس کے ذریعہ تبادلہ جائز نہیں ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک شرطِ انعقاد ہے۔

مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو، اور اس کو خرچ کیا جائے اور روک لیا جائے، لہذا جو مال نہ ہو وہ کسی عوض کے ذریعہ تبادلہ کا محل نہیں، اور مالیت کے اعتبار سے معیار شریعت ہے، لہذا مردار اور جاری خون مال نہیں ہیں [۱]۔

مبیع کا عقد کرنے والے کی ملکیت ہونا:

۳۰ - یہ اس صورت میں ہے کہ بذاتِ خود فروخت کر رہا ہو، حنفیہ نے اس شرط کو شرطِ انعقاد مانا ہے، اور اس کی دو قسمیں کی ہیں:

اول: یہ کہ مبیع ذاتی طور پر مملوک ہو، لہذا گھاس کی بیع منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ مباحات میں سے ہے، مملوک نہیں، کیونکہ زمین اس کی مملوک ہو۔

دوم: مبیع بائع کی ملکیت ہو، یہ اس صورت میں ہے جبکہ بذات خود فروخت کرے، لہذا غیر مملوک کی بیع منعقد نہ ہوگی، کیونکہ بعد میں اس کا مالک بن جائے، البتہ سلم، ضمان دینے کے بعد مغصوب، اور وکالت یا شرعی نیابت مثلاً ولی، وصی اور قیم (نگراں) کے ذریعہ مبیع

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳، شرح المجلہ: دفعہ (۲۰۵)، (۲۰۸)۔

(۲) حدیث: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضامين......" کی روایت عبدالرزاق نے اپنے مصنف (۸/ ۲۱ طبع المجلس العلمی) میں حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے اور ابن حجر نے تلخیص الحبیر (۳/ ۱۲ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ) میں اس کی سند کو قوی کہا ہے۔

(۳) حدیث: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۴) فتح القدیر ۱/ ۵۰، الدسوقی ۳/ ۱۵۷، ۱۵۸، المغنی والشرح الکبیر ۴/ ۲۷۶،

= القلیوبی ۲/ ۱۷۵، ۱۷۶۔

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۰۰، البدائع ۵/ ۱۴۹، الدسوقی ۳/ ۱۰، القلیوبی ۲/ ۱۵۷، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۲۔

اس سے مستثنیٰ ہے[1]۔

غیر مملوک کی بیع کے عدم جواز کے لئے حکیم بن حزامؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے: "لا تبع ما ليس عندک"[2] (اس چیز کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں)۔ اور فضولی کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے، اس کو اصطلاح ''بیع فضولی'' میں دیکھا جائے۔

مبیع کا مقدور التسلیم ہونا:

۳۱- یہ حنفیہ کے نزدیک شرط انعقاد ہے، لہذا ابد کے ہوئے اونٹ کی بیع، فضا میں موجود پرندہ کی بیع، اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع صحیح نہیں[3]، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع کیا ہے[4]۔

مبیع کا عاقدین میں سے ہر ایک کے لئے معلوم ہونا:

۳۲- یہ شرط حنفیہ کے نزدیک شرط صحت ہے، شرط انعقاد نہیں، لہذا اگر یہ شرط موجود نہ ہو تو عقد باطل نہ ہوگا، بلکہ فاسد ہو جائے گا۔

علم ہر ایسی چیز سے حاصل ہو جاتا ہے جو مبیع کو دوسرے سے ممتاز کردے اور مانع نزاع ہو، لہذا ایسے مجہول کی بیع جس کی جہالت

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۰۶، البدائع ۵/ ۱۴۶، الفروق للقرافی ۳/ ۲۴۰، القلیوبی ۲/ ۱۶۰، کشاف القناع ۳/ ۱۶۰۔

(۲) حدیث: "لا تبع ما ليس عندک" کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/ ۴۳۰) نے کی ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۶، الدسوقی ۳/ ۱۱، ۱۲، الفروق ۳/ ۲۴۰، ہامش الفروق ۳/ ۲۳۸، ۲۷۱، القلیوبی ۲/ ۱۵۸، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۵۔

(۴) حدیث: "نهى النبي ﷺ عن بيع الغرر" کی تخریج فقرہ/ ۲۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

باعث نزاع ہو صحیح نہیں، مثلاً ریوڑ میں سے ایک بکری کی بیع[1]۔

علاوہ ازیں مالکیہ و شافعیہ نے شرائط بیع میں اس شرط کا اضافہ کیا کہ عین مبیع طاہر ہو۔

اسی طرح مالکیہ نے دو اور شرائط کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں: یہ کہ بیع بیوع منہی عنہا میں سے نہ ہو، اور یہ کہ بیع حرام نہ ہو[2]۔

یہ شرائط، سابقہ شرائط کے تحت آجاتی ہیں۔

ان شرائط کے ذریعہ جن چیزوں سے احتراز کیا گیا ہے ان کی تفصیل نیز ہر ہر شرط کے فقدان پر مرتب ہونے والے نتائج کی تفصیل اصطلاح ''بیع منہی عنہ'' میں دیکھی جائے، نیز ہر ہر نوع کی بیع اس کے اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

مبیع، اس کے احکام اور احوال

اول: تعیین مبیع:

۳۳- مبیع کی معرفت کے لئے ضروری ہے کہ مشتری کو اس کی جنس، نوع اور مقدار معلوم ہو، جنس: جیسے گیہوں ہے، نوع: مثلاً یہ کہ معروف شہر کی پیداوار ہو، اور مقدار، ناپ یا وزن وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہو[3]۔

مبیع کی تعیین اس کی معرفت سے زائد ایک امر ہے، اس لئے کہ تعیین اس کی ذات و مقدار کے علم کے بعد ماسوا سے اس کی تمیز کے ذریعہ ہوگی، اور یہ تمیز نفس عقد میں اس کی طرف اشارہ کے ذریعہ

(۱) ابن عابدین ۴/ ۶، الدسوقی ۳/ ۱۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۶، القلیوبی ۲/ ۱۶۱۔

(۲) منح الجلیل ۲/ ۴۷۵، ۴۸۵، جواہر الاکلیل ۲/ ۴، ۶، مغنی المحتاج ۲/ ۱۱، القلیوبی ۲/ ۱۵۷۔

(۳) شرح المجلہ: دفعہ (۲۰۴)، منح الجلیل ۲/ ۴۸۶، الشرح الصغیر ۲/ ۶ طبع الحلبی، القلیوبی ۲/ ۱۶۱، کشاف القناع ۳/ ۱۶۳، المجموع شرح المہذب ۹/ ۲۷۵، ۲۷۶۔

حاصل ہوگی جبکہ وہ مجلس میں موجود ہو اور اس صورت میں وہ معین ہوجائے گی، اور بائع کو یہ حق نہ ہوگا کہ مشتری کو اسی جنس کی کوئی اور چیز اس کی رضا مندی کے بغیر دے، اور اشارہ تعریف کی اعلی ترین صورت ہے [1]۔

یا یہ کہ عقد میں مبیع کی تعیین نہیں کی گئی ہوگی، یعنی یہ کہ مبیع غائب ہو اس کا وصف بیان کردیا گیا ہو، یا مجلس میں موجود ڈھیر میں سے ایک مقدار ہو تو اس صورت میں تعیین حوالگی ہی کے ذریعہ ہوگی۔

یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، اور شافعیہ کے یہاں ''اظہر'' کے بالمقابل بھی یہی ہے، جبکہ ان کے نزدیک ''اظہر'' یہ ہے کہ غائب کی بیع صحیح نہیں ہے [2]۔

غیر متعین مبیع کی قبیل سے مشترک کے طور پر ایک حصہ کو فروخت کرنا ہے، خواہ وہ حصہ جائیداد میں سے ہو یا منقولہ سامان میں سے، خواہ وہ مشترک شی قابل تقسیم ہو یا نا قابل تقسیم ہو، کیونکہ اشتراک کے ساتھ تعیین بغیر تقسیم اور حوالگی کے نہیں ہوتی [3]۔

مبیع کی تعیین سے متعلق چند چیزوں میں سے ایک چیز کی بیع ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مشتری کو خیار تعیین حاصل ہوگا، یعنی ان میں سے کس کو خریدے گا اس کی تعیین کرے، اور اس طرح اس کے لئے امکان ہوگا کہ اپنے لئے جس کو زیادہ مناسب سمجھے منتخب کرلے، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو خیار تعیین کے قائل ہیں۔

اس بیع کے جواز، اس کی شرائط، اور اس خیار پر مرتب ہونے والے اثر کے بارے میں تفصیلات ہیں [1] جن کو اصطلاح ''خیار تعیین'' میں دیکھا جائے۔

دوم: مبیع کی معرفت اور اس کی تعیین کا وسیلہ:

۳۴- اگر مبیع مجلس سے غائب ہو اور مبیع کی معرفت اس کے مشاہدہ یا اس کی طرف اشارہ کے ذریعہ نہ ہوسکے جیسا کہ گذرا تو یہ معرفت اس وصف کے ذریعہ ہوگی جو اس کو دوسرے سے ممتاز کردے، نیز اس کی مقدار کا بیان ہو، اور اگر عقار ہو تو اس کی حدود کا بیان ضروری ہے، اس لئے کہ عقار کی جہت اور موقع کے مختلف ہونے سے اس کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے، اور اگر مکیلات یا موزونات یا مذروعات (پیائش والی چیز) یا معدودات (شمار کی جانے والی چیز) میں سے ہو تو اس کی معرفت اس مقدار کے ذریعہ ہوگی جو فروخت ہورہی ہے [2]۔ اس میں کچھ تفصیلات ہیں جن کا بیان جلد آرہا ہے۔

اٹکل سے خرید وفروخت کرنا صحیح ہے، اور وہ یا تو غلہ کے سارے ڈھیر پر ثمن کو مجمل رکھ کر ہوگی تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، البتہ اس میں بیع جزاف کے بارے میں مالکیہ کی ذکر کردہ شرائط کی رعایت ہوگی۔

یا ثمن کی تفصیل کے ذریعہ ہوگی مثلاً: ہر صاع اتنے میں ہے، تو یہ بیع مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اور ابو یوسف ومحمد کے نزدیک صحیح ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ نے کہا: ایک قفیز میں صحیح ہے، اور بقیہ میں باطل ہوگی، اس لئے کہ وہ مجموعہ مجہول ہے جس پر عقد ہوا ہے۔

شافعیہ نے کہا: اگر غلہ کے ڈھیر کی مقدار بیان کردی ہو مثلاً اس نے کہا: میں نے تمہیں غلہ کا یہ ڈھیر ایک صاع ایک درہم کے حساب

---

(۱) شرح المجلہ: دفعہ (۲۰۲)، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۲۱، البحیہ شرح التحفہ ۲/ ۴۳، القلیوبی ۲/ ۱۶۳، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۶۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۰۱)، جواہر الإکلیل ۲/ ۷، ۹، کشاف القناع ۳/ ۱۶۳، ۱۶۸، المغنی ۴/ ۱۴۳، مغنی المحتاج ۲/ ۱۶، ۱۸۔

(۳) شرح المجلہ: دفعہ (۲۲۰)، اسہل المدارک ۲/ ۲۸۱، خبایا الزوایا: مسئلہ ۱۸۰، رص ۱۹۹، مغنی المحتاج ۲/ ۱۶، قلیوبی ۲/ ۱۶۱، کشاف القناع ۳/ ۱۷۰۔

(۱) الہدایہ ۳/ ۳۰، ۳۱، جواہر الإکلیل ۲/ ۳۹، کشاف القناع ۳/ ۲۰۵۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۲۰)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۸، الحطاب ۴/ ۲۹۶، البحیہ ۲/ ۱۹، کشاف القناع ۳/ ۱۶۳، مغنی المحتاج ۲/ ۱۸۔

سے فروخت کیا، اور یہ ڈھیر ایک سو صاع کا ہے، اگر سو صاع نکلتا ہے تو بیع صحیح ہے، اس لئے کہ اجمال وتفصیل میں توافق ہے، اور اگر سو صاع نہ نکلے مثلاً اس سے کم یا زیادہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ اجمالی ثمن اور تفصیلی ثمن میں تطبیق محال ہے، جبکہ دوسرا قول ہے کہ بیع صحیح ہے [1]۔

کیلی چیز کی بیع وزن کے ذریعہ اور اس کے برعکس جائز ہے، یہ حکم فی الجملہ غیر ربوی اشیاء میں ہے یعنی جس میں تفاضل اور کمی بیشی حرام نہیں، اس لئے کہ ربوی اشیاء میں اس کی صراحت آئی ہے۔

خصوصی مکیال یا میزان سے بیع جائز ہے مثلاً فریقین کے لئے معین پتھر، گو کہ دوسرے لوگوں میں اس کا عرف نہ ہو۔

غیر منضبط مکیال (یعنی وہ پیمانہ جو پھیلتا اور سکڑتا ہو) اس کے ذریعہ بیع ناجائز ہے، البتہ پانی کی بیع مشکیزہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہوکر استحساناً جائز ہے، اس لئے کہ اس کا عرف ورواج ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں [2]۔

سوم: مبیع کی شمولیت:
ملحقات مبیع:

۳۵ - بیع، عین اور اس کے منافع کی ہوتی ہے، اسی وجہ سے بسا اوقات اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مبیع میں وہ چیز داخل ہو جس کا اس سے تعلق ہے تاکہ مقصود منفعت کی تحصیل ہو، یا عرف کا تقاضا ہو کہ مبیع ان اشیاء کو شامل ہو جو اس میں داخل ہیں گو کہ عقد میں اس کی صراحت نہ کی گئی ہو، اسی طرح وہ اس سے استثناء کئے بغیر جدا نہیں ہوتیں۔

حنفیہ کے نزدیک مبیع میں حسب ذیل اشیاء داخل ہوتی ہیں:

الف: وہ چیزیں جو مبیع کے نام کے تحت آتی ہیں، اس طور پر کہ وہ ان کا ایک جز ہو، پس مثلاً گھر کی بیع میں اس کے کمرے داخل ہوں گے، اور الماری کی بیع میں اس کے خانے داخل ہوں گے۔

ب: وہ چیز جس کا مبیع سے علاحدہ ہونا عقد کی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ناممکن ہو، لہذا تالے کی بیع میں کنجی داخل ہوگی۔

ج: جو مبیع سے پائیداری کے ساتھ متصل ہو بایں طور کہ وہ دائمی طور پر وابستہ ہو مثلاً گھر کی بیع میں دروازے اور حوض داخل ہوں گے۔

د: جس کو مبیع کے ساتھ تابع ہوکر فروخت کرنے کا عرف ہو، مثلاً اونٹ کے ساتھ اس کی نکیل [1]۔

اصل یہ ہے کہ یہ سارے امور عرف سے وابستہ ہیں، اور عرف ملکوں کا الگ الگ ہوتا ہے، لہذا جس ملک میں جس چیز کے تابع ہوکر بیع میں داخل ہونے کا عرف ہو، وہ وہاں بیع میں داخل ہوگی، گو کہ دوسرے ملک میں یہ عرف نہ ہو [2]۔

اسی وجہ سے ابن عابدین مکان کی بیع کے بارے میں "الذخیرہ" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: اصل یہ ہے کہ جو چیز گھر کی تعمیر اور اس سے متصل نہیں وہ بیع میں داخل نہیں ہوگی، الا یہ کہ عرف جاری ہو کہ بائع اس کو مشتری سے نہیں روکتا، لہذا کنجی استحساناً داخل

(۱) شرح المجلہ: دفعہ (۲۲۰)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۸، منح الجلیل ۲/ ۵۰۵، الشرح الصغیر ۲/ ۱۰، ۱۱ طبع الحلبی، مغنی المحتاج ۲/ ۱۷، ۱۸، نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۹۹، ۴۰۰، المغنی ۴/ ۲۱۴، کشاف القناع ۳/ ۱۶۸۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۱۸)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۷، الشرح الصغیر ۲/ ۱۲، منح الجلیل ۲/ ۴۹۷، الحطاب ۴/ ۲۸۰، شرح الروض ۲/ ۱۲۹، خبایا الزوایا رص ۲۰۷، المغنی ۴/ ۳۱۸، کشاف القناع ۳/ ۱۷۳۔

(۱) شرح المجلہ: دفعات (۲۱۹، ۲۳۰، ۲۳۶)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳۳، ۳۴، نیز ابن عابدین کا رسالہ "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" (مجموعہ رسائل ابن عابدین)۔

(۲) الفروق ۳/ ۲۸۳، مغنی المحتاج ۲/ ۸۰، ۸۶، المہذب ۱/ ۲۸۵، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۶، ۲۰۹۔

ہوگی، قیاساً نہیں، کیونکہ وہ متصل نہیں، البتہ عرف کے تقاضہ سے ہم اس کے داخل ہونے کے قائل ہیں، پھر ابن عابدین نے کہا: اس کا تقاضہ یہ ہے کہ گھر کا شرب (پانی کا راستہ) ہمارے دیار (دمشق) میں عرف کی وجہ سے داخل ہوگا، بلکہ یہ قاہرہ شہر کے عرف میں علاحدہ سیڑھی کے شامل ہونے سے اولی ہے، اس لئے کہ دمشق میں اگر گھر کے لئے جاری پانی ہو اور پھر کلی طور پر رک جائے تو گھر سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، نیز اگر مشتری کو معلوم ہو کہ عقد بیع کے ذریعہ وہ گھر کے ''شرب'' کا مستحق نہ ہوگا تو اس گھر کے مقابلہ میں جس میں پانی کا حصہ داخل ہو، اس گھر کو نہایت کم قیمت پر ہی خریدنے پر راضی ہوگا[1]۔

قرافی قاعدہ: ''مایتبع العقد عرفاً'' (جو عرفاً عقد کے تابع ہو)، اور قاعدہ: ''ما لا یتبعه'' (جو تابع نہیں) کے درمیان فرق کے تحت (اس سلسلہ کے ابواب ذکر کرنے کے بعد) کہتے ہیں: یہ ابواب جن کو میں نے شمار کرایا ہے، یہ عادات واعراف پر مبنی ہیں، البتہ اس سے ''تأبیر شدہ پھلوں'' کا مسئلہ الگ ہے، اس وجہ سے کہ اس کا ماخذ نص وقیاس ہے، اس کے علاوہ دوسرے مسائل کا ماخذ عرف وعادت ہے، تو جب عادت بدل جائے یا ختم ہوجائے تو یہ فتاوے بھی ختم ہوجائیں گے، اور یہ فتاوے صادر کرنا حرام ہوگا کیونکہ ان کا ماخذ باقی نہ رہا، لہذا اس پر غور کرلینا چاہئے، بلکہ فتوی ان عادات کے تابع ہوگا جیسے جیسے وہ بدلتی جائیں، جیسا کہ نقود ہر دور اور وقت کے تابع ہوتے ہیں، اور جس چیز کی بھی عقد میں صراحت کردی گئی ہو اور لغت اس کی متقاضی ہو، تو یہی وہ چیز ہے جو عادات کے بدلنے سے نہیں بدلتی، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عرف کا تقاضا ہے[2]۔

مبیع کے ان اشیاء کو شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مبیع کے ساتھ اسی ثمن سے داخل ہوں گی، ثمن میں ان کا حصہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ ضابطہ ہے کہ جو چیز مبیع میں تبعاً داخل ہوتی ہے ثمن میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا[1]۔

یہی اعتبار (حنفیہ کے نزدیک) اس چیز کا بھی ہے جو مبیع کے تعلق سے وصف ہو، اگر وہ وصف عقد کے بعد اور قبضہ سے قبل تلف ہوجائے تو مشتری کو یہ حق نہیں کہ اس کے مقابلہ میں ثمن میں سے کچھ ساقط کردے، بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ عقد پر قائم رہے یا اس کو فسخ کردے، اور یہ وصف فوت ہونے کے خیار کی قبیل سے ہے، یہ مسئلہ اس صورت کے خلاف ہے کہ ذات مبیع میں سے (توابع میں سے نہیں) کوئی چیز ہلاک ہوجائے، تو اس کی وجہ سے مشتری اس کے حصہ کا ثمن ساقط کرسکتا ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر اس نے کہا: میں نے تمہیں یہ گھر فروخت کردیا، تو اس میں اس سے متصل اشیاء مثلاً دیوار میں ٹھونکے گئے تختے، مٹکے اور اس میں گڑے ہوئے ٹب، اور ہر وہ چیز جو اس کی مصلحت میں دائمی طور پر اس سے متصل ہے داخل ہوگی، اور حنابلہ کے نزدیک علاحدہ چیز داخل نہ ہوگی، شافعیہ کے یہاں ایک رائے بھی یہی ہے، لہذا اس میں چکی کا نچلا پتھر اگر متصل ہو داخل ہوگا، اور اوپری پتھر داخل نہ ہوگا، اسی طرح ڈول، رسی، چرخی اور کنجی جیسی چیزیں داخل نہ ہوں گی[2]۔

مبیع سے استثناء:

۳۶- مبیع سے استثناء کا حکم نص اور ضابطہ پر مبنی ہے، اور وہ ضابطہ نص

---

(۱) ابن عابدین ۴/ ۳۴۔

(۲) الفروق للقرافی ۳/ ۲۸۸ (فرق نمبر ۱۹۹)۔

(۱) شرح المجلۃ: دفعہ (۲۳۴)۔

(۲) المہذب ۱/ ۲۸۵، المجموع ۱۱/ ۲۶۸، کشاف القناع ۳/ ۲۷۵۔

پر مبنی ہے، تاہم فقہاء کا اس پر مبنی بعض مسائل میں اتفاق اور بعض مسائل میں اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی وجہ، توجیہ میں اختلاف ہے جس کی تشریح یہ ہے:

جہاں تک نص کا تعلق ہے تو بخاری کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن الثنيا إلا أن تعلم"(1) (نبی کریم ﷺ نے استثناء کرنے سے منع کیا الا یہ کہ وہ معلوم ہو)۔

ضابطہ: ہر وہ چیز جس کو انفرادی طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے اس کا استثناء کرنا بھی جائز ہے، اور جس کو انفرادی طور پر فروخت نہیں کیا جاسکتا اس کا استثناء کرنا بھی ناجائز ہے۔

مستثنیٰ کا معلوم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اگر وہ مجہول ہو تو بقیہ کو بھی مجہول کردے گا، لہذا بیع صحیح نہیں ہوگی۔

لہذا جانور کی بیع سے حمل کا استثناء کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کو انفرادی طور پر فروخت نہیں کرسکتے، تو اس کا استثناء بھی جائز نہیں ہوگا، یہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے، البتہ امام احمد سے حمل کے استثناء کی صحت منقول ہے، اور یہی حضرت حسن نخعی، اسحاق اور ابوثور کا قول ہے۔ اس کی دلیل نافع کی روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے ایک باندی فروخت کی، اور اس کے حمل کو مستثنیٰ کردیا، نیز اس لئے کہ آزادی میں اس کا استثناء کرنا صحیح ہے، لہذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے بیع میں بھی اس کا استثناء کرنا درست ہوگا۔

اسی طرح کسی بھی مجہول شی کا استثناء کرنا ناجائز ہے، مثلاً بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک غیر معین بکری کا استثناء۔

باغ کی بیع میں کسی غیر معین درخت یا نخل کا استثناء کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ معلوم میں سے مجہول کا استثناء کرنا معلوم کو بھی مجہول بنادے گا، لیکن اگر مستثنیٰ کو معین کردیا جائے تو بیع و استثناء صحیح ہیں، یہ جمہور کے نزدیک ہے۔

امام مالک کے نزدیک چند کھجور کے درخت یا چند درختوں کا استثناء کرنا جائز ہے اگرچہ وہ معین نہ ہوں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان کا انتخاب کرلے گا، اگر ان کا پھل بقدر ثلث یا اس سے کم ہو، اور باغ کے پھل ایک نوع کے ہوں، کیوں کہ اس صورت میں "غرر" ہلکا ہے۔

پھل کی بیع میں معین مقدار کا استثناء کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے استثناء سے منع کیا ہے، نیز اس لئے کہ استثناء کے بعد باقی ماندہ حصہ مجہول ہے، یہ سعید بن مسیب، شافعی، اوزاعی، اسحاق اور ابوثور سے مروی ہے، ابوالخطاب کے علاوہ حنابلہ کا یہی قول ہے، اور یہی حسن کی روایت اور حنفیہ میں سے طحاوی کا قول ہے۔

امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے اگر ایک تہائی یا اس سے کم ہو، حنفیہ کے نزدیک جواز ہی ظاہر الروایہ ہے، اور یہی ابن سیرین، سالم بن عبداللہ، اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کا قول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے معلوم کا استثناء کیا ہے۔

غیر معین حصے مثلاً چوتھائی اور تہائی کا استثناء جائز ہے، اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ میں جہالت پیدا نہ ہوگی، لہذا یہ صحیح ہے جیسا کہ اگر کسی معین درخت کو خرید لے۔

حنابلہ میں سے ابوبکر اور ابن ابوموسیٰ نے کہا کہ یہ ناجائز ہے۔

حنابلہ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کی بیع، اس کے سر، کھال، اطراف اور سواقط (جانور کے جسم کے وہ اجزاء جن کو عام طور پر پھینک دیا جاتا ہے) کے استثناء کے ساتھ جائز ہے۔ امام مالک نے اس کو صرف سفر میں جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ سفر میں ان اجزاء کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جو پھینک دیئے جاتے ہیں، امام مالک نے اس کو حضر میں مکروہ کہا ہے، نیز اس لئے کہ مسافر کے لئے کھال اور سواقط سے

(1) حدیث: "نهى رسول الله ﷺ عن الثنيا إلا أن تعلم" کی روایت مسلم (۱۱۷۵/۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

فائدہ اٹھانے کا امکان نہیں، اس کے استثناء کے جواز کی دلیل یہ ہے: ''أن النبي ﷺ نهى عن الثنيا إلا أن تعلم'' (نبی ﷺ نے استثناء سے منع کیا مگر یہ کہ معلوم ہو) اور یہ معلوم ہیں۔

روایت میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور عامر بن فُہیرہ تھے تو ان کا گزر ایک بکریاں چرانے والے پر ہوا، حضرت ابوبکر اور عامر اس کے پاس گئے، اور اس سے ایک بکری خریدی، اور اس کے لئے اس کے سلب (یعنی اس کی کھال، پائے اور شکم) کی شرط لگائی''[1]، یہ حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

فقہاء کے یہاں مختلف فیہ استثناء میں سے وہ بھی ہے جس کو بعض فقہاء نے شرط صحیح کہا ہے، اور اس کو اور بیع کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ دوسرے فقہاء نے اس کو شرط فاسد بتایا ہے، اور اس کو باطل قرار دیا ہے، اور بیع کو بھی باطل کہا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص گھر فروخت کرے، اور مثلاً اس میں ایک ماہ کی رہائش کا استثناء کرے تو مالکیہ وحنابلہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال حضرت جابر کی اس روایت سے ہے: ''باع النبي ﷺ جملاً، واشترط ظهره إلى المدينة'' (نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹ فروخت کیا، اور مدینہ تک اس کی سواری کی شرط لگائی)، ایک روایت میں ہے کہ یہ لفظ آپ نے فرمایا: ''بعته واستثنيت حملانه إلى أهلي''[2] (میں نے اس کو فروخت کردیا، اور اپنے گھر تک اس کی سواری کا استثناء کیا)۔

حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، شرط اور بیع دونوں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ شرط غیر ملائم (غیر مناسب) ہے[1]۔

بیع اصول:

۳۷- اصول، اصل کی جمع ہے، اور اصل وہ ہے جس پر دوسری چیز مبنی ہو، یہاں پر اصول سے مراد وہ ہے جس کو نووی نے اپنی کتاب ''تحریر'' میں اپنے اس قول سے تعبیر کیا کہ اصول: درخت اور زمین ہیں[2]۔

''شرح منتہی الارادات'' میں ہے: یہاں اصول سے مراد زمین، گھر اور باغات ہیں[3]۔

فقہاء کے یہاں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ''بیع اصول'' کے عنوان سے ایک الگ فصل قائم کرتے ہیں اور اس میں ان چیزوں کو ذکر کرتے ہیں جو بیع میں ان اصول کے تابع ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

۳۸- زمین کی بیع: جس نے زمین فروخت کی، تو زمین میں پودے اور تعمیر داخل ہوں گے، اس لئے کہ یہ زمین سے پائیدار طور پر متصل ہیں، اور یہ زمین کے حقوق میں سے ہیں، یہ تمام مذاہب کا حکم ہے، البتہ شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اگر مطلق رکھا اور یہ نہیں کہا کہ اس کے حقوق کے ساتھ، تو تعمیر اور درخت داخل نہ ہوں گے، لیکن شافعیہ کے یہاں مذہب یہی ہے کہ مطلق رکھنے کے وقت وہ

(۱) حدیث: ''أن النبي ﷺ لما هاجر إلى المدينة و معه أبو بكر و عامر بن فهيرة مروا براعي غنم.....'' کو صاحب کشاف القناع (۱۷۱/۳ طبع الریاض) نے ابوالخطاب سے منسوب کیا ہے۔

(۲) جانوروں کی سواری کی شرط کے بارے میں حضرت جابرؓ کی حدیث کی روایت بخاری (الفتح ۳۱۴/۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۲۲۱/۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) ابن عابدین ۴۱/۴، ۴۳، الہدایہ ۲۵/۳، ۲۶، جواہر الاکلیل ۷/۲، البہجہ شرح التحفہ ۳/۲، الفواکہ الدوانی ۲۳۸/۲، نہایۃ المحتاج ۴۳۵/۳، شرح روض الطالب ۱۵/۲، ۱۷، المہذب ۱/۲۷۶، حاشیۃ الجمل ۸۳/۳، المغنی ۱۱۳/۴ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منتہی الارادات ۱۴۸/۲۔

(۲) اسنی المطالب ۹۵/۲۔

(۳) شرح منتہی الارادات ۲۰۶/۲۔

داخل ہیں۔ اسی طرح شافعیہ نے کہا ہے کہ جو درخت زمین کے تابع ہوگا اس سے مراد ہرا بھرا درخت ہے۔ خشک درخت اس میں داخل نہ ہوگا، جیسا کہ ابن رفعہ اور سبکی نے صراحت کی ہے کہ فقہ کا تقاضا یہی ہے، جبکہ اسنوی نے کہا کہ قطعاً داخل نہیں ہوگا۔

اسی طرح زمین کی بیع میں وہ پتھر بھی داخل ہوگا جو زمین میں پیدا ہوا اور اس میں گڑا ہوا ہے، اس لئے کہ وہ اس کا جز ہے، برخلاف مدفون شئی جیسے خزانہ کے کہ وہ بیع میں داخل نہ ہوگا، بلکہ وہ بائع کا ہوگا، لیکن قرافی نے کہا: مدفون پتھر صرف اس قول کی بنیاد پر داخل ہوگا کہ جو شخص زمین کے ظاہر کا مالک ہے اس کے باطن کا بھی مالک ہے۔

اگر زمین میں ایسی کھیتی ہو جس کو بار بار کاٹا جاتا ہو تو اصول (جڑیں) خریدار کی ہوں گی، اور بیع کے وقت ہونے والی کٹائی بائع کی ہوگی [1]۔

۳۹ - جس نے گھر بیچا تو بیع میں اس کی تعمیر، اس کا صحن، اس میں موجود لگا ہوا درخت، اور اس کے مفاد کے لئے متصل چیزیں مثلاً سیڑھیاں، کیل لگے ہوئے تختے، دروازے، اور گڑی ہوئی چکی داخل ہوں گی، لیکن اس میں دفن شدہ خزانہ اور اس سے جدا چیزیں مثلاً رسی اور ڈول، اور منقولہ اشیاء مثلاً پتھر اور لکڑی داخل نہ ہوں گی۔ رہا لگا ہوا تالا تو اس کی کنجی حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک جیسا کہ گذرا، داخل ہوگی، شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہی ہے [2]۔

۴۰ - درخت کی بیع میں شاخیں، پتے، اور درخت کے جملہ اجزاء، اس کے تابع ہوں گے، اس لئے کہ یہ سب اس کے اجزاء ہیں، اور اسی کے مفاد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ رہی وہ زمین جو درخت کے اگنے کی جگہ ہے تو وہ بھی اس کی بیع میں مالکیہ کے نزدیک اور حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق داخل ہوگی اگر درخت کو برقرار رکھنے کے لئے خریدا ہو، جبکہ حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ داخل نہ ہوگی، اس لئے کہ درخت کے نام میں وہ شامل نہیں، اور نہ ہی وہ مبیع کے تابع ہے۔

اگر درخت میں پھل یا کھجوریں لگی ہوں تو تابیر شدہ پھل بائع کا ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من باع نخلاً قد أبرت فثمرتها للبائع إلا أن يشترط المبتاع" [1] (جو تابیر شدہ کھجور کا درخت فروخت کرے تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا مگر جب خریدار شرط کر لے)۔

اگر درخت تابیر شدہ نہ ہو تو مشتری کا ہوگا، اس لئے کہ اس فرمانِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تابیر شدہ نہ ہو تو وہ خریدار کا ہوگا، نیز اس لئے کہ کھجور کا پھل حمل کی طرح ہے، کیونکہ یہ مخفی اضافہ اور نمو ہے جو ایک مقررہ حد پر ظاہر ہوگا۔ یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ حنفیہ کے یہاں "صحیح" یہ ہے کہ تابیر شدہ اور غیر تابیر شدہ پھل شرط کے بغیر داخل نہ ہوں گے [2]، اس کی دلیل حدیث سابق ہے، لیکن اس روایت کے ساتھ جس میں تابیر کا ذکر نہیں ہے۔

۴۱ - جانور کی بیع میں وہ چیز اس کے تابع ہوگی جس کے تابع ہونے کا عرف ہو مثلاً لگام، مہار، اور زین۔ شافعیہ نے فرق کرتے ہوئے

---

(۱) ابن عابدین ۴/ ۳۷، الدسوقی ۳/ ۱۷۰، الفروق ۳/ ۲۸۳، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۱۶، ۱۲۳، شرح روض الطالب ۲/ ۹۶، ۹۸، المغنی ۴/ ۸۵، ۸۸، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۲۰۷۔

(۲) ابن عابدین ۴/ ۳۳، منح الجلیل ۲/ ۲۵۷، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۲۷۔

(۱) حدیث: "من باع نخلا قد أبرت ......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۱۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) الہدایہ ۳/ ۲۵، ابن عابدین ۴/ ۳۸، الفروق ۳/ ۲۸۵، منح الجلیل ۲/ ۲۳۷، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۳۰، شرح الروض ۲/ ۱۰۱، المغنی ۴/ ۸۷، ۹۳، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۲۰۹۔

کہا ہے کہ جو چیز جانور سے متصل ہے مثلاً برہ (جانور کی ناک کا حلقہ) اور پیوستہ نعل تو وہ تابع ہو کر بیع میں داخل ہوگی۔

لگام، زین، اور مہار، لفظ کے تقاضے پر اکتفاء کرتے ہوئے جانور کی بیع میں داخل نہیں ہوں گے[1]۔

پھلوں کی بیع:

۴۲-فقہاء کا اتفاق ہے کہ درخت سے الگ صرف پھلوں کی بیع جائز ہے لیکن بدو صلاح کے بعد ہی جائز ہے۔ بدو صلاح کی تفسیر میں اختلاف ہے: وہ پھل کا پکنا اور مٹھاس وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، یا آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

دلیل جواز اس فرمانِ نبوی سے ماخوذ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھل کو فروخت کرنے سے منع کیا تا آنکہ بدو صلاح ہو جائے[2]۔

ابن قدامہ نے کہا: اس حدیث کا ''مفہوم'' یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد پھل کی بیع مباح ہے، اور یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو ''مفہوم'' کے قائل ہیں، جیسا کہ اصل و ضابطہ ہے کہ جس بیع میں تمام شرائط موجود ہوں وہ جائز ہے[3]۔

اسی طرح پھل آنے کے بعد اور بدو صلاح سے قبل فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ ان پھلوں کی بیع جائز ہے، اگر وہ قابل انتفاع ہوں، یہ حکم بالاتفاق ہے۔ البتہ مالکیہ نے اس میں دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: اول یہ کہ بائع و مشتری دونوں یا کسی ایک کو بیع کی حاجت ہو، دوم یہ کہ اکثر اہل شہر اس قسم کی بیع کرنے پر باہم اتفاق نہ کئے ہوں[1]۔

اگر پھل کو بدو صلاح سے قبل باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقاً (توڑنے یا باقی رکھنے کا ذکر کئے بغیر) فروخت کیا گیا تو جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے اگر چھوڑنے کی شرط رکھی گئی ہو، اور اگر توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط نہ لگائی ہو تو مذہب حنفی میں بالاتفاق جائز ہے اگر قابل انتفاع ہو، اور صحیح قول میں جائز ہے اگر نا قابلِ انتفاع ہو، اس لئے کہ یہ بعد میں قابل انتفاع مال ہے گو کہ فی الحال قابلِ انتفاع نہیں ہے، لیکن اگر چھوڑنے کی شرط لگا دی تو بیع فاسد ہے[2]۔

اگر پھل کو ''اصل'' کے ساتھ فروخت کرے تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ پھل اصل کے تابع ہوتا ہے[3]۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''ثمار'' میں دیکھی جائے۔

چہارم: مبیع کی موجودگی اور غیر موجودگی:

الف: مبیع کی موجودگی:

۴۳-یہ طے ہے کہ مبیع کی طرف اشارہ تعریف و تعیین کی قوی ترین صورت ہے، اور اسی وجہ سے اگر مبیع فریقین کے سامنے (مجلس عقد میں) ہو، اور اشارہ کے ذریعہ اس کی اس طور پر تعیین کر دی گئی ہو کہ مشتری نے اس کو جان لیا اور دیکھ لیا ہو تو بیع لازم ہوگی، بشرطیکہ کوئی خاص سبب (جس کا تعلق رؤیت مبیع سے نہ ہو) ان اسباب میں سے

---

(۱) ابن عابدین ۴/ ۳۸، الہدایہ ۳/ ۲۵، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۳۰، شرح الروض ۲/ ۱۰۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۱۳۔

(۲) حدیث: ''النهي عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها......'' کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۹۷ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۳۸، الدسوقی ۳/ ۱۷۶، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۴۲، المغنی ۴/ ۹۲۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) الہدایہ ۳/ ۲۵، جواہر الاکلیل ۲/ ۶۰، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۴۴، المغنی ۴/ ۹۳۔

(۳) المجلۃ: دفعہ (۶۵)، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۲۱، الفروق ۳/ ۲۴۷، تہذیب الفروق ۳/ ۲۴۹۔

نہ پایا جائے جن کی وجہ سے مشتری کے لئے ''خیار'' پیدا ہوتا ہے۔

حتی کہ اگر اشارہ، وصف کے ساتھ متصل ہو اور وصف، مشتری کے مشاہدہ اور اس کی رضامندی کے خلاف نکلے تو بھی اس کے بعد مشتری کو حق نہیں کہ ''وصف'' کا مطالبہ کرے، جبکہ عقد رؤیت اور رضا کے بعد مکمل ہو چکا ہو۔

اس کی تعبیر اس فقہی قاعدہ سے کی جاتی ہے کہ ''حاضر چیز میں وصف لغو ہے اور غائب میں معتبر ہے''۔

یہ مبیع کے اسم اور اشارہ میں تغایر ثابت ہونے کے برخلاف ہے مثلاً اس نے کہا: میں نے تمہیں یہ گھوڑی فروخت کردی، اور مثلاً کسی اونٹنی کی طرف اشارہ کیا تو یہاں پر نام لینے کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ اسم کے ذریعہ جنس مبیع کی تحدید ہوتی ہے، اور یہ جنس میں غلطی ہے، وصف میں نہیں، اور جنس میں غلطی ناقابل معافی ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے مبیع معدوم ہو جائے گی۔

قرافی نے صراحت کی ہے کہ اگر بیع میں جنس کا ذکر نہ کرے مثلاً کہے: میں نے تمہیں ایک کپڑا فروخت کیا، تو بالاجماع ممنوع ہے [1]۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وصف مشتری کے لئے قابل ادراک ہو، لیکن اگر مشتری سے مخفی ہو یا تجربہ کی ضرورت ہو مثلاً گائے میں دودھ دینے والی ہونے کا وصف ہو، پھر مشتری کو معلوم ہوا کہ وہ ایسی نہیں، تو یہاں پر وصف کا فوت ہونا مؤثر ہے بشرطیکہ عقد میں وصف کی شرط لگائی ہو، گو کہ مبیع حاضر رہا ہو اور اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہو، اس لئے کہ یہاں وصف بائع کی طرف سے معتبر ہے، اور اس کے فوت ہونے پر مشتری کے لئے ایک ''خیار'' ثابت ہوتا ہے، جس کو ''فوات وصف کا خیار'' کہتے ہیں [1]۔

وصف فوت ہونے کے سبب استحقاق خیار میں مبیع کا موجود وغیر موجود ہونا برابر ہے، اس کی تفصیل ''خیار وصف'' میں دیکھئے۔

ب- مبیع کی غیر موجودگی:

۴۴- اگر مبیع غیر موجود ہو تو ایسے وصف کے ذریعہ خریدی گئی ہوگی جو اس کی وضاحت کردے جس طرح عقد سلم میں بیان کیا جاتا ہے، یا بغیر وصف کے خریدی گئی ہوگی، البتہ اس کے مقام کی طرف اشارہ کردیا گیا ہوگا یا اس کو ایسی چیز سے منسوب کردیا گیا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہو جائے۔

اگر بیع وصف کے ذریعہ کیا گیا ہو اور یہاں سابقہ مرغوب وصف کے علاوہ ہو، اور مبیع کے مشاہدہ کے بعد اس کے اور وصف کے درمیان مطابقت ملے تو بیع لازم ہوگی، ورنہ مشتری کے لئے خیار خلف (وصف کے نہ پائے جانے کا خیار) حاصل ہوگا، یہ جمہور علماء کے نزدیک ہے۔

رہے حنفیہ تو وہ یہاں مشتری کے لئے خیار رؤیت ثابت کرتے ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وصف بیان ہو یا نہ ہو، اس کی تفصیل ''خیار وصف'' اور ''خیار رؤیت'' میں ہے۔

لیکن اگر نمونہ کی بنیاد پر خریداری ہوئی ہو اور مبیع اس سے مختلف نہ ہو تو مشتری کے لئے خیار رؤیت نہیں ہوگی [2]۔

وصف کے ساتھ غیر موجود کی بیع جمہور کے نزدیک فی الجملہ صحیح ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں ''اظہر'' کے بالمقابل یہی ہے، چنانچہ حنفیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے گو کہ پہلے سے اس کا وصف بیان نہ کیا ہو، جبکہ شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ وصف کا بیان

(۱) المجلہ: دفعہ (۲۰۸)، منح الجلیل ۲/ ۶۲۸، ۶۲۹، جواہر الاکلیل ۲/ ۴۹، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۶، کشاف القناع ۳/ ۲۷۱، خبایا الزوایا/ ص ۲۱۰، نہایۃ المحتاج ۳/ ۹۶، ۴۰۱، المہذب ۱/ ۲۹۴۔

(۱) فتح القدیر ۵/ ۱۳۶ طبع بولاق۔

(۲) المجلہ: دفعہ (۳۲۳، ۳۳۵)۔

ضروری ہے، اس لئے کہ یہاں مشتری کے لئے بہر حال خیار رؤیت ہے، خواہ وصف بیان کیا گیا ہو اور مبیع وصف کے مطابق ہو یا اس کے خلاف ہو اور خواہ وصف نہ بیان کیا گیا ہو، اور یہ خیار حکمی ہے، اس کے لئے شرط لگانے کی ضرورت نہیں ہے[1]۔ حنابلہ نے اس کو سلم کی صحت کے لئے مطلوبہ طریقہ پر وصف کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، اور خیار کو عدم مطابقت کی حالت کے ساتھ مخصوص رکھا ہے[2]۔

جبکہ مالکیہ نے اس کو تین شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے:

الف۔ بہت زیادہ قریب نہ ہو کہ بغیر مشقت کے اس کو دیکھنا ممکن ہو، اس لئے کہ اس حالت میں بحیثیت غائب اس کی بیع یقین سے ضرر کے متوقع ہونے کی طرف عدول کرنا ہے، لہذا ناجائز ہے۔

ب۔ بہت زیادہ دور نہ ہو، کیونکہ حوالگی سے قبل اس میں تغیر کا اندیشہ یا حوالگی کے محال ہونے کا احتمال ہے۔

ج۔ بائع اس کو تمام اوصاف کے ساتھ بیان کردے جن سے غرض متعلق ہے، اور یہ سلم کے اوصاف ہیں۔

مذہب شافعیہ میں اظہر یہ ہے کہ غائب کی بیع صحیح نہیں ہے اور یہ وہ ہے جس کو متعاقدین یا ان میں سے کسی ایک نے نہیں دیکھا ہو کو کہ وہ حاضر ہو، اس لئے کہ بیع غرر سے ممانعت آئی ہے[3]۔

برنامج کے مطابق بیع کرنا یعنی ایسے رجسٹر کی بنیاد پر جس میں اوصاف درج ہوتے ہیں، اور نمونہ پر بیع کرنا یعنی مشتری کو ایک صاع دکھا کر غلہ کا ڈھیر اس شرط کے ساتھ فروخت کرنا کہ وہ اسی نمونہ جیسا ہے، اس کو حنفیہ نے جائز قرار دیا ہے، حنابلہ کا ایک قول یہی ہے، مرداوی نے اس کو درست کہا ہے (اس کی وجہ گزر چکی ہے)، مالکیہ کا بھی یہی قول ہے، حنابلہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے، شافعیہ نے اس کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ مثلاً کہے: میں نے تمہیں اس گھر میں موجود گیہوں فروخت کیا اور یہ اس کا نمونہ ہے، اور نمونہ بیع میں داخل ہوگا[1]۔

مالکیہ کے یہاں اس صورت میں تفصیل ہے جب ظاہر ہو کہ برنامج کے مطابق فروخت شدہ ''عِدل'' (جانور کی پیٹھ پر ایک طرف کا بوجھ) کم یا زیادہ ہے۔ اس کی تفصیل ''مبیع میں کمی یا زیادتی کا ظہور'' کے تحت ہے۔

پنجم: قبضہ سے پہلے مبیع میں کمی یا زیادتی کا ظہور:

۴۵- مبیع کا حکم اگر اس میں نقص یا زیادتی ظاہر ہو، اس اعتبار سے مختلف ہے کہ بیع، مقدار کی بنیاد پر ہے یا از قبیل بیع ''جزاف'' (یا مجازفہ) ہے جس کو ''بیع صبرہ'' بھی کہتے ہیں، برنامج یا نمونہ پر بیع کی بعض صورتیں اسی سے ہیں، جبکہ مقدار، برنامج میں درج شدہ کے خلاف ظاہر ہو۔

الف- بیع جزاف (اٹکل سے بیع کرنا):

۴۶- اگر بیع اٹکل سے ہو تو مشتری یا بائع کی توقع سے کم یا زیادہ ظاہر ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس کی تفصیل ''بیع جزاف'' میں ہے۔

ب- بیع مقدرات (متعینہ مقدار کی بیع):

۴۷- کیل یا وزن یا پیمائش یا شمار کے ذریعہ مقررہ مقدار میں فروخت شدہ چیز میں اگر کمی یا زیادتی نکلے تو مبیع کو دیکھا جائے گا کہ آیا

---

(۱) حنفیہ کے ساتھ مراجع۔

(۲) المغنی ۳/ ۵۸۰، ۵۸۳، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۶۔

(۳) القلیوبی ۲/ ۱۶۴، مغنی المحتاج ۲/ ۱۶، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۰۱۔

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۶، القلیوبی ۲/ ۱۶۳، ۱۶۵، مغنی المحتاج ۲/ ۱۹، الفروع ۴/ ۲۱، الانصاف ۴/ ۲۹۵۔

تبعیض (ٹکڑے کرنا) اس کے لئے مضر ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس ثمن کی اساس پر غور کیا جائے گا جس پر بیع ہوئی ہے کہ وہ مجمل ہے یعنی پوری مبیع کی قیمت ہے، یا مبیع کے اجزاء کے مقابلہ میں ثمن میں تفصیل کی گئی ہے۔

اگر تبعیض مبیع کے لئے مضر نہ ہو (مثلاً مکیلات کی تمام انواع، اسی طرح بعض موزونات مثلاً گیہوں، اور مذروعات مثلاً وہ کپڑا جو ذراع سے فروخت ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ ایک کپڑے کے لئے کافی ہے، اسی طرح معدودات متقاربہ) تو مبیع میں زیادتی بائع کے لئے ہوگی، اور کمی بھی اسی حساب سے ہوگی، اور اس حالت میں ثمن کی تفصیل یا اجمال کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ثمن مفصل ہو مثلاً کہا: ہر ذراع ایک درہم میں، تو زیادتی بائع کی ہوگی اور کمی اس پر آئے گی، اور یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ تبعیض اس کے لئے ضرر رساں ہے یا نہیں۔

اگر ثمن غیر مفصل ہو اور مبیع کے لئے تبعیض ضرر رساں ہو تو زیادتی مشتری کی اور کمی اسی کے ذمہ ہوگی، اور اس کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہ ہوگا، البتہ مشتری کو کمی نکلنے کی صورت میں خیار (یعنی صفقہ کے متفرق ہونے کا خیار) حاصل ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تبعیض جس کے لئے ضرر رساں نہیں اس میں تقدیر (مقدار بتانا) جز کی طرح مانا جاتا ہے، اور جس میں تبعیض ضرر رساں ہے اس میں تقدیر وصف کی طرح مانا جاتا ہے، اور وصف کے مقابل میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے خیار ثابت ہوتا ہے[1]، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

(۱) المجلہ: دفعہ (۲۲۳، ۲۲۹)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳۰، الدرر شرح الغرر ۲/ ۱۴۷، منح الجلیل ۲/ ۵۰۵، ۶۶۹، جواہر الإکلیل ۲/ ۴۷، ۴۸، الحطاب ۴/ ۲۹۹، مغنی المحتاج ۲/ ۱۷، ۱۸، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۰۰، ۴/ ۶۱، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۶۶، المغنی ۴/ ۱۴۶، ۱۴۷۔

مذہب شافعیہ میں صحیح، اور حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ اگر مبیع کی مقدار میں کمی یا زیادتی نکلے تو بیع باطل ہے، اس لئے کہ بائع کو زیادتی کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی مشتری کو بعض کے لینے پر، اور اضافہ شدہ حصہ میں بائع و مشتری کے درمیان اشتراک میں ضرر ہے[1]۔

مالکیہ کے یہاں کمی کے تھوڑا یا زیادہ ہونے کے درمیان تفصیل ہے، اگر نقص و کمی تھوڑی ہو تو مشتری پر لازم ہے کہ باقی کو اس کے مساوی ثمن سے لے، اور اگر زیادہ ہو تو اس کو اختیار ہے کہ بقیہ کو اس کے مساوی ثمن سے لے یا واپس کردے، ایک قول یہ ہے کہ یہ بمنزلہ مبیع کی صفت کے ہے، اگر اس کو زیادہ پائے تو وہ مشتری کے لئے ہے، اور اگر کم پائے تو مشتری کو اختیار ہے کہ سارے ثمن سے اس کو لے یا اس کو رد کردے[2]۔

شافعیہ کے نزدیک زیادتی یا نقص نکلنے کی صورت میں صحیح کے بالمقابل رائے یہ ہے کہ اشارہ کی وجہ سے تغلیباً بیع صحیح ہے، پھر شافعیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر بائع نے کل کا مقابلہ کل سے کیا ہو، مثلاً کہے: میں نے تمہیں غلہ کا ڈھیر سو درہم میں فروخت کیا اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو صاع ہے، تو زیادتی یا نقص کی صورت میں بیع صحیح ہوگی، اور جس کو ضرر ہوگا اس کے لئے خیار ثابت ہوگا۔

لیکن اگر اس نے اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ کیا، مثلاً کہا: میں نے تمہیں غلہ کا ڈھیر ایک صاع ایک درہم میں فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ سو صاع ہے، پھر زیادتی یا نقص نکلے تو بیع اسنوی کے نزدیک صحیح ہوگی، اور ماوردی نے فرق کرتے ہوئے کہا کہ نقص کی

(۱) نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۰۰، مغنی المحتاج ۲/ ۱۷، ۱۸، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۶۶، المغنی ۴/ ۱۴۶۔

(۲) منح الجلیل ۲/ ۵۰۵، الحطاب ۴/ ۲۹۹، الشرح الصغیر ۲/ ۱۳ طبع الحلبی۔

صورت میں بیع صحیح ہوگی، اور زیادتی کی صورت میں سابقہ اختلاف ہے، یعنی صحیح کے مطابق بیع باطل ہے، اور صحیح کے بالمقابل قول کے مطابق بیع صحیح ہوگی [1]۔

ابن قدامہ نے "المغنی" میں لکھا ہے: اگر کہے: میں نے تمہیں یہ زمین یا یہ کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ دس ذراع ہے، اور گیارہ ذراع نکلا تو اس میں دو روایتیں ہیں:

اول: بیع باطل ہے، اس لئے کہ بائع کو زیادتی کے حوالہ کرنے پر مجبور کرنا ناممکن ہے، کیونکہ اس نے دس ہی ذراع فروخت کئے ہیں، اور نہ ہی مشتری کو بعض کے لینے پر مجبور کرنا ممکن ہے، کیونکہ اس نے سارا خریدا ہے، اور شرکت میں بھی نقصان اسی کا ہے۔

دوم: بیع صحیح ہے، اور زیادتی بائع کی ہے، اس لئے کہ یہ مشتری کے لئے نقص ہے، لہذا عیب کی طرح یہ صحت بیع سے مانع نہیں ہوگا، پھر بائع کو اختیار دیا جائے گا کہ مبیع زیادتی کے ساتھ سپرد کرے یا دس ذراع سپرد کرے، اگر مکمل مبیع سپرد کرنے سے راضی ہوجاتا ہے تو مشتری کو خیار نہ ہوگا، اس لئے کہ بائع نے اس کے لئے اچھی چیز کا اضافہ کیا ہے، اور اگر بائع زائد مبیع کو حوالہ کرنے سے انکار کرے تو مشتری کے لئے خیار ہوگا کہ فسخ کردے یا سارے مقررہ ثمن اور زائد کی قیمت دے کر لے لے، اگر لینے پر راضی ہوجائے تو دس ذراع لے، اور بائع ایک ذراع میں اس کا شریک ہوگا، اور کیا بائع کے لئے خیار فسخ ہے؟ اس میں دو قول ہیں: اول: اس کو فسخ کا اختیار ہے اس لئے کہ شرکت میں اس کو ضرر ہے، دوم: اس کو خیار نہیں، اور ابن قدامہ نے اسی کو قوی کہا ہے، اور اگر مبیع نو ذراع نکلے تو اس میں دو روایتیں ہیں: اول: بیع باطل ہے جیسا کہ گزرا، دوم: بیع صحیح ہے، البتہ مشتری کو خیار حاصل ہے کہ فسخ کردے یا ثمن کے دس حصوں میں سے نو حصوں کے عوض لے لے۔

اگر غلہ کا ڈھیر خریدا اس شرط کے ساتھ کہ وہ دس قفیز ہے، اور گیارہ قفیز نکلا تو زائد کو واپس کرے گا، اور یہاں اس کے لئے خیار نہیں اس لئے کہ زیادتی میں ضرر ہے، اور اگر نو قفیز نکلے تو اس کے حصہ کے ثمن کے عوض لے گا۔

اگر غلہ کے ڈھیر میں کیل کی تعیین کردی جائے تو اس پر قبضہ کیل کے ذریعہ ہی ہوگا، اگر زائد ہو تو زیادتی واپس کرے گا، اور اگر کم ہو تو اس کو اس کے حصہ ثمن سے لے گا۔ کیا نقصان کی صورت میں اس کو فسخ کا خیار ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: اول: اس کے لئے خیار ہے، دوم: اس کے لئے خیار نہیں ہے [1]۔

ثمن کے احکام و احوال:

اول: ثمن کی تعریف:

۴۸- ثمن: مبیع کے حصول کے لئے مشتری کی طرف سے دیئے گئے عوض کا نام ہے، اور ثمن معقود علیہ کے دو اجزاء (ثمن و مثمن) میں سے ایک جز ہوتا ہے، اور یہ دونوں مقومات عقد میں سے ہیں، اسی وجہ سے جمہور کی رائے ہے کہ قبضہ سے قبل ثمن معین کی ہلاکت کے سبب بیع فی الجملہ فسخ ہوجاتی ہے [2]۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بیع کا مقصود اصلی مبیع ہے، اس لئے کہ انتفاع اعیان ہی سے ہوتا ہے، اور اثمان (نقدین) تبادلہ کا وسیلہ ہیں [3]، اسی وجہ سے حنفیہ نے ثمن کے متقوم ہونے کو صحت کی شرط

---

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۱۸، المہذب ۱/ ۲۷۔

(۱) المغنی ۴/ ۱۴۶، ۱۴۷۔

(۲) جواہر الإکلیل ۱/ ۳۰۵، منح الجلیل ۲/ ۱۰۰، ۳/ ۱۱۶، شرح الروض ۲/ ۶۴، المجموع ۹/ ۲۶۹، القلیوبی ۲/ ۳، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۸۹، الافصاح ۱/ ۳۴۷۔

(۳) المجلہ: دفعہ (۱۵۱)۔

بتایا ہے، جبکہ مبیع کا متقوم ہونا انعقاد کی شرط ہے، یہ فرق خاص طور پر حنفیہ کے یہاں ہے، جمہور کے یہاں نہیں، لہذا اگر ثمن غیر متقوم ہو تو حنفیہ کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ فاسد ہوگی، اگر فساد کا سبب ختم کردیا جائے تو بیع صحیح ہوجائے گی۔

اسی طرح قبضہ سے قبل ثمن کا ہلاک ہونا بیع کے بطلان کا سبب نہیں بلکہ بائع اس کے بدل کا مستحق ہوگا، البتہ مبیع کے ہلاک ہونے سے بیع باطل ہوجائے گی[۱]۔

ثمن اور قیمت الگ الگ ہیں، اس لئے کہ قیمت وہ چیز ہے جو قیمت لگانے والوں (اہل تجربہ) کی نظر میں شئی کے مساوی ہو، جبکہ ثمن ہر وہ چیز ہے جس پر متعاقدین راضی ہوجائیں، خواہ قیمت سے زیادہ ہو یا اس سے کم یا اس کے مثل[۲]۔

لہذا قیمت وہ ہے جو شئی کا حقیقی ثمن ہو۔

اور جس ثمن پر باہم اتفاق کرلیا جائے وہ ثمن مسمی (مقررہ ثمن) ہے۔

سعر (نرخ): سامان کا مقررہ ثمن ہے، اور تسعیر: سامان کی فروختگی کا نرخ مقرر کرنا ہے۔ بسا اوقات تسعیر سلطان کی طرف سے ہوتی ہے اور لوگوں کو اس سے کم یا زیادہ قیمت میں فروخت کرنے سے روک دیا جاتا ہے[۳]۔

تسعیر (نرخ متعین کرنے) کا حکم:

۴۹ - تسعیر (نرخ متعین کرنے) کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے کہ ولی الأمر ایسا کرسکتا ہے اگر تاجر

(۱) المجلہ: دفعہ (۲۱۲)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۰۴۔
(۲) المجلہ: دفعہ (۱۵۳)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۱، ۱۶۶، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۱۔
(۳) المجلہ: دفعہ (۱۵۴)۔

قیمت سے زیادہ میں فروخت کرتے ہوں، اور اہل رائے واصحاب بصیرت کے مشورہ سے تسعیر کے بغیر قاضی مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کرسکے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بازار میں حضرت حاطب کے پاس سے گزرے تو ان سے کہا: ''یا تو نرخ بڑھاؤ یا اپنے گھر جاکر جس طرح چاہو فروخت کرو''[۱]۔

شافعیہ وحنابلہ کی رائے ہے کہ تسعیر حرام ہے، اس کے ذریعہ سے خریدنا مکروہ ہے، اور تسعیر بالجبر ہو تو بیع حرام اور باطل ہے[۲]، اس لئے کہ حدیث نبوی ہے: ''**إن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق، وإني لأرجو أن ألقى الله وليس أحد منكم يطالبني بمظلمة في دم ولا مال**''[۳] (اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا، روکنے والا، کشادگی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا ہے، میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی جانی یا مالی حق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''تسعیر'' میں ہے۔

دوم: کون چیز ثمن بن سکتی ہے اور کون نہیں:

۵۰ - جو چیز مبیع ہونے کے قابل ہو ثمن ہونے کے بھی قابل ہے، اس

(۱) حضرت عمرؓ کے اثر کی روایت امام مالک نے اپنی موطا میں کی ہے، محقق جامع الاصول شیخ عبدالقادر ارناؤوط نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے (جامع الاصول ۱/ ۵۹۴ طبع الملاح)۔
(۲) المغنی ۴/ ۱۶۴ طبع القاہرہ، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۱۴، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۵۹، الکافی لابن عبدالبر ۲/ ۷۳۰۔
(۳) حدیث: "إن الله هو المسعر ....." کی روایت ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ کے واسطے سے کی ہے، شیخ عبدالقادر ارناؤوط نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے، ترمذی اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (جامع الاصول ۱/ ۵۹۵، بتحقیق ارناؤوط)۔

کے برعکس بھی صحیح ہے، یہ جمہور کے نقطہ نظر سے سمجھ میں آتا ہے، جبکہ حنفیہ کی رائے ہے کہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے، لہذا جو ثمن ہونے کے قابل ہے بسا اوقات وہ مبیع ہونے کے قابل نہیں ہوتی[1]۔

ثمن یا تو ذمہ میں ثابت ہونے والی چیز ہوگی، مثلاً نقود، اور مثلیات یعنی کیلی یا وزنی یا پیمائش والی یا شمار کی جانے والی متقارب چیزیں، یا ثمن ذوات القیم اعیان میں سے ہوگا جیسا کہ بیع سلم میں ہے، بشرطیکہ رأس المال ذوات القیم میں سے عین ہو، اور جیسا کہ بیع مقایضہ میں۔

سونا اور چاندی خلقی ثمن ہیں خواہ نقود کی شکل میں ڈھلے ہوئے ہوں یا بغیر ڈھلے ہوں، اسی طرح فلوس اثمان ہیں۔ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک "اثمان" تعیین کرنے سے متعین نہیں ہوتے (مالکیہ نے اس سے "صرف" اور "کرایہ کے معاملہ" کو مستثنیٰ کیا ہے)، لہذا اگر مشتری نے کہا: میں نے سامان اس دینار میں خریدا، اور اس دینار کی طرف اشارہ کردے تو اس کے بعد مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دینار سپرد کرے، اس لئے کہ نقود مثلیات میں سے ہیں، اور مثلیات ذمہ میں ثابت ہوتی ہیں، اور جو چیز ذمہ میں ثابت ہوتی ہے اس کی ادائیگی کسی بھی ہم مثل فرد کے ذریعہ ہوجائے گی، اور وہ تعیین کو قبول کرنے والی نہیں ہوتی ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ "اثمان" تعیین سے معین ہوجاتے ہیں۔

البتہ اگر ثمن ذوات القیم میں سے ہو تو وہ متعین ہوجاتا ہے، اس لئے کہ ذوات القیم ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں اور ان کا کوئی بھی فرد

آپسی رضامندی کے بغیر دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتا[1]۔

سوم: ثمن کی تعیین اور اس کو مبیع سے ممتاز کرنا:

۵۱ - ثمن کو مبیع سے ممتاز کرنے کے لئے حنفیہ نے حسب ذیل ضابطہ کی صراحت کی ہے، اور یہ مالکیہ وشافعیہ کی عبارت سے متفق ہے:

الف۔ اگر عوضین میں سے کوئی ایک نقود ہو تو اسی کو ثمن مانا جائے گا، اور دوسرا مبیع ہوگا، خواہ وہ جس نوعیت کا ہو، اور صیغہ (عبارت) کو نہیں دیکھا جائے گا حتی کہ اگر کہے: **بعتک دینارا بهذه السلعة** (یعنی میں نے تمہیں یہ دینار اس سامان میں فروخت کیا)، تو دینار ہی ثمن ہوگا، ہر چند کہ حرف "باء" سلعہ پر داخل ہے، جبکہ یہ عموماً ثمن پر آتا ہے[2]۔

ب۔ اگر عوضین میں سے ایک ذوات القیم اعیان ہو، اور دوسرا مثلی اموال معین ہو یعنی اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہو تو ذات القیم ہی مبیع ہوگی، اور مثلی ثمن ہوگا، اور اس صورت میں بھی اس کے مخالف صیغہ کے تقاضے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

البتہ اگر اموال مثلیہ غیر معین ہوں (یعنی ذمہ میں لازم ہوں) تو ثمن وہ عوض ہوگا جس کے ساتھ "باء" ہے، مثلاً اگر کہے: **بعتک هذه السلعة برطل من الأرز** (میں نے تم کو یہ سامان ایک رطل چاول سے بیچا) تو ثمن اُرز (چاول) ہوگا، اس لئے کہ "باء" اسی پر داخل ہے، اور اگر کہے: **بعتک رطلا من الأرز بهذه السلعة** (میں نے تم کو ایک رطل چاول اس سامان سے بیچا) تو "سلعہ" ہی

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۶۵، شرح المجلہ: دفعات (۱۵۲، ۲۱۱) للأتاسی (۲/ ۱۰۵)، للمحاسنی (۱/ ۱۹۳)، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۲۲، البحر شرح التحفہ ۲/ ۸۶، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۴۲، جواہر الاکلیل ۱/ ۳۰۵، ۲/ ۵۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۲۷۴ طبع دوم الحلبی، المجلہ ۲/ ۳۴۳، الفروق للقرافی ۳/ ۲۵۵، المجموع ۹/ ۲۶۹، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۵۔

(۲) ابن عابدین ۴/ ۱۹۵ طبع بولاق، ۵/ ۲۷۴ طبع الحلبی، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۳، ۱۵، البحر شرح التحفہ ۲/ ۲، مغنی المحتاج ۲/ ۷۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۵۔

ثمن ہوگا، اور یہ بیع سلم ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں ذمہ میں لازم وصف بیان کی گئی ادھار چیز کا معاملہ نقد ثمن سے کیا گیا ہے۔

ج۔ اگر عوضین میں سے ہر ایک مثلی مال ہو تو ثمن وہ ہے جس کے ساتھ ''با ء'' ہو، جیسے اگر کہے: بعتک أرزاً بقمح (میں نے تم کو چاول گیہوں سے بیچا) تو ''قمح'' ہی ثمن ہوگا۔

د۔ اگر عوضین میں سے ہر ایک ذوات القیم اعیان ہوں تو ان میں سے ہر ایک عوض ایک اعتبار سے ثمن اور ایک اعتبار سے مبیع ہے[۱]، یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک ثمن وہی ہے جس پر ''باء'' داخل ہو۔

رہے مالکیہ تو انہوں نے صراحت کی ہے کہ نقود کے مبیع ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے، اس لئے کہ عوضین میں سے ہر ایک دوسرے کے عوض مبیع ہے، اور ''البہجہ'' میں ہے: عوضین میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے ثمن ہے۔

ثمن کے سابقہ احکام کے علاوہ اور احکام یہ ہیں:

الف۔ اگر سپردگی میں پہل کرنے کے بارے میں متعاقدین میں اختلاف ونزاع ہو تو مبیع کے سپرد کرنے سے قبل ثمن کو سپرد کرنا واجب ہوگا۔

ب۔ ثمن کے سپرد کرنے کا خرچہ مشتری پر اور مبیع کے سپرد کرنے کا خرچہ بائع پر ہے۔

ج۔ عوض میں تصرف کے جواز کے لئے قبضہ کی شرط مبیع کے ساتھ خاص ہے، ثمن کے لئے شرط نہیں۔ اس میں تفصیل ہے جو (بیع منهی عنه، اور بیع المبیع قبل القبض) میں معلوم ہوگی۔

د۔ بیع سلم میں ثمن (رأس المال) کو ادھار کرنا جائز نہیں، برخلاف مبیع کے، اس لئے کہ وہ بہ مقتضائے عقد ادھار ہوتا ہے، اور یہ فی الجملہ ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ''ثمن'' میں ہے[۱]۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۲، ۲۳، منح الجلیل ۲/ ۱۰۱، البہجہ ۲/ ۸، المجموع ۲۶۹/۹، مغنی المحتاج ۲/ ۷۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۰۵۔

چہارم: ثمن کو مبہم رکھنا:

۵۲ - اگر ثمن بیان کر دیا اور اس کو مطلق رکھا، اور اس کی نوعیت بیان نہ کی، جیسا کہ اس نے کہا: اتنے دینار میں، اور عقد کے شہر میں انواع واقسام کے دینار رائج ہوں، جن کی قیمت مختلف اور رواج برابر ہو تو عقد فاسد ہوگا، اس لئے کہ ثمن کی مقدار مجہول ہے، البتہ اگر کسی نوع کے دینار کا رواج زیادہ ہو تو عقد صحیح ہوگا، اور یہ زیادہ رائج کی طرف لوٹے گا، مثلاً اگر کویت میں کہے: میں نے تمہیں ایک دینار میں فروخت کیا، تو عقد صحیح ہوگا، اور ثمن کویتی دینار ہوں گے، اس لئے کہ محل عقد میں موجودہ دوسرے دیناروں میں کویتی دینار ہی سب سے زیادہ رائج ہے[۲]۔

ثمن کے احکام کی تفصیل اصطلاح ''ثمن'' میں دیکھی جائے۔

پنجم: رأس المال کے مدنظر ثمن کی تحدید:

۵۳ - ثمن کی تحدید کا علم یا تو مشاہدہ واشارہ سے ہوگا اور یہ تعریف کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے، خواہ مقدار بیان کی ہو یا نہ کی ہو، جیسا کہ اگر کوئی سامان دیناروں کی ایک تھیلی کے عوض میں فروخت کیا اور اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

یا ثمن مجلس عقد سے غائب ہوگا، اور اس وقت اس کی نوعیت،

(۱) الصاوی علی الشرح الصغیر ۳/ ۲۷۱، ۲۷۲ طبع الحلبی، المجموع ۹/ ۲۷۳، مغنی المحتاج ۲/ ۷۰، ۷۳، ۷۴، المغنی ۴/ ۱۲۶، ۲۱۸، ۲۲۰، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۹۱۔

(۲) المجلہ: دفعہ (۲۴۱، ۲۴۳)، الکافی لابن عبد البر ۲/ ۲۶۷، البہجہ ۲/ ۱۱، القلیوبی ۲/ ۱۶۲، مغنی المحتاج ۲/ ۱۷، الافصاح ۱/ ۳۲۵۔

صفت اور مقدار کا بیان کرنا ضروری ہوگا، پھر ثمن یا تو ثمن شراء (بائع کا رأس المال) پر مبنی نہ ہوگا یا اسی پر مبنی ہوگا، اور اس میں کوئی نفع نہ ہوگا اور نہ خسارہ، یا معلوم نفع ہوگا یا معلوم خسارہ ہوگا۔

اول یعنی جس میں ثمن شراء کو نہیں دیکھا جاتا، یہ بیع مساومہ ہے، اور بیوع میں غالب یہی ہے۔

اور دوسری قسم کو "بیع امانت" کہتے ہیں، اور اس کی چند اقسام ہیں: تولیہ: یعنی ثمن اول میں فروخت کرنا، اور اگر بعض مبیع کو ثمن اول کے تناسب سے فروخت کرنا ہو تو اس کو "اشراک" کہتے ہیں، اور اگر نفع کے ساتھ ہو تو مرابحہ، یا خسارہ کے ساتھ ہو تو "وضیعہ" کہتے ہیں [(۱)]۔ ان بیوع کی تفصیل ان کی اپنی اپنی اصطلاحات میں ہے۔

مبیع وثمن کے مشترکہ احکام:

اول: مبیع یا ثمن میں زیادتی کرنا:

۵۴- مشتری کے لئے جائز ہے کہ عقد کے بعد ثمن میں اضافہ کردے، اسی طرح بائع کے لئے جائز ہے کہ مبیع میں اضافہ کردے، بشرطیکہ اس کے ساتھ مجلس زیادتی میں ہی فریق ثانی کی طرف سے قبولیت ہو۔

اور شرط یہ ہے کہ مبیع قائم ہو اگر زیادتی ثمن میں ہو، اس لئے کہ اگر مبیع ہلاک شدہ ہو تو زیادتی معدوم کے بالمقابل ہوگی۔ اور اگر ہلاک شدہ کے حکم میں ہو (یعنی اس کو اپنی ملکیت سے خارج کردیا ہو) تو یہ زیادتی اس چیز کے بالمقابل ہوگی جو معدوم کے حکم میں ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ زیادتی باہمی قبضہ کے بعد ہوئی ہو یا اس سے قبل، یا مبیع یا ثمن کی جنس سے یا کسی اور جنس سے، زیادتی

(۱) المجلہ: دفعہ (۲۳۹) اور اس کے بعد کے دفعات، الفواکہ الدوانی ۲/۱۰۹، الصاوی علی الشرح الصغیر ۲/۷۷ طبع الحلبی۔

کا حکم یہ ہے کہ وہ عقد سابق کی تعدیل ہے ہبہ نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی جو ہبہ کی تکمیل کے لئے شرط ہے، یہ حکم فی الجملہ ہے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک خیار مجلس اور خیار شرط کے پورا ہونے کی وجہ سے بیع کے لزوم کے بعد زیادتی لاحق نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ ہبہ کے حکم میں ہے، اس کی تفصیل آئے گی [(۱)]۔

دوم: مبیع یا ثمن میں کمی کرنا:

۵۵- مشتری کے لئے مبیع میں کمی کرنا اور بائع کے لئے ثمن میں کمی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فریق ثانی اس کو کمی کرنے کی مجلس میں قبول کرلے، اور کمی کرنا باہمی قبضہ سے قبل ہو یا اس کے بعد دونوں برابر ہے، لہذا اگر مشتری یا بائع قبضہ کے بعد کمی کرے تو دوسرے کو حق ہے کہ کم کئے ہوئے حصہ کو واپس لے۔

ثمن میں بائع کی طرف سے کمی کرنے کے جواز کے لئے شرط نہیں کہ مبیع قائم ہو، اس لئے کہ حط (کمی کرنا) اسقاط ہے، اس کے مقابلہ میں کسی چیز کا ہونا لازم نہیں ہے۔

رہا مشتری کا بائع سے بعض مبیع کو کم کرنا تو شرط ہے کہ مبیع ایسا دین ہو جو ذمہ میں ثابت ہو، تاکہ کمی کو قبول کرے، لیکن اگر معین عین ہو تو مبیع میں سے کمی کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اعیان، اسقاط کو قبول نہیں کرتے [(۲)]۔ دیکھئے: "ابراء" اور "اسقاط"۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/۱۶۷، تہذیب الفروق ۳/۲۹۰، الشرح الصغیر ۲/۷۸، حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۶۵، منح الجلیل ۳/۶۱۵، المجموع ۹/۳۷۰، المہذب ۱/۲۹۶، ہامش شرح الروض ۲/۶۳، نہایۃ المحتاج ۴/۴۴، الافصاح ۱/۳۴۷، شرح منتہی الإرادات ۲/۱۵۱، ۴۴۶۔

(۲) المجلہ: دفعہ (۲۵۶)، الصاوی علی الشرح الصغیر ۲/۹۷، منح الجلیل ۳/۴۲۵،

سوم: زیادتی یا کمی کے آثار:

۵۶-فقہاء حنفیہ کے یہاں طے ہے کہ زیادتی اور کمی سابق عقد کی اصل سے منسوب ہوکر لاحق ہوتے ہیں، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، بایں معنی کہ مبیع میں زیادتی کے لئے ثمن کا حصہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اگر ثمن اصل اور زیادتی پر تقسیم ہو، اسی طرح اس کے برعکس ہے اگر زیادتی ثمن میں ہو۔

اس کے آثار یہ ہیں:

الف۔اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہوجائے اور زیادتی باقی رہے، یا زیادتی ہلاک ہوجائے اور مبیع باقی رہے تو ثمن میں سے ہلاک شدہ کا حصہ ساقط ہوجائے گا، برخلاف اس زیادتی کے جو بذات خود مبیع سے پیدا ہونے والی ہے۔

ب۔بائع کو حق ہے کہ مکمل مبیع کو روکے رکھے تا آنکہ ثمن اصلی اور اس پر زیادتی کو قبضہ میں لے لے۔

ج۔بیع امانت یعنی مرابحہ یا تولیہ یا وضیعہ ممکن ہے، اس لئے کہ زیادتی یا کمی کے بعد ثمن کا اعتبار ہے۔

د۔اگر مبیع میں حق نکل آئے، اور حق دار کے لئے اس کا فیصلہ ہوجائے تو مشتری بائع سے پورا ثمن (اصل اور زیادتی) واپس لے گا، اسی طرح عیب کے سبب رجوع کرنے کی صورت میں۔

ھ۔شفعہ لینے میں شفیع عقار کو اس چیز کے عوض میں لے گا جس پر کمی کرنے کے بعد ثمن طے ہوا ہے، اگر بائع مبیع میں کچھ اضافہ کردے، تو شفیع اصل عقار کو اس کے حصہ کے ثمن سے لے گا، پورے ثمن سے نہیں، اس پر فی الجملہ اتفاق ہے جیسا کہ آئے گا۔

مالکیہ کے نزدیک: زیادتی اور کمی بیع کے ساتھ ملحق ہوں گی، خواہ وہ قبضہ کے وقت وجود میں آئے یا اس کے بعد۔

ثمن میں زیادتی ثمن اول کے حکم میں ہے، لہذا استحقاق کے وقت اس کو لوٹایا جائے گا، اسی طرح عیب کی وجہ سے لوٹانے کی صورت اور اس جیسی صورتوں میں [1]۔

مشتری سے پورے ثمن کو کم کردینا، یعنی ثمن مشتری کو ہبہ میں دے دینا جائز ہے، اور کم کرنے کا اثر بیع مرابحہ اور شفعہ میں ہوتا ہے۔

چنانچہ بیع مرابحہ کے بارے میں دردیر اور دسوقی کہتے ہیں: بعض ثمن کے ہبہ کرنے کی صورت میں بیان کردینا واجب ہے اگر لوگوں میں اس کا عرف ورواج ہو بایں طور کہ وہ لوگوں کے عطیہ کے مشابہ ہوجائے، لیکن اگر رواج نہ ہو یا ادائیگی سے پہلے یا اس کے بعد ثمن کو ہبہ کردے تو بیان کرنا واجب نہیں [2]۔

شفعہ کے بارے میں شیخ علیش کہتے ہیں: جس نے ایک ہزار درہم میں قطعہ زمین خریدا، پھر شفیع کے لینے سے قبل یا بعد بائع نے اس سے نوسو درہم ساقط کردیئے، اور صورت حال یہ ہو کہ اس حصہ کا ثمن لوگوں کے درمیان ایک سو درہم ہو، وہ آپس میں غبن کے ساتھ بیع کریں یا بغیر غبن کے خریدیں، تو شفیع سے بھی اس کو ساقط کردیا جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے اولاً جس ثمن کو ظاہر کیا تھا وہ محض شفعہ کو ختم کرنے کا سبب تھا۔

اگر صورت حال اس جیسی نہ ہو کہ اس کا ثمن سو درہم ہو تو ابن یونس نے کہا: مراد یہ ہے کہ مثلاً اس کا ثمن تین سو یا چار سو ہو تو شفیع سے کچھ کم نہیں کرے گا، اور وضیعہ (کم کیا ہوا حصہ) مشتری کے لئے ہبہ ہوگا، اور ایک دوسری جگہ میں کہا: اگر مشتری اتنا کم کردے جو بیوع میں کم کیا جاتا ہو تو یہ شفیع سے ساقط ہوگا، اور اگر اتنا حصہ کم نہ کیا جاتا ہو

= ۴۲۶، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۸۳، المغنی ۵/ ۱۵۸، ۱۵۹، ۴/ ۵۴۲، ۵۴۳، مغنی المحتاج ۲/ ۶۵، ۶۶۔

(۱) تہذیب الفروق ۳/ ۲۹۰، الدسوقی ۳/ ۳۵، ۳۶۔

(۲) الدسوقی ۳/ ۱۶۵، منح الجلیل ۲/ ۱۸۷۔

تو یہ ہبہ ہے اور شفیع سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا[1]۔

شافعیہ نے کہا: اگر ثمن یا مثمن میں زیادتی یا کمی خیار کے پورا ہونے کے سبب لزوم عقد کے بعد ہو تو عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، اس لئے کہ بیع ثمن اول کے ساتھ طے ہوچکی ہے، اس کے بعد زیادتی یا کمی تبرع ہے، اور عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی۔

اگر یہ خیار مجلس یا خیار شرط کی مدت کے دوران لزوم عقد سے قبل ہو تو جمہور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے، اور اسی کو اکثر عراقیوں نے قطعی کہا ہے، کہ ان دونوں خیاروں کی مدت کے دوران وہ عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، امام شافعی کی صراحت کا ظاہر یہی ہے، اس لئے کہ خیار مجلس کی مدت کے دوران زیادتی یا کمی عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، اور خیار شرط کو خیار مجلس پر قیاس کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں مشترک علت عدم استقرار ہے، یہ ان اقوال میں سے ایک ہے جن کو نووی نے ذکر کیا ہے۔

دوسرے قول میں ہے: کہ اس کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، متولی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

تیسرے قول میں ہے: خیار مجلس میں لاحق ہوگی خیار شرط میں نہیں، اس کے قائل شیخ ابو زید اور قفال ہیں۔

رہا عقود میں اس کا اثر تو شفعہ میں شفیع کے ساتھ زیادتی لاحق ہوگی، جیسا کہ مشتری کو لازم ہوتی ہے، اور اگر ثمن میں سے کچھ کم کردیا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے[2]۔ اس کی تفصیل "شفعہ" میں دیکھی جائے۔

تولیہ، اشراک، اور مرابحہ کی بابت "نہایۃ المحتاج" میں ہے: اگر بائع کی طرف سے تولیہ کرنے والے سے کچھ ثمن تولیہ کے بعد یا اس سے قبل (گوکہ لزوم کے بعد ہو) کم کردیا جائے تو جس کے ساتھ تولیہ کیا گیا ہے اس سے بھی کم ہوجائے گا، اس لئے کہ تولیہ کی خاصیت (گوکہ وہ بیع جدید ہے) ثمن اول پر اتارنا ہے، تو اگر پورا ثمن کم کردیا جائے (ساقط کردیا جائے) تو وہ بھی ساقط ہوجائے گا بشرطیکہ لزوم تولیہ سے قبل نہ ہو، اور اگر ایسا نہ ہو (یعنی تولیہ سے قبل یا اس کے بعد، اور اس کے لزوم سے قبل ہو) تو تولیہ باطل ہے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ بغیر ثمن کے بیع ہے، اور اسی وجہ سے اگر وہ دونوں لزوم کے بعد اس کو کم کرنے کے بعد اقالہ کرلیں، تو مشتری بائع سے کچھ بھی واپس نہیں لے گا[1]۔

اس سلسلہ میں اشراک اور مرابحہ تولیہ کی طرح ہیں، اس کی تفصیل "مرابحہ"، "تولیہ" اور "اشراک" میں دیکھی جائے۔

عیب کے سبب رد کے بارے میں "نہایۃ المحتاج" میں ہے: اگر بائع مشتری کو بعض یا کل ثمن سے بری کردے پھر مبیع عیب کے سبب رد ہوگئی تو زیادہ قوی رائے یہ ہے کہ کل ثمن سے بری کرنے کی صورت میں کچھ واپس نہیں لے گا، اور بعض ثمن سے بری کرنے کی صورت میں بھی صرف باقی واپس لے گا۔

اگر بائع "ثمن" مشتری کو ہبہ کردے تو ایک قول یہ ہے کہ واپس کرنا ممنوع ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ واپس کرے گا، اور ثمن کے بدل کا مطالبہ کرے گا، اور یہی زیادہ قوی رائے ہے[2]۔

حنابلہ کی رائے اس سلسلہ میں شافعیہ کی طرح ہے، چنانچہ "شرح منتہی الارادات" میں ہے: دونوں خیاروں (خیار مجلس و خیارِ شرط) کے زمانے میں ثمن یا مثمن میں جو اضافہ ہو وہ عقد کے ساتھ

---

(۱) منح الجلیل ۳/ ۶۱۵، الدسوقی ۳/ ۹۵۔

(۲) المجموع ۹/ ۳۶۹، ۳۷۰، حاشیۃ الجمل ۳/ ۸۵، اسنی المطالب ۲/ ۳۷۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۰۶، ۱۰۷، حاشیۃ الجمل ۳/ ۱۷۷، اسنی المطالب ۲/ ۹۱، ۹۳، المہذب ۱/ ۲۹۶۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۴/ ۴۴۔

لاحق ہوگا، لہذا مرابحہ، تولیہ اور اشراک میں اس کی اصل کی طرح اس کی خبر دی جائے گی۔

ان دونوں خیاروں کے زمانہ میں ثمن یا مثمن میں سے جو کچھ ساقط کیا جائے وہ عقد کے ساتھ لاحق ہوگا، لہذا اس کی اصل کی طرح اس کی خبر دینا واجب ہے، تا کہ خیار کی حالت کو عقد کی حالت کے درجہ میں رکھا جاسکے۔

اگر سارا ثمن کم کر دیا جائے تو یہ ہبہ ہے۔

عقد کے لزوم کے بعد جو زیادتی یا کمی ہو وہ عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، لہذا اس کی خبر دینا واجب نہیں [1]۔

عیب کے سبب رد کے بارے میں "شرح منتہی الارادات" میں ہے: مبیع کو رد کر دینے والا مشتری وہ ثمن لے گا جو اس نے ادا کیا تھا، یا اس کا بدل لے گا جس سے بائع نے اس کو بری کر دیا تھا، یا اس ثمن کا بدل لے گا جو بائع نے اس کو ہبہ کیا ہے، خواہ کل ہو یا بعض [2]، اس لئے کہ مشتری کو فسخ کی وجہ سے پورا ثمن واپس لینے کا حق ہے۔

ابن قدامہ نے شفعہ کے بارے میں کہا: شفیع قطعہ کا اس ثمن میں مستحق ہوگا جس پر عقد طے ہوا ہے، لہذا اگر ایک مقدار مقررہ پر بیع ہوئی پھر ان دونوں نے اس کو زمانہ خیار میں زیادتی یا کمی کر کے تبدیل کر دیا تو یہ تبدیلی شفیع کے حق میں ثابت ہوگی، اس لئے کہ شفیع کا حق اسی صورت میں ثابت ہوتا ہے جبکہ عقد مکمل ہو جائے، اور اسی ثمن میں وہ مستحق ہوگا جو استحقاق کی حالت میں ثابت ہے، اس لئے کہ زمانہ خیار بمنزلہ حالتِ عقد ہے، اور اس میں تبدیلی عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کے دوران وہ دونوں اپنے اپنے خیار پر ہوتے ہیں، جیسا کہ اگر تبدیلی حالت عقد میں ہو لیکن اگر خیار ختم ہو جائے اور عقد مکمل ہو جائے اور ان دونوں نے زیادتی یا کمی کر دی تو وہ عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی، اس لئے کہ اس کے بعد زیادتی "ہبہ" ہے [1]۔

چہارم: غیر کے حق میں زیادتی یا کمی کے لاحق ہونے کے موانع:

۵۷- زیادتی کا ثمن کے ساتھ لاحق ہونا یا کمی کا اس کے ساتھ لاحق ہونا دو میں سے ایک امر کے سبب ممنوع ہوتا ہے۔

اول: اگر ثمن کے ساتھ زیادتی یا کمی کے لاحق ہونے کے نتیجہ میں دوسرے کے اس حق میں کمی کرنا لازم آئے جو عقد سے ثابت ہے تو لاحق ہونے کا حکم متعاقدین تک محدود ہوگا، دوسرے پر یہ حکم نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کی ضرر رسانی کا سدباب ہو سکے۔

اس مانع کے آثار: اگر مشتری ثمن میں زیادتی کر دے اور مبیع عقار ہو تو شفیع زیادتی کے بغیر ثمن اصلی میں اس کو لے گا، تا کہ حق شفعہ کے ضائع کرنے کا سدباب ہو سکے۔

رہا ثمن میں کمی کرنا تو یہ لاحق ہوگا، اس لئے کہ اس میں شفیع کو ضرر پہنچانا نہیں ہے، اسی طرح مبیع میں زیادتی کا حکم ہے۔

دوم: اگر التحاق کے نتیجہ میں بیع باطل ہو جائے جیسے کمی پورے ثمن کی کر دی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بمنزلہ ایسے ابراء کے ہے جو عقد سے منفصل ہے، اور اس طرح عقد بیع ثمن سے خالی ہو گیا، لہذا باطل ہو جائے گا۔

اس مانع کے آثار: اگر بائع عقار کے پورے ثمن کو ساقط کر دے تو شفیع اس کو پورے ثمن اصلی میں لے گا، اس لئے کہ کمی کرنے کو اگر علاحدہ بری کرنا قرار دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں بیع کا

(۱) شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۸۳، ۱۸۴، المغنی ۴/ ۲۰۰، ۲۰۷ طبع الریاض۔

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۷۶۔

(۱) المغنی ۵/ ۳۴۹ طبع الریاض۔

ثمن سے خالی ہونا پھر اس کا باطل ہونا لازم آئے گا، اور اس کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہوجائے گا، اسی وجہ سے مبیع اس کے حق میں پورے ثمن کے بالمقابل باقی رہے گا، البتہ مشتری کے ذمہ سے ثمن کی کرنے کے سبب ساقط ہوگا، تا کہ بذات خود ابراء صحیح ہو سکے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ ثمن کو قبضہ کے بعد کم کیا ہو، لیکن اگر اس کو قبضہ سے قبل کم کیا تو شفیع "قیمت" کے عوض میں اس کو لے گا[1]۔

پنجم: مبیع یا ثمن کو سپرد کرنے کے اخراجات:

۵۸- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مبیع کو کیل کرنے والے، وزن کرنے والے یا پیائش کرنے والے یا شمار کرنے والے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے، اسی طرح اگر مبیع غائب ہوتو اس کو محل عقد میں حاضر کرنے کا خرچ اس کے ذمہ ہے، اس لئے کہ اس کی حوالگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ثمن کے کیل کرنے یا وزن کرنے یا شمار کرنے کی اجرت، اسی طرح ثمن غائب کو حاضر کرنے کا خرچ مشتری کے ذمہ ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک اقالہ، تولیہ اور شرکت اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن ثمن کے نقاد (نقد میں کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے والے) اجرت کے بارے میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ کے یہاں امام محمد سے دو روایتیں ہیں: رستم کی روایت میں ہے: یہ بائع پر ہے، اس لئے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز سپرد کرنے کے بعد ہوگا، نیز اس لئے کہ اس کی ضرورت بائع ہی کو ہے تا کہ وہ امتیاز کر سکے کہ اس کا حق کس سے متعلق ہے، یا تا کہ عیب دار کو معلوم کر کے اس کو واپس کر سکے۔

اسی کے قائل شافعیہ ہیں۔

امام محمد سے دوسری روایت جو ابن سماعہ کی ہے، یہ ہے کہ یہ مشتری کے ذمہ ہے، اس لئے کہ مقررہ مقدار کے اصلی نقود حوالہ کرنے کی ضرورت اسی کو ہے، اور اصلیت کا علم کھرے کھوٹے کی تمیز سے ہوگا، جیسا کہ مقدار کا علم وزن سے ہوتا ہے، لہذا یہ اسی کے ذمہ ہوگا۔

یہی مالکیہ کا مذہب ہے۔

حنابلہ نے کہا: نقاد کی اجرت خرچ کرنے والے پر ہے خواہ بائع ہو یا مشتری۔

شافعیہ میں سے شربینی نے کہا: ثمن کے نقاد کی اجرت بائع پر ہے، پھر انہوں نے کہا: قیاس یہ ہے کہ یہ مبیع میں مشتری پر ہو، اس لئے کہ اس کا مقصد عیب کا اظہار کرنا ہے (اگر عیب ہو) تا کہ اس کو واپس کر سکے[1]۔

ششم: مبیع یا معین ثمن کا کلی یا جزوی طور پر سپردگی سے قبل ہلاک ہونا:

۵۹- بیع کے وجوب کے آثار میں سے یہ ہے کہ بائع پر مبیع مشتری کے حوالہ کرنا لازم ہے، اور یہ حق اس سے ادائیگی کے بغیر ساقط نہ ہوگا، اور مبیع کی ہلاکت کی حالت میں بائع ذمہ دار رہے گا، اور ہلاکت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی، خواہ ہلاکت کسی فاعل کے فعل سے ہو یا آفت سماوی سے ہو۔

یہی حکم ثمن پر منطبق ہوگا اگر وہ معین ہو، یعنی ذمہ میں لازم نہ ہو، اس لئے کہ اس حالت میں وہ عقد میں مبیع کی طرح مقصود ہوتا ہے۔

---

(۱) شرح المجلہ ۲/ ۱۹۰ (دفعہ ۲۵۴ اور اس کے بعد کے دفعات)، ابن عابدین ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸، المغنی ۵/ ۳۱۵، شرح الروض ۲/ ۶۶۳۔

(۱) الہدایہ ۳/ ۲۷، الشرح الصغیر ۴/ ۷۰، ۷۱، طبع الحلبی، جواہر الإکلیل ۲/ ۵۰، مغنی المحتاج ۲/ ۷۳، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۹۱، ۱۹۲، المغنی ۴/ ۱۲۶۔

رہا وہ ثمن جو ذمہ میں ہو تو بائع کے لئے اس کا بدل لینا ممکن ہے [1]۔

ہلاکت یا تو کلی طور پر ہوگی یا جزوی طور پر:

اگر مبیع سپرد کرنے سے قبل آفت سماوی کے سبب مکمل ہلاک ہوجائے تو وہ بائع کے ضمان میں ہلاک ہوگی، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "نهى عن ربح ما لم يضمن" [2] (آپ ﷺ نے اس چیز کے نفع سے منع کیا ہے جو اپنے ضمان میں نہیں)، اور اس کے نتیجہ میں بیع فسخ ہوجائے گی اور ثمن ساقط ہوجائے گا، اس لئے کہ عقد کی تنفیذ محال ہے [3]، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب مبیع بائع کے فعل سے ہلاک ہو۔ شافعیہ کے یہاں دو قول ہیں: مذہب یہ ہے کہ بیع فسخ ہوجائے گی جیسا کہ آفت سماوی سے ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ فسخ کرکے ثمن واپس لے لے، یا بیع کو جاری رکھتے ہوئے مبیع کی قیمت لے لے۔

یہاں پر بیع کے فسخ ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ مشتری سے ثمن ساقط ہوجائے گا اگر وہ اس کو ادا نہ کرچکا ہو، اور اس کو حق ہے کہ ثمن کو واپس لے اگر ادا کرچکا ہو، اور اگر بیع فسخ نہ ہو تو مشتری پر ثمن لازم ہوگا، اور بائع مبیع کی قیمت کا پابند ہوگا خواہ کتنی ہی ہو۔

(۱) شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۸۹، ۲۰۵، جواہر الإکلیل ۱/ ۳۰۶، منح الجلیل ۲/ ۱۰۰۔

(۲) حدیث: "نهى عن ربح مالم يضمن" کی روایت ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور احمد نے اپنی مسند میں کی ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے شیخ احمد شاکر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (سنن ترمذی ۳/ ۵۳۵ طبع الحلبی، جامع الأصول ۱/ ۴۵۷، مسند احمد ۱۰/ ۱۶۰ طبع دار المعارف)۔

(۳) شرح المجلہ: دفعہ (۲۹۳)، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۸۹، مغنی المحتاج ۲/ ۶۵، القلیوبی ۲/ ۲۱۰، ۲۱۱۔

حنابلہ نے بائع کے فعل سے ہلاکت کو اجنبی کے فعل سے ہلاکت کی طرح مانا ہے، اس کی تفصیل آئے گی۔

اگر مبیع مشتری کے فعل سے ہلاک ہوجائے تو بیع برقرار رہے گی، اور مشتری ثمن کا پابند ہوگا، اور مشتری کی طرف سے مبیع کو تلف کرنا اس کا قبضہ مانا جائے گا، یہ سب بالاتفاق ہے [1]۔

اگر ہلاکت اجنبی کے فعل سے ہو (حنابلہ کے نزدیک یہی حکم بائع کے فعل سے ہلاکت کا ہے) تو مشتری کو اختیار رہے کہ بیع کو فسخ کردے کیونکہ سپردگی محال ہے، اور اس صورت میں اس سے ثمن ساقط ہوجائے گا (اور بائع مبیع کو تلف کرنے والے سے رجوع کرے گا)، یا وہ بیع قائم رکھے اور اس اجنبی سے واپس لے، بائع کے لئے ثمن کی ادائیگی اسی پر ہوگی، اور وہ اجنبی سے مثل کا رجوع کرے گا اگر ہلاک شدہ مبیع مثلی ہو، اور قیمت واپس لے گا اگر ذوات القیم میں سے ہو، یہ حنفیہ و حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں اظہر قول ہے۔ اور اظہر کے بالمقابل یہ ہے کہ بیع فسخ ہوگی جیسا کہ آفت کی وجہ سے تلف ہونے کی صورت میں ہے، اور اگر بعض مبیع ہلاک ہو تو تلف کرنے والے کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہوگا۔

اگر بعض مبیع سماوی آفت کے سبب ہلاک ہوجائے، اور ہلاکت کے نتیجہ میں مقدار میں کمی پیدا ہوجائے تو تلف شدہ مقدار کے لحاظ سے ثمن کا حصہ ساقط ہوجائے گا اور مشتری کو اختیار دیا جائے گا کہ باقی کو اس کے حصہ کے ثمن سے لے یا بیع کو فسخ کردے کہ تفرق صفقہ (معاملہ جدا جدا) ہوگیا ہے (دیکھئے: "خیار تفرق صفقہ")، یہ حنابلہ و حنفیہ کے نزدیک ہے۔

پھر حنفیہ نے کہا: اگر جزوی ہلاکت کے نتیجہ میں مقدار میں نقص

(۱) جواہر الإکلیل ۲/ ۵۳، مغنی المحتاج ۲/ ۶۵، ۶۶، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۸۸۔

پیدا نہ ہو بلکہ وصف میں نقص پیدا ہو (یعنی اس چیز میں جو مبیع میں بلاتذکرہ تبعاً داخل ہوتی ہے) تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا، ہاں مشتری کو اختیار رہوگا کہ بیع کو فسخ کردے یا جاری رکھے، اس لئے کہ اوصاف کے مقابل میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا الا یہ کہ تعدی (زیادتی) ہو یا ثمن میں تفصیل کی گئی ہو اور وصف یا تابع کے لئے کوئی جز خاص کردیا گیا ہو[1]۔

اگر بعض مبیع بائع کے فعل سے ہلاک ہوجائے تو علی الاطلاق اس کے بالمقابل ثمن ساقط ہوگا، ساتھ ہی ساتھ مشتری کو لینے اور فسخ کرنے کا اختیار رہوگا، کیونکہ معاملہ جدا جدا ہوگیا ہے۔

اگر بعض مبیع فعل اجنبی کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو مشتری کو اختیار رہوگا کہ فسخ کردے یا برقرار رکھے، اور اجنبی سے تلف شدہ جز کا ضمان لے[2]۔

اگر ہلاکت خود مشتری کے فعل سے ہو تو وہ اس کے ضمان میں ہوگا اور اس کو قبضہ مانا جائے گا[3]۔

البتہ مالکیہ نے بائع کے فعل یا اجنبی کے فعل سے مبیع کی ہلاکت کو یہ مانا ہے کہ وہ بائع یا اجنبی پر تلف شدہ کا عوض واجب کرتی ہے، اور مشتری کو کوئی اختیار نہ ہوگا خواہ ہلاکت کلی ہو یا جزوی۔

رہا آفت سماوی کے سبب مبیع کا ہلاک ہونا یا عیب دار ہونا تو وہ مشتری کے ضمان میں سے ہے، جبکہ بیع صحیح لازم ہو، اس لئے کہ عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہوجاتا ہے، اگرچہ مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو[4]، مالکیہ نے اس سے چھ صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو یہ ہیں:

(۱) شرح المجلہ: دفعہ (۲۳۴)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳۶، مغنی المحتاج ۲/ ۶۷، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۸۸۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۹۳)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳۶۔

(۳) سابقہ مراجع، جواہر الإکلیل ۲/ ۵۳۔

(۴) الشرح الصغیر ۳/ ۲۰۷ طبع الحلبی، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۳۰۔

الف۔ مبیع میں اس کے مشتری کے لئے ادائیگی کا حق ہو یعنی مثلی مکیل یا موزون یا معدود ہو تا آنکہ مشتری کے برتن میں اس کو انڈیل دیا جائے، اور انڈیلنے کے وقت بائع کے ہاتھ سے مبیع ہلاک ہوجائے تو وہ بائع کے ضمان میں سے ہے۔

ب۔ وہ سامان جو بائع کے پاس ثمن پر قبضہ کرنے کے لئے روکا گیا ہو۔

ج۔ مبیع غائب جس کی صفت پہلے بیان کی گئی ہو یا اس کو پہلے دیکھا تھا، تو یہ سب مشتری کے ضمان میں قبضہ کے بغیر داخل نہ ہوں گی۔

د۔ مبیع فاسد بیع کے ساتھ۔

ھ۔ بدو صلاح کے بعد فروخت شدہ پھل مشتری کے ضمان میں آفت سے مامون ہونے کے بعد ہی داخل ہوں گے۔

و۔ غلام تا آنکہ بیع کے بعد تینوں ایام کی ذمہ داری ختم ہوجائے[1]۔

البتہ مالکیہ نے جزوی ہلاکت میں تفصیل کی ہے کہ اگر باقی ماندہ نصف سے کم ہو یا مبیع متحد ہو تو اس صورت میں مشتری کو خیار ہوگا، لیکن اگر باقی ماندہ نصف یا اس سے زائد ہو، اور مبیع متعدد ہو تو باقی ماندہ حصہ مشتری پر اس کے حصہ ثمن سے لازم ہوگا[2]۔

بیع پر مرتب ہونے والے آثار:

اول: ملکیت کی منتقلی:

۶۰- مشتری مبیع کا مالک، اور بائع ثمن کا مالک ہوگا، مبیع میں مشتری

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۷۱، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۳۰۔

(۲) الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۲/ ۷۲، حاشیۃ الصاوی، صاوی نے تخییر کے ثابت کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

کی ملکیت محض بیع صحیح کر لینے سے ہوجاتی ہے، آپسی قبضہ ہونے پر موقوف نہیں، اگر چہ قبضہ کا ضمان میں اثر ہے۔

البتہ بیع فاسد کے عقد میں حنفیہ کے نزدیک مشتری قبضہ کے بغیر مبیع کا مالک نہیں ہوتا ہے [1]، اس کی تفصیل اصطلاح ''بیع فاسد'' میں ہے۔

بدلین میں ملکیت کے منتقل ہونے پر حسب ذیل امور مرتب ہوتے ہیں:

الف۔ یہ کہ مبیع میں جو اضافہ اس کی افزائش کے نتیجہ میں ہو اس میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوتی ہے، گو کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو، بیع کی ملکیت مشتری کی طرف منتقل ہونے سے ثمن کا مؤجل ہونا مانع نہیں ہوتا۔

ب۔ مبیع میں مشتری کے تصرفات اور ثمن میں بائع کے تصرفات نافذ ہوں گے، جیسے کہ بائع ثمن کے بارے میں کسی شخص کو مشتری پر محول کردے، یہ قبضہ کے بعد ہے، رہا مشتری کا قبضہ سے قبل تصرف تو وہ فاسد یا باطل ہے [2]، اس میں اختلاف وتفصیل ہے جس کو اصطلاح ''بیع مالم یقبض'' کے تحت دیکھا جائے۔

ج۔ اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو یہاں تک کہ بائع دیوالیہ ہوکر مرگیا تو مبیع کے بارے میں مشتری کو دوسرے قرض خواہوں پر تقدم وفوقیت کا حق ہوگا، اور اس صورت میں مبیع بائع کے قبضہ میں امانت ہوگی، اور ترکہ میں داخل نہ ہوگی [3]۔

د۔ یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ بائع مبیع کی ملکیت اپنے پاس محفوظ رکھے گا تا آنکہ ثمن مؤجل کی ادائیگی ہوجائے یا کسی اور معین اجل کی تکمیل ہوجائے۔

مبیع یا ثمن کی ملکیت کے منتقل ہونے سے یہ بات مانع نہیں ہوگی کہ وہ دونوں ذمہ میں ثابت دین ہیں بشرطیکہ وہ دونوں اعیان نہ ہوں، اس لئے کہ دیون کی ملکیت ''ذمہ'' میں ہوتی ہے گو کہ متعین نہ ہوں، اس لئے کہ تعیین اصل ملکیت سے زائد امر ہے، چنانچہ اس کا حصول بسا اوقات ملکیت کے ساتھ ہوتا ہے اور بسا اوقات وہ اس سے مؤخر ہوتی ہے تا آنکہ سپردگی مکمل ہوجائے [1]، جیسے کہ اگر چاول کی معین کیست میں سے معلوم مقدار خرید ے تو اس کیست میں سے وہ حصہ سپرد کرنے کے بعد ہی متعین ہوگا، اسی طرح ثمن جبکہ ذمہ میں دین ہو۔

دوم: نقد ثمن کی ادائیگی:

۲۱ - اصل ثمن میں نقد ادائیگی ہے، یہ فقہاء کے مابین فی الجملہ متفقہ ہے۔ ابن عبد البر نے کہا: ثمن ہمیشہ نقد ہوتا ہے، الا یہ کہ فریقین اس کے لئے مقررہ وقت کا ذکر کردیں تو اس وقت تک مؤخر ہوگا [2]۔

اتاسی نے ''شرح المجلہ'' میں ''السراج'' کے حوالہ سے اس کی وجہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے: اس لئے کہ فوری ادائیگی عقد کا مقتضا اور موجب ہے۔

''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' میں ہے: بیع مطلق ''معجّل'' منعقد ہوتی ہے، پھر مجلّہ نے اس صورت کو اس سے مستثنی کیا ہے کہ کسی جگہ کا عرف یہ ہو کہ وہاں بیع مطلق سے ادھار یا قسط وار بیع مراد ہوتی ہو [3]، جیسا کہ مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع خیار میں نقد ادا کرنا جائز نہیں ہے، نہ زمانہ خیار کے اندر اور نہ غلام کی بیع کی صورت میں

(۱) شرح المجلہ: دفعہ (۳۶۹)۔
(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۳۷۱)۔
(۳) شرح المجلہ: دفعہ (۲۹۷)۔

(۱) شرح المجلہ: دفعہ (۲۰۱)۔
(۲) الکافی لابن عبد البر ۲/ ۷۲۶، البہجہ شرح التحفہ ۲/ ۸۸۔
(۳) شرح المجلہ للأتاسی دفعہ (۲۵۰) ۲/ ۱۷۰۔

تین دنوں کے ذمہ کے زمانہ میں، اورفوری ادائیگی کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، غائب کی بیع میں ثمن کالازمی طور پرنقد ادا کرنے کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، البتہ تطوعاً ایسا کرنا جائز ہے (۱)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ ثمن یا تو معجّل ہوگا یا مؤجل، اورثمن مؤجل یا تو سارے ثمن کے لئے معین وقت تک کے لئے ہوگایا متعینہ مختلف اوقات پرقسط وار ہوگا (۲)۔

ایک اور جہت سے ثمن یا تو متعین عین ہوگا، یا ایسا دین ہوگا جو ذمہ میں لازم ہو۔

ثمن: اگر دین ہوتو اس کی ادائیگی کاحکم اس کے معجّل یامؤجل یا قسط وار ہونے کے لحاظ سے الگ الگ ہوگا، اگر مؤجل یاقسط وار ہوتو متعین ہوگا کہ وقت فریقین کومعلوم ہو۔ اس میں تفصیل ہے جس کو اصطلاح ''اجل''میں دیکھا جائے۔

اگرخریدار نے ثمن کا کچھ حصہ ادا کردیا تو بھی مبیع کے وصول کرنے کا اس کوحق نہ ہوگا، اور نہ مبیع کے اس حصہ کوجوثمن کے ادا شدہ جز کے برابر ہو،خواہ مبیع ایک چیز ہویاچند چیزیں، اورخواہ ان چیزوں کی قیمت علاحدہ علاحدہ بتائی ہویا ان تمام کی قیمت مجموعی رکھی ہو، بشرطیکہ بیع ایک ہی عقد میں مکمل ہوئی ہو (۳)۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے خلاف کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

عوضین میں سے کسی ایک کی ادائیگی کا آغاز:

۶۲ -عوضین کی نوعیت کے لحاظ سے پہلے کون سپرد کرے: بائع یا مشتری، اس سلسلہ میں فقہاء کااختلاف ہے، اوراس کے چندحالات ہیں:

پہلی حالت: دونوں عوض معین ہوں (مقایضہ) یا دونوں ثمن ہوں (صرف):

۶۳ - حنفیہ کا مذہب ہے کہ فریقین ایک ساتھ سپرد کریں گے اگر عین اوردین میں دونوں کے دین کے ساتھ برابری ہو۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کوچھوڑ دیا جائے گا تا کہ باہم اتفاق کرلیں، اگر یہ حاکم کی موجودگی میں ہوتو وہ کسی ایسے شخص کووکیل بنادے جوان دونوں کے مابین اس کام کوانجام دلادے۔

شافعیہ کے یہاں ''اظہر'' یہ ہے کہ ان دونوں کوسپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ دونوں پہلو برابر ہیں، اس لئے کہ متعین ثمن عین کے ساتھ حق کے متعلق ہونے میں مبیع کی طرح ہے۔

حنابلہ کے نزدیک حاکم ان دونوں کے درمیان ایک معتبر آدمی کو مقرر کردے گا، جوان دونوں سے اپنے قبضہ میں لے گا، پھر ان دونوں کے سپرد کردے گا،تا کہ جھگڑا ختم ہوجائے، اس لئے کہ دونوں کاحق ثمن اورعوض ثمن کے عین کے ساتھ تعلق میں برابر ہے، اور وہ معتبر شخص پہلے مبیع حوالہ کرے گا، اس لئے کہ عرف میں ایسا ہی ہے۔

دوسری حالت: ایک عوض متعین اوردوسرا ذمہ میں دین ہو:

۶۴ - حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب، اورشافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ پہلے مشتری سے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ صاوی نے کہا: اس لئے کہ مبیع اپنے بائع کے ہاتھ میں ثمن پررہن کی طرح ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ مشتری کا حق مبیع میں متعین ہوچکا ہے، لہذا وہ ثمن حوالہ کرے گا، تا کہ قبضہ کے ذریعہ بائع کا حق متعین ہوجائے، اوراس طرح دونوں میں مساوات برقرار رہے۔

شافعیہ کے یہاں مذہب اورحنابلہ کی رائے یہ ہے کہ بائع کو پہلے سپرد کرنے پرمجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ مبیع پر قبضہ تکمیل بیع کا

---

(۱) جواہر الإکلیل ۲/۱۰۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۴۵)۔

(۳) شرح المجلہ: دفعہ (۲۷۸)۔

حصہ ہے، اور ثمن کا استحقاق بیع کی تکمیل پر مرتب ہوتا ہے، نیز عرف بھی یہی ہے[1]۔

جہاں تک نقد ثمن کی ادائیگی اور اسی طرح ادھار ثمن جس کا وقت پورا ہو چکا ہو، کی ادائیگی میں مشتری کے کوتاہی کرنے کے نتیجہ کا تعلق ہے تو باتفاق فقہاء اگر مشتری مالدار ہو تو اس کو نقد ثمن کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا، اسی طرح فی الجملہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ بائع کو فسخ کا حق ہوگا، اگر مشتری مفلس ہو یا ثمن شہر سے مسافت قصر کے برابر دوری پر ہو۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ بائع کو فسخ کا حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے لئے اپنے حق کے حصول کے لئے تقاضا کرنا ممکن ہے، اور وہ اس حالت میں دائن (قرض دینے والا) ہوگا جیسے کہ دوسرے دائن ہیں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنے لئے خیار نقد کی شرط نہ لگائی ہو، مثلاً یہ کہے: اگر تم نے فلاں وقت ثمن ادا نہ کیا تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی۔ اور اس شرط کے تقاضے کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بیع خود بخود فسخ قرار پائے گی، یا اس کے فاسد ہونے کی وجہ سے وہ فسخ کی مستحق ہوگی؟ حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ فاسد ہوگی، خود بخود فسخ نہیں قرار پائے گی[2]، اس کی تفصیل: ''خیار نقد'' میں ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ نقد ثمن کی ادائیگی میں مشتری کی کوتاہی افلاس کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ اس کا مال شہر میں قریب کی دوری پر یا مسافت قصر سے کم کی دوری پر غائب ہو، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشتری پر مبیع اور اس کے دیگر تمام اموال میں پابندی لگائی جائے گی تا آنکہ ثمن حوالہ کردے، اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ وہ اپنے مال میں کوئی ایسا تصرف کردے جس سے بائع کو نقصان پہنچے، لیکن اگر مال قصر یا اس سے زیادہ کی مسافت پر غائب ہو تو بائع کو اس کے حاضر کرنے تک صبر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا، بلکہ مبیع اور مشتری کے مال پر پابندی عائد کردی جائے گی جیسا کہ گزرا، اور بائع فسخ کا مالک ہوگا، شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنابلہ کی ایک رائے یہی ہے۔ مزید برآں یہ کہ بائع کو مبیع کو محبوس رکھنے کا حق ہوگا تا آنکہ وہ اس کے ثمن پر قبضہ کرلے، اور حنابلہ کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ قصر سے کم مسافت کی صورت میں بائع کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ مال موجود کے درجہ میں ہے۔ شافعیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ بائع کو فسخ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ مبیع کو فروخت کردیا جائے گا اور ثمن میں سے اس کا حق دیگر دیون کی طرح ادا کیا جائے گا[1]۔

ادائیگی نہ کرسکنے کی وجہ سے دوطرفہ واپسی کی شرط لگانا:

۶۵ - حنفیہ کی جو تفصیل پیچھے گذری کہ اگر اس میں مقررہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں فسخ کی شرط لگادی ہو تو حق فسخ ثابت ہوگا جسے ''خیار نقد'' کہتے ہیں، اسی سے قریب مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر بائع نے مشتری سے کہا ہو: میں نے تمہارے ہاتھ فلاں وقت تک کے لئے فروخت کیا، یا اس شرط پر فروخت کیا کہ تم فلاں وقت ثمن میرے پاس لاؤگے، اگر اس وقت پر تم نہ لا سکے، تو ہمارے درمیان بیع نہیں رہے گی تو ''المدونۃ'' میں ہے کہ بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی۔ امام مالک سے دو اور اقوال مروی ہیں: ایک یہ کہ بیع اور شرط

---

(۱) الصاوی علی الدردیر ۳/ ۱۷، ۲۷، شرح المجلہ للأتاسی ۲/ ۱۹۱، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۴۹، الدرر شرح الغرر ۲/ ۱۵۴، فتح القدیر ۵/ ۴۹۶، مغنی المحتاج ۲/ ۴۷، المغنی ۴/ ۲۱۹، ۲۲۰۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۱۹، ۲۲۰، مغنی المحتاج ۲/ ۵۷، الشرح الصغیر للدردیر ۲/ ۱۷، شرح المجلہ ۲/ ۱۹۱، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۴۴۔

(۱) سابقہ مراجع۔

دونوں صحیح ہوں گی اور دوسرا قول یہ کہ بیع فسخ ہوجائے گی [۱]۔

اس کی تفصیل ''خیار نقد'' میں ہے۔

اور اگر ثمن ادھار ہوتو بائع پر مبیع کا سپرد کرنا لازم ہے، اور مشتری سے وقت کے آنے سے پہلے ثمن کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا [۲]۔

اور یہی حکم اس وقت ہے جب ثمن قسط وار ہو، اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ ادھار ثمن میں بائع کو حق نہیں ہے کہ وہ ادھار کی وجہ سے مبیع کو روکے رکھے، اگر چہ حوالہ کرنے سے قبل ثمن نقد ہوجائے، اس لئے کہ وہ ثمن کی تاخیر پر راضی ہوچکا ہے [۳]۔

اگر ثمن کا کچھ حصہ نقد ہو اور کچھ ادھار تو بعض نقد والے ثمن کا حکم وہی ہوگا جو پورے ثمن کے نقد ہونے کا حکم ہے، لہٰذا مشتری جب تک ثمن کے نقد والے حصہ کو ادا نہ کردے وہ بائع سے مبیع کی سپردگی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

تمام حالات میں ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو، اگر ایسا ہے تو بیع جائز ہوگی، چاہے مدت کتنی ہی لمبی ہو خواہ بیس سال ہو، اس کی تفصیل ''اجل'' میں ہے۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ ''تقاضی'' کی شرط کے ساتھ اہل سوق (بازار) کی بیع میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس کی مقدار آپس میں معروف ہو، اور تقاضی یہ ہے کہ فریقین کے درمیان متعارف مدت تک دین کے مطالبہ کو مؤخر کیا جائے۔

مشتری کو حق ہے کہ اگر مبیع عیب دار ہو یا ظاہر ہوجائے کہ کوئی دوسرا اس کا حق دار ہے تو ثمن کی ادائیگی سے گریز کرے تا آنکہ عیب کے بارے میں اپنے حق یعنی فسخ یا تاوان کے مطالبہ کا استعمال کرلے یا تا آنکہ دوسرے کے حق کا معاملہ واضح ہوجائے۔

اور جائز ہے کہ فوری واجب الاداء دین یا قریبی مدت تک ادھار دین کو لمبی مدت تک کے لئے مؤخر کیا جائے، اور ثمن کے مساوی یا اس سے کم ثمن کی جنس سے لیا جائے، اس لئے کہ یہ قرض دینا ہے یا بعض کو ساقط کرنے کے ساتھ قرض دینا ہے جو معروف ہے، لیکن سلم کے رأس المال کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے [۱]۔

مالکیہ نے تین دن کی حدود میں رأس المال کی تاخیر جائز قرار دی ہے، گو کہ شرط کے ساتھ ہو [۲]۔

سوم: مبیع کو سپرد کرنا:

۶۶ - ابن رشد الحفید نے کہا: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اعیان کی بیع کسی مدت تک کے لئے ناجائز ہے، اور اس کی شرط ہے کہ عقد بیع کے بعد ہی مبیع مشتری کے سپرد کردی جائے [۳]۔

تسولی نے ''البهجة شرح التحفة'' میں کہا: مبیع معین کو سپرد کرنا واجب ہے، اس لئے کہ سپردگی کا وجوب اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور تاخیر کے سبب عقد فاسد ہوجاتا ہے [۴]۔

ناپ، تول اور شمار کرنے کی اجرت بائع پر ہوگی، اس لئے کہ اس کے بغیر تکمیل نہیں ہوتی، ابن قدامہ نے کہا: اس لئے کہ بائع پر واجب ہے کہ مشتری کو مبیع پر قبضہ دلائے اور قبضہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

---

(۱) الشرح الصغیر ۳/ ۸۴، الدسوقی ۳/ ۱۷۵، فتح العلی المالک ۱/ ۳۵۳۔

(۲) شرح المجلہ: دفعہ (۲۸۳)۔

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۷۵۔

---

(۱) البہجہ شرح التحفہ ۲/ ۱۰، الفواکہ الدوانی ۲/ ۱۲۰۔

(۲) جواہر الإکلیل ۲/ ۲۴، ۵۷، ۶۶، الشرح الصغیر ۲/ ۳۳۔

(۳) بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۷۰۔

(۴) البہجہ شرح التحفہ ۲/ ۱۲، مغنی المحتاج ۲/ ۷۴۔

رہی ثمن کے شمار کرنے، اس کے ناپنے اور اس کے وزن کرنے کی اجرت تو یہ مشتری پر ہوگی، اور منتقل کی جانے والی مبیع کی حوالگی میں منتقل کرنے کی اجرت مشتری پر ہوگی [۱]۔

مبیع کو سپرد کرنا وہ اہم نتیجہ ہے جس کا عقد بیع میں بائع پابند ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ نقد ثمن کے سپرد کرنے کے وقت ثابت ہوتا ہے، (اور ادھار ثمن میں مبیع کا سپرد کرنا ثمن کی ادائیگی پر موقوف نہیں ہے) اور مبیع کی سپردگی اس وقت پائی جائے گی جبکہ اس کو ہر طرح کی مشغولیت سے خالی مشتری کے حوالہ کردے، یعنی وہ "عین" مکمل انتفاع کے لائق ہو، لہذا اگر مبیع مشغول ہو تو سپردگی صحیح نہیں ہوگی اور بائع کو مبیع کے خالی کرنے پر مجبور کیا جائے گا [۲]۔

مبیع کی مشغولیت کی چند صورتیں: مبیع عقد اجارہ کا محل ہو جس کو بائع مکمل کر چکا ہے، اگر مشتری مدت اجارہ کے ختم ہونے تک انتظار کرنے سے راضی ہو تو اس کو سپردگی کے مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اس کو اختیار ہے کہ ثمن روک لے تا آنکہ اجارہ ختم ہو جائے، اور مبیع سپرد کرنے کے قابل ہو جائے [۳]۔

جس طرح مبیع کو سپرد کرنا واجب ہے اسی طرح مبیع کے توابع کو بھی سپرد کرنا واجب ہے [۴]۔

مثلی (یعنی مکیل یا موزون یا معدود) اور غیر مثلی یعنی عقار یا جانور وغیرہ کے درمیان قبضہ کے حکم میں اختلاف ہے۔

چنانچہ عقار (زمین یا جائیداد) پر قبضہ کے لئے تخلیہ کرنا کافی ہے بشرطیکہ وہ بائع کے سامانوں سے خالی ہو، لہذا اگر بائع کے سامان ایک کمرہ میں جمع کردیئے جائیں تو اس کمرہ کے علاوہ پر قبضہ درست ہے، اور اس کمرہ پر قبضہ اس کے خالی کرنے پر موقوف ہوگا [۱]۔

لیکن اگر بائع مشتری کو گھر اور سامان پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دے تو سپردگی صحیح ہے، اس لئے کہ سامان مشتری کے پاس ودیعت ہوگیا [۲]۔

مالکیہ کی ایک عبارت ہے: عقار اگر زمین ہو تو اس پر قبضہ اس کو چھوڑ دینے سے ہوگا، اور اگر رہائشی گھر ہو تو اس پر قبضہ اس کو خالی کرنے سے ہوگا [۳]۔

اگر فریقین فروخت کئے گئے عقار کے پاس موجود نہ ہوں تو شافعیہ کے یہاں "اصح" یہ ہے (اور اسی کے مثل بعض حنفیہ سے اس عقار کے بارے میں منقول ہے جو فریقین سے دور ہو) کہ اتنے زمانے کے گذرنے کا اعتبار کیا جائے جس میں عقار تک جانا ممکن ہو، اس لئے کہ اگر مشقت کے سبب عقار کے پاس فریقین کی موجودگی کا اعتبار نہ کیا جائے تو زمانے کے گذرنے کے اعتبار کرنے میں کوئی مشقت نہیں [۴]، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکمت دو ضمان کے تداخل سے احتراز اور بچنا ہے۔

رہا منقول تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزوں پر قبضہ پورے طور پر ناپ یا تول یا شمار کر لینے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ شافعیہ نے کہا: اسی کے ساتھ منتقل کرنا بھی ضروری ہے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اُکل سے بیع نہ ہو، کہ اس پر قبضہ منتقل کردینے سے ہوجاتا ہے، اس میں اختلاف اور تفصیل

(۱) الشرح الصغیر ۲/ ۷۱ طبع الحلبی، مغنی المحتاج ۲/ ۷۳، المغنی ۴/ ۱۲۶ طبع الریاض۔
(۲) المجلہ: دفعات (۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۶)، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۶۲۔
(۳) جامع الفصولین، فصل ر ۳۲۔
(۴) المجلہ: دفعہ (۲۸)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۸۸، ۵۱۲، القلیوبی ۲/ ۲۱۶۔
(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳/ ۱۷۔
(۳) الشرح الصغیر ۲/ ۷۱ طبع الحلبی۔
(۴) مغنی المحتاج ۲/ ۷۲، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۶۳۔

ہے(۱)۔ دیکھئے: ''بیع جزاف''۔

ان کے علاوہ جہاں تک جانور اور سامان تجارت کا تعلق ہے تو ان پر قبضہ عرف کے لحاظ سے ہوگا، مثلاً کپڑے کو سپرد کرنا، جانور کی لگام حوالہ کرنا، اس کو ہانک کر لے جانا یا اس کو بائع کے جانور سے علاحدہ کرنا یا بائع کا اس کو چھوڑ کر چلا جانا۔

حنفیہ نے (اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے) ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی چیزوں، اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کے مابین فرق نہیں کیا ہے، لہذا ان تمام میں تخلیہ سے قبضہ ہوجائے گا، حتی کہ اگر بائع کے گھر میں تخلیہ ہو تو بھی صحیح ہے، لہذا اگر مبیع اس کے بعد ہلاک ہوجائے تو مشتری کے ضمان سے ہلاک ہوگی، اس لئے کہ وہ اس کے پاس ودیعت کی طرح ہے(۲)۔

مبیع پر سابقہ قبضہ اس پر تجدید قبضہ کے قائم مقام ہے، اگر اس پر ضمان کے طور پر قبضہ کیا تھا، یعنی مشتری نے اس کو بائع سے خریدنے سے قبل اس سے غصب کرلیا تھا تو یہ قبضہ کافی ہے، اس لئے کہ یہ قوی قبضہ ہے جو مشتری کے اپنی خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کے درجہ میں ہے، اس لئے بہر دو حال ہلاکت کا بوجھ قبضہ والے پر ہوگا۔

البتہ اگر سابقہ قبضہ امانت کے قبضہ کے قبیل سے ہو، مثلاً عاریت اور امانت پر لینے والے کا قبضہ، اور وہ ایسا قبضہ ہے کہ بغیر زیادتی یا کوتاہی کے ہلاک ہونے کی حالت میں جس کے ہاتھ میں وہ چیز ہے اس سے ضمان نہیں لیا جاتا، تو یہ قبضہ ضعیف مانا جائے گا، وہ ضمان کے قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا(۳)۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۷۳، المغنی ۴/ ۱۲۵ طبع الریاض۔

(۲) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۶، الفروع ۴/ ۱۴۲، المغنی ۴/ ۱۲۴، ۱۲۵۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۱۲، شرح المجلہ للاتاسی ۲ دفعہ (۸۴۶)۔

بیع کی انتہاء:

۶۷ - پچھلی تفصیلات یعنی کلی طور پر ہلاک ہونے کے بعض حالات کے سبب بیع کے فسخ ہونے کے علاوہ بیع اپنے اثرات یعنی سپردگی اور قبضہ کے مکمل ہونے سے ختم ہوجاتی ہے۔

اقالہ کے ذریعہ بھی بیع ختم ہوجاتی ہے(۱)۔

اس پر تفصیلی کلام اصطلاح ''اقالہ'' میں ہے۔

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۵۳۔

بیع استجرار

تعریف:

۱- بیع کا معنی ہے: تملیک وتملک کے طور پر مال کا مال سے تبادلہ[1]۔

لغت میں استجرار کا معنی: کھینچنا ہے۔ کہا جاتا ہے: أجورته الدین: میں نے اس کو قرض میں مہلت دی[2]۔

بیع استجرار: بیچنے والوں سے ضرورت کی چیزیں تھوڑی تھوڑی لینا، اور اس کے بعد ان کا ثمن ادا کرنا[3]۔

متعلقہ الفاظ:

بیع بالتعاطی:

۲- معاطاۃ اور تعاطی کے معنی ہیں: لین دین اور تبادلہ کرنا۔

بیع بالتعاطی: یہ ہے کہ بائع اور مشتری صیغہ کہے بغیر ایک دوسرے کے مال پر قبضہ کرلیں، یعنی بائع، مبیع دے لیکن زبان سے کچھ نہ کہے، اور مشتری ثمن دے اور وہ بھی زبان سے کچھ نہ کہے[4]۔

بیع استجرار اور بیع تعاطی میں فرق یہ ہے کہ بیع استجرار میں عموم زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ بسا اوقات ایجاب وقبول کے ذریعہ ہوتا ہے، اور بسا اوقات تعاطی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس طرح بیع استجرار میں اکثر ثمن ادھار ہوتا ہے، اور بعض صورتوں میں ثمن کی عدم تحدید و تعیین ہوتی ہے۔

بیع استجرار سے متعلق احکام:

بیع استجرار کی متعدد صورتیں ہیں، اور اسی وجہ سے مختلف صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

مذہب حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک بیع استجرار کی حسب ذیل صورتیں وارد ہیں:

۳- پہلی صورت: یہ کہ انسان تاجر سے روزمرہ استعمال کی چیزیں مثلاً روٹی، نمک تیل اور دال وغیرہ رفتہ رفتہ لے، اور لیتے وقت ثمن مجہول ہو، پھر ان کو استعمال کرنے کے بعد خرید لے۔

اصل اس بیع کا عدم انعقاد ہے، اس لئے کہ خریداری کے وقت مبیع معدوم ہے، اور معقود علیہ کی شرائط میں سے اس کا موجود ہونا ہے، لیکن فقہاء نے اس بیع میں نرمی سے کام لیتے ہوئے اس کو اس ضابطہ سے کہ وجود مبیع شرط ہے، خارج کردیا ہے۔ اور یہاں استحساناً معدوم کی بیع جائز قرار دی ہے، جیسا کہ "البحر الرائق" اور "القنیہ" میں ہے۔

بعض حنفیہ نے کہا: یہ معدوم کی بیع نہیں ہے۔ بلکہ یہ مالک کی اجازت عرفی سے تلف کی ہوئی چیزوں کے ضمان کے قبیل سے ہے اور اس کی وجہ آسانی پیدا کرنا اور دفع حرج ہے، جیسا کہ عرف ہے، لیکن اس علت کو حموی وغیرہ نے پسند نہیں کیا ہے۔

ابن عابدین نے کہا: مسئلہ استحسانی ہے۔ اور اس کی تخریج

---

(۱) المغنی ۳/ ۵۶۰، مجلۃ الاحکام العدلیہ: دفعہ (۱۰۵)۔

(۲) لسان العرب، المصباح المنیر۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۱۲، المدونہ ۴/ ۲۹۴، اسنی المطالب ۲/ ۳، البحر ۱/ ۲۹۸۔

(۴) البنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۱۹۷۔

اعیان (اشیاء) کے قرض پر ممکن ہے۔ اور اس کا ضمان استحسانا ثمن کے ذریعہ ہوگا، جیسا کہ ذوات القیم اشیاء میں انتفاع کا حلال ہونا، اس لئے کہ ذوات القیم کو قرض پر دینا فاسد ہے، اس سے انتفاع حلال نہیں، گو کہ قبضہ کے ذریعہ ملکیت میں آجائے۔

۴- **دوسری صورت:** بعینہ پہلی صورت ہے، بس فرق ثمن کی معرفت کے تعلق سے ہے یعنی انسان اپنی ضرورت کی چیز رفتہ رفتہ لے، لیتے وقت ثمن کا علم ہو اور اس کا حساب بعد میں کرے۔

یہ بیع جائز ہے، اس کے انعقاد میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ جب اس نے کوئی چیز لی تو اس کی بیع متعین ثمن کے بدلے میں ہوئی، اور یہ بیع تعاطی ہوگی، بیع تعاطی منعقد ہوتی ہے، خواہ ثمن لیتے وقت ادا کردے یا وہ ادھار ہو۔

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ انسان تاجر کو کچھ دراہم یہ کہے بغیر دے دے کہ میں نے خریدا، اور ثمن کے علم کے ساتھ روزانہ اس سے پانچ رطل لے۔

یہ بیع جائز ہے، اور اس کا کھانا حلال ہے، اس لئے کہ اگرچہ دیتے وقت اس کی نیت خریداری کی تھی، تاہم محض نیت سے بیع نہیں ہوتی، بلکہ اسی وقت تعاطی کے ذریعہ بیع ہوگی، اور اس وقت مبیع معلوم ہے لہذا بیع صحیح منعقد ہوگی۔

۵- **تیسری صورت:** یہ کہ انسان تاجر کو چند دراہم دے کر یہ کہہ دے کہ میں نے تم سے مثلاً سو رطل روٹی خریدی اور ہر روز پانچ رطل لے۔

یہ بیع فاسد ہے اور اس کا کھانا مکروہ ہے، کراہت کی وجہ مبیع کی جہالت ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی روٹی خریدی جس کی طرف اس نے اشارہ نہیں کیا، لہذا مبیع مجہول ہوگئی، اور بیع کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو۔

۶- **چوتھی صورت:** یہ کہ انسان تاجر کو چند دراہم یہ کہے بغیر دے کہ ''میں نے خریدا''، اور ہر روز پانچ رطل لے، ان کی قیمت معلوم نہ ہو تو بیع بالتعاطی منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ ثمن مجہول ہے، لہذا اگر لینے والے نے مبیع میں تصرف کردیا ہو اور بائع نے اس کو دینے، اور اس کے عوض کے طور پر اس میں تصرف کرنے سے راضی ہوکر اس کو دے دیا ہو تو یہ بیع نہ ہوگی، اگرچہ بیع کی نیت سے ہو، اس لئے کہ نیت سے بیع نہیں ہوتی، لہذا یہ اس قرض کے مشابہ ہوگا جس کا ضمان اس کے مثل یا قیمت سے دیا جاتا ہے۔ اگر وہ دونوں مثل یا قیمت کے بدلہ کسی اور چیز پر راضی ہوجائیں تو لینے والے کا ذمہ بری ہوجائے گا [1]۔

مذہب مالکیہ:

مالکیہ کے یہاں یہ صورتیں آئی ہیں:

۷- یہ کہ انسان تاجر کے پاس کچھ دراہم رکھ جائے پھر دراہم کے متعین جزو کے عوض متعین سامان لیتا رہے۔ تو یہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ سامان اور ثمن دونوں متعین ہیں۔

۸- یہ کہ تاجر کے پاس کچھ دراہم رکھتے ہوئے یہ کہے: میں تم سے اس کے عوض مثلاً اتنی کھجوریں لوں گا یا اتنا دودھ وغیرہ اور اس کے ساتھ مل کر کسی سامان کی مقدار مقرر کرلے، اور اس کے ثمن کی کوئی مقدار مقرر کرلے، سامان اس کے پاس چھوڑ دے کہ جب چاہے لے لے گا یا اس کے لینے کا وقت مقرر کردے تو یہ بیع بھی جائز ہے۔

۹- یہ کہ تاجر کے پاس کچھ دراہم معین یا غیر معین سامان کے لئے اس شرط پر چھوڑ دے کہ اس میں سے روزانہ اس کے نرخ سے لیتا رہے گا اور وہ دونوں اس بیع کا عقد کرلیں۔ تو یہ بیع ناجائز ہے، اس لئے کہ

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۲، ۱۳، البحر الرائق ۵/ ۲۷۹، اشباہ ابن نجیم رص ۳۶۴۔

جس ثمن پر انہوں نے عقد کیا ہے وہ مجہول ہے، اور یہ ایسا "غرر" ہے جو صحتِ بیع سے مانع ہے۔

۱۰- انسان تاجر سے ضرورت کا سامان متعین نرخ میں لے، اور ہر روز متعین وزن اور متعین نرخ میں لے، اور ثمن متعین مدت یا عطاء (وظیفہ) ملنے تک کے لئے مؤخر ہو اگر عطاء (وظیفہ) معلوم ومامون ہوتو یہ بیع جائز ہے[1]۔

مذہب شافعیہ:

شافعیہ کے یہاں بیع استجرار کی دو صورتیں ہیں:

۱۱- اول: انسان تاجر سے ضرورت کی چیز تھوڑی تھوڑی لیتا رہے اور اس کو کچھ نہ دے اور وہ دونوں لفظاً بیع نہ کریں بلکہ دونوں اس کے عام ثمن میں لینے کی نیت کریں، اور وہ ایک مدت کے بعد اس کا حساب کرکے ثمن دے دے، جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

نووی نے کہا: یہ بیع بلا اختلاف (یعنی شافعیہ کے یہاں) باطل ہے، اس لئے کہ یہ نہ تو لفظی بیع ہے اور نہ تعاطی کے ساتھ۔

اذرعی نے کہا: بغوی کا فتویٰ یہی ہے، اور ابن صلاح نے اپنے فتاوی میں اسی کے مثل لکھا ہے۔

امام غزالی نے نرمی سے کام لیتے ہوئے اس کو مباح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کا عرف ہے، اور اس کی اباحت کے بارے میں یہی ان کی دلیل ہے۔

اذرعی نے کہا: نووی کے اس قول میں کہ "اس کو نہ معاطاۃ شمار کیا جاتا ہے اور نہ ہی بیع" اشکال ہے بلکہ لوگ اس کو بیع شمار کرتے ہیں، اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ضرورت کی چیز لیتے دیتے وقت ثمن کی مقدار دونوں کے علم میں ہوتی ہے، گو کہ وہ لفظاً اس کو ذکر نہ کریں۔

(۱) المنتقی شرح الموطا للباجی ۵/ ۱۵ طبع السعادہ، المدونہ ۴/ ۲۹۲۔

۱۲- دوم: انسان تاجر سے کہے: مجھے اتنے میں مثلاً گوشت یا روٹی دے دو، اور وہ اس کو مطلوبہ چیز دے دے، وہ اس پر قبضہ کرلے اور اس سے راضی ہوجائے، اور ایک مدت کے بعد حساب کرکے اپنے ذمہ لازم ثمن کو ادا کردے، تو یہ بیع قطعی طور پر ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو بیع معاطاۃ کو جائز قرار دیتے ہیں[1]۔

مذہب حنابلہ:

۱۳- حنابلہ کے یہاں بیع استجرار کے مسائل اس بیع پر مبنی ہیں، جو ثمن کے ذکر کے بغیر ہو، مرداوی نے "الانصاف" میں ان مسائل کو ذکر کرتے ہوئے کہا:

ایسی چیز کے عوض بیع جس پر نرخ ختم ہوجائے صحیح نہیں ہے، "مذہب" یہی ہے، اصحاب کی یہی رائے ہے، امام احمد سے ایک دوسری روایت ہے کہ یہ بیع صحیح ہے، تقی الدین ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے کہا: مذہب امام احمد میں دو میں سے ایک قول یہی ہے۔

بیع کی شرائط میں سے عقد کے وقت ثمن کا معلوم ہونا ہے، مذہب میں صحیح یہی ہے اور یہی اصحاب کی رائے ہے، ابن تیمیہ نے صحت بیع کو اختیار کیا ہے اگر چہ ثمن مقرر نہ ہو، اور اس کے لئے ثمن مثل ہوگا، اس کی نظیر مہر کی تعیین کے بغیر نکاح کا صحیح ہونا ہے، اور عورت کے لئے مہر مثل ہوتا ہے[2]۔

ابن مفلح نے اپنی کتاب "النكت و الفوائد السنية على مشكل المحرر"[3] میں بیع بلا ذکر ثمن کے مسائل میں امام احمد

(۱) المجموع ۹/ ۱۵۰، ۱۵۱، مغنی المحتاج ۲/ ۳، اسنی المطالب ۲/ ۳، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۱۶، ۲۱۷۔

(۲) الانصاف ۴/ ۳۱۰۔

(۳) النکت والفوائد السنیہ علی مشکل المحرر ۱/ ۲۹۸، ۲۹۹۔

سے اختلاف روایات کا ذکر کیا ہے اور دو ایسی صورتیں لکھی ہیں جن میں امام احمد کی رائے میں اختلاف ہے، ایک روایت میں انہوں نے بیع کو ناجائز، اور دوسری روایت میں جائز کہا ہے۔

۱۴ - خلال نے متعین ثمن کے بغیر فروختگی کے بارے میں حرب کے حوالہ سے کہا: میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے: میرے لئے ایک جریب گیہوں بھیج دو، اور اس کا حساب میرے اوپر اس نرخ سے لگالو جس پر تم فروخت کرتے ہو، تو امام احمد نے فرمایا: یہ ناجائز ہے یہاں تک کہ اس سے نرخ بیان کردے۔

اسحاق بن منصور سے مروی ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ ایک شخص دوسرے سے سامان لیتے ہوئے کہتا ہے: میں نے اس سامان کو اس قیمت میں لے لیا جس میں باقی سامان فروخت کروگے، تو انہوں نے کہا: ناجائز ہے۔ اور حنبل سے مروی ہے کہ میرے چچا نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں، اس لئے کہ یہ بیع مجہول ہے، نرخ بدلتا ہے، اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

ان دونوں روایتوں کے مطابق امام احمد اس بیع کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

۱۵ - جواز کی دو روایتیں یہ ہیں:

ابو داؤد نے اپنے مسائل میں کہا: ثمن کی تعیین کے بغیر خریداری کا بیان۔ میں نے سنا جبکہ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بنئے کے پاس بھیج کر اس سے تھوڑی تھوڑی چیز لیتا ہے اور اس کے بعد اس کا حساب کرتا ہے، تو امام احمد نے کہا: مجھے توقع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، امام احمد سے دریافت کیا گیا: بیع اسی وقت ہوجائے گی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ دونوں مبیع پر قبضہ اور اس میں تصرف کے بعد ثمن پر متفق ہیں، اور یہ کہ قبضہ کے وقت تک بیع نہ تھی بلکہ حساب کرنے کے وقت ہوئی، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نرخ پر بیع درست ہے (یعنی اس نرخ پر جس پر اس کی فروختگی مروج ہے)۔

مثنی بن جامع سے مروی ہے کہ امام احمد سے دریافت کیا گیا: ایک شخص کسی کو اپنے ساتھ کسی معاملہ کرنے والے کے پاس اس لئے بھیجتا ہے تا کہ وہ اس کے پاس کپڑا بھیج دے، وہ اس کے پاس جاتا ہے اور اس سے کپڑے کی قیمت پوچھتا ہے۔ وہ اس کو بتادیتا ہے، تو وہ اس سے کہتا ہے: اس کو لکھ لو۔ اور ایک شخص کھجور لیتا ہے اور اس کا ثمن مقرر نہیں کرتا پھر کھجور والے کے پاس سے گذرتے ہوئے کہتا ہے: اس کا ثمن لکھ لو؟ تو امام احمد نے اس کو جائز قرار دیا، بشرطیکہ اس کو لینے کے دن کے نرخ پر اس کا ثمن مقرر کرے۔ اور یہ (روایت) اس سلسلے میں صریح ہے کہ قبضہ کے وقت کے ثمن مثل کے بدلہ میں نہ کہ حساب کرتے وقت کے ثمن مثل کے بدلہ میں خریداری جائز ہے، خواہ عقد میں اس کا ذکر ہو یا بیع کے وقت میں لینے کے الفاظ مطلق ہوں۔

جواز کی اسی روایت کو ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اختیار کیا ہے۔

ابن القیم "اعلام الموقعین" میں کہتے ہیں: عقد کے وقت ثمن کی تعیین کے بغیر اس چیز کے عوض جس پر نرخ ختم ہوجاتا ہے، بیع کے جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص سے خریداری کرے جس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے مثلاً روٹی یا گوشت یا گھی وغیرہ فروخت کرنے والے سے روزانہ متعین مقدار میں لے، پھر مہینہ یا سال کے آغاز میں سب کا حساب کرکے اس کو اس کا ثمن دے دے۔ اس کو اکثر حضرات ممنوع کہتے ہیں، اور وہ اس میں قبضہ کو ملکیت منتقل کرنے والا نہیں مانتے ہیں، اور یہ قبضہ فاسد ہے، جو غصب کے ذریعہ قبضہ کی ہوئی چیز کے قائم مقام ہے، اس لئے کہ اس

پر عقد فاسد کے ذریعہ قبضہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود متشدد حضرات کے علاوہ ہر شخص اس کو کرتا ہے، اور اس کو اس سے چارہ کار نہیں ہوتا، حالانکہ وہ اس کے بطلان کا فتوی دیتا ہے، اور یہ کہ وہ بائع کی ملکیت میں باقی ہے، اور اس کے لئے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، الا یہ کہ ہر ضروری چیز کے لئے خواہ اس کا ثمن تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے بھاؤ تاؤ کرے اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو لفظاً ایجاب وقبول کو شرط قرار دیتے ہیں، تو بھاؤ تاؤ کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ لفظاً ایجاب وقبول بھی ہو۔

۱۶ - ابن القیم نے کہا: دوسرا قول جو بالکل درست ہے، اور جس پر ہر زمان ومکان میں لوگوں کا عمل رہا ہے، یہ ہے کہ اس چیز کے عوض بیع جائز ہے جس پر نرخ ختم ہوجائے۔ امام احمد کے یہاں منصوص یہی ہے، اور اسی کو ہمارے شیخ (یعنی ابن تیمیہ) نے اختیار کیا ہے۔ میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا: خریدار کی قلبی راحت بمقابلہ بھاؤ تاؤ اسی میں زیادہ ہے، وہ کہتا ہے: عام لوگوں کی طرح میں بھی اتنے ہی میں لوں گا جتنے میں دوسرے لوگ لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: جو لوگ اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں ان کے لئے اس کو ترک کرنا ممکن نہیں، وہ خود اس میں ملوث ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماعِ امت، قول صحابی اور قیاس صحیح، کہیں سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو اس کو حرام قرار دے، مہر مثل پر نکاح صحیح ہونے کے بارے میں امت کا اجماع ہے، اور اکثر حضرات اجرتِ مثل پر عقد اجارہ کو جائز قرار دیتے ہیں، مثلاً میت کو نہلانے والا، نان بائی، ملاح، مالکِ حمام اور جانوروں کو کرایہ پر دینے والا۔ نرخ پر بیع میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ ثمن مثل پر بیع ہوگی، لہذا وہ جائز ہے، جیسا کہ ان صورتوں اور ان کے علاوہ صورتوں میں ثمن مثل میں معاوضہ جائز ہے، یہی قیاسِ صحیح ہے۔ لوگوں کے مصالح اسی سے پورے ہوں گے [1]۔

بیع استنامہ

دیکھئے: "استرسال"۔

(۱) اعلام الموقعین ۴؍ ۵، ۶۔

بیع امانت

تعریف:

۱ - امانت لغت میں: اطمینان کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''أمِنَ أَمنًا وأَمَانًا وأَمَنَةً'' جب کوئی شخص مطمئن اور بے خوف ہوجائے۔ فاعل کے لئے ''آمِنٌ وأَمِنٌ، اور أَمِينٌ'' کہتے ہیں۔ اور أَمُنَ الرَّجلُ اور أَمِنَ کا معنی: امین ہوا۔ مصدر ''امانت'' ہے۔ اعیان میں اس کا استعمال مجازاً ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ودیعت امانت ہے۔

أمن فلانا علی کذا کا معنی: اس نے اس پر بھروسہ کیا اور اس سے مطمئن ہوا[1]۔

اصطلاح میں: ''بیع امانت'' کا اطلاق اس بیع پر ہوتا ہے جس میں بائع کی طرف سے اطمینان ہو، اس لئے کہ وہ مشتری کے ہاتھ میں امانت ہے، لہذا بیع امانت کا مدار طرفین کے درمیان باہمی معاملات میں اعتماد اور اطمینان پر ہے۔

بیع امانت کی انواع:

۲- بیع امانت کا اطلاق: ''بیع الوفاء''، ''بیع التلجئہ''، ''بیع المرابحہ''، ''الوضیعہ''، ''الإشراک''، ''بیع المسترسل'' یا ''بیع سعر السوق'' پر ہوتا ہے۔

یہ امانت اور اعتماد کبھی خریدار کی طرف سے مطلوب ہوتا ہے، اور کبھی بائع کی طرف سے۔

۳- اگر خریدار کی طرف سے مطلوب ہوتو اس کا تحقق بیع وفاء کے ذریعہ ہوگا، اس لئے کہ خریدار بیع وفا میں مبیع کے بارے میں امین ہے یہاں تک کہ اس کو وہ ثمن واپس مل جائے جو اس نے ادا کیا ہے، اور بائع مبیع کو لے لے۔

لیکن اگر امانت و اعتماد بائع کی جانب سے مطلوب ہو، جس پر واجب ہے کہ اپنی مبیع کے ثمن کو اور اپنی خریداری کو صحیح صحیح بتادے تو اگر بیع اس ثمن کے مثل میں ہو، جس میں اس نے خریدا ہے اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہوتو اس کو بیع تولیہ کہتے ہیں، اور اگر بعض مبیع کو بعض ثمن میں فروخت کرنا ہوتو یہ بیع اشراک ہے۔ اگر ثمن مع اضافہ کے ہوتو یہ بیع مرابحہ ہے، اور اگر ثمن سے کم میں ہوتو یہ بیع وضیعہ یا حطیطہ ہے۔

اگر قیمت خرید سے صرف نظر کر کے خریداری ہو یعنی مساوات یا زیادتی یا نقصان کا لحاظ نہ کر کے بیع ہو بلکہ بازار کے نرخ پر ہوتو اس کو ''بیع المسترسل'' یا ''بیع سعر السوق'' (بازار بھاؤ پر فروختگی) کہتے ہیں۔

۴- بیع امانت کے بالمقابل بیع مساومت ہے۔ اور یہ اس ثمن پر بیع ہے جس پر عاقدین ثمن اول کو، جس میں بائع نے اس کو خریدا ہے مد نظر رکھے بغیر رضامند ہوجائیں۔

بیع الوفاء:

۵- بیع الوفاء اس شرط کے ساتھ بیع کرنا ہے کہ جب بائع ثمن لوٹائے گا تو خریدار مبیع واپس کردے گا۔ اس کو بیع وفاء اس لئے کہتے ہیں کہ خریدار شرط پوری کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس پر بیع امانت کا اطلاق محض اس لئے ہے کہ مبیع خریدار کے ہاتھ میں امانت کے درجہ میں ہے۔ اسے حق

(۱) المصباح، المعجم الوسیط مادۂ ''أمن''۔

نہیں کہ اس میں کوئی ایسا تصرف کرے جو بیچنے والے کے علاوہ کسی اور کی طرف ملکیت کو منتقل کردے، مالکیہ اس کو "بیع الثنیا"، شافعیہ اس کو "بیع العہدہ" اورحنابلہ اس کو "بیع الأمانت" کہتے ہیں۔

مالکیہ، حنابلہ، متقدمین حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ بیع الوفاء فاسد ہے۔

بعض متاخرین حنفیہ اور شافعیہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے۔ اس کے لئے رہن کے تمام احکام ثابت ہوں گے [1]۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: "بیع الوفاء"۔

بیع المرابحہ:

۶ - مرابحہ: رَابحَ کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "بعته المتاع أو اشتريته منه مرابحة" (میں نے مرابحہ کے طور پر اس کے ہاتھ سامان فروخت کیا یا اس سے خریدا): اگر ثمن کی ہر مقدار کو ربح کا نام دے دو [2]۔

اصطلاح میں مرابحہ: بائع کا اپنی مملوکہ چیز کو جتنے میں اس کو پڑی اس پر اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔

یا سامان کو ثمن خرید اور زائد نفع کے ساتھ جو دونوں کے علم میں ہے فروخت کرنا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک لفظ مرابحہ، سابقہ بیع، مساوات اور وضیعہ میں حقیقت عرفیہ ہے، البتہ مرابحہ کی زیادہ تر پیش آنے والی نوع وہی ہے جو پہلے گذری۔

(۱) ابن عابدین ۴/ ۲۴۶، البحر الرائق ۶/ ۸، معین الحکام ص ۱۸۴، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۸، مجلۃ الأحکام العدلیہ: دفعہ (۱۱۸)، الحطاب ۴/ ۳۷۳، بغیۃ المسترشدین ص ۱۳۳، کشاف القناع ۳/ ۱۴۹، ۱۵۰۔

(۲) المصباح المنیر۔

بیع مرابحہ فقہاء کے نزدیک جائز بیوع میں سے ہے، جبکہ مالکیہ کی رائے ہے کہ وہ خلاف اولی ہے، اس کا ترک کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اس میں بکثرت بائع کو بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے [1]، لہذا ان کے نزدیک اولی مساومت (بھاؤ تاؤ کرنے کے طور پر بیع کرنا ہے۔

بیع التولیہ:

۷ - بیع التولیہ: کل مبیع کو مولی کی طرف (جس کے ساتھ بیع التولیہ کی جائے) جتنے میں خریدار کو پڑی ہے منتقل کردینا، اور الفاظ یہ ہوں: میں نے تمہارے ساتھ "تولیہ" کرلیا وغیرہ زائد نفع یا نقصان کے بغیر۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "تولیہ"۔

بیع الإشراک:

۸ - یہ بیع التولیہ ہی کی طرح ہے البتہ اس میں بعض مبیع کو بعض ثمن سے فروخت کرنا ہوتا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح "اشراک" اور "بیع"۔

بیع الوضیعہ:

۹ - یہ کسی چیز کو ثمن اول میں متعین کمی کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ اور یہ بیع المرابحہ کی ضد ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح "وضیعہ"۔

بیع المسترسل:

۱۰ - مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ایک شخص دوسرے سے

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۵۲، ۱۵۳، تبیین الحقائق ۴/ ۷۳، ۷۶، البدائع ۵/ ۲۲۰، ۲۲۲، الدسوقی ۳/ ۱۵۹، الحطاب ۴/ ۹۰ ۴، قلیوبی ۲/ ۲۲۱، کشاف القناع ۳/ ۲۳۰، المغنی ۴/ ۱۹۹۔

کہے: مجھ سے فروخت کر دو، جیسا کہ لوگوں سے فروخت کرتے ہو یا بازار کے نرخ سے یا آج کے نرخ سے یا جتنے میں فلاں کہے گا یا تجربہ کار لوگ کہیں گے وغیرہ۔

مسترسل جیسا کہ امام احمد نے اس کی تعریف کی ہے: وہ شخص ہے جو سامان کی قیمت سے ناواقف ہو، جو قیمت کم کرانے کا سلیقہ نہیں رکھتا یا قیمت کم نہیں کراتا۔

بیع المسترسل اس تعریف کے اعتبار سے باتفاقِ فقہاء منعقد ہوجائے گی، البتہ مسترسل کے لئے اس میں "خیار" کے ثبوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے[1]۔

بیوع امانت میں خیانت کا حکم:

بتایا جاچکا ہے کہ ان بیوع کو بیوع امانت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا مدار طرفین یعنی بائع ومشتری کے مابین باہمی لین دین میں اعتماد واطمینان پر ہے۔

۱۱ – جبکہ بیع الوفاء میں ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے جواز کے قائل ہیں، خریدار پر واجب ہے کہ ثمن وصول کرنے کے بعد مبیع بائع کو واپس کردے۔ مبیع کو روکنا اس کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ بیع الوفاء سے خریدار کے لئے ملکیت کو منتقل کرنے والے تصرف کا جواز نہیں پیدا ہوتا۔ اسی وجہ سے بائع کے علاوہ کے ہاتھ اس کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس میں شفعہ نہیں ہے، اس کا خراج اس کے بائع پر ہے، اگر مبیع خریدار کے ہاتھ میں رہتے ہوئے کوتاہی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو کسی کا دوسرے پر کچھ نہیں، اس لئے کہ مبیع پر خریدار کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے۔

(۱) القواعد الفقہیہ / ص ۲۶۹، مواہب الجلیل ۴/ ۴۷۰، الدسوقی ۳/ ۱۵۵، الزرقانی ۵/ ۱۷۵، المغنی ۳/ ۵۸۴، ابن عابدین ۴/ ۱۵۹، روضۃ الطالبین ۳/ ۴۱۹، المجموع ۱۲/ ۱۱۸۔

اگر بائع مرجائے تو مبیع وراثت کے طور پر اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی[1]۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "بیع الوفاء"۔

۱۲ – جہاں تک دوسری بیوع امانت کا تعلق ہے تو اگر بیع المرابحہ میں خیانت ظاہر ہوجائے تو یہ خیانت صفتِ ثمن میں ظاہر ہوگی یا مقدارِ ثمن میں؟

اگر خیانت صفتِ ثمن میں ظاہر ہو مثلاً کوئی چیز ادھار خریدی، پھر پہلی قیمت پر مرابحہ کے طور پر فروخت کردی، اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس نے ادھار خریدی ہے۔ یا تولیہ کے طور پر بیع کرلی، اور اس کو بیان نہیں کیا، پھر مشتری کو اس کا علم ہوا، تو بالاجماع اسے "خیار" ہے: اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو واپس کردے، اس لئے کہ مرابحہ امانت پر مبنی عقد ہے، کیونکہ خریدار نے ثمن اول کے بارے میں خبر دینے کے تعلق سے بائع پر اعتماد اور اطمینان کیا، لہذا امانت اس عقد میں مطلوب تھی، اس لئے خیانت سے اس کو بچانا دلالۃً شرط ہے، اور اس کا فوت ہونا خیار کو ثابت کرتا ہے، جیسا کہ عیب سے سلامتی کا فوت ہونا۔

اگر مرابحہ اور تولیہ میں مقدارِ ثمن میں خیانت کا ظہور ہو مثلاً اس نے کہا: میں نے دس میں خریدا اور تمہیں پورے دس دینار پر ایک دینار نفع کے ساتھ فروخت کیا یا اس نے کہا: میں نے دس میں خریدا اور جتنے میں خریدا تم کو تولیہ کردیا، پھر معلوم ہوا کہ نو میں خریدا تھا تو اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ کے یہاں "اظہر" حنابلہ کے یہاں "مذہب" اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ اس کو "خیار" حاصل نہیں ہوگا، البتہ ان دونوں میں خیانت کے بقدر کمی کردی جائے گی یعنی ایک

(۱) ابن عابدین ۴/ ۲۴۷، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، معین الحکام / ص ۱۸۳، بغیۃ المسترشدین / ص ۱۳۳۔

درہم تولیہ میں اور ایک درہم مرابحہ میں، اور اس کے حصہ کا نفع ایک درہم کا دسواں حصہ ہے اور بیع لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: مرابحہ میں خریدار کو خیار حاصل ہوگا: اگر چاہے پورے ثمن دے کر لے لے اگر چاہے تو چھوڑ دے، البتہ تولیہ میں اس کو خیار نہیں ہوگا، ہاں خیانت کے بقدر کمی کردی جائے گی، اور باقی ثمن میں عقد لازم ہوگا۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر بائع زائد کو جس میں اس نے جھوٹ بولا ہے اور اس کے نفع کو ساقط کردے تو بیع لازم ہوگی، اور اگر ساقط نہ کرے تو خریدار پر لازم نہیں ہوگی، اور اس کے لئے بیع کو اختیار کرنے اور رد کرنے کا اختیار رہوگا۔

شافعیہ کے یہاں دوسرا قول جو امام محمد کا بھی قول ہے، یہ ہے کہ خریدار کو مرابحہ اور تولیہ دونوں میں خیار حاصل ہوگا، اگر چاہے تو پورے ثمن میں لے، اور اگر چاہے تو بائع کو لوٹا دے۔

۱۳ - رہی بیع المواضعہ: تو اس پر بیع المرابحہ کی شرائط اور احکام جاری کئے جاتے ہیں، کیونکہ مواضعہ: ثمن اول میں متعین کمی کے ساتھ بیع کرنا ہے۔

اس طرح ''اشراک'' کا حکم تولیہ کی طرح ہے، البتہ ''اشراک'' بعض مبیع کا بعض ثمن کے بدلے تولیہ ہے (۱)۔

۱۴ - رہی بیع المسترسل تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میرے ہاتھ بیچ دو جیسا کہ لوگوں سے بیچتے ہو، یہ بیع مالکیہ کے نزدیک صحیح ہے تاہم اگر عرف وعادت سے زائد دھوکا دیا ہوتو اس کو خیار حاصل ہوگا۔

۱۵ - بیع المسترسل کی ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرے جو قیمت کم نہیں کراتا، یا قیمت کم کرانے کا سلیقہ نہیں رکھتا، تو گویا خریدار نے بائع پر چھوڑ دیا ہے، اور اس پر اطمینان کرلیا ہے۔ اور بائع نے جو کچھ اس کو دیا اس نے لے لیا، قیمت کم نہ کرائی اور نہ ہی اس کو بائع کے غبن کا علم ہوا۔

اس تعریف کے لحاظ سے بیع المسترسل باتفاق فقہاء منعقد ہوگی، البتہ مسترسل کے لئے اس میں خیار کے ثبوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے خیار ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ سامان کے صحیح سالم ہونے کے ساتھ اس کی قیمت میں کمی لزوم عقد سے مانع نہیں ہے، اور محض اس کا مغبون (فریب خوردہ) ہونا اس کے لئے خیار کو ثابت نہیں کرتا، البتہ یہ شافعیہ کے یہاں مکروہ ہے۔

حنفیہ کے یہاں قول مفتی بہ اور مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر غبن فاحش ہو تو اس کے لئے خیار ثابت ہوگا۔ حنفیہ نے غبن فاحش کی تفسیر میں کہا: جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت نہ آئے، اس لئے کہ جس میں شرعاً تحدید نہ ہو اس کے بارے میں عرف کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جبکہ مالکیہ اور حنابلہ نے غبن فاحش کی تشریح میں کہا: جو ثلث سے زائد ہو، اس لئے کہ حضور ﷺ نے وصیت کے بارے میں فرمایا: "الثلث، والثلث کثیر" (۱) (تہائی کرو، تہائی بہت ہے)۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے تہائی کو بہت فرمایا ہے، ایک قول ہے کہ وہ چھٹا حصہ ہے، ایک اور قول ہے کہ یہ وہ غبن ہے جو عادۃً لوگوں میں نہیں چلتا۔ ان حضرات کا استدلال

---

(۱) البدائع ۵/ ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ابن عابدین ۴/ ۱۶۳، الدسوقی ۳/ ۱۶۸، ۱۶۹، قلیوبی ۲/ ۲۲۳، کشاف القناع ۳/ ۲۳۱۔

(۱) حدیث: "الثلث، والثلث کثیر" کی روایت بخاری (الفتح ۱۲/ ۱۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

اس حدیث پاک سے ہے: "غبن المسترسل حرام"[۱] (مسترسل کا غبن حرام ہے)، نیز اس لئے کہ یہ ایسا غبن ہے جو بیع کے بارے میں اس کی ناواقفیت کے سبب ہوا ہے، لہذا یہ خیار کو ثابت کرے گا، جیسا کہ "تلقی رکبان" میں غبن[۲]۔

(۱) حدیث: "غبن المسترسل حرام" کی روایت طبرانی (۱۴۹/۸ طبع وزارۃ الاوقاف، عراق) نے کی ہے ہیثمی نے کہا: اس میں موسی بن عمیر اعمی ہے جو نہایت ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۷۶/۴ طبع القدسی)۔

(۲) ابن عابدین ۱۵۹/۴، مقدمات ابن رشد ۶۰۳/۲، مواہب الجلیل ۴۷۰/۴، روضۃ الطالبین ۴۱۹/۳، المجموع ۱۱۸/۱۲، المغنی ۵۸۴/۳۔

بیع باطل

تعریف:

۱ - لغت میں لفظ "بیع"، "شراء" کی طرح اضداد میں سے ہے، اور بیع میں اصل مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے، اور یہ اعیان کے وصف میں حقیقت ہے، اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہے، اس لئے کہ وہ تملیک (مالک بنانا) اور تملک (مالک بننا) کا سبب ہے۔

باطل: بطل الشئ سے ماخوذ ہے، یعنی فاسد ہوا، یا اس کا حکم ساقط ہوا، لہذا وہ باطل ہے[۱]۔

بیع اصطلاح میں: مال کا مال سے تبادلہ کرنا[۲]۔

حنفیہ کے نزدیک بیع باطل وہ ہے جو اصل اور وصف کسی اعتبار سے مشروع نہ ہو[۳]۔

جمہور کے نزدیک جو فاسد اور باطل میں فی الجملہ تفریق نہیں کرتے، باطل وہ بیع ہے جس پر اس کا اثر مرتب نہ ہو، اور وہ بار آور نہ ہو، اور اس سے حصول ملکیت کا فائدہ حاصل نہ ہو[۴]۔

یہ بھی حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔

(۱) المصباح المنیر، لسان العرب مادۂ "بیع"، "بطل"۔

(۲) مجلۃ الأحکام العدلیۃ: دفعہ (۱۰۵)، نہایۃ المحتاج ۳۶۱/۳، ابن عابدین ۳/۴، المغنی ۵۶۰/۳، حاشیۃ الدسوقی ۲/۳۔

(۳) ابن عابدین ۱۰۰/۴، فتح القدیر ۴۲/۶ شائع کردہ دار احیاء التراث العربی، الزیلعی ۴۳/۴۔

(۴) منح الجلیل ۵۵۰/۲، الموافقات للشاطبی ۲۹۲/۱، روضۃ الناظر ۳۱/۱، القواعد والفوائد الاصولیہ ۱۱۰، الاشباہ للسیوطی ۳۱۰، ۳۱۲ طبع عیسی الحلبی۔

متعلقہ الفاظ:

الف- بیع صحیح:

۲- جو اصل ووصف دونوں لحاظ سے مشروع ہو، اور ذاتی طور پر اگر موانع سے خالی ہو تو حکم کا فائدہ دے۔ یا بیع صحیح وہ ہے جس پر اس کا اثر یعنی ملکیت کا حصول اور مبیع سے انتفاع مرتب ہو[1]۔ لہذا بیع صحیح بیع باطل کی ضد ہے۔

ب- بیع فاسد:

۳- جمہور کے نزدیک بیع فاسد اور بیع باطل میں فرق نہیں، جبکہ حنفیہ بیع فاسد کو بیع صحیح اور بیع باطل کے درمیان کا ایک درجہ مانتے ہیں۔

حنفیہ کے یہاں بیع فاسد کی تعریف یہ ہے کہ جو اصل کے لحاظ سے مشروع اور وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہو۔

یا جس پر اس کا اثر مرتب ہو، لیکن شرعاً اس کو آپس میں فسخ کرلینا مطلوب ہو، اور یہ باطل کی ضد ہے جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں، اس لئے کہ جو بیع صرف اصل کے لحاظ سے مشروع ہو، وہ اس سے مختلف ہے جو بالکلیہ غیر مشروع ہو۔ نیز فاسد کا حکم یہ ہے کہ وہ قبضہ کے بعد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے، جبکہ بیع باطل اس کا بالکل فائدہ نہیں دیتی، اور ان دونوں کے حکموں کا مختلف ہونا، ان دونوں کے ذاتی طور پر مختلف ہونے کی دلیل ہے[2]۔

ج- بیع مکروہ:

۴- جو اصل ووصف دونوں لحاظ سے مشروع ہو لیکن کسی غیر لازم

(۱) الزیلعی ۴/ ۴۳، الموافقات للشاطبی ۱/ ۲۹۲، منح الجلیل ۲/ ۵۵۰، جمع الجوامع ۱/ ۱۰۱، روضۃ الناظر / ۳۱۔

(۲) ابن عابدین ۴/ ۹۷، ۴/ ۱۰۰، الزیلعی ۴/ ۴۳، اشباہ ابن نجیم / ۳۳۷۔

متصل وصف کی وجہ سے ممنوع قرار دی گئی ہو مثلاً اذانِ جمعہ کے بعد بیع، یہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں ہے۔ حنابلہ کا اختلاف ہے، کیونکہ حنابلہ کے نزدیک "نہی" مطلقاً فساد کی متقاضی ہے۔ بیع مکروہ اپنے اثر کے مرتب ہونے کے لحاظ سے بیع صحیح سے متفق ہے، تاہم ممنوع ہونے کے لحاظ سے وہ بیع صحیح سے مختلف ہے[1]۔

شرعی حکم:

۵- بیع باطل کا اقدام کرنا بطلان کے علم کے باوجود حرام ہے، ایسا کرنے والا گنہ گار ہوگا، کیونکہ اس نے مشروع کی مخالفت کرکے اور شرعاً منہی عنہ کی رعایت نہ کرکے معصیت کا ارتکاب کیا، اس لئے کہ بیع باطل نہ اصل کے لحاظ سے مشروع ہے اور نہ ہی وصف کے لحاظ سے[2]۔

تاہم ضرورت ومجبوری کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ مضطر شخص ثمن مثل سے زائد میں کھانا خریدے اور جیسے وہ عقد جس کے ذریعہ بچہ کے "رشد" کا امتحان لیا جائے[3]۔

چنانچہ ایک قول ہے کہ ولی کوئی چیز خرید کر کسی کو دے دے، پھر بچہ کو حکم دے کہ اس سے وہ چیز خریدے، یہ ان بیوع کا حکم ہے جو بالاتفاق باطل ہیں مثلاً مجنون اور بے شعور بچے کی بیع، اور جیسے مردار، خون، ملاقیح ومضامین کی بیع۔

رہی وہ بیع جس کے باطل ہونے میں مذاہب کا اختلاف ہے

(۱) ابن عابدین ۱/ ۷۱، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۳۰، منتہی الارادات ۲/ ۱۵۴، ۱۵۵۔

(۲) کشف الاسرار ۱/ ۲۵۷، ۲۶۱، ابن عابدین ۴/ ۹۹، ۵/ ۱۰۰، بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۵، الموافقات للشاطبی ۲/ ۳۳۳، ۳۳۷، الدسوقی ۳/ ۵۴، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۲۹، المغنی ۴/ ۲۲۹، ۲۵۴، التبصرہ بہامش فتح العلی ۱/ ۱۹۹ اور اس کے بعد کے صفحات شائع کردہ دار المعرفہ، بیروت۔

(۳) المنثور فی القواعد ۱/ ۳۵۴ – ۳۵۵، ابن عابدین ۴/ ۵، منتہی الارادات ۲/ ۱۵۵۔

کہ ایک مذہب میں باطل ہو اور دوسرے مذہب میں غیر باطل ہو، مثلاً بیع فضولی، بیع معاطاۃ اور اس کتے کی بیع جس کے پالنے کی اجازت ہے، تو اگر اس کا اقدام کرنے والا مجتہد ہے، درجہ اجتہاد پر پہنچ چکا ہے، تو اس کے حق میں بیع کو باطل نہیں مانا جائے گا، اور نہ ہی اس پر اس میں گناہ ہے، اس لئے کہ اس نے کوشش کرکے شارع کے مقصود کو تلاش کیا، یہاں تک کہ اس کو رہنما دلیل مل گئی، اس اعتبار سے کہ اگر اس کے سامنے اپنی رائے کے خلاف رائے اس سے قوی تر دلیل سے ظاہر ہو جائے تو اس کی طرف رجوع کرلے گا، اجتہاد میں غلطی کرنے والے پر مواخذہ نہیں بلکہ وہ معذور و ماجور ہے[1]۔

تاہم اختلاف سے بچنا مستحب ہے بایں معنی کہ جو شخص کسی چیز کے جواز کا قائل ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ اس کو ترک کردے اگر دوسرا شخص اس کو حرام سمجھتا ہو[2]۔

اسی طرح مقلد گناہ کے ساقط ہونے میں مجتہد کے حکم میں ہے، اگر وہ اپنے امام کی جائز تقلید کرتا ہے۔

عام آدمی کے لئے مناسب ہے کہ ایسے شخص سے فتوی لے جس کے بارے میں اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ اہل علم و دین اور صاحب ورع ہے، اور اگر اس میں علماء کا اختلاف ہو تو اس عالم کے قول کو اختیار کرے جس کو وہ اپنے دل میں سب سے بڑا صاحب علم، سب سے زیادہ متقی، اور غالب صواب والا سمجھے، اپنی خواہش نفس سے کوئی قول اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں بلا کسی دلیل کے تمام مذاہب کا تتبع کرے گا، اور کچھ حضرات نے کہا: اس کے لئے یہ لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ سب اللہ تک رسائی کے راستے ہیں[1]۔

(۱) التلویح علی التوضیح ۲/ ۱۱۸، ۱۲۱، فتح العلی المالک ۱/ ۶۰، الموافقات للشاطبی ۴/ ۲۲۰، المنثور فی القواعد ۲/ ۱۴۰۔

(۲) المنثور فی القواعد ۲/ ۱۲۷، ۱۲۸۔

بطلانِ بیع کے اسباب:

۲ - جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کی رائے ہے کہ بیع فاسد اور بیع باطل میں کوئی فرق نہیں؛ دونوں ہم معنی ہیں، اس لئے کہ بیع فاسد و باطل میں سے ہر ایک شریعت کے مطلوب کے خلاف واقع ہوا ہے، اسی لئے شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اس پر وہ اثر مرتب کیا جو صحیح بیع پر مرتب کیا ہے اور وہ اثر حصولِ ملکیت اور انتفاع کا حلال ہونا ہے۔

بیع کے فساد کے اسباب بعینہ، اس کے بطلان کے اسباب ہیں، اور ان اسباب کی بنیاد عقد کے ارکان میں سے کسی رکن یا شرائط صحت میں سے کسی شرط میں آنے والا خلل ہے یا اس وجہ سے کہ فعل کے ساتھ لازمی طور پر متصل وصف سے یا وصفِ مجاور (وہ وصف جو اتفاقی طور پر فعل سے متصل ہو گیا ہے) سے ممانعت وارد ہے، یہ حنابلہ کے نزدیک ہے[2]۔

جمہور نے اس کے لئے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

الف۔ بیع باطل یا فاسد شرعاً ممنوع ہے، اور ممنوع حرام ہوتا ہے، اور حرام اثر کے مرتب ہونے کا سبب بننے کے لائق نہیں ہے، اس لئے کہ کسی تصرف سے ممانعت اسی وضاحت کے لئے ہے کہ یہ

(۱) الذخیرہ ۵/ ۱۳۹، ۱۴۱، شائع کردہ وزارۃ الاوقاف کویت، فتح العلی المالک ۱/ ۶۰، ۶۵، التقریر والتحبیر فی شرح التحریر ۳/ ۳۴۹ طبع بولاق، ارشاد الفحول/ ۲۷۱، الموافقات للشاطبی ۴/ ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۴۷۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴، القوانین الفقہیہ لابن جزی/ ۲۷۰، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۲۹، اشباہ السیوطی/ ۳۱۲ طبع عیسی الحلبی، روضۃ الناظر/ ۱۱۳، المغنی ۴/ ۲۲۹ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منتہی الارادات ۲/ ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷، البدائع ۵/ ۲۹۹، ۳۰۰، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۲۵، ۱۶۷، ۱۶۹۔

تصرف معتبر اور مشروع ہونے سے خارج ہے۔

ب۔ فرمانِ نبوی ہے: "من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد"[۱] (جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہیں، وہ قابل رد ہے)۔ بیع منہی عنہ شریعت کے حکم کے خلاف واقع ہوئی، لہذا مردود ہوگی، گویا کہ اس کا وجود ہی نہیں ہوا۔

ج۔ ممانعت کے ذریعہ فساد پر استدلال کرنے پر اسلافِ امت کا اجماع ہے[۲]، چنانچہ انہوں نے ربا کے فساد کو اس فرمانِ باری سے سمجھا: ''وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبَا''[۳] (اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو)۔ نیز اس فرمانِ نبوی سے: "لاتبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل"[۴] (سونا، سونے سے نہ بیچو مگر برابر برابر)، نیز اس فرمانِ نبوی سے: "نهى عليه السلام عن بيع وشرط"[۵] (حضور علیہ السلام نے ایک ساتھ بیع وشرط سے منع فرمایا ہے)۔

یہ جمہور کے نزدیک ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک بطلان بیع کا سبب رکنِ بیع، یا شرطِ انعقاد میں خلل پیدا ہونا ہے، لہذا اگر رکن یا کوئی شرطِ انعقاد مفقود ہو تو بیع باطل ہوگی، اس کا کوئی وجود نہیں ہوگا، اس لئے کہ تصرف کا حقیقتاً کوئی وجود ہی نہیں الا یہ کہ ''اہل'' کی طرف سے ''محل'' میں ہو۔ اور عقد ہر اعتبار سے بے معنی ہوگا، یا اس لئے کہ تصرف کا مقصد معدوم ہے، مثلاً مردار اور خون کی بیع، یا اس لئے کہ تصرف کی اہلیت معدوم ہے، مثلاً مجنون اور غیر عاقل بچے کی بیع۔

رہا شرائط صحت میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہونا تو یہ بیع کو باطل نہیں کرتا جیسا کہ جمہور کہتے ہیں، بلکہ بیع فاسد ہوجاتی ہے۔

اس مسئلہ میں حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ بیع فاسد مشروع ہے، لہذا فی الجملہ ملکیت کا فائدہ دے گی، اصل کے لحاظ سے اس کے مشروع ہونے کی دلیل بیع کے بارے میں وارد عام اور مطلق نصوص ہیں مثلاً فرمانِ باری: ''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ''[۱] (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، اس کے علاوہ اور دوسری عام نصوص جو اس باب میں وارد ہیں[۲]۔

یہاں قابل لحاظ امر یہ ہے کہ بعض شافعیہ بیع باطل اور بیع فاسد میں تفریق کرنے میں مذہب حنفی کے ساتھ ہیں، حالانکہ ان کے یہاں عام قواعد اس کے خلاف ہیں۔

''اسنی المطالب'' میں ہے: ''اصحاب'' نے باطل اور فاسد میں فرق کرتے ہوئے کہا: اگر خلل رکنِ عقد سے وابستہ ہو مثلاً بچے کی بیع تو باطل ہے، اور اگر اس کی شرط یا صفت سے وابستہ ہو تو فاسد ہے[۳]۔

---

(۱) حدیث: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" کی روایت بخاری (الفتح ۵/ ۳۰۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۳۴۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) دیکھئے: صلاح الدین بن کیکلدی علائی کی کتاب: تحقيق المراد في أن النهي يقتضي الفساد، ڈاکٹریٹ کا مقالہ، تحقیق کردہ ڈاکٹر محمد ابراہیم سلقینی، طبع مجمع اللغۃ العربیہ دمشق۔

(۳) سورۂ بقرہ/ ۲۷۸۔

(۴) حدیث: "لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل....." کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۷۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۲۰۸ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۵) جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، روضۃ الناظر/ ۱۱۳، المستصفی للغزالی ۲/ ۲۶، ۲۷، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۶۷، ۱۶۹، الفروق للقرافی ۲/ ۸۲، ۸۴، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۲۹، المنثور فی القواعد ۳/ ۷، ۱۳، ۳۱، المغنی ۴/ ۲۲۹، ۲۵۸، منتہی الإرادات ۲/ ۱۵۴، ۱۵۷۔

حدیث: "نهى عن بيع وشرط....." کی روایت طبرانی نے ''الاوسط'' میں کی ہے جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے، زیلعی نے ابن القطان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ضعیف ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۸ طبع المجلس العلمی)۔

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۷۵۔

(۲) البدائع ۵/ ۲۹۹، ۳۰۰، الزیلعی ۴/ ۶۳، التلویح علی التوضیح ۲/ ۱۲۳، جمع الجوامع ۱/ ۱۰۵، ۱۰۷۔

(۳) اسنی المطالب شرح روض الطالب مع حاشیۃ الرملی ۲/ ۱۷۱۔

۷- حنفیہ اور جمہور کے مذہب کے درمیان اس تفریق کے باوجود کچھ باطل بیوع ایسی ہیں جن کے بطلان پر مذاہب اربعہ میں اتفاق ہے، جیسے کہ وہ بیع جس کے رکن یا شرائط انعقاد میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہوجائے مثلاً مردار، خون، ''ملاقیح'' اور ''مضامین'' کی بیع، یہ بالاتفاق باطل بیوع ہیں۔

کچھ بیوع ایسی ہیں جن کے بطلان میں مذاہب کا اختلاف ہے، اور وہ ہر ایسی بیع ہے جس میں خلل اوپر ذکر کردہ خلل کے علاوہ سے ہو۔

مثلاً بیع فضولی صحیح ہے، لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اجازت پر موقوف ہوگی، جبکہ شافعیہ کے یہاں اصح قول اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ باطل ہے۔ اذانِ جمعہ کے وقت بیع حنابلہ کے نزدیک باطل ہے، اور یہی بات بیع تعاطی، اس کتے کی بیع جسے رکھنے کی اجازت ہے اور بیع نجش وغیرہ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔

اس طرح کی بیوع پر باطل ہونے یا باطل نہ ہونے کا حکم لگانے میں اختلاف کا سبب دلیل میں اختلاف ہے[۱]۔

بیع باطل سے متعلق احکام:

۸- بیع باطل پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، بس صورتاً اس کا وجود ہے۔ کوئی اور وجود نہیں، وہ بنیادی طور پر ختم ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے قاضی و حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں[۲]۔

اس میں اجازت کا دخل نہیں ہے، کیونکہ وہ معدوم ہے، اور اجازت معدوم سے متعلق نہیں ہوتی ہے۔

(۱) الفروق للقرافی ۲/ ۸۲، ۸۳ (فرق ۷۰)، منح الجلیل ۲/ ۵۵۰، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹۳، ۱۶۷۔

(۲) البدائع ۵/ ۳۰۵، ابن عابدین ۴/ ۱۰۵، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴، منتہی الارادات ۲/ ۱۹۰۔

جس بیع کے باطل ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے اس کے بارے میں یہ حکم فقہاء کے یہاں بالاتفاق ہے، رہی مختلف فیہ بیع مثلاً بیع فضولی، تو اگر حاکم اس کی صحت کا فیصلہ کردے تو قضاءً عقد صحیح ہے، حتی کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جو اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں، یعنی شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ان کے اصح قول کے مطابق، اس لئے کہ حاکم کا حکم اختلاف کو اٹھا دیتا ہے، لیکن حنابلہ کے یہاں اصح کے مقابل قول یہ ہے کہ اس میں ''اجازت'' کا دخل ہے[۱]۔

اگر بیع باطل کا وقوع ہوجائے تو صورتاً اس کے وجود سے بعض احکام متعلق ہیں، جن کی تشریح یہ ہے:

الف-تراد (باہمی واپسی):

۹- اگر بیع باطل کا وقوع ہوجائے اور طرفین میں سے کوئی کچھ سپرد کردے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے، اس لئے کہ بیع باطل میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اور طرفین میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ جو اس نے لیا ہے اگر باقی ہو تو اس کو واپس کردے۔ یہ حکم بالاتفاق ہے[۲]۔

ابن رشد کہتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر بیوع فاسدہ کا وقوع ہوجائے، اور وہ فوت نہ ہوئی ہوں (یعنی مبیع اور ثمن دونوں موجود ہوں) تو ان کا حکم رد کرنا ہے یعنی بائع ثمن لوٹا دے

(۱) ابن عابدین ۴/ ۷، منح الجلیل ۲/ ۵۷۲، کشاف القناع ۳/ ۱۵۷، نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۸۹، ۳۹۰، قلیوبی وعمیرہ ۲/ ۱۶۰، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۔

(۲) البدائع ۵/ ۳۰۵، ابن عابدین ۴/ ۱۰۵، الدسوقی ۳/ ۱۷، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۲، ۱۷۳، نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۶۴، ۳۶۵، کشاف القناع ۳/ ۱۵۰، المغنی ۴/ ۲۵۲، ۲۵۳۔

اور خریدار مبیع لوٹا دے[1]۔

مبیع کی واپسی اس کے متصل و منفصل اضافہ کے ساتھ، اور مشتری کے قبضہ میں باقی رہنے کی مدت کی اجرتِ مثل کے ساتھ ہوگی، اور اگر اس میں نقص پیدا ہوگیا ہو تو اس کا ضمان دے گا، اس لئے کہ اس کا ضمان اس پر واجب ہے تو اس کے اجزاء کا ضمان بھی واجب ہوگا۔

اس کی صراحت شافعیہ اور حنابلہ نے کی ہے، مذہب حنفی کے قواعد سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک اصل مبیع میں اگر کوئی زیادتی یا نقص پیدا ہوجائے تو اسے مبیع کا فوت ہونا قرار دے کر اس میں حق ضمان کی طرف منتقل ہوجائے گا[2] (یعنی مبیع واپس کرنے کے بجائے ضمان دے گا)۔

ب- مبیع میں تصرف:

۱۰- اگر بیع باطل کے مبیع میں خریدار نے تصرف کرتے ہوئے بیع یا ہبہ وغیرہ کردیا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں، لہٰذا وہ دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے والا ہوگیا، اور اس کے تصرفات غاصب کے تصرفات کی طرح ہوں گے۔ اور اسی وجہ سے یہ تصرف واپس کرنے سے مانع نہیں، کیونکہ وہ نافذ ہی نہیں۔ یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک مبیع میں تصرف فوت کرنے والا مانا جاتا ہے، اور اس میں حق ضمان کی طرف منتقل ہوجائے گا[3]۔

ج- ضمان:

۱۱- اگر مبیع خریدار کے قبضہ میں تلف ہوجائے تو حنفیہ کے یہاں "قول صحیح" اور شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ کہ اس پر اس کا ضمان مثلی میں مثل کے ذریعہ اور ذوات القیم میں قیمت کے ذریعہ لازم ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ذوات القیم میں قبضہ کے وقت سے تلف کے وقت تک کی اعلیٰ قیمت لگائی جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ تلف کے دن کی اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، ایک اور قول یہ ہے کہ قبضہ کے دن کی اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

حنابلہ کے نزدیک جس شہر میں قبضہ ہوا ہے اس میں تلف کے دن کی قیمت معتبر ہے: "قاضی" اسی کے قائل ہیں، اور امام احمد نے غصب کے بارے میں اسی کی صراحت کی ہے، نیز اس لئے کہ اس کا قبضہ مالک کی اجازت سے ہے، لہٰذا یہ عاریت کے مشابہ ہوگیا، اور خرقی نے غصب کے بارے میں لکھا ہے: اس پر اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت لازم ہے، لہٰذا یہاں بھی اسی طرح سے اس کی تخریج ہوگی، اور یہی اولیٰ ہے، اس لئے کہ "عین" اپنے مالک کی ملکیت میں زیادتی کی حالت میں تھی، اور اسی پر اس کی زیادتی کے ساتھ اس کے نقص کا ضمان ہے تو تلف کی حالت میں بھی یہی حکم ہوگا۔

مالکیہ کے یہاں اس سلسلہ میں تفصیل ہے، وہ کہتے ہیں: اگر مبیع خریدار کے ہاتھ میں فوت ہوجائے تو مختلف فیہ بیع فاسد (گوکہ اختلاف مذہب مالکی سے باہر کا ہو) اس ثمن کے ساتھ نافذ ہوجائے گی جس پر بیع ہوئی ہے۔ اور اگر مختلف فیہ نہ ہو بلکہ بالاتفاق فاسد ہو تو خریدار قبضہ کے وقت کی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر ذوات القیم میں سے ہو، اور "مثلی" کے مثل کا ضامن ہوگا اگر کیل یا وزن سے فروخت ہو، اور اس کے کیل یا وزن کا علم ہو، اور اس کا وجود محال نہ ہو، ورنہ اس کے خلاف واپسی کا فیصلہ ہونے کے دن اس کی

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹۳ طبع عیسی الحلبی۔

(۲) روضۃ الطالبین ۳/ ۴۰۸، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۸۴، المغنی ۴/ ۲۵۳، القوانین الفقہیہ/ ۱۷۲، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹۳۔

(۳) الفتاوی الخانیہ بہامش الہندیہ ۲/ ۱۳۳، الدسوقی ۳/ ۷۱، ۷۴، حاشیۃ الجمل علی المنہج ۳/ ۸۴، ۸۵، المغنی ۴/ ۲۵۵۔

قیمت کا ضمان ہوگا[1]۔

حنفیہ کی ایک رائے اور ہے، وہ کہتے ہیں: مبیع خریدار کے پاس امانت ہے، اور وہ تعدی (زیادتی) یا حفاظت میں کوتاہی کئے بغیر ضامن نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا مال ہے جس پر اس نے اس کے مالک کی اجازت سے ایسے عقد میں قبضہ کیا ہے جو صورتاً موجود ہے، حقیقتاً نہیں۔ پس عقد معدوم کی طرح ہوگیا اور قبضہ کے لئے اس کی اجازت باقی رہ گئی[2]۔

د- بیع باطل کی تجزی:

۱۴ - بیع باطل کی تجزی سے مراد یہ ہے کہ بیع کے ایک ہی معاملہ میں جائز اور نا جائز چیزیں داخل ہوں، تو بیع ایک شق میں صحیح اور دوسری شق میں باطل ہوگی، اور فقہی قاعدہ ہے کہ اگر حلال وحرام جمع ہوں تو حرام غالب ہوگا۔ فقہاء نے اس قاعدہ کے تحت ''تفریق صفقہ'' کو داخل کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک عقد میں جائز اور نا جائز چیزوں کو جمع کردیا جائے۔

عقد بیع اگر ایک شق میں صحیح اور دوسری شق میں باطل ہو مثلاً شیرہ اور شراب کو جمع کرنا یا ذبیحہ اور مردار کو جمع کرنا، اور اس کو ایک ہی معاملہ میں بیچا گیا ہو تو سارا معاملہ باطل ہے۔ یہ حنفیہ اور مالکیہ (بہ استثناء ابن قصار) کا مسلک اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے (اسنوی نے ''کتاب المہمات'' میں دعوی کیا ہے کہ یہی مذہب ہے) اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عقد بعض میں باطل ہے تو سارے میں باطل ہوگا، اس لئے کہ ایک ہی معاملہ میں کئی حصے نہیں ہوسکتے، یا اس وجہ سے کہ حرام وحلال کے اجتماع کے وقت حرام غالب ہوتا ہے یا ثمن کے مجہول ہونے کی وجہ سے۔

شافعیہ کا قول ''اظہر''، امام احمد سے دوسری روایت اور مالکیہ میں سے ابن قصار کا قول ہے کہ ایک ہی معاملہ میں کئی حصے ہونا جائز ہے، لہذا جائز میں بیع صحیح اور نا جائز میں باطل ہوگی، اس لئے کہ ایک کے باطل ہونے کی وجہ سے سارے میں عقد کو باطل کرنا، ایک کے صحیح ہونے کی وجہ سے سارے کو صحیح قرار دینے سے اولی نہیں، لہذا وہ دونوں اپنے اپنے حکم پر باقی رہیں گے، اور جائز میں بیع صحیح، اور نا جائز میں باطل ہوگی۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اگر ابتداء میں ہر شق کے لئے، ثمن سے اس کا حصہ معین کردے تو اس صورت میں اس معاملہ کو دو مستقل معاملہ مانا جائے گا، اور ان میں تجزی (حصہ ہونا) جائز ہے، ایک معاملہ صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔

یہ تفریق معاملہ کی ایک صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شق میں عقد صحیح اور دوسری شق میں موقوف ہو مثلاً اپنے اور دوسرے کے گھر کو ایک ہی معاملہ میں فروخت کرنا، بیع ان دونوں میں صحیح ہے، اس کے مملوکہ گھر میں بیع لازم ہوگی اور دوسرے کے مملوکہ گھر میں لزوم بیع اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ یہ مالکیہ اور امام زفر کے علاوہ دوسرے ائمہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ ''ابتداءً کسی حصہ کی بیع جائز نہیں ہوتی ہے، مگر انتہاءً جائز ہوجاتی ہے''۔

امام زفر کے نزدیک سب باطل ہے، اس لئے کہ عقد مجموعہ پر واقع ہے، اور مجموعہ میں تجزی نہیں ہوتی۔

---

(۱) ابن عابدین ۴/۱۰۵، البدائع ۵/۳۰۵، الدسوقی ۳/۷۱، منح الجلیل ۲/۵۷۷، ۵۷۸، روضۃ الطالبین ۳/۴۰۸، حاشیۃ الجمل علی المنہج ۳/۸۴، اشباہ السیوطی ص ۱۷۳، کشاف القناع ۳/۱۹۷، ۱۹۸، المغنی ۴/۲۵۳۔

(۲) البدائع ۵/۳۰۵، ابن عابدین ۴/۱۰۵، درر الحکام دفعہ (۳۷۰)، ۱/۳۳۴۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پہلی صورت میں پایا جانے والا سابقہ اختلاف اس میں بھی جاری ہوگا، اس لئے کہ عقد موقوف ان کے نزدیک دراصل باطل ہے۔

تیسری صورت جس کو ابن قدامہ نے ذکر کیا، یہ ہے کہ معلوم ومجہول کو ایک ساتھ فروخت کرے مثلاً کہے: میں نے تمہارے ہاتھ ایک ہزار میں یہ گھوڑیاں اور ان دوسری گھوڑیوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں انہیں فروخت کیا، یہ بیع بہر حال باطل ہے۔ ابن قدامہ نے کہا[1]، میرے علم کے مطابق اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ھ- بیع باطل کی تصحیح:

۱۳ - بیع باطل کی تصحیح کی دو ممکن صورتیں ہیں،

اول: اگر مبطلِ عقد ختم ہوجائے تو کیا بیع صحیح ہوجائے گی؟

دوم: اگر عقد باطل کا صیغہ کسی دوسرے عقد صحیح کے معنی تک پہنچائے تو کیا یہ بیع باطل دوسرے عقد صحیح میں بدل جائے گی؟

اس کی توضیح حسب ذیل ہے:

پہلی صورت: حنفیہ بیع باطل اور بیع فاسد میں فرق کرتے ہیں، لہذا ان کے نزدیک بیع فاسد کی تصحیح مفسد کے اٹھ جانے سے ہوجائے گی، البتہ بیع باطل کی نہیں، حنفیہ اس کی تعلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ فاسد میں مفسد کے اٹھ جانے سے بیع لوٹ کر صحیح ہوجائے گی، اس لئے کہ بیع فساد کے ساتھ قائم ہے، اور بطلان کے ساتھ صفتِ بطلان کی وجہ سے وہ قائم نہ تھی، بلکہ معدوم تھی۔

(۱) الاشباہ لابن نجیم رص ۱۱۳، ۱۱۴، البدائع ۵/ ۱۴۵، ابن عابدین ۴/ ۱۰۴، الاختیار ۲/ ۲۳، جواہر الاکلیل ۲/ ۶، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۲، الدسوقی ۲/ ۶۶، الاشباہ للسیوطی رص ۱۲۰، ۱۲۲، المنثور فی القواعد ۱/ ۳۸۴، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۱۶، روضۃ الطالبین ۳/ ۴۰۴، المغنی ۴/ ۲۶۱، ۲۶۲۔

اسی وجہ سے گیہوں میں آٹے کی، زیتون کے پھل میں اس کے تیل کی، تھن میں دودھ کی، تربوزے میں بیج کی اور کھجور میں گٹھلی کی بیع ناجائز ہے، اس لئے کہ وہ معدوم ہے، حتی کہ اگر بائع خریدار کو دودھ یا آٹا یا عصیر (شیرہ) سپرد کردے تو بھی بیع صحیح نہ ہوسکے گی، اس لئے کہ عقد کے وقت معقود علیہ معدوم ہے، اور اس کے بغیر عقد کا انعقاد متصور نہیں، لہذا وہ منعقد ہی نہیں ہوگی، اس لئے نفاذ کا احتمال نہیں رکھے گی[1]۔

۱۴ - جمہور کے نزدیک جو بیع فاسد اور باطل میں فرق نہیں کرتے بیع باطل مفسد کے ہٹا دینے سے صحیح نہیں ہوجائے گی، چنانچہ شافعیہ کی کتابوں میں ہے: اگر عاقدین مفسِد عقد کو حذف کردیں، گو مجلس خیار ہی میں، تو بھی عقد صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ فاسد کا کوئی اعتبار ہی نہیں[2]۔

ابن قدامہ کی "المغنی" میں ہے: اگر اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ اس کو قرض دے یا خریدار نے یہ شرط بائع پر لگائی تو یہ حرام ہے اور بیع باطل ہے، اس لئے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **"لایحل سلف وبیع، ولا شرطان في بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک"**[3] (ایک ساتھ قرض اور بیع حلال نہیں ہے، ایک بیع میں دو شرطیں حلال نہیں ہیں، اس چیز کا نفع حلال نہیں ہے جو اپنے ضمان

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۰۸، ۱۱۳، الزیلعی ۴/ ۴۷، ۵۰، فتح القدیر ۶/ ۵۲ شائع کردہ دار احیاء التراث، البدائع ۵/ ۱۳۹۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۳۴، ۴۳۵، روضۃ الطالبین ۳/ ۴۱۰، مغنی المحتاج ۲/ ۴۰، حاشیۃ الجمل ۳/ ۸۴، ۸۵۔

(۳) حدیث: **"لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان في بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک"** کی روایت ابوداؤد (۳/ ۷۶۹ طبع عزت عبید دعاس)، ترمذی (۳/ ۵۳۵ طبع الحلبی) اور حاکم (۲/ ۱۷ طبع المعارف العثمانیہ) نے کی ہے حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

میں نہ ہو، اس چیز کی بیع حلال نہیں ہے جو تمہارے پاس نہ ہو)۔

نیز اس لئے کہ اس نے ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگائی، لہذا فاسد ہوگا، جیسا کہ ایک بیع میں دو بیع، نیز اس لئے کہ اگر قرض کی شرط لگائے گا تو اس کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرے گا، اس طرح ثمن میں ہونے والا اضافہ قرض کا عوض اور اس کا نفع ہوگا، اور یہ سود ہے جو حرام ہے، اس لئے فاسد ہوگا، جیسا کہ اگر اس کی صراحت کردیتا، نیز اس لئے کہ یہ بیع فاسد ہے لہذا وہ صحیح نہیں ہوجائے گی جیسا کہ اگر ایک درہم میں دو درہم کو فروخت کرے، پھر ایک درہم کو ترک کردے[1]۔

"شرح منتہی الارادات" میں ہے: جس نے ضمانِ درک کی شرط کے ساتھ فروخت کیا، اور درک سے زید کا استثناء کیا، اس کے لئے اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ ضمانِ درک سے زید کا استثناء کرنا بتاتا ہے کہ مبیع میں اس کا حق ہے، اس لئے کہ اس نے اس کی بیع کی اجازت نہیں دی، لہذا وہ باطل ہوگی، پھر اگر وہ زید کو بھی ضمانِ درک میں شامل کرلے تو بیع صحیح نہیں ہوجائے گی، اس لئے کہ فاسد صحیح نہیں ہوجاتا[2]۔

مالکیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہو مثلاً بیع الثنیا (بیع الوفاء) اور وہ یہ ہے کہ سامان اس شرط پر خریدے کہ بائع جب ثمن لوٹا دے گا تو سامان اس کا ہوجائے گا) اسی طرح ہر ایسی شرط جو مقدار ثمن میں مخل ہو جیسے بیع اور قرض کی شرط، تو اس سے عقد فاسد ہوگا۔

لیکن اگر قرض کی شرط کو حذف کردیا جائے تو بیع صحیح ہوجائے گی، اسی طرح ہر وہ شرط جو مقصود کے مخالف ہو، البتہ بعض شرائط ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ بیع صحیح نہیں، گوکہ شرط کو حذف کردیا جائے، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) جس نے کوئی سامان ادھار قیمت میں اس شرط کے ساتھ خریدا کہ اگر وہ مرگیا تو قیمت اس پر صدقہ ہے۔تو اس بیع کو فسخ کردیا جائے گا، گوکہ اس شرط کو ساقط کردے، اس لئے کہ یہ "غرر" ہے، اسی طرح اگر یہ شرط ہو کہ اگر وہ مرگیا تو بائع اس کے ورثاء سے قیمت کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

(۲) شرط ثنیا (بیع الوفا والی شرط) بیع کو فاسد کردیتی ہے اگر چہ شرط کو ساقط کردیا جائے مشہور یہی ہے[1]۔

(۳) بیع خیار میں نقد کی شرط۔ابن حاجب نے کہا: اگر نقد کی شرط کو ساقط کردے تو بھی صحیح نہیں ہے۔

رہی وہ شرط جس کے نتیجہ میں شروط صحت میں سے کسی شرط میں خلل پیدا ہوتو وہ موجب فسخ ہے، عاقدین کے لئے اس عقد کو جاری رکھنا جائز نہیں ہے[2]۔

۱۵ - مذکورہ مسائل میں حکم کا مدار فقہاء کے یہاں، جیسا کہ ابن رشد نے کہا، یہ ہے کہ اگر بیع میں فساد شرط کی وجہ سے پیدا ہوتو کیا شرط کے اٹھ جانے سے فساد اٹھ جاتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ وہ فساد نہیں اٹھتا جو حلال بیع میں حرام لعینہ کے جوڑ دینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص ایک گھوڑا سو دینار اور ایک مشکہ شراب میں فروخت کرے، اور جب عقد بیع کرلے تو کہے کہ میں ایک مشکہ شراب کو چھوڑتا ہوں، یہ بیع علماء کے یہاں باجماع فسخ شدہ ہے۔

یہ بھی ایک دوسرے اصل پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ فساد حکمی (تعبدی) ہے یا عقلی؟ اگر ہم اسے حکمی کہیں، تو شرط کے اٹھ جانے

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۵۹، ۲۶۰ طبع الریاض۔
(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۲۵۰۔

(۱) منح الجلیل ۲/ ۵۷۰، ۵۷۱، نیز دیکھئے: الموافقات للشاطبی ۱/ ۲۹۴، ۲۹۵۔
(۲) منح الجلیل ۲/ ۵۷۲۔

سے فساد نہیں اٹھے گا، اور اگر عقلی کہیں تو شرط کے اٹھ جانے سے فساد اٹھ جائے گا۔

امام مالک اس کو "عقلی" سمجھتے ہیں، اور جمہور اس کو غیر عقلی سمجھتے ہیں۔

ربا اور غرر والے بیوع میں پایا جانے والا فساد اکثر حکمی ہوتا ہے، اسی وجہ سے ان کے نزدیک اس کا بالکل انعقاد نہیں ہوتا، گو کہ بیع کے بعد ربا کو ترک کردے یا "غرر" ختم ہوجائے (۱)۔

۱٦- رہی دوسری صورت یعنی بیع باطل کا کسی دوسرے صحیح عقد میں بدل جانا تو اس کی بنیاد اس قاعدہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اعتبار عقود کے صیغوں کا ہے یا ان کے معانی کا؟

سیوطی کہتے ہیں: عقود کے صیغوں کا اعتبار ہے یا ان کے معانی کا؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے فروع میں ترجیح مختلف ہے مثلاً:

اگر مبیع کو بائع کے ہاتھ اس پر قبضہ سے پہلے ثمن اول کے مثل میں فروخت کردے تو یہ لفظ بیع کے ذریعہ اقالہ ہے۔ سبکی نے اس کی تخریج قاعدہ مذکورہ پر کی ہے، تخریج قاضی حسین کی ہے، انہوں نے کہا: اگر ہم لفظ کا اعتبار کریں تو صحیح نہ ہوگا اور اگر معنی کا اعتبار کریں تو اقالہ ہے (۲)۔ اور یہ بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے مبیع پر واقع ہے، لیکن وہ اس کے باوجود اقالہ صحیح میں بدل جائے گا، اس لئے کہ عقد میں اقالہ کے تمام عناصر موجود ہیں۔

ابن نجیم کی "الاشباہ" میں ہے: اعتبار معنی کا ہے، الفاظ کا نہیں، علماء نے کئی جگہوں پر اس کی صراحت کی ہے (۳)۔

"درر الحکام" میں ہے: عقود میں اعتبار مقاصد ومعانی کا ہے، الفاظ ومبانی کا نہیں، اور اسی وجہ سے بیع الوفاء میں رہن کا حکم جاری ہوتا ہے (۱)۔

مذہب مالک میں ہے: جس نے زمین جائیداد یا کوئی اور چیز فروخت کی اور خریدار پر یہ شرط لگائی کہ اس کو فروخت نہیں کرے گا، اور ہبہ نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کو ثمن دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ رہن کے درجہ میں ہے، اگر ثمن کا دینا مقررہ مدت پر ہو (۲)۔

اسی طرح بیع باطل کے دوسرے صحیح عقد میں بدل جانے کا حکم اس قاعدہ کے ضمن میں جاری ہے جس کا ذکر پہلے آیا۔

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۲/ ۱٦۲ طبع عیسی الحلبی۔

(۲) الاشباہ للسیوطی ر ۱۸۴، ۱۸۵۔

(۳) الاشباہ لابن نجیم ر ۲۰۷۔

(۱) درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام دفعہ (۳) ۱/ ۱۸، ۱۹۔

(۲) منح الجلیل ۲/ ۵٦۸۔

بیع التلجئہ

تعریف:

۱-بعض حنفیہ نے بیع التلجئہ کی تعریف یہ کی ہے: ایسا عقد جس کو کوئی شخص کسی امر کی مجبوری کی وجہ سے انجام دے، اس طرح وہ اس پر مجبور کی طرح ہو جاتا ہے[1]۔

صاحب ''الانصاف'' نے اس کی تعریف یہ کی ہے: بائع اور مشتری ایسی بیع کا اظہار کریں جس کو وہ دل سے نہیں چاہیں، بلکہ ظالم وغیرہ کے خوف سے اس کو بچا لینے کے لئے کریں[2]۔

شافعیہ نے اس کو ''بیع امانت'' کہا ہے[3]۔ اس کی صورت جیسا کہ نووی نے ''المجموع'' میں لکھا ہے، یہ ہے کہ بائع اور مشتری عقد کے اظہار پر اتفاق کرلیں، ظالم وغیرہ کے خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اور وہ دونوں اس بات پر اتفاق کرلیں کہ جب وہ دونوں بیع کا اظہار کریں گے تو وہ بیع نہ ہوگی، پھر بیع کی جائے[4]۔

رہا تلجئہ جس کی طرف اس بیع کی اضافت کی گئی ہے تو وہ لغت میں اکراہ اور اضطرار کے معنی میں آتا ہے[5]۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹ طبع المکتبۃ الإسلامیہ، بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۶ طبع الجمالیہ۔
(۲) الانصاف ۴/ ۲۶۵ طبع التراث۔
(۳) أسنی المطالب ۲/ ۱۱ طبع المکتبۃ الإسلامیہ۔
(۴) المجموع ۹/ ۳۳۴۔
(۵) القاموس المحیط، الصحاح، المصباح المنیر مادۂ ''لجأ''۔

اصطلاح میں اس کا معنی الجاء کے معنی کی طرف لوٹتا ہے، اور وہ اکراہ تام یا اکراہ ملجئی ہے۔ اور اس کا معنی جیسا کہ ''حاشیہ ابن عابدین'' سے سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو جان یا عضو کے تلف کرنے یا سخت مار کی دھمکی دے، اگر وہ اس کا مطلوب فعل انجام نہ دے[1]۔

متعلقہ الفاظ:

الف-بیع الوفاء:

۲-اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ''عین'' کو ایک ہزار میں اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ جب اس کو ثمن لوٹائے گا تو وہ اس کو عین واپس کردے گا[2]۔ بیع التلجئہ اور بیع الوفاء حقیقت بیع کا ارادہ نہ ہونے میں متفق ہیں، اور ان میں باہمی اختلاف یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن یا بیع اور شرط ظاہر کی طرف لوٹتی ہے، جبکہ بیع التلجئہ میں عدم ارادۂ بیع پر اتفاق بائع ومشتری کے درمیان مضمر ہوتا ہے، اور کوئی بیع ہوتی ہی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بیع التلجئہ اور بیع الوفاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجئہ میں متعاقدین ظالم وغیرہ کے خوف یا کسی اور وجہ سے اظہار بیع پر متفق ہوتے ہیں، نیز اس بات پر بھی اتفاق ہوتا ہے کہ جب وہ دونوں اس کا اظہار کریں گے تو وہ بیع نہ ہوگی، جبکہ بیع الوفاء میں وہ دونوں اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کے ہاتھ ''عین'' کو متعین قیمت میں فروخت کرے گا، اسی طرح وہ دونوں

(۱) ابن عابدین ۵/ ۸۰، طبع المصریہ کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی ۴/ ۳۵۷ طبع دار الکتاب العربی۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۴/ ۲۴۶ طبع المصریہ الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹ طبع المکتبۃ الإسلامیہ، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۳/ ۱۴۳، ۱۴۴ طبع دار المعرفہ۔

اس بات پر بھی متفق ہوتے ہیں کہ جب بائع ثمن حاضر کردے گا تو وہ مبیع واپس لے لے گا، چنانچہ بیع الوفاء حقیقت میں بہ لفظ بیع رہن ہے یا بہ لفظ بیع ایک مدت کے لئے قرض ہے، اس لئے اس میں تلجئہ کی شرط لگانا اس کو فاسد کردے گا[1]۔

ب- بیع مکرہ:

۳- بیع مکرہ سے مراد بائع کو اس کی رضامندی کے بغیر بیع پر آمادہ کرنا ہے، کیونکہ اکراہ لغت میں انسان کو کسی ناپسندیدہ چیز پر مجبور کرنے کے معنی میں ہے، اور شرع میں ایسا فعل جو مکرَہ کی طرف سے وجود میں آئے، اور محل میں کوئی ایسی وجہ پیدا ہوجائے جس کے سبب وہ اس فعل کے انجام دینے پر مجبور ہوجائے جو اس سے مطلوب ہے[2]۔

بیع التلجئہ، اور بیع مکرہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجئہ صرف ظاہر میں بیع ہے، حقیقت میں نہیں، جبکہ بیع مکرہ بیع حقیقی ہے، البتہ اس کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے کہ فاسد ہوگی یا موقوف۔

بیع ہازل:

۴- بیع میں ہازل وہ شخص ہے جو بیع کی بات کرے، لیکن حقیقت بیع کا ارادہ نہ ہو۔

ہزل: یہ ہے کہ لفظ سے اس کا معنی مراد نہ لیا جائے، نہ حقیقی، نہ مجازی۔ اور ہزل، جد کی ضد ہے، اور ''جد'' یہ ہے کہ کسی چیز سے اس کا معنی موضوع لہ مراد لیا جائے[1]۔

بیع التلجئہ اور بیع ہازل کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع التلجئہ کا سبب و باعث گو کہ غالباً اکراہ ہوتا ہے، تاہم وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے بیع ہازل ہی ہے، اس لئے کہ بیع التلجئہ میں بائع صیغہ بیع کا تلفظ کرتا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ بیع کو مراد نہیں لیتا، اور اسی وجہ سے صاحب ''البدائع'' نے لکھا ہے کہ وہ بیع ہازل کے مشابہ ہے[2]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزل اختیارِ حکم اور اس پر رضامندی کے منافی ہے، لیکن وہ، مباشرت (انجام دینے) اور اس کے اختیار کرنے پر رضامندی کے منافی نہیں، لہذا یہ بیع میں خیارِ شرط کے حکم میں ہوگیا[3]۔

بیع کے علاوہ میں تلجئہ:

۵- نکاح میں تلجئہ ہوتا ہے جیسا کہ اگر کسی صاحب قہر وغلبہ نے دوسرے کے پاس اس کی کسی بیٹی کے لئے پیغام نکاح بھیجا، تو لڑکی والے نے اس کا نکاح کردیا، اور استرعاء کے گواہوں کو خفیہ طریقہ پر گواہ بنادیا کہ میں اس کے خوف سے ایسا کررہا ہوں۔ اور وہ شخص ایسا ہے کہ اس سے دشمنی کرنا اندیشہ کا باعث ہے، اور یہ کہ اگر وہ چاہے گا تو لڑکی کو بلا نکاح اپنے لئے لے لے گا، اس لئے اس کے ساتھ اس نے نکاح کردیا، تو یہ نکاح ہمیشہ کے لئے فسخ رہے گا۔

تلجئہ تحبیس (وقف)، طلاق، ہبہ اور دوسرے تطوعات میں بھی جاری ہوتا ہے[4]۔

---

(۱) المجموع للنووی ۹/ ۳۳۴، ابن عابدین ۴/ ۲۴۶، جامع الفصولین ۱/ ۲۳۴، ۲۳۶، کشاف القناع ۳/ ۱۴۹، ۱۵۰۔

(۲) الدر المختار ۵/ ۸۰، المصباح مادۂ ''کرہ''۔

(۱) کشف الاسرار عن اصول البزدوی ۴/ ۳۵۷، تعریفات الجرجانی۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۶، ۱۷۷۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۲۴۴، اصول البزدوی ۴/ ۳۵۷۔

(۴) التبصرہ ۲/ ۴، ۵۔

بیع التلجیہ کی قسمیں:

۶- بیع التلجیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں تلجیہ نفس بیع میں ہوتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں تلجیہ ثمن میں ہوتا ہے۔ اور ان دونوں اقسام میں سے ہر ایک کی دو انواع ہیں: کیونکہ تلجیہ اگر نفس بیع میں ہو، تو انشاء بیع میں ہوگا یا اقرار بیع میں؟ اور اگر ثمن میں ہو تو اس کی مقدار میں ہوگا یا اس کی جنس میں؟

قسم اول: تلجیہ نفس بیع میں ہو:

اس کی دو انواع ہیں:

نوع اول: تلجیہ انشاء بیع میں ہو:

۷- وہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر وہ دونوں کسی مجبوری کی وجہ سے اس بات پر اتفاق کرلیں کہ وہ دونوں بیع کا اظہار کریں گے، لیکن حقیقت میں ان دونوں کے درمیان بیع نہیں ہوگی۔ یہ محض ریاء اور دکھاوا ہوگا، مثلاً کسی کو سلطان سے ڈر ہو تو وہ دوسرے سے کہے: میں ظاہر کروں گا کہ میں نے تم سے اپنا گھر فروخت کردیا، یہ حقیقت میں بیع نہیں ہوگی، بلکہ تلجیہ ہوگا، چنانچہ انہوں نے بیع کرلی تو جواز و بطلان کے بارے میں اس میں تین اقوال ہیں:

اول: بیع باطل ہے، امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایہ، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول یہی ہے [1]۔ یہی حنابلہ کے یہاں ''وجہ صحیح''، اور مشہور ہے ''قاضی'' وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہوتی نے لکھا ہے: یہ باطل ہے، یہی ایک قول ہے، کیونکہ ان دونوں نے اس پر اتفاق کیا ہے [2]۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۷۶۔

(۲) الفروع ۴/۴۹، کشاف القناع ۳/۱۴۹ طبع النصر، الانصاف ۴/۲۶۵ طبع التراث۔

بطلان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عاقدین نے الفاظ بیع کا تلفظ حقیقت کے ارادہ سے نہیں کیا، اور یہی ہزل کی تشریح ہے، اور ''ہزل'' جواز بیع سے مانع ہے، اس لئے کہ وہ سبب کو انجام دینے میں رضامندی کو ختم کردیتا ہے، لہذا الحکم کے حق میں یہ بیع منعقد نہیں ہوئی، [1] اسی طرح دلالت حال یہ ہے کہ وہ دونوں اس طرح کی بیع میں بیع کا ارادہ نہیں رکھتے، گویا کہ وہ دونوں عقد میں یہ نہ کہیں کہ ہم نے یہ بیع تلجیہ کے طور پر کی ہے [2]۔

دوم: بیع جائز ہے: امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسف کی روایت یہی ہے، شافعیہ کا مذہب، اسی طرح حنابلہ کے یہاں دوسرا قول یہی ہے [3]۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خفیہ اتفاق کا اعتبار نہیں، اعتبار اس عقد کا ہے جس کا انہوں نے اظہار کیا ہے، نیز اس لئے کہ انہوں نے خفیہ طور پر جو شرط لگائی ہے، اس کو انہوں نے عقد میں ذکر نہیں کیا، بلکہ انہوں نے عقد صحیح کی شرطوں کے مطابق عقد کیا ہے، لہذا سابق شرط اس میں اثر انداز نہ ہوگی، جیسا کہ اگر وہ دونوں متفق ہوں کہ بیع کے وقت دونوں کوئی فاسد شرط لگائیں گے، پھر بلا شرط بیع کریں [4] (اس صورت میں بیع صحیح ہوگی شرط فاسد کے وعدہ کا کوئی اثر بیع پر نہ ہوگا)۔

سوم: یہی امام محمد سے مروی ہے کہ بیع جائز (غیر لازم) ہے۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ جائز قرار دے دیں تو لازم ہوجائے گی، اس لئے کہ اس بیع کو باطل قرار دینا ضرورت کی وجہ سے ہے، لہذا اگر ہم بیع کے وقت وجود شرط کا اعتبار کرلیں تو ضرورت ختم نہ ہوگی، اگر ان

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۷۶۔

(۲) کشاف القناع ۳/۱۴۹۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۷۶، المجموع ۹/۳۳۴، الفروع ۴/۴۹۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۷۶، المجموع ۹/۳۳۴۔

دونوں میں سے ایک اجازت دے دے، دوسرا نہ دے تو جائز نہیں، اور اگر وہ دونوں اجازت دے دیں تو جائز ہوگی، اس لئے کہ شرط سابق یعنی باہمی خفیہ اتفاق حکم کے حق میں عقد کے انعقاد سے مانع ہے، لہذا یہ فروخت کنندہ اور خریدار کے لئے خیار شرط کے درجہ میں ہے۔ اس لئے ان دونوں کی رضامندی ہی سے صحیح ہوگی، اور خریدار قبضہ کی وجہ سے اس کا مالک نہ ہوگا۔

بیع التلجئہ میں جانبین میں سبب کے انجام دینے سے رضامندی کا اصلاً وجود ہی نہیں، لہذا حکم کے حق میں سبب کا انعقاد نہیں ہوا، اس لئے ان میں سے ایک پر موقوف ہوگا، اس طرح وہ فروخت کنندہ اور خریدار کے لئے اختیار کی شرط کے مشابہ ہے[1]۔

۸ - اس بیع کے بطلان کے قول پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر دونوں بیع کرنے والوں میں اختلاف ہو، ان میں سے ایک تجلئہ کا دعوی کرے دوسرا تلجئہ کا منکر ہو، اور دعوی کرے کہ یہ بیع خواہش اور رضامندی سے ہوئی ہے اور تلجئہ کے انکار کرنے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ ظاہر اس کی تائید کررہا ہے، لہذا تلجئہ کا دعوی کرنے والے کے مقابلہ میں اس منکر تلجئہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر یہ ثمن کا مطالبہ کرے، اور اگر تلجئہ کا دعوی کرنے والا گواہ پیش کردے تو اس کے گواہ قبول ہوں گے، اس لئے کہ اس نے شرط گواہی کے ذریعہ ثابت کردی، لہذا اس کا بینہ مقبول ہوگا جیسا کہ اگر بینہ سے خیار ثابت کردے۔

جبکہ اس بیع کے جواز کے قول پر اس دعویٰ کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اس لئے کہ تلجئہ کا دعویٰ اگر چہ سچا ہو، بیع ظاہر میں اثر انداز نہیں۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۶، ۱۷۷، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۴۴، ۲۴۵، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۳/ ۱۴۳، الاختیار ۲/ ۲۱۔

البتہ اگر وہ دونوں تلجئہ پر متفق ہوں، پھر وہ دونوں بیع کے وقت کہیں: ہمارے درمیان جو بھی شرط تھی، باطل ہے، تو تلجئہ باطل ہوجائے گا اور بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ یہ فاسد اور زائد شرط ہے، لہذا اسا قط کرنے سے ساقط ہوجائے گی۔ اور جب ساقط ہوگئی تو عقد جائز ہوگیا[1]۔

نوع دوم: اقرار بیع میں تلجئہ ہو:

۹ - تلجئہ اگر اقرار بیع میں ہو یعنی ان دونوں نے باہم اتفاق کیا ہو کہ ایسی بیع کا اقرار کریں گے جو نہیں ہوئی ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا اقرار کرلیا، پھر ان دونوں نے اتفاق کرلیا کہ وہ بیع نہیں تھی، تو یہ بیع باطل ہے جیسا کہ صاحب ''البدائع'' نے لکھا ہے، اور ان دونوں کی اجازت سے جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ اقرار خبر دینا ہے اور خبر دینے کی درستگی یہ ہے کہ خبر دیتے وقت مخبر بہ (جس کی خبر دی جارہی ہے) ثابت ہو تو اگر وہ ثابت ہو تو خبر دینا سچا ہوگا، ورنہ جھوٹا ہوگا، لہذا اجازت کا احتمال نہیں رکھے گی، اس لئے کہ اجازت موجود شی کی ہوتی ہے، معدوم کی نہیں[2]۔

قسم دوم: وہ بیع جس میں تلجئہ ثمن یا بدل میں ہو:

اس کی بھی دو انواع ہیں:

۱۰ - نوع اول: وہ بیع جس میں تلجئہ مقدار ثمن میں ہو:

اس کی مثال یہ ہے کہ وہ دونوں خفیہ طور پر اتفاق کرلیں کہ ثمن

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۷، ۱۷۸، الاختیار ۲/ ۲۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۷، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۶۰، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۳/ ۳۳۸۔

ایک ہزار ہے، پھر بظاہر دو ہزار میں بیع کریں تو اس بیع میں ظاہر کا اعتبار ہوگا یا باطن کا؟

اس مسئلہ میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:

قول اول: اعتبار ظاہر کا ہے یعنی جس پر انہوں نے عقد کیا اور وہ اعلانیہ ثمن ہے۔

یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے جیسا کہ امام ابو یوسف نے ان سے روایت کیا ہے [۱]۔ یہی شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں اظہر رائے ہے، قاضی نے اسی کو یقینی قرار دیا ہے [۲]۔

قول دوم: اعتبار باطن کا ہے، یعنی خفیہ طور پر انہوں نے جس پر اتفاق کیا۔ اس قول کو امام محمد نے "الاملاء" میں بلا اختلاف نقل کیا ہے، اور یہی امام ابو یوسف کا قول بھی ہے۔

حنابلہ کے یہاں بھی ایک قول یہی ہے اور مالکیہ کا مذہب یہی ہے جیسا کہ مالکیہ نے "خفیہ مہر" اور "علانیہ مہر" میں اس کی صراحت کی ہے [۳]۔

اعلانیہ ثمن ہی ثمن ہے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ جو ثمن عقد میں مذکور ہو اسی کے ذریعہ عقد صحیح ہوتا ہے، اور انہوں نے خفیہ طور پر جس ثمن کا ذکر کیا ہے اس کا ذکر حالت عقد میں نہیں کیا، اس لئے اس کا حکم ساقط ہوگیا، نیز یہ کہ اتفاق سابق لغو ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں کسی شرط فاسد پر اتفاق کرلیں، پھر بلا شرط عقد کریں تو عقد صحیح ہے [۴]۔

(۱) الاختیار ۲/ ۲۱، ۲۲۔

(۲) الاختیار ۲/ ۲۱، ۲۲، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، المجموع ۹/ ۳۳۴، الفروع ۴/ ۵۱، ۵/ ۲۶۷، الانصاف ۴/ ۲۶۶۔

(۳) الاختیار ۲/ ۲۱، ۲۲، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، الفروع ۴/ ۵۰، الدسوقی ۲/ ۳۱۳، الخرشی ۳/ ۲۷۴۔

(۴) الاختیار ۲/ ۲۲، المجموع ۹/ ۳۳۴۔

اس قول کی دلیل کہ خفیہ طور پر طے پانے والا ثمن ہی ثمن ہے، یہ ہے کہ ان دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سے زائد کا ارادہ نہیں کیا، تو گویا انہوں نے اس کو ہزل (مذاق) کے طور پر کہا ہے [۱]۔ یعنی اس کو ثمن میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ اور ثمن وہی ہوگا جس پر انہوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا ہے۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے جو بیع ہازل کے فساد کے قائل ہیں [۲]۔

شافعیہ کے نزدیک جو دو آراء میں سے زیادہ صحیح رائے کے مطابق بیع ہازل کی صحت کے قائل ہیں، زائد ایک ہزار کو ثمن میں شامل کیا جائے گا [۳]۔

علاوہ ازیں صاحب "البدائع" کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ آیا خفیہ ثمن معتبر ہے یا اعلانیہ، یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ دونوں مواضعہ (اتفاق) کے وقت کہیں کہ دو ہزار جن کا اعلانیہ عقد میں ذکر ہوگا ان میں سے ایک ہزار کا ذکر ریاء اور دکھاوا کے لئے ہوگا۔ لیکن اگر وہ مواضعہ کے وقت یہ نہ کہیں تو ثمن وہی ہے جس پر انہوں نے عقد کیا ہے، اس لئے کہ ثمن اس چیز کا نام ہے جس کا عقد کے وقت ذکر کیا جائے اور عقد کے وقت دو ہزار کا ذکر کیا گیا ہے [۴]۔

۱۱- نوع دوم: وہ بیع جس میں تلجئہ جنس ثمن میں ہو:

اس کی مثال یہ ہے کہ وہ دونوں خفیہ طور پر اتفاق کرلیں کہ ثمن ایک ہزار درہم ہے، پھر ایک سو دینار میں بیع ظاہر کریں تو کیا یہ بیع باطل ہوگی یا اعلانیہ ثمن کے بدلے صحیح ہوگی؟

امام محمد کی رائے ہے کہ یہ بیع قیاس کے اعتبار سے باطل ہوگی،

(۱) الاختیار ۲/ ۲۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۶، کشاف القناع ۳/ ۱۵۰۔

(۳) المجموع ۹/ ۳۳۴۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۷۔

اور بطور استحسان صحیح ہوگی یعنی اعلانیہ ثمن میں (1)۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے (جیسا کہ ''البدائع'' میں ہے) جب ان دونوں نے مواضعہ کے وقت کہا ہو کہ اعلانیہ ثمن ریاء اور دکھاوا ہے لیکن اگر انہوں نے یہ نہ کہا ہو تو ثمن وہی ہے جس پر انہوں نے عقد کیا ہے، اس لئے کہ ثمن اس چیز کا نام ہے جو عقد کے وقت مذکور ہو اور عقد کے وقت مذکور سو دینار ہی ہے (۲)۔

ازروئے قیاس اس بیع کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خفیہ ثمن کا ذکر انہوں نے عقد میں نہیں کیا، اور اعلانیہ ثمن کا انہوں نے قصد نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے اس کو ہزل کے طور پر کہا ہے، لہذا وہ ساقط ہے، اور بیع بلا ثمن باقی رہ گئی، لہذا صحیح نہیں ہوگی (۳)۔

اور استحسان کے طور پر اس بیع کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیع باطل نہیں بلکہ بیع صحیح کا قصد کیا ہے، لہذا اس کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا واجب ہے۔ اور اس کو اعلانیہ ثمن اعلانیہ کے بغیر صحت پر محمول کرنا ناممکن ہے، تو گویا انہوں نے جس چیز کی شرط خفیہ طور پر لگائی تھی، اس سے رجوع کرلیا، لہذا حکم ظاہر سے متعلق ہوگیا۔ جیسا کہ اگر وہ دونوں اس بات پر اتفاق کرلیں کہ اس کو بیع التلجئہ کریں گے، پھر ایک دوسرے کو ہبہ کردیں۔ برخلاف ''ہزار'' اور ''دوہزار'' کے، اس لئے کہ جس ثمن کا خفیہ طور پر ذکر کیا گیا تھا اور اس کی شرط لگائی گئی تھی وہ عقد میں زیادتی کے ساتھ مذکور ہے، اس لئے عقد کا تعلق اسی سے ہوگا (۴)۔

۱۲ - صاحب ''البدائع'' نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام اختلافات اس

(1) الاختیار ۲/۲۲۔
(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷۔
(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، الاختیار ۲/۲۲۔
(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷، الاختیار ۲/۲۲۔

صورت میں ہیں جبکہ ان دونوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا ہو، لیکن خفیہ طور پر عقد نہ کیا ہو، اور اگر انہوں نے خفیہ طور پر اتفاق کیا، اور خفیہ طور پر ہی کسی ثمن میں عقد کرلیا، اس کے بعد انہوں نے باہم اتفاق کیا کہ عقد کو اس سے زیادہ میں یا دوسری جنس کے ثمن میں ظاہر کریں گے پھر اگر انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ عقد دوم ریاء اور دکھاوا ہے تو عقد دوم عقد اول کو ختم کردے گا، اور ثمن وہ ہوگا جو عقد دوم میں مذکور ہے، اس لئے کہ بیع فسخ اور اقالہ کا احتمال رکھتی ہے، لہذا ان دونوں کا عقد ثانی کا آغاز کرنا عقد اول کو باطل کرنا ہے، اس لئے اول باطل ہوگیا، اور عقد ثانی اس ثمن کے ساتھ جو اس میں مذکور ہے منعقد ہوگیا، اور اگر انہوں نے کہا: عقد دوم ریاء اور دکھاوا ہے پھر اگر ثمن دوسری جنس سے ہو تو عقد پہلا ہی معتبر ہوگا، اس لئے کہ جب انہوں نے ریاء اور دکھاوے کا ذکر کیا تو عقد دوم میں مقرر ثمن کو باطل کردیا، اس لئے عقد دوم صحیح نہیں ہوا، اور عقد اول باقی رہ گیا، اور اگر اول کی جنس سے ہو تو معتبر عقد دوم ہے، اس لئے کہ بیع فسخ کا احتمال رکھتی ہے، اس لئے معتبر عقد دوم ہوا، لیکن ثمن اول کے ساتھ ہوگا، اور زیادتی باطل ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس کو باطل کردیا، کیونکہ اس کو انہوں نے ہزل کے طور پر کہا ہے (1)۔

۱۳ - شافعیہ کے نزدیک بیع اعلانیہ ثمن میں صحیح ہے، اور اتفاقِ سابق کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ لغو ہے، اور یہ ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ اگر وہ دونوں کسی شرط فاسد کے لگانے پر اتفاق کرلیں پھر بلا شرط بیع کرلیں (۲)۔

۱۴ - جہاں تک حنابلہ کا تعلق ہے تو ''الفروع'' کی کتاب الصداق

(1) بدائع الصنائع ۵/۱۷۷۔
(۲) المجموع ۹/۳۳۴۔

میں ہے: اگر وہ دونوں بیع کرنے سے قبل کسی ثمن پر اتفاق کرلیں، پھر دوسرے ثمن میں بیع کریں تو اس میں دو اقوال ہیں:

اول: ثمن وہ ہے جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے۔

دوم: ثمن وہ ہے جس پر عقد ہوا ہے جیسا کہ نکاح[۱]۔

۱۵ - جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو دوسرے فقہاء کی طرح انہوں نے اپنی کتابوں میں بیع التلجئہ کی صراحت نہیں کی، البتہ انہوں نے ''بیع مکرہ''، ''بیع مضغوط'' اور ''بیع ہازل'' کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ آچکا ہے۔ لیکن انہوں نے عقد نکاح اور خفیہ واعلانیہ مہر پر کلام کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ عمل خفیہ مہر پر ہوگا اگر اس بات پر بینہ ہو کہ اعلانیہ مہر کا اعتبار نہیں، اس کا ذکر محض شان اور فخر کے طور پر ہے۔ اور اگر بینہ نہ ہو اور زوجین خفیہ مہر پر اتفاق کرلیں تو اسی پر عمل ہوگا۔ اور اگر اختلاف کریں تو بیوی شوہر سے حلف لے گی، اگر بیوی کا دعویٰ ہو کہ خفیہ مہر قلیل سے اعلانیہ کثیر کی طرف رجوع ہوگیا ہے۔ اگر شوہر حلف اٹھالیتا ہے تو خفیہ مہر پر عمل ہوگا، اور اگر حلف سے انکار کرے تو بیوی سے رجوع پر حلف لی جائے گی، اور اعلانیہ مہر پر عمل ہوگا، اور اگر بیوی حلف سے انکار کرے تو خفیہ مہر پر عمل ہوگا[۲]۔

۱۶ - صاحب ''التبصرۃ'' نے ''شہادت استرعاء'' کے ذریعہ فیصلہ کی بحث میں لکھا ہے کہ استرعاء بیوع میں ناجائز ہے، مثلاً بیع سے قبل گواہ بنالے کہ وہ بیع سے رجوع کرے گا۔ اور یہ کہ بیع ایک اندیشہ کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ بیع کا یہ معاملہ اس کی رضامندی کے خلاف ہے، بائع نے اس میں ثمن لے لیا ہے، اور اس میں خریدار کا حق ہے، الا یہ کہ گواہ بیع پر اکراہ اور دھمکانے کو جانتے ہوں تو استرعاء جائز ہے اگر بیع سے قبل اس کا انعقاد ہو۔ اور عقد میں ایسے شخص کی شہادت شامل ہو جو اس کے ذکر کردہ دھمکی اور اندیشہ سے واقف ہو[۱]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی اندیشہ یا قابل خوف امر کے سبب مکرہ علی البیع پر مالکیہ کے نزدیک بیع لازم نہیں ہوتی، بلکہ اس کو اس میں رجوع کرنے کا اختیار ہوتا ہے، حتیٰ کہ ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد بھی جبکہ استرعاء کے گواہ بیع پر اکراہ اور دھمکانے سے واقف ہوں۔

فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین اختلاف کا اثر:

۱۷ - اگر ان میں سے ایک بیع التلجئہ کا دعویٰ کرے اور دوسرا انکار کرے، اور تلجئہ کا مدعی بینہ پیش کرے تو بینہ قبول کیا جائے گا، ورنہ مدعی اصل (یعنی عدم تلجئہ) کا قول اس کی یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، اور اگر ہر ایک بینہ پیش کرے تو مدعی تلجئہ کا بینہ مقدم ہوگا، اس لئے کہ وہ خلاف ظاہر کو ثابت کرتا ہے۔

اگر ان دونوں نے اعلانیہ بیع کی اور اعتراف کیا کہ اس کی بنیاد تلجئہ پر ہے تو اعلانیہ والی بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے اس کو ہزل کے طور پر کیا ہے، ورنہ بیع لازم ہوگی۔

یہ سب ان لوگوں کے مذہب کی بنیاد پر ہے جو خفیہ بیع کی صحت اور اعلانیہ بیع کے باطل ہونے کے قائل ہیں، اور وہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں، حنابلہ کا مذہب یہی ہے، اور مالکیہ کے مذہب سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن جو لوگ بیع دوم کی صحت اور خفیہ طور پر سابقہ اتفاق کے باطل ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اور یہ امام ابوحنیفہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے قاضی ہیں[۲]۔

---

(۱) الفروع ۵/ ۲۶۷۔

(۲) الدسوقی ۲/ ۳۱۳، جواہر الاکلیل ۲/ ۳۱۴، الخرشی ۳/ ۲۷۴۔

(۱) التبصرہ ۲/ ۵۔

(۲) الدر المختار بحاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۴۵، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۳/ ۱۴۳،

یہ بات اجمالی ہے، مسئلہ کی تفاصیل اور اس میں اختلاف کو "بیع" اور "دعوی" کے مباحث میں دیکھا جائے۔

بیع التولیہ

دیکھئے: "تولیہ"۔

بیع الثنیہ

دیکھئے: "بیع الوفاء"۔

= القوانین الفقہیہ لابن جزی رص ۲۵۲، الروضہ ۳/ ۵۷۵، ۵۸۷، المجموع ۹/ ۳۳۴، کشاف القناع ۳/ ۲۳۶، ۲۴۱، المغنی ۴/ ۲۳ طبع الریاض۔

بیع جبری

تعریف:

۱- بیع جبری: دو لفظوں سے مرکب ہے: "بیع" اور "جبری"۔

بیع: مخصوص طریقہ پر مال کا مال سے تبادلہ کرنا ہے [۱]۔

جبری: جَبَرہ علی الأمر جبراً (اس کو زبردستی آمادہ کیا) سے ماخوذ ہے [۲]۔

استعمالِ فقہاء میں بیع جبری وہ ہے جو حق کی بنا پر اکراہ کرنے والے کی طرف سے ہو یا وہ بیع ہے جو کسی شخص کی مرضی کے خلاف اس کی طرف سے نیابۃً ہو، تاکہ اس پر واجب حق کو ادا کیا جائے یا ضرر کو دور کیا جائے یا عام مفاد کو بروئے کار لایا جائے [۳]۔

متعلقہ الفاظ:

الف- اِکراہ علی البیع:

۲- اِکراہ لغت میں: انسان کو کسی امر پر اس کے اختیار کے بغیر آمادہ کرنا ہے [۴]۔

(۱) أسنی المطالب ۲/ ۲۔

(۲) المصباح المنیر مادۂ "جبر"۔

(۳) یہ تعریف ہم نے کتب فقہ میں مذکور بیع جبری کی مثالوں سے اخذ کی ہے۔

(۴) مختار الصحاح، المصباح المنیر مادۂ "کرہ"، ابن عابدین ۵/ ۸۰۔

شرع میں: وہ ایسا فعل ہے جو اکراہ کرنے والے کی طرف سے پایا جائے اور وہ اکراہ کردہ شخص کو اس سے مطلوب امر پر مجبور کردے[۱]۔

بیع بالإکراہ اور بیع جبری میں فرق یہ ہے کہ بیع جبری ناحق نہیں ہوتی، جبکہ بیع بالإکراہ میں اصلاً عموم ہے۔ لیکن اس کا غالب اطلاق ناحق إکراہ پر ہوتا ہے۔

ب- بیع التلجئہ:

۳- بیع التلجئہ اصطلاحِ فقہاء میں یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار بیع کا اظہار کریں لیکن اس کا ارادہ نہ کریں، صاحب مال کسی دشمن یا ظالم بادشاہ کے خوف سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے[۲]۔

بیع التلجئہ اور بیع جبری میں فرق یہ ہے کہ بیع التلجئہ میں بیع کی صورت ہوتی ہے، حقیقت نہیں۔

شرعی حکم:

۴- بیع جبری کا حکم اس کے سبب کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، اگر ایفاء حق کے لئے ہو مثلاً اس کے مال کو اس پر فوری واجب الاداء دین ادا کرنے کے لئے، اور صاحب حق کے مطالبہ کے سبب فروخت کرنا تو یہ واجب ہے، اسی طرح اگر اس میں کوئی عام مصلحت ہو مثلاً اس مسجد کی توسیع جو نمازیوں کے لئے تنگ ہوگئی ہو یا عام راستہ کی توسیع[۳]۔

بیع فقہ اسلامی میں دیگر قولی عقود کی طرح جانبین کی طرف سے اس کے وجود میں لانے پر آزادانہ رضامندی سے قائم ہوتی ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: "يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[۱] (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

حدیث میں ہے: "إنما البيع عن تراض"[۲] (بیع تو رضامندی کے ذریعہ ہوتی ہے)، فقہاء کسی ایسی بیع کو برقرار نہیں رکھتے جو جانبین یعنی بائع اور مشتری کی رضامندی سے قائم نہ ہو، الا یہ کہ مفاد عامہ کا تقاضا ہو، یعنی احقاق حق یا عام مصلحت کو پورا کرنا یا خاص یا عام ضرر کو دفع کرنا ہو جس کو فقہاء کے عرف میں: "إکراہ مشروع" یا "إکراہ بہ حق" کہتے ہیں۔ اور ان ہی میں سے وہ عقود جبریہ ہیں جن کو حاکم منعقد کرتا ہے یا تو بذات خود اس شخص کی نیابت میں جس پر اس کا جاری کرنا واجب ہے، اگر وہ اس سے گریز کرے یا خود اسی کو اس کے اجراء پر مجبور کرتا ہے۔

فقہاء بیع پر جائز جبر کی کئی مثالیں ذکر کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

مدیون کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرنا:

۵- مدیون (دین دار) کو اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ اس پر فوری واجب الاداء دین کو ادا کیا جائے اگر وہ اس کی ادائیگی نہ کرے اور اس کے پاس ظاہری مال ہو، حاکم اس کو اس پر تعزیر (قیدیا

---

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۸۰۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۲۴۴۔

(۳) الدسوقی ۳/ ۶، ۷۔

(۱) سورۂ نساء/ ۲۹۔

(۲) حدیث: "إنما البيع عن تراض" کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۳۷ طبع الحلبی) نے کی ہے بوصیری نے کہا: اس کی اسناد صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ضرب) کے ذریعہ دین کی ادائیگی پر مجبور کرے گا، اگر وہ عدم ادائیگی پر مصر ہوتو حاکم اس کا دین اس کے مال سے بہ جبر ادا کرے گا اگر اس کے پاس دین کی جنس کا ظاہری مال ہو۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اگر اس کا مال دین کی جنس کے علاوہ ہو مثلاً غیر منقولہ جائیداد، اور سامان تو جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ امام اس کی رضامندی کے بغیر جبراً اس کی نیابت میں اس کا مال بیچ دے گا[1]۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حاکم اس کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر فروخت نہیں کرے گا، بلکہ اس کو قید میں رکھے یہاں تک کہ وہ اپنا مال فروخت کرکے یا کسی اور طرح سے اپنے دین کی ادائیگی کردے، اس لئے کہ حاکم کی ولایت امام صاحب کی نظر میں مدیون پر ہے، اس کے مال پر نہیں، اس لئے اس کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر حاکم کی بیع نافذ نہیں ہوگی، نیز اس لئے کہ بیع تجارت ہے اور وہ بلا رضامندی نہیں ہوتی، نیز اس میں ایک طرح کا حجر (پابندی) ہے، جس کو امام ابوحنیفہ جائز قرار نہیں دیتے، اس مسئلہ میں صاحبین امام صاحب کے خلاف ہیں، اور انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ حاکم اس کے مال کو اس کے دین کی ادائیگی کے لئے جبراً فروخت کردے، اور صاحبین ہی کی رائے پر مذہب میں فتویٰ ہے[2]۔

بیع مرہون:

۶- اگر کوئی "عین" فوری واجب الاداء دین یا دین مؤجل جس کی مدت پوری ہوچکی ہو، کے بدلہ رہن رکھے، اور مدیون دین کی ادائیگی نہ کرے، تو حاکم اس کو رہن رکھے ہوئے مال کی فروختگی پر مجبور کرے گا، یا اس کی اجازت کے بغیر اس کا نائب بن کر اس کو فروخت کردے گا، اس لئے کہ یہ اس پر واجب حق ہے، اگر اس کی ادائیگی نہ کرے تو حاکم اس کی ادائیگی میں اس کا قائم مقام ہوگا، جیسا کہ جنس دین کی صورت میں ادائیگی کرنا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "رہن"۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا سامان یا غیر منقولہ جائیداد فروخت نہ کرے گا بلکہ اس کو قید میں رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنا مال فروخت کرنے پر یا اس کے علاوہ پر آمادہ ہوجائے[1]۔

محتکر (ذخیرہ اندوز) کو فروختگی پر مجبور کرنا:

۷- اگر کسی کے پاس اس کی ضرورت سے فاضل غلہ ہو، لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اور وہ ان کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو دفع ضرر کے لئے حاکم اس کو اس کی فروختگی پر مجبور کرے گا[2]۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "احتکار"۔

واجب نفقہ کے لئے بیع پر مجبور کرنا:

۸- اگر مکلف اپنے ذمہ واجب نفقہ نہ دے مثلاً بیوی، اولاد اور والدین کا نفقہ، اور اس کے پاس ظاہری نقود معلوم نہ ہوں تو حاکم ان لوگوں کے نفقہ کے لئے اس کے سامان یا غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کرے گا۔

تفصیل: "نفقہ" میں دیکھیں۔

(۱) روضۃ الطالبین ۴/ ۱۳۷، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۰۷، ۳۰۸، الدسوقی ۳/ ۲۶۹، الانصاف ۵/ ۲۷۶، المغنی ۴/ ۴۸۴، الاختیار لتعلیل المختار ۲/ ۸۹۔

(۲) ابن عابدین ۵/ ۹۵، الاختیار ۲/ ۹۸۔

(۱) روضۃ الطالبین ۴/ ۸۸، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۵۱، المغنی ۴/ ۴۲۷، ابن عابدین ۵/ ۳۲۵۔

(۲) ابن عابدین ۵/ ۲۵۶، قلیوبی ۲/ ۱۵۶۔

شفعہ کی وجہ سے جبراً لینا:

۹-شفعہ ایسا حق ہے جو شریعت نے شریک قدیم یا متصل پڑوسی کو دیا ہے، لہذا وہ فروخت شدہ قطعہ کا اس کے خریدار کی رضامندی کے بغیر اس ثمن اور خرچہ میں جو اس پر آیا ہے، جبراً مالک ہوجائے گا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح "شفعہ"۔

بیع جزاف

تعریف:

۱-جزاف: جازف مجازفة باب مفاعلت سے اسم ہے۔ جزاف (ضمہ کے ساتھ) خلاف قیاس ہے، قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ لفظ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہو۔

یہ لغت میں "جزف" سے ماخوذ ہے یعنی زیادتی کے ساتھ لیا اور جزف فی الکیل جزفا کا معنی ہے: زیادہ ناپا، اور جو شخص بغیر کسی ضابطہ کے غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتا ہے اس کے لئے کہتے ہیں: "جازف فی کلامه"، لہذا گفتگو کے صحیح انداز کو کیل و وزن کے قائم مقام کردیا گیا ہے [۱]۔

بیع الجزاف اصطلاح میں: کیلی یا وزنی یا عددی چیز کو کیل وزن اور عدد کے بغیر اٹکل سے فروخت کرنا ہے [۲]۔

شرعی حکم:

۲-اصل یہ ہے کہ عقد بیع کی صحت کے لئے مبیع کا معلوم ہونا شرط ہے، لیکن ہر اعتبار سے اس کا معلوم ہونا شرط نہیں بلکہ اصل مبیع، اس کی مقدار اور صفت کا معلوم ہونا شرط ہے۔ اور بیع الجزاف میں مقدار کا علم ہوتا ہے مثلاً غلہ کے ڈھیر کی بیع جس کے کیل یا وزن کا علم نہ ہو،

---

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر مادۂ "جزف"۔

(۲) الشرح الصغیر ۳/۳۵۔

تعداد کے علم کے بغیر جانور کے ریوڑ کی بیع، پیمائش کے علم کے بغیر زمین کی بیع، اورطول کے علم کے بغیر کپڑے کی بیع۔

لوگوں کی حاجت ومجبوری کی وجہ سے جو باہمی لین دین میں تسہیل کی متقاضی ہے، بیع جزاف کو اصل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ دسوقی نے کہا: اصل بیع جزاف میں یہ ہے کہ وہ ممنوع ہو، لیکن عددی اشیاء میں سے جس شی کا علم دشوار ہو یا کیلی اور وزنی اشیاء میں سے جس شی جس کی جہالت معمولی ہو اس میں تخفیف کردی گئی ہے [1]۔

اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت ہے: "کنا نشتري الطعام من الرکبان جزافا، فنهانا رسول اللهﷺ أن نبيعه حتی ننقله من مکانه" (ہم سواروں سے اناج اٹکل سے خریدا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس اناج کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ ہم اس کی جگہ سے منتقل کرلیں)۔

ایک اورروایت میں ہے: "رأیت الناس في عهد رسول اللهﷺ إذا ابتاعوا الطعام جزافا یضربون في أن یبیعوه في مکانه، وذلک حتی یؤووه إلی رحالهم" (میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب لوگ اناج اٹکل سے خریدتے تو انہیں اس بات پر مار پڑتی کہ وہ اپنے مکانوں میں لے جانے سے قبل اسی جگہ پر اسے بیچتے)۔

ایک اورروایت میں "یحولوہ" کا لفظ ہے (یعنی اس کو منتقل کردیں)، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اناج اٹکل سے خریدتے پھر اس کو اپنے گھر اٹھالاتے [2]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اٹکل سے بیع کا تعامل تھا جو اس کے جواز کی دلیل ہے، اور روایت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا، جس سے "مرفوع" ہونے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء فی الجملہ اس کے جواز پر متفق ہیں، اور شافعیہ کے یہاں زیادہ قوی قول، کراہت کے ساتھ جواز کا ہے [1]۔

بیع جزاف کی شرائط:

۳- مالکیہ نے بیع جزاف کے جواز کے لئے چھ شرائط ذکر کی ہیں:

الف۔ اٹکل سے بیچی جانے والی چیز کو عقد کی حالت میں دیکھے یا عقد سے پہلے جبکہ وہ اسی حالت میں بلاتغیر وقت عقد تک برقرار رہے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ دیکھنے سے مبیع کا خراب ہونا لازم نہ آئے، مثلاً سرکہ کے مٹی سے بند کئے ہوئے گھڑے کہ ان کو کھولنے سے وہ خراب ہوجائیں گے، تو مجلس عقد میں ان کا دیکھنا کافی ہے۔

ب۔ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کیل یا وزن یا عدد کی مقدار سے ناواقف ہوں، اگر ان میں سے کوئی ایک اس کی مقدار سے واقف ہو تو صحیح نہیں ہے۔

ج۔ اس پر عقد کے ارادہ کے وقت دونوں اس کی مقدار کا اندازہ اور تخمینہ لگالیں۔

د۔ زمین جس پر مبیع رکھی ہو برابر ہو۔

ھ۔ جس چیز کو اٹکل سے بیچنے کا ارادہ ہو وہ بہت زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس کا اندازہ لگانا محال ہے، خواہ کیلی ہو یا وزنی یا عددی۔

اسی طرح شرط ہے کہ اگر عددی ہو تو بہت قلیل نہ ہو، کیونکہ شمار کے ذریعہ اس کی مقدار کا علم کوئی مشکل نہیں ہے۔

---

(۱) الدسوقی ۳/ ۲۰۔

(۲) حدیث: "کنا نشتري الطعام من الرکبان جزافا، فنهانا رسول اللهﷺ أن نبيعه حتی ننقله من مکانه" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۳/ ۹۲، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۰، کشاف القناع ۳/ ۱۶۹، تبیین الحقائق ۴/ ۵، روضۃ الطالبین ۳/ ۵۸۔

البتہ اگر کیلی یا وزنی ہوتو جائز ہے اگر چہ بہت کم ہو۔

و۔اس کا شمار کرنا دشوار ہو، اس کے افراد کی بیع مقصود نہ ہوتی ہو، خواہ اس کا ثمن کم ہو یا کم نہ ہو مثلاً انڈے۔لیکن اگر اس کے افراد مقصود ہوتے ہوں تو اس کو اٹکل سے بیچنا جائز ہے اگر ایک دوسرے کے لحاظ سے ثمن کم وبیش ہوتا ہو، اور اگر ثمن تھوڑا نہ ہوتو اس کی اٹکل سے بیع ممنوع ہے جیسے کپڑے۔

اگر اس کو شمار کرنا دشوار نہ ہوتو اس کی بیع اٹکل سے جائز نہیں، خواہ اس کے افراد مقصود ہوں یا نہ ہوں، اس کا ثمن قلیل ہو یا قلیل نہ ہو[1]۔

صرف مالکیہ نے اس طریقہ سے شرائط کی تفصیل کی ہے، گو کہ ان میں بعض شرائط غیر مالکیہ کے یہاں بھی معتبر ہیں، مثلاً شرط اول، دوم اور چہارم، جیسا کہ اس کی تفصیل آئے گی۔

بیع الجزاف کی چند صورتیں ہیں جن کے احکام تفصیل ذیل کے ساتھ الگ الگ ہیں:

غلہ کا ڈھیر اٹکل سے فروخت کرنا:

۴- ''صبرۃ'' غلہ وغیرہ کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ڈھیر جس کی مقدار مجہول ہو، اور مشاہدہ کے ذریعہ اس کا علم ہو، اس کی بیع یا تو اجمالی ثمن میں ہوگی یا ہر ہر فرد کے ریٹ کی بنیاد پر، مثلاً کہے: اس میں سے ہر صاع اتنے میں ہے۔

نوع اول: اس کے بارے میں ابن قدامہ نے کہا: ہمارے علم میں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں اگر اس کے اجزاء مساوی ہوں، اور ہر ایک کے یہاں شرط ہے کہ وہ اموالِ ربویہ میں سے نہ ہو اگر کوئی ربوی مال اس کی جنس سے فروخت کیا جائے، جیسا کہ آئے گا[1]۔

نوع دوم: جس ڈھیر کے کیل یا وزن کی مقدار معلوم نہ ہو اس کو ہر کیل یا وزن کے نرخ کی بنیاد پر فروخت کرنا۔اس کے بارے میں مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے محمد بن الحسن اور ابو یوسف کی رائے ہے کہ ایسے ڈھیر کی بیع اٹکل سے جائز ہے جس کے صاع کی تعداد مجہول ہو مثلاً کہے: ''میں نے تمہارے ہاتھ اناج کا یہ ڈھیر ہر صاع ایک درہم کے نرخ پر فروخت کردیا''، اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈھیر کو دیکھنا اس کے اندازہ کے لئے کافی ہے، اور مجموعی ثمن کی جہالت مضر نہیں، کیونکہ اس کا تفصیلی علم ڈھیر کے کیل کرنے کے ذریعہ ممکن ہے، جس کی وجہ سے غرر ختم ہوجائے گا اور جہالت زائل ہوجائے گی۔

امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ ایک قفیز میں بیع جائز ہے، بقیہ سارے ڈھیر میں ناجائز ہے، الا یہ کہ صاع کی تعداد معلوم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کو سب کی طرف پھیرنا محال ہے، کیونکہ مبیع وثمن مجہول ہیں، لہذا اقل کی طرف پھیرا جائے گا جو معلوم ہے۔

اگر جہالت تمام قفیز کے ذکر کرنے یا مجلس عقد میں ڈھیر کے کیل کرلینے سے زائل ہوجائے تو ڈھیر کی بیع جائز ہے اور اس طرح سے وہ اٹکل کی بیع ہونے سے خارج ہوجائے گا[2]۔

اٹکل کی بیع کے وقت اناج کے ڈھیر کی جگہ کا برابر ہونا:

۵-اناج کے ڈھیر کی اٹکل سے بیع کی صورت میں بائع کے لئے حلال نہیں کہ اس کو ایسی جگہ رکھے جو ڈھیر میں کمی پیدا کردے مثلاً چبوترہ یا پتھر وغیرہ پر ہو، اسی طرح گھی وغیرہ سیال چیزیں جو ظرف یا

(۱) الشرح الصغیر ۳/۳۵، ۳۷۔

(۱) المغنی ۴/۱۴۴۔

(۲) فتح القدیر ۵/۸۲، الشرح الصغیر ۳/۳۵، نہایۃ المحتاج ۳/۳۹۴، ۳۹۶، کشاف القناع ۳/۱۶۹۔

برتن میں رکھ کر فروخت ہوتی ہیں، اگر ان کی بیع جزاف ہو تو بائع کے لئے جائز نہیں کہ برتن ایسا ہو جس کے اجزاء موٹے یا باریک ہونے میں مختلف ہوتے ہوں، اس لئے کہ یہ غش (دھوکہ) ہے، جس کے نتیجہ میں غرر، جہالت اور نزاع پیدا ہوگی، اور ایسی صورت میں ڈھیر کا اندازہ لگانا محض اس کے مشاہدہ سے ناممکن ہوگا۔

اگر ڈھیر کسی چبوترہ یا ٹیلہ یا پتھر پر ہو جس کی وجہ سے اس میں کمی پیدا ہوتی ہو، خواہ بائع نے اس کا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور خریدار نے اس سے ناواقفیت میں اس کو خرید لیا، تو بیع بائع کے لئے صحیح اور لازم ہوگی، اور خریدار کو اختیار رہوگا کہ عقد کو فسخ کردے یا بائع سے ہونے والی کمی کے بقدر ثمن میں سے واپس لے، یعنی چبوترہ یا پتھر پر رکھنے کے ساتھ ڈھیر کی قیمت لگائی جائے اور ایک بار اس کے بغیر اس کی قیمت لگائی جائے، پھر اس کے ثمن میں جو کمی پیدا ہو، اتنا خریدار بائع سے اس کو واپس لے۔

اگر اس سے اناج کا ڈھیر فروخت کیا اور اس کے نیچے گڑھا نکلا تو خریدار کو اختیار نہیں ملے گا، اس لئے کہ یہ خریدار کے لئے مفید ہے، اس کے لئے مضر نہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے مقدار بڑھ جائے گی۔

بائع کو اختیار ہے اگر اس کو گڑھے کا علم نہ ہو[۱]۔

پیمائش کی جانے والی اشیاء اور متفاوت عددی اشیاء کی بیع جزاف:

۶- جمہور کی رائے ہے کہ جانور کے ریوڑ کی فروختگی اس کی تعداد معلوم نہ ہونے کے ساتھ اس طور پر کہ ہر جانور اتنے میں ہے، اسی طرح زمین اور کپڑے کی اٹکل سے بیع ان دونوں کی مجموعی پیمائش نہ معلوم ہونے کے باوجود اس طور پر کرنا کہ ہر ذراع اتنے میں ہے، جائز ہے[۱]۔

(۱) الشرح الصغیر ۳/۳۵، کشاف القناع ۳/۱۶۹، ۱۷۰، روضۃ الطالبین ۳/۳۵۸۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے، شافعیہ میں سے ابن القطان کا قول یہی ہے۔

ناپی جانے والی، تولی جانے والی، گنی جانے والی اور پیمائش کی جانے والی اشیاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ اول الذکر کے اجزاء میں عام طور پر بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا، اگر ان کو الگ الگ کردیا جائے، لہذا مجموعی طور پر ان کا دیکھ لینا کافی ہوگا۔

جہاں تک گنی جانے والی اور پیمائش کی جانے والی اشیاء کا تعلق ہے، مثلاً جانور اور زمین تو ان کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے اگر ان کو الگ الگ کردیا جائے اور اجمالی طور پر ان کا دیکھ لینا کافی نہیں ہوگا[۲]۔

خریدار اور فروخت کنندہ میں سے کسی ایک کے مقدار مبیع سے واقف ہونے کے ساتھ بیع جزاف:

۷- بیع جزاف کی صحت کے لئے شرط ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ میں سے ہر ایک مقدار مبیع سے ناواقف ہو یا دونوں اس سے واقف ہوں، بیع جزاف اس صورت میں جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مقدار مبیع سے واقف ہو اور دوسرا ناواقف، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے[۳]۔

ان کے نزدیک عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکا ہے، اس لئے کہ اٹکل سے بیع ضرورت وحاجت کے سبب ان چیزوں میں جائز ہے جو تخمینہ اور اندازے سے فروخت ہوتی ہوں، لہذا اگر اس کی مقدار کا علم ہوجائے تو اس کی اٹکل سے بیع جائز نہیں، کیونکہ اس کی

(۱) الشرح الصغیر ۳/۳۴، ۳۵، روضۃ الطالبین ۳/۳۶۶، المغنی ۴/۱۴۲۔

(۲) فتح القدیر ۵/۴۷۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۰، روضۃ الطالبین ۳/۳۵۸، المغنی ۴/۱۳۷۔

کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے نتیجہ میں خریدار اس سامان کو واپس کردے گا جس کو اٹکل سے خریدا ہے، اگر اسے معلوم ہوجائے کہ بیچنے والے کو اس کی مقدار کا علم تھا، اور بیچنے والے کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے اگر اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ خریدار کو اس کی مقدار کا علم تھا۔

حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں ''اصح'' یہ ہے کہ بیچنے والے اور خریدنے والے میں سے کسی ایک کے مقدار مبیع سے واقف ہونے کے باوجود بیع الجزاف صحیح ہے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ یہ مکروہ ہے، حرام نہیں، اس کی وجہ اس میں علماء کے اختلاف کی رعایت کرنا ہے [1]۔

مال ربوی کی ہم جنس سے اٹکل کی بیع:

۸- مال ربوی کی ہم جنس سے بیع جزاف جائز نہیں، اس لئے کہ فرمانِ نبوی ہے: **"الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد"** [2] (سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گیہوں کو گیہوں کے بدلے، جو کو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے، اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر ٹھیک ٹھیک، نقد نقد بیچو)۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ربوی کی ہم جنس مال سے فروختگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان مماثلت ہو اور ایک دوسرے پر قبضہ ہوجائے۔

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۷۳۔

(۲) حدیث: "الذهب بالذهب....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۱۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

اٹکل سے بیع میں مماثلت کا تحقق نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ تخمینہ اور اندازہ پر قائم ہے اس لئے ربا کا احتمال باقی رہے گا اور حضور ﷺ نے ''مزابنہ'' سے منع فرمایا، اور ''مزابنہ'' تر پھل کی خشک پھل سے بیع ہے۔ اس کا ثبوت حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت میں ہے: **"نهى رسول الله ﷺ أن يبيع الرجل تمر حائطه إن كان نخلا بتمر كيلا، و إن كان كرما أن يبيعه بزبيب كيلا، و إن كان زرعاً أن يبيعه بكيل طعام، نهى عن ذلك كله"** [1] (رسول ﷺ نے منع کیا ہے کہ اپنے باغ کے کھجور اگر درخت پر ہوں تو خشک کھجور کے بدلے ناپ سے بیچے، اور اگر انگور ہو تو کشمش کے بدلے ناپ سے بیچے، اور اگر کاشت ہو تو اسے اناج کے بدلے میں ناپ سے بیچے، آپ نے ان سب سے منع کیا)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خشک ہوجانے پر کم ہوجائے گا، لہٰذا اس کی مقدار نامعلوم ہے۔

اشیاء ربویہ میں ضابطہ ہے کہ مماثلت سے ناواقفیت کمی بیشی سے واقف ہونے کی طرح ہے [2]۔

بیع میں کسی معلوم چیز کا یا اٹکل کا اٹکل میں ضم کرنا:

۹- اگر دو چیزوں کو اٹکل سے ایک ثمن یا دو ثمن کے بدلے فروخت کیا تو یہ صحتِ بیع سے مانع نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک اٹکل کی بیع کے حکم میں ہے۔ اس لحاظ سے کہ رخصت ان دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ کہے: میں نے تمہارے ہاتھ کھجور اور اناج کے ان دونوں ڈھیروں کو

---

(۱) حدیث: "نهى عن المزابنة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۸۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۷۲ طبع الحلبی) نے کی ہے نیز دیکھئے: نیل الاوطار ۵/ ۱۹۸۔

(۲) روضۃ الطالبین ۳/ ۳۸۳، کشاف القناع ۳/ ۲۵۳، المجموع ۱۰/ ۳۵۳، فتح القدیر ۵/ ۴۰۷، الدسوقی ۳/ ۲۳۔

تین دینار میں فروخت کیا یا میں نے اپنے ان دونوں باغوں کے پھلوں کو اٹکل سے تین دینار میں فروخت کردیا یا یہ کہے: ان میں سے پہلا ایک دینار میں اور دوسرا دو دینار میں فروخت کیا۔

اسی طرح اگر اٹکل کی بیع کے ساتھ ایسا سامان ضم کردیا جائے جو کیل یا وزن سے فروخت نہیں کیا جاتا مثلاً اگر کہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ ڈھیر اور یہ جانور دس دینار میں فروخت کردیا (تو یہ بھی جائز ہے)۔

اگر بیع میں جزاف کے ساتھ کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ معلوم چیز کو ضم کیا جائے تو بسا اوقات اس کے نتیجہ میں بیع فاسد ہوجائے گی، اس لئے کہ اس کا جزاف کے ساتھ ملنا معلوم القدر چیز میں ایسی جہالت پیدا کردے گا جو موجود نہ تھی۔

مالکیہ [1] نے کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ معلوم المقدار چیز کے انضمام کو چار صورتوں میں تقسیم کیا ہے: اس لئے کہ جس چیز کی اندازے سے بیع کی جارہی ہے یا تو اس میں اصل (عرف کے لحاظ سے) یہ ہوگی کہ اس کو اندازے سے فروخت کیا جائے مثلاً زمین یا اس میں عرف کے لحاظ سے اصل یہ ہوگی کہ مقدار سے اس کی فروختگی کی جائے مثلاً کیل کے ذریعہ جیسے غلوں میں، اسی طرح وہ معلوم المقدار جو اس کے ساتھ ضم کی گئی ہے یا تو اس میں اصل یہ ہوگی کہ اس کو اندازے سے فروخت کیا جاتا ہے یا مقدار سے۔ جس چیز کو اندازے سے بیچا گیا ہے اگر اس میں اصل اندازے سے بیچنا ہو اور معلوم المقدار میں اصل یہ ہو کہ اس کو کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہو جیسے زمین کو اندازے سے بیچا گیا اور اس کے ساتھ غلے کو ناپ کے حساب سے فروخت کیا گیا، تو اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، اس لئے کہ ہر ایک کی اپنی اصل پر بیع ہوئی ہے۔

دوسری تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ ان دونوں میں یا کسی ایک میں اصل کی مخالفت ہوگی، جس کی مثالیں یہ ہیں:

الف۔غلہ کی اندازے سے بیع زمین کی پیمائش کی بیع کے ساتھ (یعنی ایسی زمین جس کی مقدار مساحت کے ذریعہ معلوم ہو)۔

ب۔غلہ کی اٹکل سے بیع غلہ کی کیل والی بیع کے ساتھ۔

ج۔ایک زمین کی اٹکل سے بیع دوسری زمین کی پیمائش والی بیع کے ساتھ۔

یہ تمام تفصیلات اس اندازے والی بیع کے بارے میں ہیں جس میں فروختگی کیل، وزن وغیرہ کی بنیاد پر نہ ہو۔

لیکن اگر اندازے کی بیع کیل وغیرہ کی بنیاد پر ہو تو اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو علی الاطلاق ضم کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ ڈھیر، ہر صاع ایک درہم کے حساب سے بیچ دیا اس شرط کے ساتھ کہ مبیع کے ساتھ فلاں سامان بھی ہے، اور اس سامان کے لئے ثمن مقرر نہ کیا گیا ہو، بلکہ اس کا ثمن خریدے ہوئے ڈھیر کے ثمن میں سے ہوجائے گا (عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ)فروختگی کے وقت یہ نہیں معلوم ہے کہ سامان کی مخصوص قیمت کیا ہے، اس لئے کہ سامان کے ساتھ خاص ثمن بیع کے وقت مجہول ہے، اور ''علی الاطلاق'' کا مطلب یہ ہے کہ سامان ڈھیر کی جنس سے ہو یا اس کی جنس کے علاوہ سے ہو، برابر ہے، اس لئے کہ اگر ثمن مقرر کردے گا تو ظاہر ہوجائے گا کہ وہ اس سے زیادہ کے برابر ہے، اور بائع معاملہ کو جزافاً مکمل کرنے کی خاطر نرمی سے کام لے رہا ہے، تو ثمن مقرر کرنا اور نہ کرنا برابر ہوگا، اس لئے کہ وہ غیر مقرر کے درجہ میں ہوجائے گا۔

اگر اس کا ثمن مقرر نہ کرے تو سامان کا خصوصی ثمن مجہول

---

(۱) حاشیۃ العدوی علی الخرشی ۵/ ۳۱۔

ہوگا[۱]۔

حنابلہ کے نزدیک: اگر کہے: میں نے اس ڈھیر کو اور اس دوسرے ڈھیر سے ایک قفیز کو دس درہم میں فروخت کیا تو صحیح ہے۔ لیکن اگر کہے: میں نے یہ ڈھیر ہر قفیز ایک درہم کے حساب سے فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ میں تمہیں اس دوسرے ڈھیر میں سے ایک قفیز مزید دے دوں گا تو صحیح نہیں، انہوں نے کہا: کیونکہ اس صورت میں تفصیل کرنے پر ثمن مجہول ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ ''ایک قفیز اور کچھ چیز'' ایک درہم میں ہوجائے گی، اور ''کچھ چیز'' کو وہ دونوں نہیں جانتے، اس لئے کہ وہ دونوں ڈھیر میں قفیزوں کی مقدار سے ناواقف ہیں[۲]۔

شافعیہ کے یہاں اس صورت میں بیع باطل ہے جبکہ بائع کہے: میں نے یہ ڈھیر، ہر صاع ایک درہم میں فروخت کردیا، اس شرط کے ساتھ کہ میں اس دوسرے ڈھیر میں سے ایک قفیز مزید دوں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجمالی اور تفصیلی ثمن میں جہالت پیدا ہورہی ہے، یہ ایسے ہی ہوگیا کہ اس نے ایک صاع اور کچھ ایک درہم میں فروخت کیا، اور ''کچھ'' غیر معروف ہے، اس لئے کہ ڈھیر میں کتنے صاع ہیں یہ معلوم نہیں ہے[۳]۔

اس مسئلہ میں حنفیہ کے یہاں ہمیں تفصیل نہیں ملی۔

۱۰- اگر ''یہ ڈھیر'' یا کوئی اور چیز (مثلاً ریوڑ) سو درہم میں، ہر صاع یا ہر راس یا ہر ذراع ایک درہم میں فروخت کرے تو بیع صحیح ہوگی، بشرطیکہ مبیع سو نکلے، اس لئے کہ اجمال وتفصیل میں اتفاق ہے، لہذا غرر یا جہالت نہیں۔ اور اگر سو نہ نکلے، مثلاً کم یا زیادہ ہو تو شافعیہ کے یہاں ''صحیح قول'' یہ ہے کہ بیع صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اجمالی اور تفصیلی ثمن

(۱) سابقہ حوالہ۔

(۲) المغنی ۴/ ۱۴۳۔

(۳) المجموع ۹/ ۳۱۴۔

میں اتفاق پیدا کرنا محال ہے۔

شافعیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ اشارہ کو غالب قرار دیتے ہوئے بیع صحیح ہے[۱]۔

مبیع کا طے شدہ مقدار سے کم یا زائد نکلنا:

۱۱- جس نے غلہ کا ڈھیر اس شرط پر سو درہم میں خریدا کہ وہ سو قفیز ہے۔ اور اس کو کم یا زائد پایا، اور جس نے کپڑا دس درہم میں اس شرط کے ساتھ خریدا کہ وہ دس ذراع ہے، یا زمین سو درہم میں اس شرط پر خریدی کہ وہ سو ذراع ہے اور اس کو کم یا زیادہ پایا تو جمہور کے نزدیک اس صورت میں بیع صحیح ہوگی، خواہ عقد میں طے شدہ مقدار سے مبیع کم نکلے یا زیادہ۔

خواہ مبیع کپڑا یا زمین ہو جو مذروعات (پیمائش کی جانے والی چیزوں) میں سے ہے یا اناج کا ڈھیر ہو جو مکیلات (ناپی جانے والی چیزوں) میں سے ہے۔

حنابلہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی، اگر مبیع زمین یا کپڑا ہو، اس لئے کہ ان دونوں کے وصف میں خلل پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ فروخت کرنے والے کو زیادتی کے سپرد کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی خریدار کو بعض کے لینے پر مجبور کرنا ممکن ہے، اس لئے کہ اس نے سارا خریدا ہے، جس طرح ان دونوں کو قدر زائد میں شریک ہونے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ شرکت کی وجہ سے ضرر ہوگا۔

فی الجملہ فقہاء متفق ہیں کہ سابقہ صورت میں زیادتی کی حالت میں بیچنے والے کے لئے خیار اور نقصان کی حالت میں خریدار کے لئے خیار ثابت ہے۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۹۹۔

حنفیہ اور حنابلہ نے مذروعات مثلاً کپڑا اور زمین، اور مکیلات مثلاً غلہ کا ڈھیر، کے درمیان حکم میں فرق کیا ہے، لیکن شافعیہ ان دونوں کے درمیان حکم میں فرق نہیں کرتے، البتہ علی الاطلاق جس کا ضرر ہو اس کے لئے خیار ثابت کرتے ہیں۔

لہذا اس صورت میں جبکہ اناج کا ڈھیر سو درہم میں اس شرط کے ساتھ خریدا کہ وہ سو قفیز ہے، اور اس کو کم پایا تو حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے: اگر چاہے تو موجودہ اناج کو اس کے حصۂ ثمن کے بدلے لے لے، اور اگر چاہے تو بیع فسخ کردے، اس لئے ثمن مثلی مبیع (کیلی ہو یا وزنی) کے اجزاء پر منقسم ہوتا ہے اور خریدار اس سے راضی نہیں، اس لئے کہ جس پر عقد ہوا ہے وہ اس سے کم ہے اور اسی وجہ سے اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو موجود چیز کو اس کے حصۂ ثمن کے بدلے لے لے اور اگر چاہے تو اس کو فسخ کردے، اس لئے کہ اس نے مبیع کو ناقص پایا۔

حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ اس کو فسخ کا اختیار نہیں ہے، اس لئے کہ مقدار کی کمی باقی کیل میں عیب نہیں۔

شافعیہ کے نزدیک خریدار کو اختیار ہے کہ موجود چیز کو پورے مقررہ ثمن میں لے یا فسخ کردے۔

اگر ڈھیر کو طے شدہ مقدار سے زائد پائے تو خریدار زیادتی بائع کو واپس کردے، اس لئے کہ زیادتی کی وجہ سے بائع کا ضرر ہے، نیز اس لئے کہ بیع مقدار معین پر ہوئی ہے، لہذا جو اس سے زائد ہو وہ بیع میں داخل نہ ہوگا۔ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔

شافعیہ کے نزدیک بیچنے والے کے لئے خیار ثابت ہے، اور اس کا خیار اس صورت میں بھی ساقط نہ ہوگا جبکہ خریدار بائع سے کہے: تم فسخ نہ کرو، میں قدر مشروط پر ہی قناعت کروں گا یا میں تمہیں زائد کا ثمن دے دوں گا۔

جس چیز کی فروختگی اندازے سے ہوری ہو اگر وہ مذروعات میں سے ہو مثلاً کپڑا اور زمین اور بعد میں ظاہر ہوا کہ زمین اور کپڑا اس مقدار سے کم ہے جس پر دونوں کا اتفاق ہوا تھا تو حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے کہ موجودہ زمین یا کپڑے کو سارے ثمن میں لے یا بیع کو چھوڑ دے، اور خریدار کا خیار اس صورت میں ساقط نہیں ہوگا جبکہ بائع نقص کے بقدر ثمن کم کردے۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ خریدار کو اختیار ہے کہ موجودہ کو اس کے حصۂ ثمن میں لے یا بیع کو ترک کردے۔

اگر ظاہر ہوا ہو کہ مبیع طے شدہ مقدار سے زائد ہے تو حنفیہ کی رائے ہے کہ زیادتی اسی ثمن میں خریدار کے لئے ہے، اس لئے کہ "ذرع" وصف کی طرح ہے، اور اوصاف کے بالمقابل کچھ ثمن نہیں ہوتا اور بائع کو اختیار نہیں ہوگا۔

حنابلہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ بائع کو اختیار ہے۔

حنابلہ کے یہاں ان کے مذہب میں کچھ تفصیل ہے:

ان کی رائے ہے کہ فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ زیادتی کے ساتھ مبیع سپرد کرے یا مقررہ مقدار سپرد کرے۔ اگر سارے کو سپرد کرنے پر راضی ہوجائے تو خریدار کو اختیار حاصل نہیں، اس لئے کہ بائع نے خریدار کے لئے اضافۂ خیر کیا ہے۔ اور اگر زیادتی کے ساتھ سپرد کرنے سے انکار کرے تو خریدار کو اختیار ہے کہ فسخ کرے یا سارا مقررہ ثمن اور زائد کی قیمت دے کر لے لے۔

اگر لینے پر راضی ہوجائے تو دس ذراع کو لے گا، اور ایک ذراع میں بائع اس کا شریک ہوگا۔

بائع کو فسخ کا اختیار دینے میں دو قول ہیں:

اول: اس کے لئے فسخ کا اختیار ہے، اس لئے کہ شرکت میں اس کا ضرر ہے۔

دوم: اس کے لئے اختیار نہیں، اس لئے کہ وہ سارے کو اس ثمن میں فروخت کرنے پر راضی ہے۔

جب اس کے پاس ثمن پہنچ گیا اور ساتھ ہی اس کا ایک حصہ اس میں باقی ہے تو یہ اس کی رضامندی کے مطابق ثمن پر اضافہ ہے، اس لئے اس اضافہ کی وجہ سے وہ فسخ کا مستحق نہ ہوگا۔ اگر بائع اس اضافہ کو ثمن لے کر خریدار کو دینا چاہے یا خریدار ثمن کے ذریعہ اس کا مطالبہ کرے تو دوسرے پر اس کا قبول کرنا لازم نہیں۔ اس لئے کہ یہ معاوضہ ہے جس میں دونوں کی رضامندی کا اعتبار ہے، لہذا اس پر کسی ایک کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دونوں اس پر راضی ہوجائیں تو جائز ہے۔

مذروعات اور مکیلات کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ مکیلات پر عقد میں متفق علیہ ''قدر'' ہے جبکہ مذروعات میں ''وصف'' ہے۔

قدر (مقدار) کے مقابلہ میں ثمن ہوتا ہے جبکہ وصف مبیع کے تابع ہوتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کچھ ثمن نہیں ہوتا، اسی وجہ سے وہ مبیع کو اس کے حصۂ ثمن کے بدلے لے لے گا اگر متفق علیہ مقدار فوت ہوجائے، اور مبیع کو سارے ثمن میں لے گا اگر وصفِ متفق علیہ فوت ہوجائے، لہذا اگر فروخت کرنے والا کہے: میں نے تمہارے ہاتھ کپڑا سو درہم میں اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ وہ سو ذراع ہے، اور ہر ایک ذراع ایک درہم میں ہے اور اس کو ناقص پایا۔ تو خریدار کو اختیار رہے کہ اس کے حصۂ ثمن کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو اس کو ترک کردے۔

اس لئے کہ وصف اگرچہ مبیع کے تابع ہے لیکن وہ اصل بن گیا ہے، اس لئے کہ مستقل طور پر اس کے لئے ثمن کا ذکر کیا گیا ہے، لہذا ہر ذراع کو مستقل کپڑے کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

اس لئے کہ اگر وہ سارے ثمن میں لے تو وہ ہر ذراع ایک درہم میں لینے والا نہیں ہوا۔ اور اگر اس کو زائد پائے تو اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو سارے کو ہر ذراع ایک درہم کے حساب سے لے اور اگر چاہے تو فسخ کردے، کیونکہ جب اس کے لئے پیمائش میں زیادتی ہوئی ہے تو ثمن کا اضافہ اس پر لازم ہوگا، لہذا یہ ایسا نفع ہے جس میں شائبہ ضرر ہے، اس لئے اس کو زیادتی کے لینے اور فسخ بیع کے درمیان اختیار دیا جائے گا[1]۔

(۱) فتح القدیر ۵/۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، نہایۃ المحتاج ۳/۴۰۰، ۴۰۱، المغنی ۴/۱۴۶، ۱۴۷۔

بیع الحاضر للبادی

تعریف:

۱ - حاضر: بادی کی ضد ہے، اور حاضرہ بادیہ کی ضد ہے [۱]۔

حاضر: جو اہل حضر میں سے ہو اور وہ "حاضرہ" کا باشندہ ہے۔

اور حاضرہ: شہر، گاؤں اور "ریف" کو کہتے ہیں، اور "ریف" وہ زمین ہوتی ہے، جس میں عام طور پر کھیتی اور سبزہ ہو۔

شلبی نے کہا: حاضر کا معنی ہے: شہروں اور گاؤں میں رہنے والا، اور "بادی" بادیہ میں رہنے والا، اور "بادیہ" شہر، گاؤں اور "ریف" کے علاوہ کو کہتے ہیں۔ فرمان باری ہے: "وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ" [۲] (اور اگر حملہ آور پھر آ جائیں تو یہ چاہیں گے کہ وہ دیہات میں بدوؤں کے درمیان ہوں) یعنی وہاں مقیم ہوں۔ اور شلبی نے کہا: اس سے مراد بادیہ میں اقامت اختیار کرنے والے ہیں۔" اور حاضرہ" کی طرف نسبت کے لئے "حضری" اور "بادیہ" کی طرف نسبت کے لئے "بدوی" کہا جاتا ہے [۳]۔

بعض مالکیہ نے اس بیع کی تعبیر "بیع حاضر لعمودی" کے الفاظ سے کی ہے۔ اور "عمودی"، "بدوی" کے معنی میں ہے اور عمود کی طرف منسوب ہے، اس لئے کہ بدوی خیموں میں رہتے ہیں [۱]۔

لیکن حنابلہ نے "بدوی" کے لفظ کو بادیہ میں مقیم اور شہر میں داخل ہونے والے غیر شہری کے لئے شامل مانا ہے، خواہ وہ بدوی ہو یا قریہ کا رہنے والا یا دوسرے شہر کا ہو [۲]۔

یہی مالکیہ کے یہاں ایک قول ہے [۳]۔

۲ - "بیع الحاضر للبادی" سے مراد جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شہری بدوی کے سامان کو فروخت کرنے کی ذمہ داری لے لے یعنی شہری فروخت کرنے والے بدوی کا دلال بن جائے۔

حلوانی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ شہری دلال دیہاتی کو فروخت کرنے سے یہ کہتے ہوئے روک دے کہ تم خود بیع نہ کرو، مجھے اس کا زیادہ علم ہے، اور وہ اس کا وکیل بن جائے، اور گراں قیمت میں فروخت کرے، اگر وہ دیہاتی کو خود سے فروخت کرنے کے لئے چھوڑ دیتا تو لوگوں کے لئے وہ سامان سستا پڑتا [۴]۔

لہذا یہ بیع شہری کی شہری سے دیہاتی کی نیابت میں گراں قیمت میں ہوئی۔

اس تشریح کے مطابق: "لایبیع حاضر لباد" میں لام اپنی حقیقت یعنی تعلیل پر ہوگا جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں۔

۳ - بعض حنفیہ مثلاً صاحب "الہدایہ" کی رائے ہے کہ حدیث سے مراد یہ ہے کہ شہری اپنا سامان بدوی کے ہاتھ گراں ثمن کی لالچ میں

---

(۱) مختار الصحاح مادۂ "حضر"۔

(۲) سورۂ احزاب / ۲۰۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج معاحاشیۃ القلیوبی وعمیرہ ۲/ ۱۸۲، ۱۸۳، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۹، رد المحتار ۴/ ۱۳۲، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/ ۶۸۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۹، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۷۹، کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔

(۳) ابن جزی نے القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱ میں صیغۂ تضعیف "قیل" کے ذریعہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۴) فتح القدیر ۶/ ۱۰۷، رد المحتار ۴/ ۱۳۳، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۹، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۹، ۳۱۰، المغنی ۴/ ۲۷۹۔

فروخت کرے، تو اس سے منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں شہریوں کو ضرر پہنچاتا ہے[۱]۔ اور اس تشریح کے مطابق: "**لا یبیع حاضر لباد**" میں **لام** "من" کے معنی میں ہوگا۔ جیسا کہ بابرتی کہتے ہیں[۲]۔ یہ ان لوگوں کی تشریح ہے جنہوں نے کہا کہ "حاضر" مالک ہے اور "بادی" خریدار ہے۔

خیر الدین رملی نے کہا: اس تشریح کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو "الفصول العمادیہ" میں امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر بدوی کوفہ میں آئیں، اور اناج کا ذخیرہ وہاں سے لینا چاہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ شہر والے ذخیرہ اندوزی کے لئے خریدنے سے منع کرتے ہیں، تو یہ بدرجہ اولی ہے[۳]۔

حنفیہ میں سے حصکفی نے صراحت کی ہے[۴] کہ اصح جیسا کہ "المجتبی" میں ہے، یہ ہے کہ ان دونوں سے مراد دلال اور بائع ہیں اور یہی پہلی تشریح ہے جس پر جمہور ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

اول: یہی تشریح بعض روایات میں حدیث کے آخری ٹکڑے سے ہم آہنگ ہے، جو یہ ہے: "**دعوا الناس، یرزق الله بعضهم من بعض**"[۵] (لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ رزق دیتا ہے ایک کو دوسرے سے)۔

دوم: یہ لام کے ساتھ متعدی ہے، "من" کے ساتھ نہیں۔

لہذا حنفیہ کا مذہب اس حدیث کی تشریح میں جمہور کی طرح ہوگا[۶]۔

(۱) الہدایہ مع شروح ۶/۱۰۷، الدر المختار ۴/۱۳۲۔

(۲) شرح العنایہ علی الہدایہ ۶/۱۰۸۔

(۳) رد المحتار ۴/۱۳۲، نیز اس تشریح کے بارے میں دیکھئے: تبیین الحقائق مع حاشیۃ الشلبی ۴/۶۸۔

(۴) المصباح المنیر مادۂ "بیع"، رد المحتار ۴/۱۳۳۔

(۵) حدیث کی تخریج فقرہ/ ۴ میں آئے گی۔

(۶) الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۳۲، ۱۳۳۔

اس بیع سے ممانعت:

۴ - اس بیع کی ممانعت میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس کی ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**لا تلقوا الرکبان، ولا یبع بعضکم علی بیع بعض، ولا تناجشوا، ولا یبیع حاضر لباد، ولا تصرُّوا الغنم**"[۱] (قافلہ سے بیع کے لئے نہ ملو، کوئی تم میں سے دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے، بیع میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ بولو، بستی والا باہر والے کا مال نہ بیچے، اور بکریوں کا دودھ تھن میں اکٹھا نہ کرو)۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں فرمان نبوی ہے: "**لا یبیع حاضر لباد، دعوا الناس، یرزق الله بعضهم من بعض**"[۲] (بستی والا باہر والے کا مال نہ بیچے، بلکہ لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالی ایک کو دوسرے سے رزق دیتا ہے)۔

حضرت انسؓ کی حدیث ہے: "**نهینا أن یبیع حاضر لباد، و إن کان أخاه و أباه**" (ہمیں منع کیا گیا کہ بستی والا باہر والے کا مال فروخت کرے اگر چہ وہ اس کا بھائی یا باپ ہو)۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں "وإن کان أخاه لأبیه و أمه"[۳] (اگر چہ اس کا حقیقی بھائی ہو) ہے۔

(۱) حدیث حضرت ابو ہریرہؓ: "**لا تلقوا الرکبان ولا یبع بعضکم علی بیع بعض......**" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۳۶۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۱۵۵ طبع الحلبی) نے کی ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(۲) حدیث حضرت ابن عباسؓ: "**لا یبیع حاضر لباد، دعوا الناس یرزق الله بعضهم من بعض**" کی روایت مسلم (۳/۱۱۵۷ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث حضرت انسؓ: "**نهینا أن یبیع حاضر لباد، و إن کان أخاه و أباه**" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۳۷۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۱۵۸ طبع الحلبی) نے کی ہے دوسرے حصہ کی روایت صرف مسلم نے کی ہے۔

بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کی علت:

اس ممانعت کی علت فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے:

۵- الف۔ پہلی تشریح کے مطابق جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس بیع کے نتیجہ میں شہر والوں کا نقصان ہوگا (۱)، لوگوں پر تنگی ہوگی (۲) اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھ سستے دام میں فروخت کریں (۳)۔

ابن القاسم نے کہا: اس سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف نہیں کہ بیع الحاضر للبادی سے ممانعت شہر والوں کے نفع ہی کے لئے ہے (۴)، اس لئے کہ اگر بدوی کو اپنا سامان فروخت کرنے دیا جائے تو لوگ اس کو سستے دام میں خریدیں گے، اور ان کے لئے نرخ میں سہولت ہوگی۔ لیکن اگر شہری اس کو بیچنے کی ذمہ داری لے لے، اور شہر کے نرخ سے کم پر فروخت نہ کرے تو شہر والوں کے لئے تنگی ہوگی، حضور ﷺ نے اپنی تعلیل میں اسی وجہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے (۵)۔

۶- بعض حنفیہ مثلاً مرغینانی (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) اور کاسانی اسی طرح تمرتاشی (بہ ظاہر دوسری تشریح کی بنیاد پر) کی رائے ہے کہ اس ممانعت کی علت شہر والوں کو سستے دام کے علاوہ ایک دوسری جہت سے ضرر پہنچانا ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر والے قحط اور محتاجی کی حالت میں ہوں، اناج اور چارے کی ضرورت ہو۔ اس کے باوجود شہری ان چیزوں کو صرف بدویوں کے ہاتھ گراں قیمت میں فروخت کرے (۱)۔

ممانعت کی قیود:

جمہور فقہاء نے بیع الحاضر للبادی سے ممانعت کو مختلف شرائط اور قیود سے مقید کیا ہے مثلاً:

۷- بدوی جو سامان لے کر آرہا ہے اس کی عمومی ضرورت ہو، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا دوسری کوئی چیز، لہذا جس چیز کی ضرورت وحاجت شاذ ونادر پڑتی ہو، وہ اس ممانعت کے تحت داخل نہیں ہوگی (۲)۔

۸- یہ کہ بدوی کا مقصد فوری بیع کرنا ہو، یعنی جس کو "اس دن کے نرخ پر بیع" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہذا اگر اس کا مقصد رفتہ رفتہ بیچنا ہو اور اس سے شہری نے درخواست کی کہ اس کے سپرد کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچایا، اور مالک کو اس سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں (۳)۔

یہ دونوں شرطیں شافعیہ اور حنابلہ کی ہیں۔

۹- یہ کہ فوری بیع کے مقابلہ میں اس کی تدریجاً بیع زیادہ قیمت میں ہو، جیسا کہ بعض شافعیہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے کہا: اس لئے کہ اگر شہری بدوی سے یہ فرمائش کرے کہ اس مال کی تدریجاً بیع اس دن کے نرخ پر کرنے کے لئے اس کے سپرد کرے، تو یہ چیز بدوی کو اس سے موافقت کرنے پر آمادہ نہ کرے گی، لہذا یہ تنگی پیدا

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۶۸۔
(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۲، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۸۷۔
(۳) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۹۔
(۴) حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۵/ ۸۳۔
(۵) المغنی ۴/ ۲۸۰، کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲، الہدایہ مع شروح ۶/ ۱۰۷، الدر المختار ۴/ ۱۳۲، تبیین الحقائق ۴/ ۶۸۔
(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۹، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۲، المغنی ۴/ ۲۸۰، کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔
(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۲، المغنی ۴/ ۲۸۰، کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔

کرنے کا سبب نہیں، برخلاف اس صورت کے جبکہ اس سے گراں قیمت میں فروخت کرنے کے لئے درخواست کرے تو بسا اوقات یہ زیادتی اس کو اس سے اتفاق کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے جس کے نتیجہ میں تنگی ہوگی [1]۔

۱۰ - بدوی نرخ سے ناواقف ہو [2]، اس لئے کہ اگر بدوی کو اس کا علم ہوگا تو شہری اس کو اس سے زیادہ نہ دے گا [3]، اور ممانعت اس وجہ سے بھی ہے تاکہ وہ لوگوں کے ہاتھ سستے دام میں فروخت کریں، اور یہ علت اسی وقت پائی جائے گی جبکہ بدوی نرخ سے ناواقف ہوں، اور اگر ان کو نرخ کا علم ہو تو وہ ان کو ان کی قیمت ہی میں فروخت کریں گے جیسا کہ شہری فروخت کرے گا، اس لئے شہری کی بیع اس صورت میں بدویوں کی بیع کے درجہ میں ہوگی [4]۔ یہ شرط مالکیہ اور حنابلہ کی ہے۔

تاہم خرشی نے ممانعت کو مطلق رکھا ہے، خواہ بدوی نرخ سے ناواقف ہو یا واقف ہو [5]۔

مالکیہ کے یہاں معتمد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے:

عدوی کے یہاں معتمد نرخ سے ناواقف ہونے کی شرط ہے [6] اور ابن جزی نے اسی کی صراحت کی ہے [7]۔

دوسروں کے نزدیک معتمد (جیسا کہ دسوقی نے نقل کیا ہے) اطلاق ہے [8]۔

۱۱ - حنابلہ کی شرط ہے کہ بدوی سامان لے کر آئے اور اس کو فروخت کرنے کے لئے آئے، اس لئے کہ اگر اس کو ذخیرہ کرنے یا کھانے کے لئے لائے اور شہری اس کے پاس جا کر اس کو فروخت کرنے پر آمادہ کرلے تو یہ کشادگی اور سہولت پیدا کرتا ہے، تنگی پیدا کرتا نہیں [1]۔

۱۲ - مالکیہ کی شرط ہے کہ بیع شہری کے ہاتھ ہو، لہذا اگر شہری (بدوی کا مال) اسی جیسے بدوی کے ہاتھ فروخت کرے تو جائز ہے، اس لئے کہ بدوی ان سامانوں کے نرخ سے ناواقف نہیں ہوگا، اس لئے ان کے نرخ پر ہی لے گا، خواہ اس نے شہری سے خریدا ہو یا بدوی سے، لہذا شہری کا اس کے ہاتھ فروخت کرنا بدوی کا بدوی کے ہاتھ فروخت کرنے کے درجہ میں ہے [2]۔

۱۳ - حنابلہ کی شرط ہے کہ بدوی کے پاس نرخ سے واقف شہری جائے، لہذا اگر بدوی خود شہری کے پاس جائے، تو تنگی پیدا کرنے میں شہری کا کوئی اثر نہیں ہوگا [3]۔

اگر ممانعت کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو بیع الحاضر للبادی ان لوگوں کے نزدیک حرام نہ ہوگی [4]، جو اس شرط کے قائل ہیں۔

۱۴ - حنفیہ جن میں سے بعض نے ممانعت کی صورت یہ بیان کی ہے کہ شہری اناج یا چارہ بدوی کے ہاتھ زیادہ ثمن کی لالچ میں فروخت کرے، انہوں نے تحریم کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ اس بیع سے اہل شہر کا نقصان ہو، یعنی ان کے یہاں اناج اور چارے کی قلت ہو۔ لیکن اگر ان کے یہاں سرسبزی اور کشادگی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ضرر نہیں ہے [5]۔ حصکفی کی عبارت یہ ہے: یہ قحط

---

(۱) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۸۶۔
(۲) الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۹، المغنی ۴/ ۲۸۰، کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔
(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔
(۴) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۹۔
(۵) شرح الخرشی ۵/ ۸۳۔
(۶) حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۵/ ۸۳
(۷) القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱۔
(۸) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۹۔

---

(۱) کشاف القناع ۳/ ۱۸۴، المغنی ۴/ ۲۸۰۔
(۲) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۹۔
(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔
(۴) سابقہ مراجع۔
(۵) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲۔

اور محتاجی کی حالت کا حکم ہے، ورنہ نہیں، اس لئے کہ ضرر نہیں [۱]۔

۱۵ - حنفیہ میں سے جنہوں نے ممانعت کی شکل یہ بیان کی ہے کہ شہری بدوی کا سامان فروخت کرے اور قیمت بڑھادے اور یہی اصح ہے [۲]، انہوں نے اس کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ:

وہ سامان عام ضرورت وحاجت کا ہو مثلاً خوراک، لہذا اگر عام ضرورت کا نہ ہو یا خوراک کی کثرت ہو، اس کی ضرورت نہ ہو تو تحریم کے بارے میں تردد ہے [۳]۔

اور یہ کہ اہل شہر کو اس سے ضرر پہنچتا ہو [۴]۔

بیع الحاضر للبادی کا حکم:

۱۶ - الف۔ جمہور فقہاء کے نزدیک وہ صحیح ہونے کے باوجود حرام ہے، بعض حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے [۵]۔ اور بعض حنفیہ نے اس کو "کراہت" سے تعبیر کیا ہے جو مطلق بولے جانے کی صورت میں تحریم کے معنی میں ہے، جیسا کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے، اس کے باوجود جمہور کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے جیسا کہ امام احمد سے یہ ایک روایت ہے۔ اور اس سے ممانعت فساد وبطلان کو مستلزم نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ذاتِ بیع سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی رکن مفقود نہیں ہے، اور نہ اس کا تعلق لازم ذات ہے، کیونکہ اس کی کوئی شرط مفقود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک خارجی غیر لازم امر سے ہے مثلاً تنگی کرنا اور ایذاء رسانی ہے [۶] محلی نے کہا:

ممانعت تحریم کے لئے ہے، لہذا اس کے علم کے باوجود اس کا ارتکاب کرنے والا گنہگار ہوگا، تاہم بیع صحیح ہوگی [۱]۔

ب۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہوگی، اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، اور یہ کہ ممانعت ابتداء اسلام کے ساتھ خاص ہے جب مسلمانوں پر تنگی تھی، امام احمد نے کہا: ایسا ایک مرتبہ ہوا تھا [۲]۔

ج۔ مالکیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں مذہب اور "اظہر" یہ ہے کہ بیع حرام ہے، اور باطل وفاسد بھی ہے جیسا کہ خرقی نے اس کی صراحت کی ہے، اس لئے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت ممنوع کے فساد کی متقاضی ہے [۳]۔

اسی طرح بہوتی نے اس کی صراحت اپنے اس قول سے کی ہے کہ وہ حرام ہوگی صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس کی ممانعت باقی ہے [۴]۔

امام احمد سے اس بیع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس کی بیع کو رد کرتا ہوں [۵]۔

مالکیہ نے اس کے بارے میں تفصیل کرتے ہوئے یہ کہا ہے:

اول: بیع فسخ ہوگی جب تک سامان موجود ہو، بیع یا عیب یا موت وغیرہ کے سبب فوت نہ ہوا ہو۔

دوم: اگر سامان فوت ہو چکا ہو تو اس ثمن کے ساتھ جس پر بیع ہوئی ہے بیع نافذ ہوگی۔ یہی معتمد ہے۔ ایک قول ہے کہ "قیمت" (مارکیٹ ریٹ) کے ساتھ نافذ ہوگی [۶]۔

ذیل میں اس بیع سے متعلق غیر حنفیہ کے یہاں بعض تفصیلی

---

(۱) الدر المختار ۴/۱۳۲، الہدایہ وفتح القدیر ۶/۱۰۷۔
(۲) الدر المختار ۴/۱۳۲۔
(۳) حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/۶۸۔
(۴) تبیین الحقائق حوالہ سابق، بدائع الصنائع ۵/۲۳۲۔
(۵) حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/۶۸، الدر المختار ۴/۱۳۲، الہدایہ مع شروح ۶/۱۰۸۔
(۶) شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۲/۱۸۲، نیز المغنی ۴/۲۸۰ سے موازنہ کریں۔

---

(۱) سابقہ مراجع۔
(۲) المغنی ۴/۲۸۰، الانصاف ۴/۳۳۳۔
(۳) المغنی ۴/۲۸۰۔
(۴) کشاف القناع ۳/۱۸، الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۶۹۔
(۵) المغنی ۴/۲۸۰۔
(۶) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۶۹۔

جزئیات ذکر کی جاتی ہیں:

۱۷-اول: مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مبیع کے فوت نہ ہونے کی شرط پر بیع کے فسخ کرنے کے ساتھ مالک، شہری اور بدوی ہر ایک کی تادیب کی جائے گی، اگر ان میں سے کوئی اس سے ناواقفیت کے سبب معذور نہ ہو یعنی وہ حرمت سے واقف ہو، جاہل کی تادیب نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ جہل کے سبب وہ معذور ہے[۱]۔

لیکن کیا مطلقاً تادیب ہوگی یا اگر وہ اس بیع کا عادی ہو تب ہوگی؟

اس سلسلہ میں مالکیہ کے یہاں دو قول ہیں[۲]۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ تحریم سے واقف شخص گنہ گار ہوگا جیسا کہ مالکیہ نے کہا، اسی طرح کوتاہی کرنے والا جاہل بھی گنہ گار ہوگا اگر چہ وہ ایسا حکم ہو جو عموماً مخفی رہتا ہو۔ انہوں نے کہا: حاکم کو حق ہے کہ جو حکم عموماً مخفی نہ رہتا ہو اس کے ارتکاب پر تعزیر کرے، اگر چہ وہ ناواقف ہونے کا دعوی کرے۔ قلیوبی نے کہا: حرمت علم یا تقصیر کے ساتھ مقید ہے، اور تعزیر عدم خفاء کے ساتھ مقید ہے[۳]۔

لیکن ائمہ شافعیہ میں سے قفال نے کہا: یہاں پر گناہ شہری پر ہوگا، بدوی پر نہیں، اور قفال کہتے ہیں کہ خریدار کو اختیار نہیں حاصل ہوگا[۴]۔

پھر شافعیہ نے ہر ممنوع میں حرمت کے علم کی شرط کو عام رکھا ہے۔

ابن حجر نے کہا: یہاں اور تمام دوسری ممنوعات میں بھی ضروری ہے کہ وہ ممانعت سے واقف ہو یا اس کی واقفیت حاصل کرنے میں کوتاہی کرنے والا ہو، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ جو شخص کوئی کام کرے اس پر واجب ہے کہ اس سے متعلق وہ تمام چیزیں سیکھے جو کثرت سے واقع ہوتی ہیں[۱]۔

۱۸-چونکہ نص بیع للبادی (بدوی کے لئے بیچنا) سے ممانعت کے بارے میں وارد ہے، اس لئے شراء للبادی (بدوی کے لئے خریدنا) کے بارے میں اختلاف ہے:

الف۔ مالکیہ کے مذہب میں نقود کے ذریعہ "شراء للبادی" یا سامان کے ذریعہ "شراء للبادی" کے درمیان تفصیل ہے۔

کچھ مالکیہ علی الاطلاق نقد اور سامان کے ذریعہ "شراء للبادی" (بدوی کے لئے خریدنے) کے جواز کے قائل ہیں یعنی وہ سامان نقد کے ذریعہ حاصل کرے یا بغیر نقد کے برابر ہے شیخ خلیل کے کلام کا ظاہر یہی ہے۔ خرشی نے خریداری کے جواز کو ان سامانوں کے ساتھ خاص کیا ہے جن کو اس نے نقد ثمن دے کر حاصل کیا ہے، رہے وہ سامان جن کو اس نے بغیر نقد حاصل کیا تو بدوی کے لئے ان کے ذریعہ سامان خریدنا اس کے لئے ناجائز ہے۔ انہوں نے کہا: اس لئے کہ اس صورت میں وہی علت پائی جائے گی جو اس کے لئے بیع سے ممانعت میں ہے[۲]۔

کچھ دوسرے مالکیہ نے کہا: ائمہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس کے لئے خریداری نقد ہی کے ذریعہ جائز ہے، سامان کے ذریعہ علی الاطلاق ناجائز ہے، ورنہ یہ اس کے سامان کو فروخت کرنا ہو جائے گا، اور یہ معتمد قول کے مطابق (جیسا کہ گزرا) علی الاطلاق ممنوع ہے، دسوقی نے اس کو "وجیہ" قرار دیا ہے[۳]۔

---

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) حوالہ سابق، نیز فسخ اور تادیب کے بارے میں دیکھئے: شرح الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۵/ ۸۴۔

(۳) شرح المحلی مع حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۲۔

(۴) شرح المحلی حوالہ سابق۔

---

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۱۔

(۲) القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱ کے ساتھ موازنہ کریں۔

(۳) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۹، ۷۰، شرح الخرشی ۵/ ۸۴۔

۱۹-ب۔اس کی وجہ سے گنہ گار قرار دینے میں بھی شافعیہ کے مذہب میں تردد ہے، لہذا اگر کوئی بادیہ سے خریدنے کے لئے آئے، اور کوئی شہری اس کے سامنے آکر اس کے لئے سستے دام میں خریدنے کی پیش کش کرے تو:

(۱) ابن یونس نے کہا: یہ حرام ہے، اور اذرعی کی تحقیق ہے کہ وہ قطعی طور پر گنہ گار ہے۔ اور اس کی وجہ جیسا کہ ابن حجر نے کہا: بیع پر قیاس کرنا ہے، شروانی نے کہا: معتمد یہی ہے۔ البتہ انہوں نے یہ قید لگائی ہے کہ ثمن عام ضرورت کی چیز ہو۔ ممانعت کا قول حنابلہ میں سے ابن ہانی نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) متاخرین کی ایک جماعت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ خریداری میں گناہ نہیں ہے، انہوں نے بدوی کے لئے بیچنے اور خریدنے کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کہا کہ خریداری اکثر نقد کے ذریعہ ہوتی ہے اور یہ عام ضرورت کی چیز نہیں ہے۔

(۳) جبکہ ابن حجر نے دونوں اقوال میں تطبیق کی راہ اختیار کرتے ہوئے قول اول (گنہ گار ہونے) کو اس صورت پر محمول کیا ہے جبکہ خریداری ایسے سامان کے ذریعہ ہو جو عام ضرورت کا ہو، اور گنہ گار نہ ہونے کے قول کو اس کے خلاف پر محمول کیا یعنی اس صورت پر جبکہ خریداری ایسے سامان کے ذریعہ ہو جس کی عام ضرورت نہیں [۱]۔

۲۰-ج۔ بادیہ والے کے لئے خریدنے کے بارے میں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، اس کے بارے میں صرف ایک روایت ہے [۲]، اس کی وجہ یہ ہے کہ ممانعت کے الفاظ خریداری کو شامل نہیں ہیں اور نہ ہی خریداری میں وہ بات ہے جو فروختگی میں ہے، اس لئے کہ بیع سے ممانعت اہل حضر کے لئے سہولت پیدا کرنا ہے، تاکہ ان کے لئے نرخ میں گنجائش رہے اور ضرر زائل ہو جائے، اور اس کے لئے خریدار کی صورت میں یہ چیز نہیں، اس لئے کہ اہل حضر کا ضرر نہیں، کیونکہ اہل بادیہ کے لئے غبن نہیں بلکہ یہ ان سے ضرر کو زائل کرنا ہے، اور شریعت کی نظر میں ساری مخلوق برابر ہے، شریعت نے اہل حضر سے دفع ضرر کے لئے حکم بتایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل بادیہ پر ضرر کو لازم کرے [۱]۔

۲۱- سوم: یہاں ایک اور مسئلہ ہے جس کا تعلق "بیع وشراء الحاضر للبادی" سے ہے، وہ یہ کہ اگر شہری بدوی کو مشورہ دے، خود اس کے لئے بیع نہ کرے تو:

ابن قدامہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک اور لیث نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے [۲]۔

شافعیہ نے کہا: اس کو ذخیرہ کرنے یا بیع کرنے کی ہدایت دینے کے وجوب کے بارے میں دو قول ہیں: وجیہ تر یہ ہے کہ اس کو ہدایت دینا واجب ہے [۳]، کیونکہ اس کے حق میں بہتر کا مشورہ دینا واجب ہے۔

ابن قدامہ نے ہی نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، اوزاعی اور ابن المنذر نے اس کی اجازت دی ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: قول صحابی حجت ہے اگر اس کے برخلاف ثابت نہ ہو [۴]۔

۲۲- چہارم: مالکیہ میں سے ابن جزی نے صراحت کی ہے کہ بدوی کو نرخ بتانا اس کے لئے بیع کرنے کی طرح ہے، لہذا ناجائز ہے [۵]۔

---

(۱) تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۳۱۱/۴، الانصاف ۳۳۵/۴۔
(۲) المغنی ۲۸۰/۴، کشاف القناع ۱۸۴/۳، الانصاف ۳۳۵/۴۔

---

(۱) المغنی ۲۸۰/۴۔
(۲) سابقہ مراجع۔
(۳) حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۳۱۰/۴۔
(۴) المغنی ۲۸۰/۴۔
(۵) القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱۔

بیع الحصاۃ

تعریف:

۱-بیع الحصاۃ: پتھر پھینک کر بیع کرنا، اس کا عرف دور جاہلیت میں تھا[1]۔ اس سے ممانعت وارد ہے، اور وہ "نہی عن الغرر" کی حدیث میں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الحصاة، وعن بيع الغرر"[2] (نبی اکرم ﷺ نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے)۔ فقہاء اس کی تفسیر کے بارے میں مختلف ہیں۔

۲-حنفیہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ کنکری پھینکے، جہاں کچھ کپڑے رکھے ہوں جس کپڑے پر کنکری پڑ جائے، بلا تامل اور بغیر دیکھے ہوئے وہی مبیع ہو جائے۔ اور اس کے بعد خیار نہ ہو[3]۔

حدیث کی یہ تشریح تمام فقہاء مذاہب نے ذکر کی ہے:

الف-مالکیہ نے کہا: وہ ایسی بیع ہے کہ مثلاً جس کپڑے پر کنکری پڑ جائے گی اس پر بیع لازم ہوگی، کنکری پھینکنے والا کسی معین شی کا قصد نہ کرے[4]۔ دردیر نے اسے اس شرط کے ساتھ مقید کیا ہے کہ کپڑے اور سامان باہم ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

(۱) لسان العرب مادۂ "حصی"۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع الحصاة، و عن بيع الغرر......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) رد المحتار ۴/ ۱۰۹، تبیین الحقائق ۴/ ۴۸، فتح القدیر ۶/ ۵۵۔

(۴) الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۷۔

ب-شافعیہ نے اس کی تشریح میں کہا: ان کپڑوں میں سے جس پر کنکری پڑے وہ میں نے تمہیں فروخت کر دیا[1]۔

ج-حنابلہ نے اس کی تشریح یوں کی ہے: فروخت کرنے والا کہے: یہ کنکری مارو جس کپڑے پر کنکری پڑے گی، وہ اتنے دام میں تمہارا ہے[2]۔

فروخت کنندہ کنکری پھینکے یا خریدار دونوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ عمیرہ برلسی کہتے ہیں[3]۔

۳- اس نوعیت کی بیع کی ایک اور تشریح ہے، وہ یہ کہ بائع خریدار سے کہے: میرے کھڑے ہونے یا فلاں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے یہ کنکری جہاں تک پہنچے وہ زمین میں نے تمہیں اتنے دام میں فروخت کر دی۔ مالکیہ اور حنابلہ نے اس تشریح کی صراحت کی ہے۔ اول الذکر (مالکیہ) نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ بیع لازمی طور پر ہو[4]۔

۴- شافعیہ کے یہاں ایک اور تشریح ہے: وہ یہ کہ فروخت کرنے والا کہے: جب میں یہ کنکری پھینک دوں تو یہ کپڑا تمہارے ہاتھ میں دس میں فروخت ہو گیا۔ یعنی پھینکنے کو صیغہ بیع قرار دے[5]۔

۵- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اس کی ایک چوتھی تشریح یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار سے کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ سامان اتنے دام میں اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ جب میں یہ

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۶۷، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۸، ۲۹۔

(۳) حاشیہ عمیرہ علی الشرح المحلی ۲/ ۱۷۷۔

(۴) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۶، کشاف القناع ۳/ ۱۶۷، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۹۔

(۵) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶، ۱۷۷۔

کنکری پھینکوں تو بیع واجب اور لازم ہوجائے گی (١)۔

٦- مالکیہ نے ایک پانچویں تشریح پیش کی ہے:

الف۔ بائع خریدار سے کہے: اس کنکری کو پھینکو اور اس ٹوٹی ہوئی کنکری کے جتنے اجزاء نکلیں گے ان ہی کی تعداد میں میرے لئے دینار یا درہم ہوں گے۔

ب۔ یا خریدار بائع سے کہے: اس کنکری کو پھینکو، پھینکنے کے دوران اس کے جو متفرق اجزاء نکلیں گے ان ہی کی تعداد میں تمہارے لئے دینار یا درہم ہوں گے۔

ج۔ ان کے نزدیک ایک احتمال یہ ہے کہ کنکری سے مراد کنکری کی جنس ہو یعنی بائع خریدار سے کہے: اپنی ایک یا دونوں ہتھیلیوں میں کچھ کنکریاں لو اور اس کو مثلاً ایک یا دوبار ہلاؤ، جتنی کنکری گرے گی اس کی تعداد میں دینار یا درہم میرے لئے ہوں گے (٢)۔

بیع الحصاۃ کا حکم:

حدیث کی ان تمام تشریحی صورتوں میں بلا اختلاف فقہاء بیع فاسد ہے، اور ہر صورت کے بارے میں انہوں نے ایسی چیزیں مقرر کی ہیں جن سے ان کی وجہ فساد کا اشارہ ملتا ہے۔

٧- مثلاً پہلی صورت میں حنفیہ نے اس کے فساد کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس میں جہالت ہے اور تملیک کو خطرہ پر معلق کرنا ہے، اس لئے کہ یہ اس قول کے معنی میں ہے: اگر میرا پتھر کسی کپڑے پر پڑے تو میں نے تمہیں اس کو یا تم نے اس کو مجھ سے اتنے میں فروخت کردیا، اور تملیکات میں اس کا احتمال نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے جوا لازم آئے گا (٣)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ اس وجہ سے فساد، ثمن کے پہلے سے مذکور ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ لیکن اگر اس بیع میں ثمن کا ذکر نہ ہو تو فساد ثمن کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، اگر اس سے سکوت ہو، اس لئے کہ ان کے یہاں طے ہے کہ ثمن کی نفی کے ساتھ بیع باطل اور ثمن سے سکوت کے ساتھ فاسد ہے (١)۔

اسی طرح مالکیہ نے اس کے فساد کی توجیہ عین مبیع کی جہالت سے کی ہے، البتہ انہوں نے (جیسا کہ ہم نے دیکھا) سامان کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ پھینکنے والا ان میں سے کسی معین چیز کا قصد نہ کرے۔ لیکن اگر قصد کے ساتھ پھینکے تو جائز ہے اگر پھینکنا خریدار کی طرف سے ہو یا فروخت کرنے والے کی طرف سے ہو اور اس نے خریدار کو اختیار دے دیا ہو۔

اسی طرح اگر سامان ایک طرح کے ہوں تو بیع جائز ہے، خواہ کنکری اس سامان پر پڑے جس کا قصد تھا یا کسی دوسرے سامان پر (٢)۔

٨- دوسری صورت میں (یعنی زمین کی ایک خاص مقدار کی بیع پھینکنے والا جہاں کھڑا ہے وہاں سے کنکری کے گرنے کی جگہ تک) فساد مقدار مبیع کی جہالت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ پھینکنے میں اختلاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ مالکیہ نے اس کی تعلیل بیان کی ہے۔ اور انہوں نے طے کیا ہے کہ فساد اس صورت میں ہوگا جبکہ بیع کے لازم ہونے کی شرط ہو (٣)۔

٩- تیسری صورت میں (جس کو شافعیہ نے لکھا ہے) فساد کی وجہ انہوں نے صیغہ بیع کے نہ پائے جانے کو بتایا ہے، اس لئے کہ اس نے کنکری پھینکنے کو بیع گردانا، اور صیغہ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا (٤)۔

١٠- چوتھی صورت میں فساد (یعنی خریدار اور فروخت کنندہ میں سے

---

(١) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ٣/٥٦، القوانین الفقہیہ /٢٠٧، شرح المحلی علی المنہاج ٢/٦٧، ١٧٧، کشاف القناع ٣/١٦٧۔

(٢) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ٣/٥٧۔

(٣) فتح القدیر والعنایہ علی الہدایہ ٦/٥٥، نیز دیکھئے: رد المحتار ٤/١٠٩۔

(١) دیکھئے: الدر المختار اور اس کے محولہ مراجع، رد المحتار ٤/١٠٩۔

(٢) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ٣/٥٧۔

(٣) الدسوقی ٣/٥٦۔

(٤) شرح المحلی علی المنہاج ٢/١٦٧، ١٧٧۔

کسی ایک یا ان کے علاوہ کی طرف سے کنکری گرنے پر بیع کا لزوم) غیر معین زمانہ میں کنکری کے گرنے پر بیع کے لزوم کو معلق کرنے کی وجہ سے ہے، لہذا کنکری گرنے کا زمانہ مجہول ہونے کے سبب بیع فاسد ہے، اس میں جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں [1]، مجہول اجل کے ساتھ مؤجل کرنا یا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں: زمانہ خیار کی جہالت ہے [2]۔

ہاں اگر اپنے اختیار سے کنکری گرنے کے لئے معلوم اجل مقرر کردے، اور اجل زمانہ خیار کے بقدر ہو، اور وہ ہر چیز میں اپنے اپنے اعتبار سے ہوتا ہے (جیسا کہ عدوی کہتے ہیں) مثلاً کہے: اگر طلوع آفتاب سے ظہر تک یا آج سے کل تک قصداً کنکری گرے تو بیع لازم ہوگی، فاسد نہ ہوگی [3]۔

۱۱- پانچویں صورت میں (جس کو مالکیہ نے پیش کیا ہے) یعنی گرنے والی کنکری سے بکھرنے والے ٹکڑوں کی تعداد میں درہم یا دینار کے عوض بیع، فساد بیع مقدار ثمن کی جہالت کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ یہ نہیں معلوم کہ گرنے والی کنکری سے بکھرنے والے ٹکڑوں کی تعداد کیا ہوگی۔

لہذا بلا اختلاف تمام صورتوں کے بارے میں مذکورہ قیود اور تعلیلات کے ساتھ بیع الحصاۃ فاسد ہے۔

اسی کے سلسلہ ابن قدامہ کہتے ہیں: یہ تمام بیوع فاسد ہیں، کیونکہ ان میں دھوکہ اور جہالت ہے، اس میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بیعِ سلم

دیکھئے: ''سلم''۔

بیع صرف

دیکھئے: ''صرف''۔

---

(۱) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۶۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۷۔

(۳) شرح الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۵/ ۷۱۔

بیع عرایا

تعریف:

۱-عرایا: عریۃ کی جمع ہے۔ عریۃ: کھجور کا درخت ہے جسے اس کا مالک کسی محتاج آدمی کو دے دے اور اس سال اس کا پھل اس کے لئے مقرر کردے، اور وہ غریب آدمی اس درخت کے پاس آئے۔ "عَرِیۃ" بروزن "فعیلۃ"، مفعول کے معنی میں ہے، اس پر "ھاء" داخل ہے، اس کو اسماء کے درجہ میں رکھا گیا ہے، جیسے "نطیحۃ" اور "اکیلۃ"۔ اگر "نخلہ" کے ساتھ اس کا ذکر ہو تو "ہا" کو حذف کردیتے ہیں اور کہا جاتا ہے: "نخلۃٌ عريٌ"، جیسا کہ کہا جاتا ہے: "امرأۃ قتیل" (مقتولہ عورت) اس کی جمع "عرایا" ہے[۱]۔

"فتح الباری" میں ہے: یہ دراصل کھجور کے درخت کا پھل عطیہ کرنا ہے بذاتِ خود درخت کا عطیہ نہیں، عرب والے قحط کے وقت میں ان لوگوں کو اس طرح کا عطیہ دیتے تھے جن کے پاس پھل نہ ہوں[۲]۔

شافعیہ نے اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے: درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کو زمین پر موجود خشک کھجور کے عوض یا درخت میں لگے ہوئے تر انگور کو خشک انگور کے عوض فروخت کرنا ہے، بشرطیکہ پانچ وسق سے کم ہو[۳]۔

---

(۱) المصباح المنیر مادۂ "عرو"۔

(۲) نیل الأوطار ۵/ ۲۰۰۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۴۷۔

حنابلہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: درختوں پر لگی ہوئی تر کھجور کو اندازہ سے، اپنی خشک کھجور کے عوض اسی کے مثل سے معلوم کیل میں فروخت کرنا ہے نہ کہ اندازے سے[۱]۔

اس کا حکم:

۲-بیع العرایا فی الجملہ جمہور فقہاء (مالک، شافعی، احمد، اسحاق اور ابن منذر) کے نزدیک جائز ہے[۲]۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ امام مالک ان حضرات کے ساتھ نہیں[۳]۔

جواز کے قائل جمہور کے دلائل حسب ذیل ہیں:

الف۔ حضرت سہل بن ابوحثمہؓ کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع التمر بالتمر، ورخص في العرية، أن تباع بخرصها، يأكلها أهلها رطبا"[۴] (رسول اللہ ﷺ نے کھجور کو کھجور کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا، اور عریہ میں رخصت دی ہے کہ اندازہ سے فروخت کی جائے، تاکہ اہل عریہ تر کھجور کھائیں)۔

ابن قدامہ نے کہا: رخصت: سبب مانع کے باوجود ممنوع چیز کو مباح کرنا ہے۔ اگر سبب مانع پائے جانے کی صورت میں مباح کرنے سے ممانعت ہو تو ہمارے لئے کسی بھی حالت میں کوئی رخصت باقی نہ رہے[۵]۔

---

(۱) کشاف القناع ۳/ ۲۵۸، ۲۵۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۲۔

(۲) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۲۔

(۳) فتح القدیر ۶/ ۵۴۔

(۴) حدیث سہل بن أبی حثمۃؓ: "نهى عن بيع التمر بالتمر، و رخص في العرية......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۸۷ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۷۰ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۵) المغنی ۴/ ۱۸۲، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۲۔

ب۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: ''أن النبي ﷺ رخص في بيع العرايا، في خمسة أوسق، أودون خمسة أوسق''[۱] (نبی کریم ﷺ نے پانچ وسق یا پانچ وسق سے کم میں بیع عرایا کی اجازت دی)۔

شافعیہ میں سے محلی نے کہا: ایک راوی حدیث داؤد بن حصین کو شک ہے، اس لئے امام شافعی نے اقل کو لیا ہے۔ ان کے دو قول میں سے اظہر یہی ہے[۲]۔

۳- حنفیہ (اسی طرح تحقیق کے مطابق امام مالک) بیع عرایا کو جائز نہیں سمجھتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مزابنہ سے ممانعت ہے۔ اور مزابنہ: درخت پر لگی تر کھجور کو اس کے کیل کے برابر توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں اندازہ سے بیچنا ہے[۳]۔

نیز حضرت عبادہ بن صامت کی مشہور صحیح حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: ''قال رسول الله ﷺ: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد''[۴] (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گیہوں کو گیہوں کے بدلے، جو کو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر، ہاتھوں ہاتھ بیچو۔ ہاں اگر ان کی اصناف بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو)۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی بعض روایات میں ہے: ''فمن زاد أو استزاد، فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء''[۱] (جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا، اس نے سودی معاملہ کیا، اس کا لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں)۔

یہ اور اس جیسی بے شمار نصوص سب کے سب مشہور ہیں، ان کو امت کے یہاں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ لہذا ان کو چھوڑنا یا ان کے خلاف عمل کرنا ناجائز ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ مساوات نص کی وجہ سے واجب ہے، اور تفاضل نص ہی کی وجہ سے حرام ہے، اور اسی طرح بیع اور ثمن پر قبضہ سے قبل جدا ہونا۔ لہذا اس کی بیع اکل سے ناجائز ہے، اسی طرح اگر ان میں کوئی ادھار ہو، جیسا کہ اگر پانچ وسق سے زائد ہو تو ناجائز ہے۔

یہ اس لئے ہے کہ کمی بیشی کا احتمال موجود ہے تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ اگر ان میں یقین کے ساتھ کمی بیشی ہو یا وہ دونوں زمین پر رکھے ہوں[۲]۔

۴- مانعین کے نزدیک مذکورہ بالا احادیث میں عرایا کا مفہوم اور ان کی توجیہ:

الف۔ یہ کہ کسی شخص کے بہت سارے کھجور کے درختوں کے بیچ میں، ایک شخص کے ایک یا دو درخت ہوں۔ جب پھل کا وقت ہوتا تو اہل مدینہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغات میں چلے جاتے تھے، اب وہ ایک یا دو درخت والا آتا تو بہت سارے درختوں والے کو ضرر پہنچتا، تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی کہ وہ بہت سارے درختوں کا مالک دوسرے کو اس کی تر کھجوروں کے عوض اندازہ سے اس کو خشک کھجور دے دے، تاکہ وہ اور اس کے گھر والے اس سے

---

(۱) حدیث أبی ہریرۃؓ "رخص في بيع العرايا" کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۸۷ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۷۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔
(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸۔
(۳) ابن عابدین ۴/ ۱۰۹، قلیوبی ۲/ ۲۳۸۔
(۴) حدیث عبادہ بن الصامتؓ "الذهب بالذهب و الفضة بالفضة....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۱۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) روایت: "فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطي فيه سواء" حوالہ سابق۔
(۲) تبیین الحقائق ۴/ ۴۷، ۴۸ تصرف کے ساتھ۔

ہٹ کر چلے جائیں۔ امام مالک سے یہی مروی ہے[۱]۔

ب۔ امام ابوحنیفہ سے ان کا قول مروی ہے کہ اس کا مفہوم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اپنے کھجور کے درختوں میں سے ایک درخت دے دے، اور جب مناسب سمجھے اس کے حوالے کرے تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ اس درخت کو روک لے، اور اس کی جگہ اندازہ سے توڑی ہوئی خشک کھجور اندازہ سے اس کے بدل کے طور پر دے دے[۲]۔

یہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ انہوں نے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا) قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے پھل کا مالک نہیں ہوا، لہذا بائع اپنی ملکیت کا اپنی ہی ملکیت کے عوض فروخت کرنے والا ہوگیا اور یہ جائز ہے، اس کا جواز بطور معاوضہ نہیں ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ نیا ہبہ ہے، اس کو مجازاً بیع کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا، اس لئے ابتداء احسان ہے، جیسا کہ مرغینانی کہتے ہیں[۳]۔

۵- حنابلہ نے بیع عرایا کے جواز کے لئے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، بعض میں شافعیہ نے ان سے اتفاق کیا ہے[۴]۔

عرایا کی مکمل شرائط اس کے احکامات اور اس کی صورتوں کے لئے دیکھئے: اصطلاح ''عرایا''۔

(۱) دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۵۴، نیز دیکھئے: نیل الأوطار ۵/ ۲۰۰، ۲۰۱۔

(۲) فتح القدیر ۶/ ۵۴، طحاوی نے اس تاویل کی توجیہ کی ہے اور شعر عرب سے اس پر استدلال کیا ہے نیز دیکھئے: حوالہ سابق میں کمال الدین کی ذکر کردہ تفصیلات۔

(۳) الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۵۴، تبیین الحقائق ۴/ ۴۸، نیل الأوطار ۵/ ۲۰۰، ۲۰۱۔

(۴) الشرح الکبیر مع المغنی ۴/ ۱۵۴، ۱۵۵، المغنی ۴/ ۱۸۲، ۱۸۵، کشاف القناع ۳/ ۲۵۸، ۲۵۹، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸، ۲۳۹، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۷۲، ۲۷۳۔

بیع عربون

تعریف:

۱- عربون (عین اور راء کے فتحہ کے ساتھ) "حلزون" (ایک نرم اور چکنا کیڑا جو بغیر ٹانگوں کے رینگتا ہے) کی طرح ہے، اور "عُصفور" کے وزن پر عُربون بھی ایک لغت ہے[۱]۔ تیسری لغت عربان (ضمہ کے ساتھ) بروزن "قربان" ہے[۲]، البتہ عین کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ بولنا غلط ہے۔ عربوں نے اس طرح اس کا تلفظ نہیں کیا[۳]۔

عربون عجمی لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے[۴]، اس کی لغوی تشریح یہ ہے: جس کے ذریعہ بیع ہو (یعنی بیعانہ)[۵]۔

فقہی اصطلاح میں عربون یہ ہے کہ کوئی سامان خریدے اور بائع کو ایک درہم یا زیادہ اس شرط کے ساتھ دے دے کہ اگر سامان لے گا تو اس کو ثمن میں شامل کردیا جائے گا، اور اگر نہ لے تو وہ بائع کا ہے[۶]۔

(۱) المصباح المنیر مادۃ ''عرب''۔

(۲) مختار الصحاح مادۃ ''عربن''۔

(۳) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۶۔

(۴) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۲۲۔

(۵) القاموس المحیط مادۃ ''عربون'' باب نون، فصل عین، اس کا نون اصلی ہے، جیسا کہ فیومی نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۶) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۸، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۹۵، اور الشرح الکبیر للدردیر سے موازنہ کریں ۳/ ۶۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۶، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۲۲، نیز اس تعریف سے موازنہ کریں جو المصباح المنیر میں نفس مادہ کے تحت مذکور ہے۔

اجمالی حکم:

۲-فقہاء اس بیع کے حکم کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں:

الف۔ جمہور (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں ابو الخطاب) کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور یہی حضرت ابن عباسؓ اور حسن سے مروی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں اس سے ممانعت ہے، انہوں نے فرمایا: "نهى النبي ﷺ عن بيع العربان"[۱] (حضور ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا)۔

نیز اس لئے کہ یہ لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے، اور اس میں دھوکہ ہے[۲]۔ نیز اس لئے کہ اس میں دو مفسد شرطیں ہیں: عربون کو ہبہ کرنے کی شرط اور بالفرض عدم رضا مندی کی صورت میں مبیع کو واپس کرنے کی شرط[۳]۔

نیز اس لئے کہ اس نے بائع کے لئے بلاعوض ایک چیز کی شرط لگائی ہے، لہذا صحیح نہیں، جیسا کہ اگر اس کی شرط کسی اجنبی کے لئے لگائے[۴]۔

نیز یہ کہ یہ خیار مجہول کے درجہ میں ہے، کیونکہ مدت کے ذکر کئے بغیر اس کی یہ شرط ہے کہ وہ مبیع کو واپس کر سکتا ہے، اس لئے صحیح نہیں، جیسا کہ اگر کہے: مجھے اختیار رہے جب چاہوں سامان اور اس کے ساتھ ایک درہم لوٹا دوں گا[۱]۔

۳-ب۔ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کی یہ شکل جائز ہے۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ ائمہ کی رائے (جو عدم جواز کی ہے) قیاس کے مطابق ہے، لیکن انہوں نے کہا: امام احمد نے اس مسئلہ میں حضرت نافع بن حارث کی روایت کو لیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے لئے صفوان بن امیہ سے قید خانہ اس طور پر خریدا کہ اگر عمر راضی ہو گئے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کے لئے یہ یہ ہوگا۔ اثرم نے کہا: میں نے امام احمد سے عرض کیا: آپ کی یہی رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں کیا کہوں گا؟ یہ تو حضرت عمرؓ ہیں۔

عربون سے ممانعت کے بارے میں حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کی تضعیف کی گئی ہے[۲]۔ لیکن شوکانی کا فیصلہ ہے کہ مذہب جمہور راجح ہے، اس لئے کہ حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کئی سندوں سے وارد ہے جن میں سے بعض کو بعض سے تقویت ملتی ہے، نیز اس لئے کہ اس میں حظر (ممانعت) ہے، اور حظر اباحت کے مقابلہ میں زیادہ راجح ہے، جیسا کہ اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے[۳]۔

بیع عربون کے اہم ترین احکام:

۴- اگر مشتری عربون (بیعانہ) اس شرط کے ساتھ دے کہ اگر بیع ناپسند ہوئی تو بیعانہ کو واپس لے لے گا، ورنہ اس کا حساب کرے گا، تو یہ جائز ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں[۴]۔

۵-یہ بیع ان کے نزدیک فسخ کر دی جائے گی، اور اگر فوت ہو جائے (یعنی فسخ محال ہو) تو بیع قیمت کے عوض نافذ ہوگی[۵]۔

---

(۱) حدیث: "نهى عن بيع العربان......" کی روایت ابو داؤد (۳/ ۷۶۸ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے ابن حجر نے تلخیص الحبیر (۳/ ۱۷ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) شرح الخرشی بحاشیۃ العدوی ۵/ ۷۸۔

(۳) شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳/ ۷۲، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۲۲، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۶، نیز دیکھئے: نیل الاوطار ۵/ ۱۵۴۔

(۴) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۸۔

(۱) حوالہ سابق ۴/ ۵۸، ۵۹۔

(۲) حوالہ سابق ۴/ ۵۹۔

(۳) نیل الاوطار ۵/ ۱۵۳، ۱۵۴۔

(۴) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۳، نیز دیکھئے: القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱۔

(۵) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۳۔

۶- اگر خریدار فروخت کرنے والے کو ایک درہم دے کر کہے: یہ سامان دوسرے خریدار کو فروخت نہ کرو، اگر میں نے تم سے سامان نہ لیا تو یہ درہم تمہارا ہے تو:

الف- اگر خریدار اس سامان کو عقد جدید کے ساتھ خریدے اور درہم کو ثمن میں وضع کرے تو صحیح ہے، اس لئے کہ بیع، شرط مفسد سے خالی ہوگی۔

احتمال ہے کہ صفوان بن امیہ سے حضرت عمر کے لئے جیل خانہ کی خریداری اسی شکل پر ہو، اس لئے اسی پر محمول ہوگی، تاکہ حضرت عمر کے فعل اور حدیث کے درمیان تطبیق دی جاسکے، اور قیاس سے ہم آہنگی ہوجائے اور ان ائمہ کی موافقت ہوجائے جو بیع عربون کو فاسد کہتے ہیں۔

ب- اگر خریدار نے وہ سامان نہیں خریدا تو بائع اس درہم کا مستحق نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ اس کو بلاعوض لے گا، اور درہم والا اس کو واپس لے سکتا ہے۔

اس کو انتظار اور اس کی وجہ سے بیع میں تاخیر کا عوض قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر وہ اس کا عوض ہوتا تو خریداری کی حالت میں اس کو ثمن میں وضع کرنا درست نہ ہوتا، نیز اس لئے کہ بیع میں انتظار کا عوض لینا جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا واجب ہوتا، جیسا کہ اجارہ میں ہے [1]۔

بیع عہدہ

دیکھئے: "بیع الوفاء"۔

(۱) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍۵۹۔

بیع عینہ

تعریف:

۱- عینہ (عین کے کسرہ کے ساتھ) کے لغوی معنی: سلف (ادھار) ہے۔ کہا جاتا ہے: اعتان الرجل: ایک چیز دوسری چیز کے عوض ادھار خریدنا [1] یا ادھار کے بدلے میں خریدنا، جیسا کہ رازی کہتے ہیں [2]۔

اس بیع کو "عینہ" اس لئے کہا جاتا ہے کہ سامان کو ادھار خریدنے والا اس کا بدل (بائع سے) عین یعنی نقد حاضر کی صورت میں لیتا ہے [3]۔

کمال بن ہمام کی نظر میں بیع عینہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ عین مسترجعہ (واپس لئے گئے سامان) سے ماخوذ ہے [4]۔

دسوقی کے یہاں یہ کہنا مستحسن ہے کہ اس کو عینہ اس لئے کہا گیا کہ بیع عینہ کرنے والا مجبور شخص کی اس کے مطلوب کی تحصیل میں حیلہ کے طور پر زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑا دے کر اعانت کرتا ہے [5]۔

فقہی اصطلاح میں اس کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔

(۱) المصباح المنیر مادۂ "عین"۔
(۲) مختار الصحاح مادۂ "عین"۔
(۳) المصباح المنیر نفس مادہ، کشاف القناع ۳؍۱۸۶۔
(۴) رد المحتار ۴؍۲۷۹۔
(۵) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳؍۸۸۔

الف۔ ''ردالمحتار'' میں ہے: کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا، تاکہ مستقرض (طالبِ قرض) اس کو اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے فوری کم قیمت میں فروخت کردے[1]۔

ب۔ رافعی کی تعریف ہے: کوئی چیز دوسرے کے ہاتھ ادھار ثمن پر فروخت کرے، اور اس کو خریدار کے حوالے کردے، پھر ثمن پر قبضہ کرنے سے قبل اس کے خریدار سے اس کا بائع اس کو اس سے کم نقد ثمن پر خریدے[2]۔ حنابلہ کی تعریف اس کے قریب ہے۔

ج۔ مالکیہ نے اس کی تعریف جیسا کہ ''الشرح الکبیر'' میں ہے یہ کی ہے: کسی شخص سے کوئی سامان مطلوب ہو جس کا وہ مالک نہیں ہے، تو وہ اس کو خرید کر طالب کے ہاتھ فروخت کردے۔

آئندہ آنے والی تفصیل کے لحاظ سے اس کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے: وہ زیادتی کو حلال کرنے کے لئے قرض بہ صورتِ بیع ہے۔

بیع عینہ کی صورت:

۲- عینہ ممنوعہ کی کئی تشریحات ہیں، جن میں مشہورترین یہ ہے:

کوئی سامان ثمن کے بدلے متعین مدت تک کے لئے فروخت کرے، پھر اسی سامان کو نقد اس سے کم قیمت میں خرید لے۔ اور مدت پوری ہونے پر خریدار ثمن اول ادا کرے۔ دونوں ثمن کے درمیان فرق اضافہ ہے جو ربا ہے، یہ بائع اول کا ہو۔

انجام کار عملی طور پر یہ دس کا قرض دینا ہے، تاکہ پندرہ واپس کرے، اور بیع ربا کا ایک ظاہری وسیلہ ہے۔

(۱) الدر المختار ردوردالمختار ۴/۲۷۹۔
(۲) نیل الأوطار ۵/۲۰۷۔

اس کا حکم:

۳- اس صورت میں اس کے حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد نے کہا: یہ بیع ناجائز ہے۔ اور محمد بن الحسن نے کہا: یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی طرح ہے، اس کو سود خوروں نے ایجاد کیا ہے[1]۔

امام شافعیؒ سے مذکورہ صورت کا جواز منقول ہے (گویا ان کی نظر ظاہر عقد پر اور ارکان عقد پائے جانے پر ہے، انہوں نے نیت کا اعتبار نہیں کیا ہے)۔

حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے امام شافعیؒ کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ وہ ایسا ثمن ہے جس کے ذریعہ سامان کو اس کے بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، لہذا اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اگر اس کو ثمن مثل میں فروخت کرے[2]۔

۴- مالکیہ نے عدم جواز کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ نفع لانے والا قرض ہے[3]۔

اس میں سود ہونے کی وجہ (جیسا کہ حنفیہ میں سے زیلعی کہتے ہیں) یہ ہے کہ ثمن بائع کے ضمان میں اس پر قبضہ سے قبل داخل نہیں ہوا، اور جب اپنے پاس اپنا عین مال اسی صفت کے ساتھ لوٹا لیا جس کے ساتھ اس کی ملکیت سے نکلا تھا اور بعض ثمن بعض کے بدلہ میں ہوگیا، تو اس کا دوسرے کے ذمہ اضافہ رہ گیا جو بلا معاوضہ ہے، لہذا یہ غیر مضمون کا نفع ہے اور یہ نص سے حرام ہے[4]۔

(۱) القوانین الفقہیہ رص ۱۷۱۔
(۲) المغنی ۴/۲۵۶۔
(۳) الشرح الکبیر للدردیر ۳/۸۹۔
(۴) ردالمحتار ۴/۱۱۵۔

۵ - بیع عینہ حرام ہونے پر حنابلہ نے حسب ذیل استدلال کیا ہے:

الف ۔ غندر نے شعبہ سے، وہ ابو اسحاق سبیعی سے، وہ اپنی بیوی عالیہ سے روایت کرتے ہیں: ''دخلت أنا و أم ولد زید بن أرقم علی عائشةؓ، فقالت أم ولد زید بن أرقم: إني بعت غلاما من زید، بثمانمائة درهم إلی العطاء، ثم اشتریته منه بستمائة درهم نقدا۔ فقالت لها: بئس ما اشتریت، وبئس ماشریت، أبلغي زیدا: أن جهاده مع رسول اللهﷺ بطل، إلا أن یتوب'' [۱] (میں اور حضرت زید بن ارقم کی ام ولد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، زید بن ارقم کی ام ولد نے کہا: میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں عطاء (وظیفہ) ملنے تک کے لئے فروخت کردیا، پھر میں نے وہ غلام ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس سے فرمایا: خرید کر تم نے برا کیا، اور فروخت کر کے تم نے برا کیا، زید کو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا جہاد باطل (اکارت) ہوگیا، الا یہ کہ وہ توبہ کرلیں)۔ حنابلہ نے کہا: حضرت عائشہؓ اس طرح کی بات حضور ﷺ سے سن کر ہی کہہ سکتی ہیں۔

ب ۔ نیز اس لئے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے، تاکہ ایک ہزار کی (مثلاً) پانچ سو کے عوض ادھار بیع کو مباح کرسکے، اور ذریعہ کا شریعت میں اعتبار ہے، اس کی دلیل قاتل کو وراثت سے محروم رکھنا ہے [۲]۔

ج ۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إذا ضن الناس بالدینار والدرهم، وتبایعوا بالعینة، واتبعوا أذناب البقر، وترکوا الجهاد في سبیل الله، أنزل الله بهم بلاء، فلا یرفعه حتی یراجعوا دینهم'' [۱] (جب لوگ دینار و درہم میں بخل کریں، اور بیع عینہ کریں، اور بیل کی دم کے پیچھے لگ جائیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد ترک کردیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر بلا نازل کردے گا، جس کو اسی وقت اٹھائے گا، جب وہ اپنے دین کی طرف لوٹ آئیں)۔

ایک روایت میں ہے: ''إذا تبایعتم بالعینة، وأخذتم أذناب البقر، ورضیتم بالزرع، وترکتم الجهاد، سلط الله علیکم ذلا، لا ینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم'' [۲] (جب تم بیع عینہ کروگے اور بیل کی دم کے پیچھے لگ جاؤ گے، اور زراعت پر مطمئن و راضی ہوجاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کردے گا، اور جب تک تم اپنے دین پر واپس نہیں آؤ گے اس کو نہیں ہٹائے گا)۔

(۱) حدیث عائشہؓ: ''أبلغي زیدا...... '' کی روایت دارقطنی (۳/ ۵۲ طبع المحاسن) نے کی ہے، دارقطنی کہتے ہیں: ام محبہ اور عالیہ مجہول ہیں ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، یعنی جو اس حدیث کی سند میں موجود ہیں۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۸۵، المغنی ۴/ ۲۵۷۔

(۱) حدیث: ''إذا ضن الناس بالدینار و الدرهم...... '' کی روایت احمد نے اپنی مسند (۲/ ۲۸ طبع المیمنیہ) میں کی ہے ابن القطان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ زیلعی نے نصب الرایہ (۴/ ۱۷ طبع المجلس العلمی) میں ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث: ''إذا تبایعتم بالعینة...... '' کی روایت ابوداؤد (۳/ ۷۴۰ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے، ابن حجر نے بلوغ المرام (ص ۱۹۳ طبع عبدالحمید احمد حنفی) میں کہتے ہیں: اس کی اسناد میں کلام ہے پھر ابن حجر نے سابقہ سند کو ذکر کیا جو ان الفاظ کے ساتھ ہے ''اذا ضن الناس'' اور کہا: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

بیع غرر

دیکھئے: "غرر"۔

بیع فاسد

تعریف:

۱ - بیع: مال کا مال سے تبادلہ، اور فساد: صلاح کی ضد ہے۔

بیع فاسد اصطلاح میں: جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع۔ اصل سے مراد: صیغہ، عاقدین، اور معقود علیہ، اور وصف سے مراد: جو اس کے علاوہ ہو(۱)۔

یہ حنفیہ کی اصطلاح ہے جو فاسد و باطل کے درمیان تفریق کرتے ہیں، ان کے نزدیک بیع فاسد، بیع صحیح اور بیع باطل کے درمیان ایک درجہ ہے، اور اسی وجہ سے وہ حکم کا فائدہ دیتی ہے اگر اس کے ساتھ قبضہ پایا جائے لیکن شرعاً اس کو فسخ کرنا مطلوب ہے(۲)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک فاسد و باطل یکساں ہیں، جس طرح بیع باطل حکم کا فائدہ نہیں دیتی، اسی طرح فاسد کا ان کے نزدیک کوئی اثر نہیں(۳)، یہ اجمالی بات ہے، ورنہ بعض شافعیہ نے فاسد و باطل کے درمیان تفریق میں حنفیہ سے موافقت کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: اگر خلل رکنِ عقد میں پایا جائے تو بیع باطل ہے اور اگر عقد کی شرط میں

---

(۱) المصباح المنیر، مجلۃ الاحکام العدلیۃ: دفعہ (۱۰۵، ۱۰۹)، تبیین الحقائق ۴/ ۴۴، فتح القدیر ۶/ ۴۳۔

(۲) تبیین الحقائق للزیلعی ۴/ ۴۴، ابن عابدین ۴/ ۱۰۰، البدائع ۵/ ۲۹۹، فتح القدیر مع الہدایہ ۶/ ۴۲۔

(۳) الدسوقی ۳/ ۵۴، الاشباہ للسیوطی رص ۳۱۲، المنثور للزرکشی ۳/ ۷، القواعد والفوائد الاصولیہ رص ۱۱۰۔

پایا جائے تو فاسد ہے[۱]۔

متعلقہ الفاظ:

الف-بیع صحیح:

۲- بیع صحیح: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، اور موانع سے خالی ہونے کی صورت میں بذات خود حکم کا فائدہ دے، لہذا بیع صحیح پر اس کا اثر یعنی ملکیت کا حصول، مبیع سے انتفاع وغیرہ مرتب ہوتا ہے، اور قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ مذاہب کے مابین متفق علیہ ہے[۲]۔

ب-بیع باطل:

۳- بیع باطل: جو اصل و وصف کسی لحاظ سے مشروع نہ ہو، لہذا اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، اور نہ ہی اس کے ذریعہ کوئی فائدہ حاصل ہوگا، نہ اس کو منعقد مانا جائے گا، لہذا اس کا سرے سے کوئی حکم نہیں، اس لئے کہ حکم موجود کا ہوتا ہے اور اس بیع کا شرعاً کوئی وجود نہیں، گو کہ صورتاً وجود ہو، مثلاً بچہ اور مجنون کی طرف سے ہونے والی بیع اور مثلاً مردار، آزاد، اور ہر اس چیز کی بیع جس کو مال نہیں مانا جاتا[۳]۔

(دیکھئے: ''بطلان'' اور ''بیع باطل'')۔

ج-بیع مکروہ:

۴-مکروہ لغت: میں محبوب کی ضد ہے۔

بیع مکروہ جمہور فقہاء کے نزدیک: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، لیکن کسی غیر لازم متصل وصف کی وجہ سے اس سے منع کیا گیا ہو[۱]۔ مثلاً اذانِ جمعہ کے وقت بیع اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی بیع پر بیع کرنا وغیرہ۔

بیع مکروہ جمہور فقہاء (حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک درست اور منعقد ہے، اس پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً بدلین میں ملکیت کا ثبوت، البتہ حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق اگر وہ مکروہ تحریمی ہے تو اس میں گناہ ہے، کیونکہ اس میں ایک عارضی وصف کی وجہ سے ممانعت آئی ہے، مثلاً نماز جمعہ کی اذان کے ساتھ اس (بیع) کا ملنا[۲]۔ اگر مکروہ تنزیہی ہے تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً امام احمد سے ایک روایت کے مطابق بیع الحاضر للبادی (شہری شخص کا دیہاتی کے لئے خرید فروخت کرنا)۔

حنابلہ نے کہا: اذان جمعہ کے بعد امام منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ فرمانِ باری ہے: "يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ"[۳] (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف، اور خرید فروخت چھوڑ دیا کرو)، اور نہی، فساد کی متقاضی ہے[۴]۔

(دیکھئے: ''بیع منہی عنہ'')۔

د-بیع موقوف:

۵-بیع موقوف: جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو اور موقوف ہونے کے طور پر حکم کا فائدہ دے، اور کسی دوسری وجہ سے بیع مکمل نہ ہو سکے، مثلاً دوسرے کے مال کو فروخت کرنا۔ اس صورت

---

(۱) اسنی المطالب ۲/ ۱۷۔

(۲) الزیلعی ۴/ ۴۴، ابن عابدین ۴/ ۱۰۰، منح الجلیل ۲/ ۵۵۱، روضۃ الناظر رص ۳۱۔

(۳) البدائع ۵/ ۳۰۵، ابن عابدین ۴/ ۱۰۰، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۹۳، الأشباہ للسیوطی رص ۳۱۰، روضۃ الناظر رص ۳۱، الدسوقی ۳/ ۵۴۔

---

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۰۰، بدایۃ المجتہد لابن رشد ۲/ ۱۹۳، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۳۰، منتہی الارادات ۳/ ۱۵۴۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) سورۂ جمعہ/ ۹۔

(۴) منتہی الارادات ۳/ ۱۵۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۰۔

میں بائع کو "فضولی" کہتے ہیں، کیونکہ اس نے دوسرے کے حق میں شرعی اجازت کے بغیر تصرف کیا ہے۔ لہذا جس نے دوسرے کی مملوک چیز فروخت کردی تو بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر چاہے تو رد کردے اور اگر چاہے تو اجازت دے دے، بشرطیکہ مبیع اور خرید فروخت کرنے والے اپنی حالت پر ہوں (۱)۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک بیع موقوف بیع صحیح ہے، شافعیہ وحنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے (۲)۔ اس لئے کہ بیع ایسے شخص کی طرف سے ہوئی ہے جو اس کا اہل ہے اور اس چیز کی بیع ہوئی ہے جو بیع کا محل ہے، لیکن شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق بیع موقوف بیع باطل ہے، حنابلہ کی دوسری روایت بھی یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ملکیت اور ولایت مفقود ہے۔

(دیکھئے: "بیع موقوف")۔

شرعی حکم:

۶- بیع فاسد کرنا حرام ہے اگر بیع کرنے والے کو اس کے فساد کا علم ہو، اس لئے کہ اس میں شرعی مخالفت ہے گو کہ عقد کے وصف میں ہو، اور بیع فاسد کے بارے میں نہی (ممانعت) وارد ہے، اور نہی اس کے غیر مباح ہونے پر دلالت کرتی ہے (۳)۔

اسباب فساد:

۷- درج ذیل اسباب کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک عقد فاسد ہوتا ہے باطل نہیں ہوتا، اور ان حالات میں بیع قبضہ کی شرط کے ساتھ حکم کا فائدہ دیتی ہے، اور اس پر فاسد کے احکام جن کا ذکر آرہا ہے جاری ہوں گے، یہ اسباب جمہور فقہاء کے نزدیک عقد کے بطلان اور اس کے بالکلیہ غیر معتبر ہونے کے اسباب مانے جاتے ہیں۔ چوں کہ بیع فاسد صرف حنفیہ کی اصطلاح ہے، اس لئے انہی کے نزدیک اسباب فساد کے ذکر پر اکتفاء کیا جائے گا۔

الف- ضرر اٹھائے بغیر سپرد کرنے کی قدرت نہ ہونا:

۸- بیع صحیح کی ایک شرط یہ ہے کہ بائع کو کوئی ضرر لاحق ہوئے بغیر مبیع حوالہ کرنے کی قدرت ہو۔ اگر مبیع کی حوالگی ضرر لازم کے بغیر ناممکن ہو تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ عقد کی وجہ سے ضرر کا استحاق نہیں، اور عاقد کے التزام عقد سے صرف معقود علیہ کا سپرد کرنا لازم ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز لازم نہیں ہوتی۔

لہذا اگر چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹ یا ایک ذراع دیباج (ریشمی کپڑا) فروخت کرے تو ناجائز ہے، اس لئے کہ اس کو سپرد کرنا اکھاڑے اور کاٹے بغیر ناممکن ہے، اور اس میں بائع کا ضرر ہے، اور عقد کی وجہ سے ضرر کا استحقاق نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ ایسی چیز کی بیع ہوئی جس کو شرعاً سپرد کرنا واجب نہیں، اس لئے بیع فاسد ہوگی (۱)۔

اگر بائع اس کو نکال کر عقد فسخ کرنے سے قبل خریدار کے سپرد کردے تو بیع جائز ہے، یہاں تک کہ خریدار کو لینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ جواز سے مانع صرف یہ بات ہے کہ حوالہ کرنے میں بائع کا ضرر ہے، تو جب اس نے اپنے اختیار اور رضامندی سے سپرد کردیا

(۱) مجلۃ الأحکام العدلیۃ: دفعہ (۱۱۱)، تبیین الحقائق للزیلعی ۴/ ۴۴، ابن عابدین ۴/ ۱۳۹، ۱۴۲، الاختیار ۲/ ۱۷، القوانین الفقہیہ لابن جزی رص ۱۶۳، مغنی المحتاج ۲/ ۱۵، المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۲۷۴۔

(۲) سابقہ مراجع، نیز دیکھئے: المجموع ۹/ ۲۵۸۔

(۳) التوضیح والتنقیح ۱/ ۲۱۷، تبیین الحقائق ۴/ ۴۴۔

(۱) البدائع للکاسانی ۵/ ۱۶۸، ابن عابدین ۴/ ۱۰۸، ۱۰۹۔

تو مانع زائل ہوگیا[1]۔

اگر اپنی تلوار میں لگی ہوئی زینت فروخت کردے اور وہ بلاضرر الگ ہوسکتی ہے تو جائز ہے، لیکن اگر بلاضرر الگ نہ ہوسکے تو بیع فاسد ہے الا یہ کہ الگ کرکے سپرد کردے[2]۔

اور یہی حکم کسی ایسے کپڑے کے ایک ذراع کو فروخت کرنے کا ہے۔ جس کو کاٹنے میں نقصان ہو اور انگوٹھی میں لگی ہوئی نگ کے بیچنے کا ہے۔ اسی طرح کسی مشترک کپڑے میں سے اپنا حصہ غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرنے کا ہے۔ اس لئے کہ ان سب میں سپرد کرنے میں ضرر ہے[3]۔

ب- مبیع یا ثمن یا اُجل کی جہالت:

۹- بیع کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع وثمن اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہوسکے، اگر ان میں سے کوئی اس طرح مجہول ہو کہ نزاع کا سبب بنے تو بیع فاسد ہے۔ لہذا اگر کہے: اس ریوڑ کی ایک بکری یا اس گٹھر کا ایک کپڑا فروخت کیا تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ ریوڑ میں سے ایک بکری اور گٹھر میں سے ایک کپڑا اس درجہ مجہول ہیں کہ اس سے نزاع پیدا ہوگا، اس لئے کہ دو بکریوں، اور دو کپڑوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ جو موجبِ فساد ہے۔ لیکن اگر بائع کپڑے یا بکری کو متعین کرکے خریدار کے حوالے کردے اور خریدار راضی ہوجائے تو جائز ہے، اور یہ رضامندی سے نئی بیع ہوگی[4]۔

اگر کوئی چیز دس درہم میں فروخت کی اور شہر میں مختلف قسم کے دراہم رائج ہوں تو جو زیادہ رائج ہو اس پر محمول ہوگا اور عقد صحیح ہوگا، لیکن اگر شہر میں چند قسم کے دراہم یکساں طور پر رائج ہوں تو بیع فاسد ہے، کیونکہ ثمن مجہول ہے، اس لئے کہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں[1]۔

۱۰- اگر بیع میں ''اجل'' (مدت) ہو تو اس کی صحت کے لئے اجل کا معلوم ہونا شرط ہے، اور اگر اجل مجہول ہو تو بیع فاسد ہے، خواہ اجل کی جہالت غیر معمولی ہو، مثلاً ہوا کا اٹھنا، بارش کا برسنا، فلاں کی آمد یا موت وغیرہ یا جہالت قریبی (معمولی) ہو، مثلاً کٹائی اور گاہنے کا وقت، نوروز، مہرجان اور حاجیوں کی آمد وغیرہ، اس لئے کہ غیر معمولی جہالت کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ اس کا وجود ہو یا نہ ہو اور معمولی جہالت کی صورت میں پہلے آنے یا بعد میں آنے کا اندیشہ ہے، لہذا باعث نزاع بنے گا، اس لئے بیع فاسد ہوگی[2]۔

ج- بیع بالاکراہ (زبردستی کی بیع):

۱۱- اکراہ ملجی ہو یعنی جان یا عضو کے تلف کرنے کی دھمکی ہو تو وہ رضا کو ختم اور اختیار کو فاسد کردیتا ہے، لہذا اکراہ ملجی عقد بیع اور تمام عقود کو باطل کردیتا ہے، اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اکراہ غیر ملجی مثلاً قید کرنے اور معمولی نقصان کی دھمکی تو حنفیہ کے نزدیک بیع کو فاسد کردیتا ہے باطل نہیں کرتا، لہذا قبضہ ہونے پر اس سے ملکیت ثابت ہوگی، اور مکرہ (جس پر اکراہ کیا جائے) کی اجازت سے بیع صحیح اور لازم ہوجائے گی، اس لئے کہ اکراہ غیر ملجی اختیار (یعنی کسی چیز کے فعل کو ترک پر ترجیح دینے) کو ختم نہیں کرتا، ہاں رضا (یعنی کسی چیز پر اطمنان) کو ختم کردیتا ہے۔

---

(۱) حوالہ سابق۔
(۲) البدائع ۵/ ۱۶۸۔
(۳) البدائع ۵/ ۱۶۸، ابن عابدین ۴/ ۱۰۹۔
(۴) البدائع ۵/ ۱۵۶، ۱۵۸، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳۔

(۱) سابقہ مراجع۔
(۲) البدائع ۵/ ۱۷۸، الاختیار ۲/ ۲۶، ابن عابدین ۴/ ۱۰۶۔

رضا، ارکانِ بیع میں سے نہیں بلکہ شرط صحت ہے [1]۔ جیسا کہ بحث ''اکراہ'' میں اس کی تفصیل ہے۔

اسی طرح بیع مضطر (مجبور) فاسد ہے، مثلاً کوئی شخص اپنا مال فروخت کرنے پر مجبور ہو اور خریدار اس کو ثمن مثل سے کم میں غبن فاحش کے ساتھ ہی خریدنے کے لئے راضی ہو [2]۔

د- شرطِ مفسد:

۱۲ - صحت بیع کی ایک شرط یہ ہے کہ بیع ان شرطوں سے خالی ہو جو بیع کو فاسد کرنے والی ہیں، شروط مفسدہ کی چند قسمیں ہیں:

ایک قسم یہ ہے کہ جس کا وجود ہی خطرہ میں ہو جس کے وجود میں غرر ہو مثلاً حاملہ ہونے کی شرط پر اونٹنی خریدی، اس لئے کہ یہ شرط وجود وعدم دونوں کا احتمال رکھتی ہے، اور فی الحال اس کا علم ممکن نہیں، اس لئے کہ پیٹ کا بڑا ہونا اور حرکت کرنا ہو سکتا ہے کہ کسی عارض کے سبب ہو، لہذا اس شرط پر بیع میں غرر ہے جو فساد کا موجب ہے۔ اس لئے کہ روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے: ''أنه نهى عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر'' [3] (رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع، اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

حسن بن زیاد، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، اس لئے کہ اس کے حاملہ ہونے کی شرط ایسی ہے جیسے غلام کے کاتب یا درزی وغیرہ ہونے کی شرط اور یہ جائز ہے، لہذا وہ بھی جائز ہوگی۔

بعض فقہاء نے اس مثال میں دودھ والی ہونے کی شرط پر گائے کی خریداری، بولنے والی ہونے کی شرط پر قمری کی، سینگ مارنے والا ہونے کی شرط پر مینڈھے کی، اور لڑنے والا ہونے کی شرط پر مرغ کی خریداری کو شامل کیا ہے، لہذا بیع امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، امام محمد سے ایک روایت یہی ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس میں دھوکہ ہے [1]۔

اس موضوع پر بہت سی مختلف فیہ مثالیں ہیں جن کو ان کے اپنے مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے۔

مفسدِ عقد فاسد شرائط میں سے ہر ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا ہے اور اس میں فروخت کنندہ یا خریدار کا فائدہ ہو، وہ شرط عقد کے مناسب نہ ہو اور نہ لوگوں میں اس کا تعامل جاری ہو مثلاً: اس شرط پر گھر فروخت کیا کہ بائع اس میں ایک ماہ رہے گا، پھر خریدار کے حوالے کرے گا، یا زمین اس شرط پر فروخت کرے کہ ایک سال کاشت کرے گا، یا جانور اس شرط پر فروخت کرے کہ بائع ایک ماہ اس پر سواری کرے یا کپڑا اس شرط کے ساتھ فروخت کرے کہ اس کو ایک ہفتہ استعمال کرے گا، تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے، اس لئے کہ بیع میں مشروط منفعت کی زیادتی، ربا ہوگی، اس لئے کہ اس زیادتی کے مقابلہ میں عقد بیع میں کوئی عوض نہیں، اور جس بیع میں ربا ہو وہ فاسد ہے، اسی طرح جس میں شبہہ ربا ہو، وہ بھی فاسد ہے، اس لئے مذکورہ تمام شرطیں بیع کو فاسد کرنے والی ہیں۔ دیکھئے: ''ربا''۔

مفسد شروط میں سے: بیع میں دائمی خیار کی بھی شرط ہے، اسی طرح غیر دائمی (مؤقت) خیار کی شرط جس کے لئے متعین مدت میں غیر معمولی جہالت ہو، مثلاً ہوا کا اٹھنا، بارش کا ہونا۔ اس کی تفصیل اصطلاح: ''شرط'' میں ہے [2]۔

---

(۱) ابن عابدین ۴/ ۴، ۵۔

(۲) ابن عابدین ۴/ ۱۰۶۔

(۳) حدیث: ''نهى عن بيع الحصاة، و عن بيع الغرر'' کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع لعلاء الدین الکاسانی ۵/ ۱۶۹، ۱۷۰۔

(۲) البدائع ۵/ ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۴۔

ھ-عقد میں توقیت کا ہونا:

۱۳- بیع کی صحت کی شرائط میں سے: عقد کا غیر مؤقت ہونا ہے، اور اگر مؤقت ہو تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ عقد بیع ''عین'' کی تملیک کا عقد ہے، اور اعیان کی تملیک کے عقود مؤقت طور پر صحیح نہیں ہوتے، اور اسی وجہ سے بعض فقہاء نے بیع کی تعریف یوں کی ہے: مالی معاوضہ کا عقد جو ابدی طور پر عین کی ملکیت کا فائدہ دے[1]۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح ''اجل'' اور ''تاقیت''۔

و-عقد میں ربا کا ہونا:

۱۴- بیع کی صحت کی شرائط میں سے: ربا سے خالی ہونا ہے، اس لئے کہ جس بیع میں ربا ہو حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ ربا نص قرآنی سے حرام ہے، فرمانِ باری ہے: ''وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا''[2] (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے)۔

اسی طرح شرط ہے کہ بیع ربا کے شبہ اور ربا کے احتمال سے بھی خالی ہو، کاسانی نے کہا: جس طرح حقیقت ربا مفسد بیع ہے، اسی طرح ربا کا احتمال بھی مفسد بیع ہے، اس لئے کہ محرمات کے باب میں شبہ احتیاطاً حقیقت کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، اس کی اصل یہ فرمانِ نبوی ہے: ''الحلال بین والحرام بین، فدع مایریبک إلی مالا یریبک''[3] (حلال واضح ہے، اور حرام واضح ہے۔ لہذا جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو ترک کر دو، اور جو چیز شک میں نہ ڈالے اس کو اختیار کر لو)۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳، البدائع ۶/ ۱۱۸، مغنی المحتاج ۲/ ۳۔

(۲) سورۂ بقرہ/ ۲۷۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۳، ۱۹۳، ۱۹۸۔

حدیث: ''الحلال بین والحرام بین فدع ما یریبک إلی مالا یریبک'' کی روایت طبرانی نے ''الاوسط'' میں کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۴/ ۷۴ طبع القدسی) میں اس کو حسن قرار دیا ہے۔

ز- بیع بالغرر (غرر کے ساتھ بیع):

۱۵- غرر: کسی چیز کے حصول یا عدم حصول کا خطرہ۔ اگر غرر اصل مبیع میں ہو، یعنی وہ وجود اور عدم وجود کا احتمال رکھے، مثلاً پھلوں کے آنے سے قبل ان کی بیع اور شکار کرنے سے قبل فضاء میں موجود پرندہ کی بیع، تو عقد باطل ہے، اور اگر غرر اوصاف بیع میں ہو، مثلاً درخت پر موجود تر کھجور کی توڑی ہوئی خشک کھجور کے عوض بیع، تو یہ عقد حنفیہ کے نزدیک فاسد ہے، اس لئے کہ مقدار مبیع مجہول ہے[1]۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''غرر'' میں ہے۔

ح- قبضہ سے قبل منقول کی بیع:

۱۶- جس نے کوئی منقول چیز خریدی اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ پہلے فروخت کرنے والے کے اس مال پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی فروختگی کرے، اس لئے کہ روایت میں ہے: ''أن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام حتى يقبض''[2] (نبی ﷺ نے قبضہ سے قبل اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

نیز اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں مبیع کے ہلاک ہونے کے سبب بیع کے فسخ ہوجانے کا خطرہ ہے، کیونکہ اگر وہ قبضہ سے قبل ہلاک ہوجائے تو بیع اول باطل ہوجائے گی، لہذا دوسری بیع فسخ ہوجائے گی، کیونکہ وہ بیع اول پر مبنی ہے، خواہ اس نے اس کو بائع اول کے ہاتھ فروخت کیا ہو یا کسی اور کے ہاتھ۔

اسی طرح اگر خرید کردہ منقول مبیع کے نصف پر قبضہ کیا ہو، پھر اس خرید کردہ میں دوسرے کو شریک کرلیا تو مقبوضہ میں یہ شرکت صحیح

(۱) الاختیار ۲/ ۲۴، ابن عابدین ۴/ ۱۰۷۔

(۲) حدیث: ''نهى عن بيع الطعام حتى يقبض......'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۴۹ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

ہے، اور غیر مقبوضہ میں نا جائز، اس لئے کہ شریک کرنا ایک طرح کی بیع ہے، اور مبیع منقول ہے، لہذا غیر مقبوضہ شرعا اس کا محل نہیں، اس لئے غیر مقبوضہ میں درست نہیں اور مقبوضہ مقدار میں درست ہے[1]۔ (دیکھئے: "قبض")۔

فساد کی تجزی:

۱۷-اصل یہ ہے کہ فساد صرف مفسد کے بقدر ہو، لہذا اگر کوئی معاملہ صحیح وفاسد پر مشتمل ہو تو فساد صرف مفسد کے بقدر ہوگا اور باقی میں بیع صحیح ہے، اس پر فقہاء حنفیہ کا اتفاق ہے، بشرطیکہ فساد طاری (عارضی) ہو۔

بیع عینہ کی صورت میں آیا ہے: اگر کوئی چیز دس میں فروخت کی اور ثمن پر قبضہ نہیں کیا، پھر اس کو پانچ میں خرید لیا تو یہ نا جائز ہے، البتہ اگر اس کو دوسرے کے ساتھ ضم کر کے خریدے تو صحیح ہے۔

"الہدایہ" میں ہے: جس نے پانچ سو میں کوئی سامان خرید ا، پھر اس کو ایک دوسرے سامان کے ساتھ بائع کے ہاتھ ثمن نقد ادا کرنے سے قبل پانچ سو میں فروخت کردیا تو بیع اس سامان میں صحیح ہے جس کو اس نے بائع سے نہیں خریدا تھا، اور دوسرے میں نا جائز ہے، اس لئے کہ ثمن اس سامان کے مقابلہ میں رکھنا واجب ہے جس کو اس نے خرید انہیں، اس طرح وہ دوسرے سامان کو فروخت شدہ قیمت سے کم میں ثمن ادا کرنے سے قبل خریدنے والا ہوگا، اور یہ ربا کے شبہ کی وجہ سے فاسد ہے[2]۔

اگر فساد عقد کے ساتھ مقارن ہو تو امام ابو یوسف ومحمد کے نزدیک یہی حکم ہے، اس لئے کہ وہ دونوں حضرات فساد طاری اور فساد مقارن کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر مفسد مقارن کے سبب بعض مبیع میں عقد فاسد ہو جائے تو کل مبیع میں فاسد ہو جائے گا[1]۔ اس لئے کہ اگر فساد مقارن ہو تو فاسد میں عقد کو قبول کرنا دوسرے میں عقد قبول کرنے کی شرط ہوگی، اور یہ شرط فاسد ہے، لہذا سب میں اثر انداز ہوگی، اور فساد طاری میں یہ علت نہیں پائی گئی، اس لئے فساد صرف مقدار مفسد تک محدود ہوگا۔

اسی لئے اگر ایک دینار دس درہم میں ادھار خریدے پھر مجلس میں دس میں سے کچھ درہم نقد ادا کردے اور کچھ ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سب فاسد ہے، اس لئے کہ فساد عقد کے مقارن ہے، لہذا سب کے فساد میں موثر ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک مقبوضہ مقدار میں صحیح اور باقی میں فاسد ہے، اس وجہ سے کہ فساد مفسد کے بقدر ہی محدود ہوگا[2]۔

بیع فاسد کی مثالیں:

۱۸-حنفیہ نے اپنی کتابوں میں (بیع باطل کے بیان کے بعد) بیع فاسد کی کچھ مثالیں ذکر کی ہیں، اور یہ بیع فاسد وباطل کے درمیان حنفیہ کے فرق کرنے کے اصول پر مبنی ہے۔ بیع فاسد کی چند مثالیں:

اس چیز کی بیع جس میں ثمن سے سکوت ہو، مثلاً کسی چیز کی اس کے ریٹ پر فروختگی، ایسے کپڑے میں سے ایک ذراع کی بیع جس کو ٹکڑے کرنا اس کپڑے کے لئے نقصان دہ ہو، بیع ملامسہ ومنابذہ[3]۔ اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے: "نھی

(۱) البدائع ۵/ ۱۸۰، ۱۸۱، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳۔
(۲) الفتح مع الہدایہ ۷/ ۳۷، ابن عابدین ۴/ ۱۱۶۔

(۱) ابن عابدین ۵/ ۶۔
(۲) البدائع ۵/ ۲۱۷، ۲۵۰، ۲۵۱، الفتح والعنایہ علی الہدایہ ۶/ ۴۳۔
(۳) ملامسہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے سمجھے چھولے، تاکہ چھونے والے پر بیع لازم ہو جائے، اور دیکھنے پر اس کو کوئی خیار نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ عن الملامسة والمنابذة"[1] (رسول اللہ ﷺ نے ملامسہ ومنابذہ سے منع فرمایا ہے)، تھن میں دودھ کی بیع، پشت پر اون کی بیع، بکری میں گوشت کی بیع، چھت میں نصب شہتیر کی بیع، دو کپڑوں میں ایک کی بیع جبکہ خیارِ تعیین کی شرط نہ ہو۔

تھن میں دودھ کی بیع جہالت اور مبیع کا غیر مبیع سے اختلاط کے سبب فاسد ہے، انہی دو اسباب کی وجہ سے پشت پر اون کی بھی بیع فاسد ہے، نیز نزاع کے احتمال کی وجہ سے۔ اور حدیث نبوی ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيع لبن في ضرع، وسمن في لبن"[2] (نبی کریم ﷺ نے تھن میں دودھ کی بیع، اور دودھ میں گھی کی بیع سے منع کیا ہے)۔

بکری میں گوشت کی اور چھت میں لگی شہتیر کی بیع اس لئے فاسد ہے کہ ناحق ضرر کے بغیر اس کو سپرد کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع اور تلوار میں لگی زینت کی بیع کا حکم ہے اور اگر الگ کر لے اور بیع فسخ کرنے سے قبل حوالے کر دے تو جائز ہے[3]۔

اگر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ اس کو مہینہ کے شروع میں حوالہ کرے گا تو یہ فاسد ہے، اس لئے کہ اعیان کی حوالگی کو مؤخر کرنا باطل ہے، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ تاجیل ثمن میں خریدار کے لئے آسانی پیدا کرنے کی خاطر مشروع ہے، تاکہ وہ ثمن حاصل کر سکے، اور یہ علت اعیان میں معدوم ہے، لہذا شرط فاسد ہوئی۔

بیع فاسد میں سے: بیع مزابنہ ومحاقلہ بھی ہے[1]، اس لئے کہ حضور ﷺ نے ان دونوں سے منع فرمایا[2] نیز اس لئے بھی کہ ان دونوں میں ربا کا شبہ ہے۔ اور اگر اس شرط پر بیع کی کہ خریدار کچھ دراہم قرض دے گا یا کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس کو سل دے گا تو بیع فاسد ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے "بیع مع شرط" سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور نہ ہی وہ عقد کے (مناسب) ہے، اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہے، لہذا عقد فاسد ہوگا۔

نوروز، مہرجان، نصاریٰ کے روزے اور یہودیوں کے افطار تک کے لئے بیع، اگر فروخت کنندہ اور خریدار دونوں اس سے واقف ہوں تو فاسد ہے۔ اسی طرح کٹائی، پھل توڑنے، گاہنے اور حاجی کے آنے تک کے لئے بیع کرنا فاسد ہے، اس لئے کہ اجل مجہول ہے جو نزاع کا باعث بن سکتا ہے، اور اگر اجل کو اس کے آنے سے قبل ساقط کر دے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں بیع جائز ہے، امام زفر کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا: فاسد صحیح نہیں ہو سکتی[3]۔

= اور منابذہ یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف بغیر دوسرے کے کپڑے دیکھے ہوئے پھینکے، تاکہ پھینکنا بیع قرار پائے۔ ان بیوع کا دور جاہلیت میں عرف ورواج تھا (ابن عابدین ۴/ ۱۰۹)۔

(۱) حدیث: "نهى عن الملامسة والمنابذة" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۱ طبع الحلبی) اور بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۵۹ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع لبن في ضرع وسمن في لبن" کی روایت دار قطنی (۳/ ۱۴ طبع دار المحاسن) اور بیہقی (۵/ ۳۴۰ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے بیہقی نے کہا: اس کو مرفوع قرار دینا عمر بن فروخ کا تفرد ہے اور مرفوع قرار دینا قوی نہیں، اور اس کو موقوف طور پر روایت کیا ہے اسی طرح دار قطنی نے اس کا ابن عباس پر موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

(۳) الاختیار ۲/ ۲۳، ۲۴، ابن عابدین ۴/ ۱۰۶، ۱۱۰۔

(۱) مزابنہ: درخت پر لگی کھجور کو زمین پر موجود کھجور کے عوض اندازہ سے کیل کے ذریعہ فروخت کرنا۔

محاقلہ: بالی میں موجود گیہوں کو اسی کے مثل گیہوں کے عوض اندازہ سے کیل کے ذریعہ فروخت کرنا (ابن عابدین ۴/ ۱۱۹)۔

(۲) حدیث: "نهى عن المزابنة والمحاقلة......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۸۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۲۲۔

۱۹ - نیز حنفیہ نے بیع فاسد کی یہ مثالیں بھی ذکر کی ہیں: شراب اور خنزیر کے عوض بیع یا عین کے عوض شراب اور خنزیر کی بیع مقایضہ، لہذا اگر شراب وخنزیر "عین" کے بالمقابل ہوں مثلاً کپڑے کو شراب کے بدلہ خریدا یا شراب کو کپڑے کے بدلہ فروخت کیا تو بیع فاسد ہے، اور اگر ان دونوں کو "دین" کے بالمقابل رکھا جائے مثلاً دراہم ودنانیر کے عوض ان کی بیع تو یہ بیع باطل ہے۔

تفریق کی وجہ جیسا کہ مرغینانی نے لکھا ہے یہ ہے کہ شراب وخنزیر اہل ذمہ کے نزدیک مال ہیں، البتہ وہ غیر متقوم مال ہیں۔ اس لئے کہ شریعت نے اس کی توہین کرنے اور اس کا اعزاز نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اور عقد کے ذریعہ اس کو اپنی ملکیت میں لینا اس کا اعزاز کرنا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اس نے انہیں دراہم کے بدلہ خریدا تو دراہم مقصود نہیں، کیونکہ یہ وسیلہ ہیں، اس لئے کہ وہ ذمہ میں واجب ہوتے ہیں، مقصود صرف شراب ہے، لہذا ان کا متقوم ہونا بالکلیہ ساقط ہوگیا، لہذا عقد باطل ہوا۔ برخلاف شراب کے عوض کپڑا خریدنے والے کے، کیونکہ اس میں کپڑے کا اعزاز ہے شراب کا نہیں۔ اسی طرح اگر شراب کو کپڑے کے عوض فروخت کرے تو عقد فاسد ہے۔ اس لئے کہ یہ کپڑے کو شراب کے عوض خریدنا مانا جائے گا، کیونکہ یہ مقایضہ ہے[۱]۔

۲۰ - کچھ اور صورتیں ہیں، جن کو بیع فاسد یا بیع باطل قرار دینے میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً حمل کی بیع، فضا میں موجود پرندے کی بیع اور سمندر میں موجود مچھلی کی بیع ان دونوں کے شکار سے قبل، اگر ان دونوں کے بالمقابل سامان ہو، اور شکاری کے ایک بار شکار کرنے اور غوطہ خور کے ایک بار غوطہ لگانے کی بیع[۲]، سیپ میں موجود موتی

(۱) الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۴۳، ۴۶، ابن عابدین ۴/ ۱۰۴، ۱۰۶۔

(۲) قانص سے مراد یہ ہے کہ کہے: ایک بار جال ڈالنے پر جتنی مچھلیاں نکلیں گی ان کو میں نے اتنے میں تم سے بیچ دیا۔

کی بیع، اسی طرح آبق (بھگوڑے غلام) کی، اور تھن میں دودھ کی بیع[۱]۔

بیع فاسد کے آثار:

۲۱ - گذر چکا ہے کہ جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک، بیع فاسد وبیع باطل کے درمیان فی الجملہ کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ہی غیر منعقد ہیں، لہذا جمہور فقہاء کے نزدیک بیع فاسد کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ بیع باطل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے[۲]۔

جب خلیل نے اپنی "مختصر" میں کہا: "**فسد منهي عنه**" (منہی عنہ فاسد ہے) تو دردیر نے اس کی تشریح اپنے اس قول سے کی: یعنی باطل ہے یعنی منعقد نہیں، خواہ عبادت ہو مثلاً یوم عید کا روزہ یا عقد ہو مثلاً مریض اور محرم کا نکاح اور جیسے اس چیز کی فروختگی جس کی حوالگی پر قدرت نہ ہو یا جو مجہول ہو، اس لئے کہ نہی فساد کی متقاضی ہے[۳]۔

خلیل کی عبارت پر دسوقی نے لکھا: یعنی جس کے لین دین سے روکا گیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے جو عبادات اور معاملات (یعنی عقود) سب کو شامل ہے[۴]۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر دونوں عقد کرنے والے عقد کو فاسد کرنے والے سبب کو ختم کردیں، اگرچہ حذف کرنا مجلس خیاری میں ہو تو بھی بیع فاسد صحیح نہ ہوگی، اس لئے کہ فاسد کا کوئی

= اور قانص سے مراد یہ ہے کہ کہے میں ایک بار ڈبکی لگاؤں گا، اور جتنی موتی نکالوں ان کو تمہیں اتنے میں فروخت کیا (ابن عابدین ۴/ ۱۰۹)۔

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۲، الاختیار ۲/ ۲۴۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴، حاشیۃ الجمل ۳/ ۵۸، المنثور للزرکشی ۳/ ۷۔

(۳) الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴۔

(۴) حاشیۃ الدسوقی حوالہ سابق۔

اعتبار ہی نہیں [1]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک فاسد کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ جس طرح حنفیہ کے نزدیک باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی [2]۔ قلیوبی اور جمل وغیرہ نے امام نوویؒ کی گرفت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یہاں بیع فاسد کے حکم اور فاسد خریداری کے ذریعہ قبضہ کئے گئے مال کے حکم میں ایک فرق کو نظر انداز کردیا، اور انہوں نے اس کے احکام مختصراً ذکر کئے ہیں [3]۔

البتہ حنفیہ بیع فاسد و بیع باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور وہ باطل کے برخلاف فاسد کو منعقد مانتے ہیں اور باطل کو غیر منعقد۔ بیع باطل کے احکام اس کی اصطلاح میں آچکے ہیں۔

ہاں بیع فاسد کے احکام اجمالی طور پر ذیل میں ذکر کئے جارہے ہیں:

اول–قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا منتقل ہونا:

۲۲–بیع فاسد حنفیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اگر خریدار مبیع پر بائع کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت سے قبضہ کرلے۔ مثلاً مجلس بیع میں قبضہ کیا اور بائع خاموش رہا، تو خریدار کے لئے جائز ہوگا کہ مبیع میں بیع یا ہبہ یا صدقہ یا اجارہ وغیرہ کا تصرف کرے، البتہ اس سے انتفاع نہیں کرسکتا [4]۔

ابن عابدین نے کہا: اگر اس کا مالک ہوجائے تو اس کے لئے ملکیت کے تمام احکام ثابت ہوں گے، سوائے پانچ کے: اس کو کھانا جائز نہیں، اس کو پہننا جائز نہیں، (اگر مبیع باندی ہے تو) اس سے وطی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے بائع کی شادی جائز ہے اور اگر مبیع جائیداد غیر منقولہ ہو تو پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہے [1]۔

بیع فاسد کے ذریعہ حاصل شدہ مبیع میں تصرف کے جواز کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا کہ وہ بریرہ کو خریدنا چاہتی ہیں، لیکن اس کے آقا فروخت کرنے کے لئے اپنے واسطے ولاء کی شرط لگاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”**خذیها واشترطي لهم الولاء، فإن الولاء لمن أعتق، فاشتریتها مع شرط الولاء لهم**“ [2] (اس کو لے لو اور ان کے لئے ولاء کی شرط رکھ لو، کیونکہ ولاء تو آزاد کرنے والے کے لئے ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ نے اس کو ان کے لئے شرط ولاء کے ساتھ خرید لیا)۔ آپ نے بیع بالشرط (شرط کے ساتھ فروختگی) کے فساد کے باوجود آزاد کرنے کو جائز قرار دیا، مفید ملک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تملیک کا رکن یعنی دونوں عقد کرنے والوں کے ایجاب وقبول کے الفاظ (میں نے بیچا اور میں نے خریدا) ایسے شخص سے صادر ہوا جو شرعی ولایت کی بنا پر تملیک کا اہل ہے، یعنی وہ شخص جو مکلف ہے اور احکام شرع کا مخاطب ہے، اور یہ تملیک ایسی چیز کی طرف منسوب ہے جو تملیک کا محل ہے یعنی مال۔ کیونکہ گفتگو انہی دونوں کے بارے میں ہے، لہذا یہ عقد منعقد ہوگا، کیونکہ مصالح کا ذریعہ ہے اور فساد ایک ایسی علت کی بنا پر ہے جو اس سے متصل ہے، مثلاً اذان جمعہ کے وقت فروختگی اور ممانعت انعقاد کی نفی نہیں کرتی بلکہ انعقاد کو ثابت کرتی ہے، اس لئے کہ ممانعت کا تقاضا ہے کہ جس چیز سے روکا جارہا ہے وہ متصور اور اس پر قدرت ہو، اس لئے کہ ایسی چیز سے روکنا جو غیر متصور ہے اور قدرت میں نہیں ہے قبیح بات ہے، لیکن ممانعت پائے جانے کی وجہ سے یہ عقد خبیث

(۱) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/۸۵۔
(۲) ردالمحتار ۴/۱۳۴۔
(۳) حاشیۃ القلیوبی ۲/۱۸۱، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/۸۴۔
(۴) البدائع ۵/۳۰۴، الزیلعی ۴/۶۴، ۶۵، ابن عابدین ۴/۱۳۴۔

(۱) ابن عابدین ۴/۱۳۴۔
(۲) حدیث عائشہؓ ”إنما الولاء......“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۳۷۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۱۴۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

ملکیت کا فائدہ دے گا[1]۔

حنفیہ نے بیع فاسد کے مفید ملک ہونے کے لئے دو شرطیں لگائی ہیں:

اول: قبضہ، لہذا قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوگی، اس لئے کہ فساد کو ختم کرنے کے لئے اس کا فسخ کرنا واجب ہے، اور قبضہ سے پہلے ملکیت ثابت ہونے میں فساد کا برقرار رہنا ہے۔

دوم: قبضہ بائع کی اجازت سے ہو، لہذا بلا اجازت قبضہ سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی[2]۔

۲۳- بیع فاسد والے مبیع میں تصرف اور حصول ملکیت کی کیفیت کے بارے میں علماء حنفیہ کا اختلاف ہے: بعض حنفیہ نے کہا: خریدار اس میں تصرف کا مالک اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ بائع نے اس کو مسلط کیا ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ وہ سامان کا مالک ہوگیا ہے، اسی وجہ سے اس غلہ کو کھانا جائز نہیں جس کو فاسد طریقہ پر خریدا گیا ہو۔ بعض حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ تصرف کا جواز چیز کے مالک ہونے کی بنا پر ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان فاسد طور پر خریدا اور اس پر قبضہ کرلیا، پھر اس کے برابر میں ایک دوسرا مکان فروخت ہوا تو وہ اس کو شفعہ کے ذریعہ اپنے لئے لے سکتا ہے، حالانکہ جب شفعہ کا استحقاق ہوا تو اس وقت مکان کا وہ مالک نہیں تھا، لیکن اس میں شفیع کے لئے شفعہ نہیں ہے اگر چہ اس میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے، اس لئے کہ بائع کا حق ختم نہیں ہوا[3]۔ یعنی اس لئے کہ بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو فسخ کا اختیار ہے۔

---

(۱) الاختیار لتعلیل المختار للموصلی ۲/ ۲۲۔

(۲) البدائع ۵/ ۳۰۴۔

(۳) البنایہ علی الہدایہ ۶/ ۷۷۳، الزیلعی ۴/ ۶۴، البدائع ۵/ ۳۰۴، ابن عابدین ۴/ ۱۳۴۔

ملکیت کی منتقلی قیمت کے ذریعہ نہ کہ متعین کردہ ثمن کے ذریعہ:

۲۴- حنفیہ کا اتفاق ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا حصول مبیع کی قیمت مارکٹ ریٹ کے بدلہ میں ہوگا، اس مقررہ ثمن کے مقابلہ میں نہیں جس پر فریقین کا اتفاق ہوا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقد، منہی عنہ (ممنوع) ہے اور قیمت کی تعیین فاسد ہے، لہذا متعین کردہ قیمت واجب نہیں ہوگی۔ اور قیمت مارکٹ ریٹ کے بارے میں امام ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک قبضہ کے دن کا اعتبار ہے، اور امام محمد کے نزدیک تلف کرنے کے دن کا ہے[1]۔

دوم- استحقاق فسخ:

۲۵- بیع فاسد اپنے وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہونے کے باوجود فساد اس کے ساتھ متصل ہے، اور فساد کو زائل کرنا واجب ہے، لہذا وہ مستحق فسخ ہے، نیز اس لئے کہ فاسد، نہی کی وجہ سے ملک خبیث کا فائدہ دیتا ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کو خباثت کو زائل کرنے اور فساد کو دور کرنے کے لئے حق فسخ ہے، نیز اس لئے کہ بیع فاسد کے اسباب میں سے: ربا کی شرط لگانا اور مجہول مدتوں کو داخل کرنا وغیرہ ہے، اور یہ معصیت ہے، معصیت سے روکنا واجب ہے، اور استحقاق فسخ معصیت سے روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جب اس کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ فسخ ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ اس

---

(۱) ثمن اور قیمت میں فرق: ثمن وہ ہے جس پر عاقدین راضی ہوں خواہ قیمت سے زیادہ ہو یا کم۔ اور قیمت بلا کمی زیادتی معیار کے درجہ میں جو کسی چیز کی قیمت لگائی جائے۔ (ابن عابدین ۴/ ۵۱، ۵۲، الاختیار ۲/ ۲۳، الزیلعی ۴/ ۶۴، جواہر الاکلیل ۲/ ۴۷، الجمل ۳/ ۸۵، الشرح الکبیر مع المغنی ۴/ ۵۶، کشاف القناع ۳/ ۱۹۷)۔

کے انجام دینے سے گریز کرے گا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی علت بیان کی ہے[۱]۔

بیع فاسد کے فسخ کے لئے قاضی کا فیصلہ شرط نہیں، اس لئے کہ جو چیز شرعاً واجب ہو اس میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہیں[۲]۔ لیکن اگر دونوں عقد کرنے والے بیع فاسد کی مبیع کو برقرار رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو ان دونوں کی مرضی کے خلاف جبراً اس کو فسخ کر سکتا ہے، کیونکہ یہ شریعت کا حق ہے[۳]۔

شرائطِ فسخ:

۲۶- فسخ کی درج ذیل شرطیں ہیں:

الف: پہلی شرط یہ ہے کہ دوسرے عقد کرنے والے کے علم میں لا کر فسخ کیا جا رہا ہو، اس کی رضامندی شرط نہیں، کاسانی نے کرخی سے نقل کیا ہے کہ یہ شرط بلا اختلاف ہے، پھر اسبیجابی سے نقل کیا کہ یہ امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک شرط ہے، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ اس میں اختلاف خیار شرط اور خیار رویت میں اختلاف کی طرح ہے۔

ب: مبیع دونوں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کے قبضہ میں برقرار رہو۔

ج: اس میں کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہو جائے جس کی وجہ سے واپس کرنا ناممکن ہو[۴]۔

(۱) الاختیار لتعلیل المختار للموصلی ۲/ ۲۲، ابن عابدین ۴/ ۱۲۵، البدائع للکاسانی ۵/ ۳۰۰۔
(۲) الدر المختار بہامش رد المحتار ۴/ ۱۲۵۔
(۳) الدر المختار ۴/ ۱۲۵۔
(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۰، ابن عابدین ۴/ ۱۵۲، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۸۴، کشاف القناع ۳/ ۱۹۸۔

فسخ کا اختیار کس کو ہے؟

۲۷- فسخ یا تو قبضہ سے قبل ہوگا یا قبضہ کے بعد:

الف: اگر قبضہ سے قبل ہو تو دونوں عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک کو دوسرے فریق کے علم میں لا کر فسخ کا اختیار ہے، خواہ دوسرا فریق راضی نہ ہو، اس لئے بیع فاسد قبضہ سے قبل ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی، لہذا اس کو قبضہ سے پہلے فسخ کرنا ایجاب وقبول سے گریز کرنے کے درجہ میں ہے، لہذا اس کا ان دونوں میں سے ہر ایک مالک ہوگا، لیکن (جیسا کہ زیلعی کہتے ہیں) یہ دوسرے کے علم پر موقوف ہے، اس لئے کہ اس میں دوسرے فریق کے لئے فسخ کو لازم کرنا ہے، لہذا اس کے علم کے بغیر اس پر لازم نہ ہوگا[۱]۔

ب: اگر فسخ قبضہ کے بعد ہو تو فساد مبیع اور ثمن سے وابستہ ہوگا یا ان کے علاوہ سے:

(۱) اگر فساد، صلب عقد میں ہو، یعنی اس کا تعلق مبیع یا ثمن سے ہو مثلاً ایک درہم کو دو درہم میں فروخت کرنا اور مثلاً شراب اور خنزیر کے بدلہ فروخت کرنا، تو بھی یہی حکم ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اکیلے فسخ کر سکتا ہے، اس لئے کہ بدل سے وابستہ فساد صلب عقد سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو صحیح بنانا ممکن نہیں، کیونکہ بدلین (مبیع اور ثمن) کے بغیر عقد کا قیام نہیں، لہذا فساد قوی ہوگا اور صلب عقد میں موثر ہوگا، یعنی دونوں عقد کرنے والوں کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔

(۲) اگر فساد مبیع وثمن سے وابستہ نہ ہو مثلاً شرط زائد کے ساتھ بیع اور مثلاً اجل مجہول کے ساتھ بیع، یا ایسی شرط کے ساتھ بیع جس میں کسی ایک کا فائدہ ہو تو:

اسبیجابی کا فیصلہ ہے کہ فسخ کا اختیار صاحب شرط کو حاصل ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اس لئے کہ جس فساد کا تعلق بدل سے نہ

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۶۴۔

ہو وہ قوی نہیں ہوتا، لہذا اس کے ساقط ہونے کا احتمال ہے، لہذا صاحب شرط کے حق میں ظاہر ہوگا، لیکن اس پر لازم نہیں ہوگا۔

کرخی نے مسئلہ میں اختلاف لکھا ہے:

چنانچہ امام ابوحنیفہ و ابو یوسف کے قول کے مطابق: ان میں سے ہر ایک کے لئے حق فسخ ہے، اس لئے کہ فساد کے سبب یہ بیع غیر لازم ہے۔

اور امام محمد کے قول کے مطابق فسخ کا حق اس شخص کے لئے ہے جس کے لئے شرط کا نفع ہو، اس لئے کہ وہی اس مفسد کو ساقط کرکے عقد کو صحیح بنانے پر قادر ہے۔ اگر دوسرا اس کو فسخ کردے تو اپنے ذمہ دوسرے حق کو باطل کردے گا اور یہ ناجائز ہے[1]۔

بیع فاسد کے فسخ کا طریقہ:

۲۸- بیع فاسد دو طریقے سے فسخ ہوتی ہے:

اول: قول کے ذریعہ یعنی جس کو فسخ کا اختیار ہے وہ یہ کہے: میں نے عقد فسخ کردیا یا رد کردیا یا توڑ دیا، اس طرح سے عقد فسخ ہوجائے گا، اور اس میں قاضی کے فیصلے یا فروخت کرنے والے کی رضامندی کی ضرورت نہیں، خواہ قبضہ سے قبل ہو یا قبضہ کے بعد، اس لئے کہ استحقاق فسخ فساد کو ختم کرنے کے لئے ثابت ہے۔ اور فساد کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا تمام لوگوں کے حق میں ظاہر ہوگا اور قاضی کے فیصلے یا بیچنے والے کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا[2]۔

دوم: فعل کے ذریعہ، یعنی مبیع بائع کو کسی بھی طریقہ سے مثلاً ہبہ یا صدقہ یا اعارہ یا بیع یا اجارہ کے ذریعہ لوٹا دے۔ اگر ایسا کرلیا اور مبیع بائع کے ہاتھ میں حقیقتاً آ گئی یا حکماً مثلاً تخلیہ، تو یہ بیع کو ترک کرنا ہے

(۱) رد المحتار ۴؍ ۱۲۵، البدائع ۵؍ ۳۰۰، تبیین الحقائق ۴؍ ۶۴۔

(۲) البدائع ۵؍ ۳۰۰۔

اور خریدار اس کے ضمان سے بری ہوجائے گا[1]۔

حق فسخ کو باطل کرنے والی چیزیں:

۲۹- حق فسخ صراحتاً باطل کرنے اور ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، مثلاً کہے: میں نے ساقط کردیا یا باطل کردیا یا بیع کو واجب کردیا یا لازم کردیا۔ اس لئے کہ وجوب فسخ، فساد کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر ثابت ہے، اور جو چیز خالص اللہ کا حق ہونے کی حیثیت سے ثابت ہوتی ہے بندہ اس کو مقصود بنا کر ساقط نہیں کرسکتا جیسے خیار رؤیت۔

ہاں بطریق ضرورت ساقط ہوجاتا ہے، مثلاً بندہ اپنے ذاتی حق میں مقصود کے طور پر تصرف کرے جس کے ضمن میں حق اللہ کا سقوط بطریق ضرورت ہو۔

جب حق فسخ باطل ہوجائے تو بیع لازم ہوجائے گی اور ضمان ثابت ہوجائے گا، اور اگر باطل نہ ہو تو بیع غیر لازم ہوگی اور ضمان بھی ثابت نہیں ہوگا۔

ذیل میں اس کی اہم صورتیں پیش ہیں:

پہلی صورت- بیع فاسد والے مبیع میں قولی تصرف:

۳۰- حنفیہ نے علی الاطلاق کہا ہے کہ حق فسخ ہر ایسے تصرف سے باطل ہوجاتا ہے جو مبیع کو خریدار کی ملکیت سے نکال دے[2]، کیونکہ اس سے بندہ کا حق متعلق ہوگیا[3]، اسی تعلیل کو مالکیہ نے بنیاد بنایا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مبیع کو مہر بنادے یا بدل صلح بنادے یا بدل اجارہ، مالکیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ اس اقدام کی وجہ سے

(۱) بدائع الصنائع ۵؍ ۳۰۰، الدر المختار ورد المحتار ۴؍ ۱۲۵۔

(۲) رد المحتار ۴؍ ۱۲۶ بحوالہ کتاب الوقایہ۔

(۳) الدر المختار ۴؍ ۱۲۷، الشرح الکبیر ۳؍ ۷۴۔

اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی [1]۔

یا اس کو ہبہ کر کے حوالہ کردے، اس لئے کہ ہبہ سپردگی کے بغیر ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا، برخلاف بیع کے۔

یا اس کو رہن رکھ کر حوالہ کردے، اس لئے کہ سپرد کئے بغیر رہن لازم نہیں ہوتا۔

یا اس کو صحیح طور پر وقف کردے، اس لئے کہ وقف کر کے اس نے اس کو خرچ کردیا، اور اپنی ملکیت سے خارج کردیا [2]۔

یا اس کی وصیت کر کے مر گیا، اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت سے موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی، اور یہ نئی ملک ہے، لہذا یہ اس کو فروخت کرنے کی طرح ہو گیا۔

یا اس کو صدقہ کر کے سپرد بھی کردے، اس لئے کہ سپرد کئے بغیر وہ صدقہ کرنے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا [3]۔

اسی طرح آزاد کرنے سے بھی حق فسخ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی قوت، سرایت اور اس کی طرف شارع کی توجہ ورغبت کے سبب، اس کو مستثنیٰ کیا ہے [4]۔

۳۱- ان تمام صورتوں میں بیع فاسد نافذ ہو جاتی ہے، اس کو فسخ کرنا محال ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

الف: اس لئے کہ خریدار اس کا مالک ہو گیا، لہذا اس میں تصرف کا بھی مالک ہو گیا۔

ب: اس لئے کہ دوسرے عقد کے سبب بندہ کا حق متعلق ہو گیا، اور پہلے عقد کو فسخ کرنا محض حق اللہ کے لئے تھا، اور حق العبد، حق اللہ کے مقابل میں آئے تو اللہ کے حکم سے حق العبد کو مقدم کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس کا دامن عفو وسیع ہے جبکہ بندہ ہمیشہ اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے۔

ج: نیز اس لئے کہ عقد اول اصل کے لحاظ سے مشروع ہے وصف کے لحاظ سے نہیں، جبکہ عقد دوم، اصل ووصف دونوں لحاظ سے مشروع ہے، لہذا محض وصف اس کا معارض نہیں ہوگا۔

د: نیز اس لئے کہ بیع دوم بائع اول کی طرف سے مسلط کرنے کی وجہ سے وجود میں آئی ہے، اس لئے کہ اس کی طرف سے تملیک (قبضہ کی اجازت کے ساتھ) تصرف کرنے پر مسلط کرنا ہے، لہذا وہ دوسرے خریدار سے واپس نہیں لے سکتا، ورنہ وہ اپنی طرف سے مکمل شدہ چیز کو توڑنے کی کوشش کرنے والا ہوگا، اور یہ مناقضہ کا سبب ہے [1]۔

۳۲- حنفیہ نے اس سے اجارہ کو مستثنیٰ کیا ہے، اور انہوں نے طے کیا ہے کہ اجارہ بیع فاسد کے فسخ کرنے سے مانع نہیں، اس لئے کہ اجارہ اعذار کی بنا پر فسخ ہو جاتا ہے اور فساد کو ختم کرنا اعذار میں سے ہے، بلکہ فساد سے زیادہ قوی کوئی عذر ہی نہیں، جیسا کہ کاسانی کہتے ہیں [2]۔

نیز اس لئے (جیسا کہ مرغینانی کہتے ہیں) کہ اجارہ رفتہ رفتہ منعقد ہوتا ہے، لہذا اس کو رد کرنا امتناع (گریز کرنا) ہوگا [3]۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ حق فسخ کے استعمال سے جو چیز مانع ہے اگر وہ زائل ہو جائے (مثلاً ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کو واپس لے لے، یا رہن رکھنے والا اپنے رہن کو چھڑا لے) تو حق فسخ لوٹ آتا

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۶۴، الدسوقی ۳/ ۷۴۔
(۲) الاختیار ۲/ ۲۲، ۲۳، ابن عابدین ۴/ ۱۲۶۔
(۳) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۲۶، ۱۲۷۔
(۴) الاختیار ۲/ ۲۲، ۲۳، ابن عابدین ۴/ ۱۲۶۔

(۱) الہدایہ وفتح القدیر ۶/ ۹۸، ۹۹، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/ ۶۳، ۶۴، ۶۵۔
(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۱، نیز دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۲۷۔
(۳) الہدایہ مع شروح ۵/ ۱۰۰۔

ہے، اس لئے کہ یہ عقود سب کے حق میں ہر طرح سے فسخ کے موجب نہیں۔

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ قیمت یا مثل کا فیصلہ ہونے سے قبل ہو، اس کے بعد نہ ہو، اس لئے کہ قاضی کا یہ فیصلہ اس مال میں فروخت کرنے والے کے حق کو ختم کردیتا ہے، اور اس کے حق کو شارع کے حکم سے قیمت یا مثل میں منتقل کردیتا ہے، لہذا اس کا عین میں حق لوٹ کر نہیں آئے گا، گو کہ سبب اٹھ جائے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب غاصب کے خلاف غصب کردہ مال گم ہونے کی وجہ سے قیمت کا فیصلہ کردیا جائے پھر غصب کردہ مال مل جائے [۱]۔

دوسری صورت: بیع فاسد کی مبیع میں کئے جانے والے تصرفات:

۳۳- مثلاً تعمیر کرنا، درخت لگانا۔ اگر خریدار شراء فاسد کے طور پر خریدی ہوئی زمین پر تعمیر کردے یا کوئی درخت لگادے تو:

امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ تعمیر کرنے اور درخت لگانے کی وجہ سے فسخ ممنوع ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں امام صاحب کے نزدیک استہلاک (خرچ کرنا) ہیں، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہمیشہ کے لئے کی جاتی ہیں، اور یہ دونوں چیزیں فروخت کرنے والے کی طرف سے مسلط کرنے کی وجہ ہوں، لہذا ان دونوں کے سبب لوٹانے کا حق ختم ہوجائے گا جیسا کہ بیع۔

صاحبین کی رائے ہے کہ تعمیر اور شجرکاری فسخ سے مانع نہیں ہیں، بائع کو حق ہے کہ ان دونوں کو توڑ کر مبیع واپس لے لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق شفعہ (اگرچہ ضعیف ہے) تعمیر اور شجرکاری کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا تو یہ بدرجہ اُولی باطل نہ ہوگا [۲]۔

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱۲۷/۴، ۱۲۸۔
(۲) الدر المختار ورد المحتار ۱۳۱/۴، تبیین الحقائق مع حاشیۃ الشلبی ۶۵/۴۔

۳۴- موانع فسخ میں سے مبیع میں اضافہ یا اس میں نقص ہونا ہے:

الف۔ اضافہ: حنفیہ کا فیصلہ ہے کہ مبیع کے ساتھ متصل اضافہ جو اس سے پیدا شدہ نہ ہو، مثلاً مبیع کپڑا تھا اس کو سل دیا یا کپڑا تھا رنگ دیا یا گیہوں تھا اس کو پیس دیا یا روئی تھی اس کا سوت کات دیا اور اس جیسی تمام صورتوں میں فسخ ممنوع ہوجاتا ہے اور خریدار پر مبیع کی قیمت لازم ہوجاتی ہے۔

رہا وہ متصل اضافہ جو پیدا شدہ ہے مثلاً مبیع کا موٹا ہونا یا منفصل اضافہ جو پیدا شدہ ہو مثلاً اولاد، اور منفصل اضافہ جو پیدا شدہ نہ ہو مثلاً کمائی اور ہبہ، تو یہ سب مانع فسخ نہیں [۱]۔

ب: مبیع میں نقص: حنفیہ نے بیان کیا ہے کہ اگر خریدار کے قبضہ میں مبیع میں نقص پیدا ہوجائے تو رد کرنے کا اس کا حق ختم نہ ہوگا، اور فسخ کرنا ممنوع نہیں ہے، البتہ اگر اس کے قبضہ میں رہتے ہوئے اسی کے فعل سے نقص پیدا ہوا ہو یا بذاتِ خود مبیع کے فعل سے یا سماوی آفت سے تو بائع اسے خریدار سے لے لے گا، اور اس کو نقص کے تاوان کا ضامن بنائے گا، اور اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے بائع کے فعل سے نقص پیدا ہوا تو اس کی وجہ سے بائع کو مبیع واپس لینے والا گردانا جائے گا، اور اگر کسی اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہوا ہو تو بائع کو اختیار ہوگا کہ اس کو خریدار سے لے یا جنایت کرنے والے سے لے [۲]۔

۳۵- حنفیہ میں سے زیلعی نے واپسی اور فسخ کے حق کو ممنوع قرار دینے والے افعال کا ضابطہ لکھتے ہوئے کہا: اگر خریدار مبیع میں ایسا کام کردے، جس کی وجہ سے غصب کی صورت میں مالک کا حق ختم ہوجاتا ہے، تو اس کی وجہ سے مالک کا واپس لینے کا حق بھی ختم

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱۳۱/۴۔
(۲) حوالہ سابق۔

ہو جائے گا، مثلاً گیہوں ہو اس کو پیس دے[1]۔

سوم-(بیع فاسد کے احکام میں سے) بیع فاسد کے مبیع اور ثمن میں نفع کا حکم:

۳۶-فقہاء حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ ثمن میں ہونے والا نفع بائع کے لئے حلال ہے، اور مبیع میں ہونے والا نفع خریدار کے لئے حلال نہیں، لہذا اگر کوئی چیز کسی سے بیع فاسد کے طور پر مثلاً ایک ہزار درہم میں خریدی، اور دونوں نے قبضہ کرلیا، اور اپنے اپنے مقبوضہ میں ہر ایک کو نفع ہوا تو "عین" (چیز) پر قبضہ کرنے والا نفع کو صدقہ کردے، اس لئے کہ وہ تعیین سے متعین ہوجاتی ہے، اس لئے اس میں خباثت مستحکم ہوچکی ہے اور جس نے دراہم پر قبضہ کیا اس کے لئے نفع حلال ہے، اس لئے کہ "نقد" متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا[2]۔

اس فرق کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیع مقایضہ (عین کی عین سے بیع) ہو تو دونوں میں سے کسی کے لئے نفع حلال نہیں، اس لئے کہ مبیع اور ثمن میں سے ہر ایک اعتبار سے مبیع ہے، اس لئے ان دونوں میں ایک ساتھ خباثت مستحکم ہوگئی ہے[3]۔

چہارم-بیع فاسد کا تصحیح کو قبول کرنا:

۳۷-بیع فاسد میں فساد ضعیف ہوگا یا قوی:

الف: اگر فساد ضعیف ہو، یعنی صلب عقد میں داخل نہ ہو تو اس کی تصحیح ممکن ہے، مثلاً غیر مؤقت خیار کی شرط کے ساتھ بیع یا ایسے خیار مؤقت کی شرط کے ساتھ بیع جس کا وقت مجہول ہو، مثلاً کٹائی اور بوائی اور مثلاً ایسے مؤخر ثمن کے بدلہ فروختگی جس کی مدت مجہول ہو، اجل جس کا حق ہے اس نے وہ وقت آنے سے پہلے اور بیع کو فسخ کرنے سے پہلے اجل کو ساقط کردیا تو جائز ہوگئی، کیونکہ مفسد زائل ہوگیا اگرچہ اسقاط اجل جدا ہونے کے بعد ہو، جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے۔

اسی طرح تمام فاسد بیوع مفسد کے حذف کرنے سے جائز ہوجاتی ہیں، چنانچہ چھت میں نصب کڑی کی بیع فاسد ہے، اسی طرح کپڑے میں سے ایک ذراع اور تلوار کی زینت کی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ وہ ضرر جس کا اسے حق نہیں ہے اس کے بغیر مبیع کو حوالہ کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن اگر اس کو فسخ کرنے سے قبل اکھاڑ کر خریدار کے حوالے کردے تو جائز ہے، اور خریدار کے لئے گریز کرنے کا حق نہیں۔ دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع فاسد ہے، کیونکہ مبیع مجہول ہے، لیکن اگر کہے: ان میں سے جس کو چاہے لے لے تو عدم نزاع کے سبب جائز ہے[1]۔ اور اگر اس شرط پر بیع کی کہ خریدار اس کو رہن دے گا، اور رہن معین یا مقرر نہ ہو تو بیع فاسد ہے، البتہ اگر وہ دونوں مجلس میں تعیین رہن پر راضی ہوجائیں اور دونوں کے جدا ہونے سے قبل خریدار نے رہن اس کے پاس پہنچادی یا خریدار نے ثمن فوراً دے دیا تو اجل باطل ہے، اور بیع فساد کے ختم ہونے کی وجہ سے استحساناً جائز ہوجائے گی[2]۔

یہ سب اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک ہے، اس میں امام زفر کا اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے کہا: بیع جب فساد کے ساتھ منعقد ہوگئی تو اس کے بعد سبب فساد کو دور کرکے اس کے جائز ہونے کا امکان نہیں

---

(۱) تبیین الحقائق ۶۵/۴۔

(۲) تنبیہ: حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد میں نقد کی تعیین کے بارے میں دو روایتیں ہیں، لیکن اگر بیع فاسد میں دراہم پر قبضہ کرنے والے نے تجارت کی، اور دوسرے عقد میں اس کو نفع ہوا تو نفع اس کے لئے حلال ہے، اس میں ایک ہی روایت ہے، کیونکہ عقد ثانی میں نقد متعین نہیں ہوتا (دیکھئے: ابن عابدین ۱۲۹/۴)۔

(۳) ابن عابدین ۱۲۹/۴۔

---

(۱) البدائع ۱۷۸/۵، ابن عابدین ۱۱۹/۴، الاختیار ۲۵/۲، ۲۶۔

(۲) الفتاوی الہندیہ ۱۳۳/۳۔

ہے، کیونکہ اس میں استحالہ (ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا) ہے۔

ب: اگر فساد قوی ہو اس طرح کہ صلب عقد یعنی (بدل یا مبدل) میں ہو، تو سبب فساد کو ختم کرنے سے بالاتفاق جواز کا احتمال نہیں۔ مثلاً کوئی عین ایک ہزار درہم اور ایک رطل خمر میں فروخت کیا، پھر خریدار سے خمر کو ساقط کردیا تو یہ بیع فاسد ہے، اور صحیح نہ ہوگی [۱]۔

پنجم- مبیع کے ہلاک ہونے پر ضمان:

۳۸- فقہاء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیع فاسد کی مبیع اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان خریدار پر ثابت ہے، یعنی اگر وہ مثلی (کیلی یا وزنی یا عددی) ہوتو مثل لوٹائے گا، اور اگر ذوات القیم میں سے ہوتو قیمت لوٹائے گا، خواہ کتنی ہی ہو، خواہ ثمن سے زیادہ ہو یا اس سے کم یا اس کے برابر۔

ذوات القیم میں جمہور حنفیہ کے نزدیک قبضہ کے دن کی قیمت واجب ہے، اس لئے کہ قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے ضمان میں داخل ہوئی ہے، لہذا وہی دن معتبر ہوگا جس دن ضمان کا سبب منعقد ہوا ہے [۲]۔

امام محمد کے نزدیک اتلاف (ہلاک کرنے) کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے، اس لئے کہ اتلاف کی وجہ سے مثل یا قیمت کا ثبوت ہوجاتا ہے [۳]۔

۳۹- اگر بیع فاسد کی مبیع میں خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے نقص پیدا ہوجائے تو اس نقص کے ضمان کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) البدائع ۵/ ۱۷۸۔

(۲) الدر المختار ۴/ ۱۲۵، کفایۃ الطالب ۲/ ۱۴۸۔

(۳) رد المختار ۴/ ۱۲۵۔

الف: اگر خریدار کے قبضہ میں رہتے ہوئے خریدار کے فعل یا بذاتِ خود مبیع کے فعل یا ساوی آفت سے مبیع میں نقص پیدا ہوتو نقص کے تاوان کا خریدار کو ضامن قرار دینے کے ساتھ بائع اس کو لے لے گا۔

ب: اگر نقص بائع کے فعل سے ہوتو اس کی وجہ سے وہ مبیع کو واپس لینے والا ہوگیا، حتی کہ اگر مبیع خریدار کے پاس ہلاک ہوجائے، اور اس کی طرف سے بائع پر کوئی رکاوٹ اور پابندی نہیں پائی گئی تو بائع کا مال ہلاک ہوگا۔

ج: اگر اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہوا ہوتو بائع کو اختیار دیا جائے گا کہ:

اگر چاہے تو اس کو خریدار سے لے، پھر خریدار مجرم سے وصول کرے۔

اور اگر چاہے تو مجرم کے پیچھے لگے اور وہ خریدار سے وصول نہیں کرے گا [۱]۔

ششم- بیع فاسد میں خیار کا ثبوت:

۴۰- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع فاسد میں خیار شرط ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ بیع جائز میں ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اگر غلام کو ایک ہزار درہم اور ایک رطل شراب میں فروخت کیا، اس شرط کے ساتھ کہ اس کے لئے خیار ہے، اور خریدار نے بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کرلیا، اور تین دنوں کے اندر اس کو آزاد کردیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا، اور اگر بائع کے لئے خیار شرط نہ ہوتا تو قبضہ کے بعد خریدار کا آزاد کرنا نافذ ہوتا۔ ابن عابدین نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ مدتِ خیار کے گزرنے کے بعد اس کا آزاد کرنا درست ہے، کیونکہ خیار ختم ہوگیا، اور یہ ظاہر ہے۔

(۱) رد المختار ۴/ ۱۲۵۔

بیع فاسد کی مبیع میں جس طرح خیار شرط ثابت ہوتا ہے اسی طرح خیار عیب بھی ثابت ہوتا ہے، اور خریدار کو اختیار ہے کہ قبضہ کے بعد عیب کے سبب قاضی کے فیصلہ سے یا اس کے بغیر اس کو واپس کردے[1]۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۳۹، رد المحتار ۴/ ۱۲۴، ۱۲۶۔

بیع الفضولی

تعریف:

۱ - **بیع لغت میں:** کسی چیز کا کسی چیز سے تبادلہ کرنا ہے۔

اور شرع میں: مال متقوم کا مالِ متقوم سے مالک بننے اور بنانے کے لئے تبادلہ کرنا ہے[1]۔

فضولی لغت میں: وہ شخص ہے جو لایعنی چیزوں میں مشغول ہو۔

اور اصطلاح میں: فضولی وہ شخص ہے جو عقد میں نہ ولی ہو، نہ اصیل ہو اور نہ وکیل ہو[2]۔

"العنایہ" میں ہے: فضولی: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہی ہے، اور فضل کے معنی: زیادتی کے ہیں، مفرد لفظ "فضل" کے بجائے جمع کا لفظ "فضول" ہی ایسی چیز کے لئے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لایعنی چیزوں میں مشغول رہے اس کو فضولی کہتے ہیں، اور فقہاء کی اصطلاح میں فضولی وہ ہے جو وکیل نہ ہو[3]۔

تبیین الحقائق پر شلبی کے حاشیہ میں آیا ہے: حاشیہ ابن عابدین میں ہے کہ فضولی وہ ہے جو دوسرے کے حق میں شرعی

(۱) لسان العرب، القاموس المحیط، الصحاح، المصباح المنیر مادۂ "فضل"، التعریفات للجرجانی۔

(۲) المصباح مادۂ "فضل"، التعریفات للجرجانی۔

(۳) العنایہ علی الہدایہ صدر ہامش فتح القدیر ۵/ ۳۰۹، طبع الامیریہ المصباح مادۂ "فضل"۔

اجازت کے بغیر تصرف کرے، مثلاً اجنبی شادی کرائے یا بیع کرے، واحد (فضل) کی طرف نسبت نہیں آئی ہے گوکہ قیاس یہی تھا کہ واحد کی طرف نسبت ہو، کیونکہ غلبہ استعمال کی وجہ سے اس مفہوم کے لئے "علم"، علم بن کر انصاری اور اعرابی کی طرح ہوگیا ہے [۱]۔

لفظ فضولی فقہاء کے نزدیک ہر اس شخص کو شامل ہے جو ملکیت، ولایت اور وکالت کے بغیر تصرف کرے، مثلاً غاصب، مال مغصوب میں بیع وغیرہ کا تصرف کرے، اور وکیل اگر اپنے مؤکل کے حکم کے خلاف بیع یا شراء یا تصرف کرے، تو اس کو بھی اس مخالفت کے سبب فضولی مانا جائے گا، اس لئے کہ وہ اپنے مؤکل کی طے کردہ حدود سے آگے بڑھ گیا ہے۔

شرعی حکم:

۲-جو فقہاء بیع فضولی کو باطل سمجھتے ہیں ان کی رائے کا تقاضا ہے کہ بیع فضولی کا اقدام کرنا حرام ہو، اس لئے کہ یہ باطل معاملات کا سبب بنتا ہے۔ اور جو فقہاء اس کو صحیح سمجھتے ہیں یعنی حنفیہ و مالکیہ، ان میں مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مالک کی مصلحت کے بغیر بیع فضولی حرام ہے، ہاں اگر کسی مصلحت کی وجہ سے ہو، مثلاً تلف یا ضیاع کا خوف ہو تو حرام نہیں، بلکہ بسا اوقات مندوب ہوتی ہے۔

شرعی حکم کے بارے میں حنفیہ کی صراحت ہم کو نہیں ملی۔

اجمالی حکم:

۳-بیع فضولی کے بارے میں فی الجملہ فقہاء کے دو نقطہائے نظر ہیں:

اول: بیع جائز ہے اور مالک کی اجازت پر موقوف ہے۔

(۱) حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۳، طبع دار المعرفہ، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۳۵ طبع المصریہ۔

دوم: بیع ممنوع اور باطل ہے۔

رہا فضولی کا خریداری کرنا تو کچھ فقہاء اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور بیع کی طرح اجازت پر موقوف قرار دیتے ہیں، کچھ فقہاء اس کو اس طرح سے نہیں قرار دیتے جبکہ بعض اس میں تفصیل کرتے ہیں۔

دلائل:

۴-بیع فضولی کے جواز کے قائلین کا استدلال اس فرمانِ باری سے ہے: "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" [۱] (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی میں کرتے رہو)، اور اس میں اپنے مسلمان بھائی کا تعاون ہے [۲]۔

نیز ان کا استدلال حضرت عروہ بن ابو الجعد بارقی کی حدیث سے ہے، وہ حدیث یہ ہے: " أن النبي ﷺ أعطاه دينارا ليشتري له به شاة، فاشترى له به شاتين، فباع إحداهما بدينار، فجاء بدينار وشاة، فدعا له بالبركة في بيعه، وكان لو اشترى التراب لربح فيه" [۳] (نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایک دینار دیا تاکہ آپ کے لئے ایک بکری خریدیں، انہوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں، پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کردیا، اور ایک دینار و ایک بکری لے کر آئے تو حضور ﷺ نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ اگر مٹی خریدتے تو بھی اس میں نفع ہوتا)۔

نیز حضرت حکیم بن حزام کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی

(۱) سورۂ مائدہ/ ۲۔

(۲) المجموع ۹/ ۲۶۲ طبع السلفیہ، الفروق للقرافی ۳/ ۲۴۴ طبع دار المعرفہ۔

(۳) حدیث: "عروة بن أبي الجعد......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/ ۶۳۲ طبع الریاض) نے کی ہے۔

کریم ﷺ نے ان کو ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا، انہوں نے قربانی کا جانور خریدا، اور اس میں ایک دینار نفع کمایا، پھر اس کی جگہ دوسرا جانور خریدا، اور قربانی کا جانور اور دینار خدمت نبوی میں لائے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ضح بالشاة وتصدق بالدینار"[(۱)] (بکری کی قربانی کر دو، اور دینار کو صدقہ کر دو)۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بیع کو جائز قرار دیا۔ اگر باطل ہوتی تو اس کو رد کر دیتے، اور ایسی بیع کرنے والے پر نکیر فرماتے، نیز اس لئے کہ یہ تصرف تملیک ہے جو اس تصرف کے "اہل" کی طرف سے صادر ہوا ہے، لہذا اس کے منعقد ہونے کا قائل ہونا واجب ہے، کیونکہ مالک کو اس میں کوئی ضرر نہیں، اس لئے کہ اس کو اختیار حاصل ہے، بلکہ اس میں اس کا نفع ہے کہ وہ خریدار کی تلاش اور ثمن کے قرار (یعنی مطالبہ) وغیرہ کا بوجھ خود اٹھالیتا ہے، اور اس میں عاقد کا بھی نفع ہے، اس لئے کہ اس کے کلام کو لغو کرنے سے بچاتا ہے۔ اور اس میں خریدار کا بھی نفع ہے، اس لئے کہ اس نے اس کا اقدام خوشی سے کیا ہے، انہی وجوہ کے سبب شرعی قدرت ثابت ہے[(۲)]۔

۵- عدم جواز کے قائلین کا استدلال، حکیم بن حزام کی اس روایت سے ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ایک شخص

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۳ طبع دار المعرفہ، المجموع ۹/ ۲۶۲ طبع المنیریہ، سنن البیہقی ۶/ ۱۱۳ طبع اول۔
حدیث حکیم بن حزامؓ "ضح بالشاة......" کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/ ۴۷) نے کی ہے ترمذی نے کہا: ہم اس کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں، میرے نزدیک حبیب بن ابی ثابت کا حکیم بن حزام سے سماع نہیں۔
(۲) فتح القدیر ۵/ ۳۱۰ طبع الامیریہ، البحر الرائق ۶/ ۱۶۰ طبع العلمیہ، تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴ طبع دار المعرفہ۔

میرے پاس آتا ہے اور ایسی چیز فروخت کرنے کی درخواست کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں، کیا میں اس کے لئے بازار سے خرید لوں، پھر اس کو فروخت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لاتبع مالیس عندک"[(۱)] (جو چیز تمہارے پاس نہیں، اس کو فروخت نہ کرو)۔

نیز حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمرو نے فرمایا: مجھ سے میرے والد نے، ان سے ان کے والد نے بیان کیا یہاں تک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لایحل سلف وبیع، ولا شرطان في بیع، ولاربح مالم یضمن، ولابیع مالیس عندک"[(۲)] (ایک ساتھ ادھار اور فروختگی جائز نہیں، اور نہ ہی فروختگی میں دو شرطیں جائز ہیں، اور نہ اس چیز کا نفع حلال ہے جو ضمان میں نہ ہو اور نہ اس چیز کا بیچنا جائز ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے)۔

نیز حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لاطلاق إلا فیما تملک، ولاعتق إلا فیما تملک، ولابیع إلا فیما تملک"[(۳)] (طلاق نہیں مگر اس میں جس کے تم مالک ہو، عتق نہیں مگر اس میں جس کے تم مالک ہو، اور بیع نہیں مگر اس میں جس

(۱) تحفۃ الاحوذی ۴/ ۴۳۰ طبع دوم، المجموع ۹/ ۲۶۲ طبع المنیریہ، کشاف القناع ۳/ ۱۵۷ طبع النصر۔
حدیث حکیم بن حزامؓ "لا تبع مالیس عندک......" کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/ ۴۳۰) نے کی ہے، ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔
(۲) تحفۃ الاحوذی ۴/ ۴۳۱، ۴۳۲ طبع دوم۔
حدیث عمرو بن شعیبؓ "لا یحل سلف وبیع......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۳۵ طبع الحلبی) نے کی ہے ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔
(۳) المجموع ۹/ ۲۶۲، ۲۶۳ طبع المنیریہ۔
حدیث عمرو بن شعیبؓ "لا طلاق إلا فیما تملک......" کی روایت ابوداؤد (۲/ ۶۴۰ طبع عزت عبید دعاس) اور ترمذی (۳/ ۴۸۶ طبع الحلبی) نے کی ہے الفاظ ابوداؤد کے ہیں، ترمذی نے کہا: حدیث حسن ہے اور یہ اس باب کی تمام روایات سے احسن ہے۔

کے تم مالک ہو)۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ فضولی شخص کی بیع باطل ہے، اس لئے کہ یہ ملکیت، اجازت، ولایت اور وکالت کے بغیر تصرف ہے۔

نیز اس لئے کہ اس نے ایسی چیز فروخت کی جس کے سپرد کرنے پر قادر نہیں، اس لئے صحیح نہیں، جیسا کہ بھگوڑے غلام، پانی میں مچھلی اور فضا میں پرندے کی بیع [1]۔

ذیل میں فضولی کے تصرف کے بارے میں مذاہب کی تفصیل ہے:

الف-بیع میں فضولی کا تصرف:

۶-فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع فروخت کرنے والے کی ملکیت ہو یا فروخت کرنے والے کو اس پر ولایت یا وکالت حاصل ہو جو اس میں اس کے تصرف کا جواز پیدا کرے، نیز فضولی کی بیع کی صحت پر اتفاق ہے اگر مالک حاضر ہو اور بیع کی اجازت دے دے، اس لئے کہ اس صورت میں فضولی وکیل کی طرح ہوجائے گا۔

اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مبیع کا مالک اجازت دینے کا اہل نہ ہو، مثلاً فروختگی کے وقت وہ نابالغ بچہ ہو تو فضولی کی بیع درست نہیں ہے۔

۷- بیع فضولی کے بارے میں اختلاف اس صورت میں ہے جب مالک تصرف کا اہل ہو، اور اس کے غائبانہ میں اس کا مال فروخت کیا گیا یا اس کی موجودگی میں فروخت کیا گیا اور وہ خاموش رہا تو کیا بیع فضولی صحیح ہوگی یا نہیں؟

حنفیہ و مالکیہ کا مذہب، امام شافعی کا قول قدیم اور ایک قول جدید اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، البتہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

امام شافعی کا دوسرا جدید قول اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ بیع باطل ہے [1]۔

۸- یہ سب صرف اجمالی بات ہے، اس لئے کہ حنفیہ بیع فضولی کے نفاذ کے لئے کچھ شرائط ذکر کرتے ہیں جو یہ ہیں: ملکیت کا باقی رہنا اور بقاء ملکیت کا تحقق دونوں عقد کرنے والوں یعنی فروخت کنندہ اور خریدار کی بقا سے ہوتا ہے، اور معقود علیہ کا بغیر تبدیلی کے باقی رہنا، اس لئے کہ اجازت عقد میں تصرف ہے، لہذا عقد کی بقا ضروری ہے، اور عقد کی برقراری دونوں عقد کرنے والوں اور محل عقد کی برقراری سے ہوتی ہے، جیسا کہ یہی حال عقد کو وجود میں لانے میں ہے، نیز حنفیہ کے یہاں یہ بھی شرط ہے کہ فضولی اس شی کو اس شرط پر نہ بیچے کہ وہ اس کی ذاتی ہے۔ رہا ثمن تو حنفیہ کے یہاں اس کا قیام و بقاء شرط ہے اگر وہ سامان ہو، اس لئے کہ سامان تعیین سے متعین ہوجاتا ہے، لہذا وہ مبیع کی طرح ہوگیا، لیکن اگر ثمن دَین ہو تو حنفیہ نے اس کے برقرار رہنے کی شرط نہیں لگائی ہے۔

نیز حنفیہ نے یہ بھی شرط لگائی کہ مالک اول یعنی جس کے لئے عقد بیع کی گئی ہے وہ باقی ہو، ساتھ ہی ساتھ اس کو اجازت کے وقت مبیع کی حالت کا (کہ موجود ہے یا نہیں) علم ہو، اس لئے کہ عقد اس کی

---

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۱۵ طبع الحلبی، المجموع ۹/ ۲۶۱، ۲۶۳ طبع المنیریہ۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۷ طبع الجمالیہ، تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۲، ۱۰۳ طبع دار المعرفہ، ابن عابدین ۴/ ۱۳۶، فتح القدیر ۵/ ۳۰۹ طبع الأمیریہ، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۲ طبع الفکر، مواہب الجلیل ۴/ ۲۶۹، ۲۷۰ طبع النجاح، الخرشی ۵/ ۱۸ طبع دار صادر، روضۃ الطالبین ۳/ ۳۵۳ طبع المکتب الإسلامی، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۴۶، ۲۴۷ طبع دار صادر، المجموع ۹/ ۲۵۹ طبع المنیریہ، کشاف القناع ۳/ ۱۵۷ طبع النصر، الإنصاف ۴/ ۲۸۳ طبع التراث، الفروع ۴/ ۶۶، ۶۷ طبع اول المنار۔

اجازت پر موقوف ہے، لہذا دوسرے کی اجازت سے نافذ نہ ہوگا، لہذا اگر مالک مرجائے تو وارث کی اجازت سے نافذ نہ ہوگا، خواہ ثمن دین ہو یا عرض (سامان)[1]۔

اگر مالک کو اجازت کے وقت مبیع کے حال کا علم نہ ہو (کہ وہ موجود ہے یا نہیں) تو امام ابو یوسف کے قول اول کے مطابق بیع جائز ہے، امام محمدؒ کا بھی قول یہی ہے، اس لئے کہ اصل اس کا باقی رہنا ہے، پھر امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے کہا: جب تک مالک کو اجازت کے وقت مبیع کے برقرار ہونے کا علم نہ ہو بیع صحیح نہیں، اس لئے کہ شک شرط اجازت میں ہوا ہے، لہذا جب تک شرط اجازت کے بارے میں شک ہے اس وقت تک عقد ثابت نہ ہوگا[2]۔

۹- جب مالک اجازت دے دے تو مبیع خریدار کی ملکیت ہوگی، اور ثمن مالک مبیع کی ملکیت ہوگیا جو فضولی کے قبضہ میں امانت ہے۔ اگر ثمن ہلاک ہوجائے تو وکیل کی طرح فضولی اس کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ بعد میں آنے والی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے، اس وجہ سے کہ اسی کے سبب اس کا تصرف نافذ ہوگیا۔ اور اسی وجہ سے اس نوعیت کی اجازت کو: (اجازت عقد) کہتے ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ ثمن دین ہو، لیکن اگر عین ہو اس طور پر کہ فضولی نے دوسرے کی مملوکہ چیز کو معین سامان کے بدلہ بیع مقایضہ کے طور پر فروخت کردیا تو اس میں چاروں مذکورہ چیزوں کی بقاء شرط ہے جو یہ ہیں: بیچنے والا خریدنے والا مبیع اور مالک اول، اور پانچویں چیز (جس کی بقاء شرط ہے) وہ ثمن ہے جو سامان کی صورت میں ہے۔ اور اگر مبیع کا مالک اجازت دے (جبکہ ثمن عرض ہو) تو فضولی دوسرے کے مال کو فروخت کرنے کے سبب سامان کو ایک اعتبار سے خریدنے والا ہوگیا۔ اور خریداری موقوف نہیں ہوتی اگر اس کو نفاذ مل جائے، اس لئے وہ فضولی پر نافذ ہوگی اور وہ سامان کا مالک ہوجائے گا، اور اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ اس نے فضولی کو یہ اجازت دے دی کہ خریدے ہوئے اس سامان کا ثمن اپنے مال سے نقد ادا کردے اور اسی وجہ سے اس کو اجازت عقد کہتے ہیں، گویا اس نے کہا: یہ سامان اپنے لئے خریدلو، اور اس کا ثمن میرے اس مال سے نقد ادا کردو جو تمہارے اوپر قرض ہوگا، لہذا اگر مثلی ہو تو اس پر مثل، اور اگر "ذوات القیم" میں سے ہو مثلاً کپڑا تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اس طرح وہ کپڑے کو قرض لینے والا ہوگیا، اور قرض ذوات القیم میں اگرچہ ناجائز ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ قصداً ہو، اور یہاں خریداری کی صحت کے تقاضے کے تحت ضمناً ہی ثابت ہوا ہے، لہذا اس میں مقتضی کی صحت کی شرائط کی رعایت ہوگی، اور وہ شراء ہے، کوئی اور چیز نہیں[1]۔

۱۰- حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ فضولی کو اختیار ہے کہ اپنے اوپر سے دفع ضرر کے لئے مالک کی اجازت سے قبل فسخ کردے، اس لئے کہ بیع کے حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں، برخلاف نکاح میں فضولی کے، کیونکہ اس کی حیثیت محض ترجمان کی ہے[2]۔

۱۱- حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اجازت کے بعد فضولی کا حکم وکیل کے حکم کی طرح ہوجائے گا حتی کہ اگر وہ ثمن میں کمی کردے، پھر مالک بیع کی اجازت دے دے تو بیع بھی ثابت ہوگی اور ثمن کی کمی بھی ثابت

---

(۱) مجمع الانہر ۲/ ۹۴، ۹۵، طبع العثمانیہ، البحر الرائق ۶/ ۱۶۰ طبع العلمیہ، جامع الفصولین ۱/ ۲۳۰ طبع بولاق۔

(۲) العنایہ مع فتح القدیر ۵/ ۳۱۳ طبع الامیریہ، تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۶ طبع دار المعرفہ، البحر الرائق ۶/ ۱۶۰ طبع العلمیہ۔

(۱) مجمع الانہر ۲/ ۹۵، ۳۱۴ طبع العثمانیہ۔

(۲) مجمع الانہر ۲/ ۹۵ طبع العثمانیہ، فتح القدیر ۵/ ۳۱۴ طبع الامیریہ۔

ہوگی، خواہ مالک کو کم کرنے کا علم رہا ہو یا نہ رہا ہو، لیکن اگر کم کرنے کا علم اس کو اجازت کے بعد ہوا تو اس کے لئے خیار ثابت ہوگا، اس کی وجہ (جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے) یہ ہے کہ وہ اجازت کے سبب وکیل کی طرح ہوجاتا ہے، اور اگر وکیل ثمن کم کردے تو مؤکل خریدار سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا، تو یہی حکم یہاں بھی ہوگا[1]۔

۱۲ - مالکیہ نے بیع فضولی کی صحت کے لئے تین شرطیں لگائی ہیں:

اول: مالک، مجلس بیع میں حاضر نہ ہو، لیکن شہر میں حاضر ہو یا شہر سے باہر قریب ہو اتنا دور نہ ہو کہ اس کی آمد یا اس کے مشورہ کا انتظار کرنے میں ضرر ہو۔ اگر وہ مجلس بیع میں حاضر ہو اور خاموش رہے تو بیع اس پر لازم ہے، اور فروخت کرنے والے کو ثمن مل جائے گا، اور اگر تقریباً سال گزر گیا، اور مالک نے فروخت کرنے والے فضولی سے ثمن کا مطالبہ نہیں کیا تو فروخت کرنے والے کے ذمہ اس کا کچھ نہیں[2]۔ اور سکوت کی صورت میں اس کی ناواقفیت عذر نہیں اگر وہ اس کا دعویٰ کرے۔ مالک فضولی سے ایک سال گزرنے سے قبل تک ثمن کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور اگر سال گزر جائے اور وہ خاموش ہو تو ثمن میں اس کا حق ساقط ہوجائے گا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی موجودگی میں بیع ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس کی عدم موجودگی میں بیع ہوئی تو ایک سال تک وہ بیع کو توڑ سکتا ہے، اور ایک سال گزرنے پر توڑنے کا اس کا حق ساقط ہوجائے گا۔

ثمن میں اس کا حق مدت حیازہ گزرنے سے قبل ساقط نہیں ہوتا، اور مدت حیازہ: دس سال ہے[3]۔

دوم: یہ ہے کہ فضولی کی بیع عقد صرف نہ ہو، اور اگر "صرف" کے معاملات میں فضولی نے بیع کی تو اسے فسخ کردیا جائے گا۔

سوم: یہ ہے کہ غیر وقف میں ہو۔ اگر وقف میں ہو تو باطل ہے، واقف کی رضامندی پر موقوف نہیں، گو کہ ملکیت اسی کی ہو[1]۔

۱۳ - مالکیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مالک کو حق ہے کہ بیع فضولی کو توڑ دے، خواہ فضولی غاصب ہو یا کوئی اگر مبیع فوت نہ ہوئی ہو، لیکن اگر عین مبیع جاتی رہی تو فضولی کے ذمہ اس کے ثمن اور قیمت میں جو زائد ہے وہ واجب ہوگا[2]۔

مالکیہ نے کہا: جس شخص نے فضولی سے خریدا ہے وہ مالک کے علم میں آنے سے پہلے اس چیز کی آمدنی اور پیداوار کا حقدار ہوگا، بشرطیکہ خریدار کو اس بات کا علم نہ ہو کہ بیچنے والے نے مالک کے حق پر زیادتی کی ہے یا وہاں کوئی ایسا شبہ ہو جو فروخت کرنے والے سے زیادتی کی نفی کرتا ہو، کیونکہ مثلاً وہ بچوں کا پرورش کرنے والا ہے مثلاً ماں، جو بچوں کی دیکھ ریکھ اور نگرانی کرتی ہے یا وہ مالک کے سبب میں ہے، یعنی ان لوگوں میں ہے جو مالک کی جانب سے اس کے کاموں کی انجام دہی کرتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مالک کا وکیل ہے، پھر مالک آجائے اور اس کا انکار کردے وغیرہ، اس کی دلالت مسئلہ یمین سے ہوتی ہے کہ یہ قسم کھائے کہ فلاں سے فروخت نہیں کرے گا، پھر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کردیا۔ جو اس کے سبب میں سے ہے[3]۔

مالکیہ کی کتابوں میں ایک اور حکم مذکور ہے جس کو مالکیہ نے

---

(۱) جامع الفصولین ۱/ ۲۳۱ طبع الامیریہ۔
(۲) الزرقانی ۵/ ۱۹ طبع الفکر۔
(۳) الشرح الکبیر ۳/ ۱۲ طبع الفکر، الشرح الصغیر ۳/ ۲۶ طبع دار المعارف۔

(۱) الزرقانی ۵/ ۱۹ طبع الفکر۔
(۲) الزرقانی ۵/ ۱۹ طبع الفکر، الدسوقی ۳/ ۱۲ طبع الفکر، جواہر الإکلیل ۲/ ۵ طبع دار المعرفہ۔
(۳) الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۵/ ۱۸ طبع صادر، الزرقانی ۵/ ۱۹ طبع الفکر، الدسوقی مع الشرح الکبیر ۳/ ۱۲ طبع الفکر۔

جواز پر متفرع کیا ہے، غیر مالکیہ نے اس کی صراحت نہیں کی۔ اور وہ بیع پر فضولی کے اقدام کا حکم ہے۔ چنانچہ دسوقی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے، ایک قول: اس کی ممانعت کا ہے، دوسرا قول: اس کے جواز کا، اور تیسرا قول: عقار (جائیداد غیر منقولہ) میں ممانعت، اور ''عروض'' (اموال منقولہ) میں جواز کا ہے[1]۔

۱۴ - شافعیہ کے یہاں بیع فضولی کے بطلان کا قول ہی صحیح ہے، جس کی صراحت امام شافعیؒ کی فقہ جدید میں کر دی گئی ہے اور اسی کو صاحب المہذب، جمہور عراقیوں، اور بکثرت یا اکثر خراسانیوں نے قطعی کہا ہے جیسا کہ ''المجموع'' میں ہے۔

مالک کی اجازت پر موقوف ہو کر اس کے انعقاد کا قول: قول قدیم ہے، جس کو خراسانیوں اور عراقیوں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، نیز ان ہی میں سے المحاملی نے ''اللباب'' میں، اور شاشی اور صاحب البیان نے یہ بات کہی ہے۔

رہا امام الحرمین کا یہ قول کہ عراقی اس قول سے ناواقف ہیں اور وہ اس کو قطعاً باطل کہتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد: متقدمین عراقی ہیں، جیسا کہ ''المجموع'' میں ہے۔ پھر جن جن لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے انہوں نے خاص طور سے مذہب قدیم سے نقل کیا ہے، ''بویطی'' میں امام شافعی کی نص وتصریح یہی ہے اور یہ ''جدید'' میں سے ہے، امام شافعی نے ''بویطی'' کے باب الغصب کے اخیر میں کہا: اگر عروہ بارقی کی روایت صحیح ہے تو جس نے بھی دوسرے کی مملوکہ شی کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا یا آزاد کر دیا، پھر مالک راضی ہو گیا، تو بیع اور عتق دونوں جائز ہیں، یہ امام شافعی کی صراحت ہے۔ حضرت عروہ بارقی کی حدیث جس کی نص گذر چکی ہے صحیح ہے، اس طرح جدید میں امام شافعی کے دو اقوال ہو گئے، ان میں سے ایک قدیم کے موافق ہے[1]۔

بیع فضولی کو موقوف قرار دینے کے قول پر شیخین (رافعی اور نووی) کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ خود بیع کی صحت مالک کی اجازت پر موقوف ہے، اور امام الحرمین نے فرمایا کہ بیع تو عقد کے وقت ہی درست ہے، مالک کی اجازت پر صرف ملکیت (کی منتقلی) موقوف ہے اور ''الأم'' میں وہ اسی پر چلے ہیں[2]۔

اجازت کے باب میں ان کے نزدیک اعتبار عقد کے وقت تصرف کے مالک کی اجازت ہے، لہذا اگر فضولی، بچہ کا مال فروخت کر دے، پھر وہ بالغ ہو اور اجازت دے تو نافذ نہ ہوگی۔

ان کے نزدیک بیع فضولی میں محل اختلاف (جیسا کہ نہایۃ المحتاج میں ہے) وہ صورت ہے جبکہ مالک حاضر نہ ہو، اور اگر دوسرے کا مال اس کی موجودگی میں فروخت کیا اور وہ خاموش ہے تو یہ بیع قطعاً درست نہیں ہوئی۔

شافعیہ کے نزدیک بطلان یا انعقاد کے اعتبار سے بیع فضولی میں مذکورہ اختلاف ہر اس شخص کے بارے میں جاری ہوگا جو دوسرے کی لڑکی کا نکاح کر دے یا دوسرے کی منکوحہ کو طلاق دے دے یا دوسرے کا گھر اجارہ پر دے دے یا اس کو ہبہ کر دے، اور یہ سب اس کی اجازت کے بغیر ہو[3]۔

۱۵ - حنابلہ کے یہاں مذہب (اور اسی پر اکثر اصحاب ہیں) یہ ہے کہ بیع فضولی صحیح نہیں، جیسا کہ ''الانصاف'' میں ہے، اور اسی میں یہ

---

(۱) الدسوقی ۱۲/۳ طبع الفکر، الفروق للقرافی ۲/ ۲۴۴ طبع دار المعرفہ۔

(۱) المجموع ۹/ ۲۵۹ طبع السلفیہ، مغنی المحتاج ۲/ ۱۵ طبع الحلبی، فتح الباری ۶/ ۶۳۲ طبع الریاض، سنن بیہقی ۶/ ۱۱۲ طبع اول۔
حدیث عروہ کی تخریج فقرہ ۸ کے تحت آچکی ہے۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۴۷ طبع دار صادر۔

(۳) المجموع ۹/ ۲۶۰ طبع السلفیہ، نہایۃ المحتاج ۳/ ۳۹۱ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، روضۃ الطالبین ۳/ ۳۵۳ طبع المکتب الاسلامی۔

بھی ہے کہ اسی کو "الوجیز" وغیرہ میں قطعی کہا ہے، اور الفروع، المحرر، الرعایتین، الحاویین اور النظم وغیرہ میں اسے مقدم کیا ہے۔

صاحب کشاف القناع نے لکھا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں، حتی کہ اگر مالک حاضر ہو اور خاموش رہے، پھر اس کے بعد اس کی اجازت دے دے تو بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ شرط فوت ہوچکی ہے یعنی وقت بیع، ملکیت اور اجازت فوت ہے [(۱)]۔

رہی وہ روایت جو بیع فضولی کو صحیح قرار دے کر اس کو مالک کی اجازت پر موقوف کرتی ہے تو اس کو صاحب "الفائق" نے اختیار کیا، جیسا کہ "الانصاف" میں ہے، وہ لکھتے ہیں: اجازت سے قبل قبضہ کرنا اور قبضہ دلانا نہیں ہے [(۲)]۔

ب-خریداری میں فضولی کا تصرف:

۱۶- حنفیہ کا مذہب ہے کہ فضولی کی خریداری اجازت پر موقوف نہیں اگر عقد کرنے والے پر نافذ ہوسکے، اور اگر نافذ نہ ہوسکے تو موقوف ہوگی، جیسا کہ اس بچہ کی خریداری جس کے تصرفات پر پابندی عائد ہو اور خریداری خریدار پر اس وقت نافذ ہوگی جبکہ اس کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کیا ہو، اور خریداری اس پر نافذ ہوسکے، اور دوسرے کی طرف سے پہلے سے خریدار کے لئے توکیل نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو خریداری موقوف ہوگی، اور وکالت کی صورت میں مؤکل پر نافذ ہوگی، کیونکہ "شرح الطحاوی" میں مذکور ہے: اگر کسی نے کسی دوسرے کے لئے کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر خرید لی تو اس کا خرید کردہ سامان اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے خریدا ہے، وہ اجازت دے یا نہ دے۔ لیکن اگر دوسرے کی طرف منسوب کرے، مثلاً بیچنے والے سے کہے: اپنا غلام فلاں کے ہاتھ بیچ دو۔ اس نے کہا: میں نے بیچ دیا، اور خریدار نے اس بیع کو فلاں کے لئے قبول کرلیا تو یہ خریداری موقوف ہوگی [(۱)]۔

۱۷- مالکیہ کے یہاں فضولی کی خریداری اس کی بیع کی طرح ہے، یعنی جس کے لئے خریداری کی گئی اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر وہ خریداری کی اجازت نہ دے تو سامان خریدار (فضولی) پر لازم ہوگا۔ اگر ثمن اس شخص کے مال میں سے ادا کیا گیا ہو جس کے لئے خریداری کی گئی ہے تو وہ عدم اجازت کی حالت میں فروخت کرنے والے سے واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ الا یہ کہ فضولی (جس نے خریدا) نے خریداری کے وقت گواہ بنادیا ہو کہ اس نے فلاں شخص ہی کے لئے اس کے مال سے خریدا ہے، اور فروخت کرنے والے کو اس کا علم ہو یا وہ خریدار کی بات کی تصدیق کرے یا اس بات پر بینہ قائم ہوجائے کہ جس چیز کے ذریعہ خریدا ہے، وہ جس کے لئے خریداری ہوئی ہے اس کی ملکیت ہے، اگر مشتری لہ (جس کے لئے خریداری کی گئی) اپنا مال لے لے اور خریداری کی اجازت نہ دے، تو اس صورت میں بیع ٹوٹ جائے گی جبکہ بائع نے تصدیق کی ہو، لیکن اگر یہ بینہ قائم ہوا تھا کہ مال مشتری لہ کا ہے تو بیع نہیں ٹوٹے گی، بلکہ بیچنے والا، خریدنے والے فضولی سے ثمن کا مثل وصول کرے گا، اور ابن القاسم اور اصبغ کے قول کے مطابق اس پر بیع لازم ہوگی۔

ابن الماجشون نے کہا: اعتبار مشتری لہ (جس کے لئے خریداری کی گئی ہے) کے قول کا ہے، لہذا اس سے قسم لی جائے گی کہ

---

(۱) الانصاف ۴/ ۲۸۳ طبع التراث، الفروع ۴/ ۲۶۶، ۲۶۷ طبع المنار، المحرر ۱/ ۳۱۰ طبع المحمدیہ، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۳ طبع الفکر، کشاف القناع ۳/ ۱۵۷ طبع النصر۔

(۲) الانصاف ۴/ ۲۸۳ طبع التراث، الفروع ۴/ ۲۶۷ طبع المنار، المحرر ۱/ ۳۱۰ طبع محمدیہ، المقنع ۲/ ۸، طبع السلفیہ، المغنی ۴/ ۲۲۷ طبع الریاض۔

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۱۰۳ طبع دار المعرفہ، نتائج الافکار ۵/ ۳۱۱ طبع الامیریہ، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۶ طبع المصریہ۔

اس نے خریدار کو حکم نہیں دیا، اور وہ اپنا مال خریدار یا فروخت کرنے والے میں سے جس سے چاہے لے لے گا، اگر وہ فروخت کرنے والے سے واپس لے تو وہ فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ خریدار سے واپس لے لے اور خریداری اس پر لازم کردے، اور اگر اس خریدنے والے فضولی سے لیا تو وہ فروخت کرنے والے سے واپس نہیں لے سکتا[۱]۔

۱۸- شافعیہ نے فضولی کی خریداری کے بارے میں تفصیل لکھی ہے، اس لئے کہ فضولی یا تو دوسرے کے لئے دوسرے کے عین مال سے خریدے گا یا دوسرے کے لئے اس کے ذمہ میں واجب سے خریدے گا یا دوسرے کے لئے، خود اپنے مال سے خریدے گا: اگر دوسرے کے لئے دوسرے کے عین مال سے خریدے تو اس میں دو اقوال ہیں: قول جدید یہ ہے کہ خریداری باطل ہے اور قول قدیم یہ ہے کہ یہ خریداری دوسرے کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ذمہ میں خریدا تو دیکھا جائے: اگر مطلق رکھے یا نیت کرے کہ وہ چیز دوسرے کے لئے ہے تو جدید قول میں مباشر یعنی خریدار کے لئے ہوگی، اور قدیم قول میں اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ رد کردے تو فضولی کے حق میں نافذ ہوگی، اور اگر کہے: میں نے فلاں کے لئے ایک ہزار کے عوض خریدا جو اس کے ذمہ میں ہوگا تو یہ دوسرے کے عین مال سے خریدنے کی طرح ہے۔ اور اگر صرف یہ کہا: فلاں کے لئے ایک ہزار میں خریدا، اور ثمن کو اس کے ذمہ کی طرف منسوب نہیں کیا، تو جدید کے مطابق دو "وجہیں" ہیں، اول: عقد لغو ہے، دوم: بذات خود عقد کرنے والے کی طرف سے خریداری ہوگی، اور قول قدیم میں فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر وہ رد کردے تو اس میں دو "وجہیں" ہیں۔

اگر کوئی چیز دوسرے کے لئے خود اپنے مال سے خریدی تو دیکھا جائے گا: اگر اس کا نام نہیں لیا تو مباشر (خود خریداری کرنے والے) کی طرف سے عقد ہوگا، خواہ دوسرا شخص اجازت دے یا نہ دے، اور اگر اس کا نام لیا ہو تو دیکھا جائے گا اگر اس نے اجازت نہیں دی تو نام لینا لغو ہوا، اور کیا خود اس کی طرف سے عقد ہوگا یا باطل ہوجائے گا؟ دو "وجہیں" ہیں۔ اور اگر وہ اس کی اجازت دے دے تو کیا تسمیہ لغو ہوگا، دو "وجہیں" ہیں، اگر ہم کہیں: ہاں، تو کیا بالکلیہ باطل ہوگا یا مباشر (بذات خود خریداری کرنے والے) کی طرف سے ہوجائے گا؟ اس میں دو "وجہیں" ہیں، اگر ہم کہیں: نہیں، تو اجازت دینے والے کی طرف سے ہوگا، اور کیا دیا گیا ثمن قرض ہوگا یا ہبہ؟ دو "وجہیں" ہیں[۱]۔

۱۹- حنابلہ کے نزدیک فضولی کی خریداری صحیح نہیں، الا یہ کہ اپنے ذمہ میں خریدے اور کسی شخص کے لئے جس کا نام نہ لیا ہو خریداری کی نیت کرے تو یہ خریداری صحیح ہے، خواہ ثمن دوسرے کے مال سے ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس لئے کہ اس کا ذمہ قابل تصرف ہے۔ اور اگر اس کا نام لے لیا یا دوسرے کے لئے اس کے عین مال سے خریدا تو خریداری صحیح نہیں ہوگی، پھر اگر خریداری کی وہ شخص اجازت دے دے جس کے لئے خریدا گیا ہے تو وہ اس کا اسی وقت سے مالک ہوجائے گا جب اس کے لئے خریداری کی گئی، اس لئے کہ اسی کے لئے خریدی گئی ہے تو یہ اس صورت کے مشابہ ہوگا جب اس کی اجازت سے خریداری ہوئی، اس لئے اس کے منافع اور بڑھوتری اسی کے لئے ہوگی، اور اگر وہ اجازت نہ دے تو خریداری عاقد کے لئے

(۱) مواہب الجلیل ۴/ ۲۷۲ طبع النجاح، حاشیۃ العدوی بہامش الخرشی ۵/ ۱۸ طبع دار صادر۔

(۱) روضۃ الطالبین ۳/ ۳۵۳، ۳۵۴ طبع المکتب الاسلامی، المجموع ۹/ ۲۶۰ طبع السلفیہ۔

ہوگی، اور اس کا حکم اس پر لازم ہوگا، جیسا کہ اگر غیر کی نیت نہ کی ہو، اور جس کے لئے نیت کی ہے اس کے سامنے پیش کرنے سے قبل اس کے لئے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں [1]۔

(۱) شرح منتہی الإرادات ۲/ ۱۴۳، ۱۴۴ طبع دار الفکر، کشاف القناع ۳/ ۱۵۷، ۱۵۸ طبع النصر۔

بیع مالم یقبض

۱- حضرت ابن عباسؓ سے مروی صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه'' (جو اناج خریدے قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرے)، ایک روایت میں ہے: ''حتی یکتاله'' (یہاں تک کہ اس کو ناپ لے)۔ ایک اور روایت میں ہے: ''حتی یستوفیه'' (یہاں تک کہ اس کو وصول کرلے)۔ راوی حدیث حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر چیز اناج ہی کے مثل ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: ''إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه'' [1] (جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔

قبضہ سے قبل مبیع کو فروخت کرنے کے بارے میں فقہاء کے چند مذاہب ہیں:

(۱) حدیث: ''من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه......'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۴۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۰ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے الفاظ ''حتی یکتاله'' کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۰) نے کی ہے، الفاظ ''حتی یستوفیه'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۴۹) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۰) نے کی ہے ایک روایت میں ہے: ''إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه......'' جس کی روایت احمد (المسند ۳/ ۴۰۲ طبع المیمنیہ) نے کی ہے۔

۲- شافعیہ کا مذہب، امام ابو یوسف کا قول اول، امام محمد کا قول اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ[۱] قبضہ سے قبل مبیع کو فروخت کرنا صحیح نہیں، خواہ منقول ہو یا جائیداد غیر منقولہ، گو کہ بائع اجازت دے دے اور ثمن پر قبضہ کر چکا ہو۔ اس کی دلیل حکیم بن حزامؓ کی یہ روایت ہے: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں کچھ چیزیں خریدتا ہوں ان میں سے میرے لئے کیا حلال اور کیا حرام ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا إشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه"[۲] (جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندک"[۳] (ایک ساتھ قرض اور بیع حلال نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں حلال ہیں، نہ اس چیز کا نفع حلال ہے جو آدمی کے ذمہ نہ ہو اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو آپ کے پاس نہ ہو)۔

"غیر مضمون کے نفع" سے مراد: قبضہ سے قبل فروخت کی گئی چیز کا نفع ہے[۴]۔ مثلاً کوئی سامان خریدے اور بائع کی طرف سے اس پر قبضہ ملنے سے قبل دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ بیع باطل ہے اور اس کا نفع ناجائز ہے، اس لئے کہ مبیع بائع اول کے ضمان میں ہے، اس سے خریدنے والے کے ذمہ میں نہیں، اس لئے کہ قبضہ نہیں ہے[۱]۔

نیز زید بن ثابت کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم"[۲] (نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سامانوں کو اس جگہ فروخت کیا جائے جہاں خریدے گئے ہیں، یہاں تک کہ تاجر اس کو اپنے قبضہ میں کر لیں)۔ اور تاجر کے محفوظ کرنے سے مراد قبضہ کا پایا جانا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے[۳]۔

نیز اس لئے کہ قبضہ سے قبل ملکیت کمزور ہے، کیونکہ مبیع کے تلف ہونے سے عقد فسخ ہو جاتا ہے[۴]۔ شافعیہ نے قبضہ سے قبل بیع سے ممانعت کی علت یہی بتائی ہے[۵]۔

حنابلہ نے اس روایت کی بنا پر (جس کو ان کے ایک امام ابن عقیل نے اختیار کیا ہے) عدم جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس پر ملکیت مکمل نہیں ہوئی، لہذا اس کی بیع ناجائز ہے، جیسا کہ اگر مبیع غیر متعین ہو اور جیسا کہ مبیع کیلی یا وزنی ہو[۶]۔

۳- حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اموال منقولہ کی بیع اس پر قبضہ سے قبل صحیح نہیں ہے اگر چہ فروخت کرنے والے کے ہاتھ ہی کیوں نہ ہو[۷]۔

---

(۱) دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۳۷، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۲، المغنی ۴/ ۲۲۱، الشرح الکبیر ۴/ ۱۱۷، یہ روایت امام احمد سے ہے جس کو ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔

(۲) حدیث حکیم بن حزامؓ: "إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه" کی تخریج فقرہ/ ۱ کے تحت آ چکی ہے۔

(۳) حدیث: "لا يحل سلف و بيع......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۳۵ طبع الحلبی) نے کی ہے ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) کشاف القناع ۳/ ۲۴۲۔

(۱) نیل الاوطار ۵/ ۱۸۰۔

(۲) حدیث زید بن ثابتؓ: "نهى النبي ﷺ أن تباع السلع حيث تباع" کی روایت ابوداؤد (۳/ ۷۶۵ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (موارد الظمآن رص ۲۷۴ طبع السلفیہ)۔

(۳) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۲۱۲۔

(۴) تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۱، نیز دیکھئے: شرح المحلی ۲/ ۲۱۳، شرح المنہاج ۳/ ۱۶۲۔

(۵) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۳۔

(۶) المغنی ۴/ ۲۲۱۔

(۷) الدر المختار و رد المحتار ۴/ ۱۶۲۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو اپنی مختلف روایات کے ساتھ ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ سے قبل مبیع کی بیع سے ممانعت ہے۔

نیز اس لئے کہ قبضہ سے قبل بیع میں عقد اول کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اس صورت میں کہ مبیع بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوجائے۔ اور اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہوجائے تو عقد فسخ ہوجاتا ہے، اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس نے غیر مملوکہ چیز کی بیع کی ہے اور غرر حرام ناجائز ہے، اس لئے کہ حدیث ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الحصاة، و عن بيع الغرر" [1] (نبی کریم ﷺ نے کنکری کی بیع اور غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

حنفیہ کے یہاں منقولات میں اناج اور غیر اناج کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے، اس لئے کہ ابن عباس نے، جیسا کہ گزرا فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر چیز اسی کی طرح ہے، یعنی اناج کی طرح۔

حضرت ابن عباس کے قول کی تائید ابن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں نے بازار میں تیل خریدا اور جب میں اس کو قطعی کرچکا تو مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھے اس میں اچھا نفع دیا، اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ہاتھ پر ماردوں (یعنی اس کے ایجاب کو قبول کرکے عقد سے اتفاق کرلوں) تو پیچھے سے ایک صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ زید بن ثابتؓ ہیں، انہوں نے فرمایا: اسے خریدنے کی جگہ فروخت نہ کرو، یہاں تک کہ تم اس کو اپنی قیام گاہ پر محفوظ کرلو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ سامانوں کو ان کے خریدنے کی جگہ فروخت کیا جائے، یہاں تک کہ تاجر ان کو اپنی قیام گاہوں میں محفوظ کرلیں'' [1]۔

عدم صحت سے مراد یہاں: فساد ہے بطلان نہیں، کیونکہ صحت کی نفی میں ان دونوں کا احتمال ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں ظاہر فساد ہی ہے، اس لئے کہ فساد کی علت: غرر ہے، بیع کے دونوں ارکان موجود ہیں اور بکثرت فاسد کو باطل کہہ دیا جاتا ہے [2]۔

حنفیہ میں شیخین (امام ابو حنیفہ و ابو یوسف) جائیداد غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے قبل استحسانا جائز قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال: جواز بیع کے عمومی دلائل سے ہے جن میں کوئی تخصیص نہیں، اور کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے ناجائز ہے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ میں ہلاکت کے ذریعہ عقد کے فسخ ہونے کا وہم نہیں ہوتا، برخلاف اموال منقولہ کے، نیز اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ کو حوالہ کرنے پر قدرت حاصل ہے، اور پانی اور ریت کے بھر جانے سے اس کی تباہی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور نادر کا اعتبار نہیں۔

اس کی ایک دلیل: قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف پر قیاس کرنا بھی ہے، اس لئے کہ وہ جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی غرر نہیں، جیسا کہ مہر، بدل خلع، بدل عتق اور بدل صلح عن دم العمد (عمداً خون کرنے کے سلسلہ میں صلح کا بدل) میں تصرف کرنا۔ اس لئے کہ تصرف کی اجازت دینے والی چیز ملکیت ہے اور وہ پائی گئی، لیکن حتی الامکان غرر سے احتراز واجب ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جس میں غرر کا تصور ہو اور وہ منقول مبیع ہے، غیر منقولہ جائیداد نہیں [3]۔

---

(۱) دیکھئے: الہدایہ و شرح العنایہ ۶/ ۱۳۵، ۱۳۶، تبیین الحقائق ۴/ ۸۰۔
حدیث: "نهى عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: ''نهى أن تباع السلع حيث تباع.....'' کی تخریج فقرہ/ ۲ کے تحت آچکی ہے۔
(۲) ردالمحتار ۴/ ۱۶۳، نیز دیکھئے: الدرالمختار اسی مقام پر۔
(۳) تبیین الحقائق ۴/ ۸۰ تصرف کے ساتھ، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۴، اور اس کے بعد کے صفحات، المبسوط ۱۳/ ۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الہدایہ ۶/ ۱۳۷، ۱۳۸۔

امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے غیر منقولہ جائیداد میں بھی، قبضہ سے قبل بیع کی اجازت نہیں دی، اور یہی امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے، اور امام شافعی کا قول ہے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے [1]۔ اس کی دلیل، حدیث کا مطلق ہونا اور اموال منقولہ پر قیاس ہے۔

نیز ایک دلیل اجارہ پر بھی قیاس ہے، کیونکہ اجارہ جائیداد غیر منقولہ میں قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اور دونوں میں مشترک علت یہ ہے کہ دونوں میں غیر مضمون کا نفع پایا جارہا ہے، اس لئے کہ فروختگی میں مقصود نفع ہے، اور غیر مضمون کا نفع شرعاً ممنوع ہے، اور ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے، لہذا قبضہ سے قبل بیع فاسد ہوگی، کیونکہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے [2]۔

۴- مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیع کو حرام وفاسد کرنے والی چیز صرف کھانے والی چیز کی فروختگی ہے، دوسری چیزوں کی بیع کا قبضہ سے قبل یہ حکم نہیں، خواہ کھانے والی چیز اموال ربویہ میں سے ہو، مثلاً گیہوں یا اموال ربویہ میں سے نہ ہو، مثلاً مالکیہ کے نزدیک سیب۔

رہی وہ چیزیں جو کھائی نہیں جاتیں ان کی بیع قبل قبضہ جائز ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث ہے: [3] "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" (جو طعام خریدے، اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلے)، نیز اس لئے کہ کھانے والی چیزوں میں اکثر تغیر پیدا ہوجاتا ہے، دوسری چیزوں میں نہیں [4]، لیکن مالکیہ نے اس نوعیت کی بیع کے فساد کے لئے دو شرطیں لگائی ہیں:

الف- یہ کہ طعام معاوضہ کے طور پر لیا گیا ہو، یعنی کسی چیز کے مقابلہ میں ہو، مثلاً اجارہ کے ذریعہ یا خریداری یا صلح کے ذریعہ یا جنایت کے تاوان میں لیا گیا ہو، یا کسی عورت کو اس کے مہر میں ملا ہو یا ان کے علاوہ اور کوئی معاوضہ کی شکل ہو، ایسے طعام کی فروختگی اس پر قبضہ سے پہلے جائز نہیں [1]۔

لیکن اگر اس کے پاس طعام میراث یا ہبہ وغیرہ کے طور پر آجائے (جن کو عوض میں نہیں لیا جاتا) تو قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہے۔

ب- یہ کہ معاوضہ کیل یا وزن یا تعداد کے ذریعہ ہو، یعنی اس کو کیل کے ذریعہ خریدے، اور قبضہ سے قبل اس کو فروخت کردے، خواہ اس کو اٹکل سے فروخت کرے یا کیل سے، لیکن اگر اٹکل سے خریدے، پھر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کردے تو اس کی بیع جائز ہے، خواہ اس کو اٹکل سے فروخت کرے یا کیل سے [2]، لہذا اگر طعام ناپ سے خریدے تو قبضہ سے قبل اس کی بیع نہ اٹکل سے جائز ہے نہ ہی ناپ کر۔

اور اگر اس کو اٹکل سے خریدے تو قبضہ سے قبل مطلقاً جائز ہے، اٹکل سے ہو یا کیل سے [3]۔

۵- حنابلہ کے مذہب میں قبضہ سے قبل جن اموال کی بیع ممنوع ہے

---

(۱) دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۳۷۔

(۲) الہدایہ مع شرح العنایہ ۶/ ۱۳۷۔

(۳) حدیث: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه......" کی تخریج فقرہ/ ۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۴) بدایۃ المجتہد لابن رشد ۲/ ۱۴۳۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۱، ۱۵۲، القوانین الفقہیہ / ۱۷۰، ۱۷۱۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۵۲، نیز دیکھئے: القوانین الفقہیہ / ۱۷۱۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۳۔

اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں جن میں بعض کا ذکر آچکا ہے[۱]۔

مثلاً ایک روایت ہے کہ طعام اور اس جیسی چیزوں کی بیع، قبضہ سے قبل مطلقاً جائز ہے، خواہ مکیل ہو یا موزون یا کوئی اور۔ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے کہ انہوں نے کیل یا وزن کی شرط لگائی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے[۲]۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث ہے: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه"[۳] (جو طعام خریدے اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلے)۔

نیز اثرم کے اس قول کی وجہ سے کہ میں نے ابوعبداللہ سے حدیث: "نهى عن ربح مالم يضمن" کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ طعام اور اس جیسی کھانے یا پینے والی چیز کا حکم ہے، لہذا اس کو قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے[۴]۔

نیز ابن عبدالبر نے کہا: اصح یہ ہے کہ جس چیز کی قبضہ سے قبل فروختگی سے روکا جاتا ہے وہ طعام ہی ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے طعام کو قبضہ سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ طعام کے علاوہ کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا مباح ہے[۵]۔

نیز حضرت ابن عمرؓ کے قول کی وجہ سے کہ میں نے دیکھا کہ جو لوگ اٹکل سے طعام خریدتے تھے انہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس بات پر مار پڑتی تھی کہ طعام کو اپنی قیامگاہوں میں لے جانے سے پہلے فروخت کریں[۱]۔

سابقہ حدیث کی وجہ سے: "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه"[۲] (جو اناج خریدے اس کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلے)۔

نیز حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کی وجہ سے: "ہم غلہ لاد کر لانے والوں سے اناج اٹکل سے خریدا کرتے تھے، تو رسول اللہ نے ہم کو منع فرمایا کہ اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے قبل فروخت کریں"[۳]۔

نیز ابن المنذر نے کہا: اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے اناج خریدا، اس کے لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز ہے[۴]۔

حنابلہ نے کہا: اگر وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوجائے تو اس کی بیع اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جیسا کہ قبضہ کے بعد ایسا کرنا جائز ہے۔

"الشرح الکبیر" میں اس کی یہ تشریح کی گئی ہے: اور یہ (حدیث "من ابتاع طعاما" جس نے اناج خریدا) بتاتی ہے کہ ممانعت ہر اناج میں عام ہے، ساتھ ہی اٹکل سے بیع کرنے کی ممانعت کی صراحت ہے۔ اور یہ حدیث اپنے مفہوم (مخالف) کے لحاظ سے بتاتی ہے کہ اناج کا حکم اس کے علاوہ میں دوسرا ہے[۵]۔

---

(۱) ماسبق میں امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب دیکھئے کہ اس میں ایک روایت احمد سے ہے۔
(۲) دیکھئے فقرہ سابق۔
(۳) حدیث "من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه" کی تخریج فقرہ ۱/ کے تحت آچکی ہے۔
(۴) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۱۶۔
(۵) حوالہ سابق۔

---

(۱) حوالہ سابق۔
(۲) دیکھئے فقرہ ۱/۔
(۳) حدیث: "كنا نشتري الطعام من الركبان جزافا....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔
(۴) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۱۶۔
(۵) الشرح الکبیر ۴/ ۱۱۶۔

امام احمد سے ایک اور روایت ہے کہ جو متعین ہو، مثلاً ڈھیر ناپے بغیر فروخت ہو، اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، اور جو غیر متعین ہو، مثلاً ڈھیر میں سے ایک قفیز، اور لوہے کے ٹکڑے میں سے ایک رطل [1]۔ اس کی بیع قبضہ سے قبل، بلکہ کیل یا وزن سے قبل ناجائز ہے۔

یہ روایت امام مالک کے سابقہ قول سے قریب ہے کہ جو اٹکل سے خریدی گئی ہے اس کی بیع جائز ہے۔ لیکن امام مالک مبیع کو طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

اس روایت کی وجہ ابن عمرؓ سے مروی یہ قول ہے کہ سنت رہی ہے کہ بیع کے وقت جو مال زندہ تھا اور مبیع میں شامل تھا اگر وہ تلف ہوگیا تو خریدار پر پڑے گا (بائع اس کا تاوان نہ دے گا) [2]۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو خریدار کے ضمان میں سے قرار دیا، حالانکہ خریدار نے قبضہ نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ متعین میں قبضہ سے قبل بیع ہوئی ہے [3]۔

نیز اس لئے کہ متعین مبیع میں سپرد کرانے کا حق متعلق نہیں ہوتا، لہذا وہ مال خریدار کے مال میں سے ہوگا، جیسا کہ غیر مکیل اور غیر موزون۔

امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے: کسی چیز کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اس روایت کے لحاظ سے وہ امام شافعی وغیرہ کے موافق ہیں جیسا کہ گزرا۔

---

(۱) زبرۃ: لوہے کا ٹکڑا، اس کی جمع: زُبَر ہے، جیسے "غرفۃ" کی جمع: "غرف" ہے، دیکھئے: المصباح المنیر مادۃ ''زبر''۔

(۲) قول ابن عمرؓ: "مضت السنة أن ما أدركته الصفقة حيا مجموعا فهو من المبتاع" کو بخاری نے اپنی صحیح (فتح الباری ۳۵۱/۴ طبع السلفیہ) میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، ابن حجر نے تغلیق التعلیق (۲۴۳/۳ طبع المکتب الاسلامی) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) الشرح الکبیر ۱۱۵/۴۔

مذہب حنابلہ کی روایت ہے [1]: مکیل، موزون، معدود اور مذروع میں فروخت کرنے والے کی طرف سے قبضہ میں لینے سے قبل، خریدار کا تصرف صحیح نہیں [2]، یہ حضرت عثمان بن عفانؓ، سعید بن المسیب، حسن، حکم، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی اور اسحاق سے بھی مروی ہے [3]۔

مکیل، موزون اور اس جیسی چیزوں اور ان کے علاوہ کے درمیان فرق کے بارے میں اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مذکور میں قبضہ سے قبل طعام کی بیع سے ممانعت ہے، اور طعام کا اس وقت اکثر استعمال: کیلی اور وزنی چیز کے لئے تھا، معدود اور مذروع کو ان دونوں پر اس وجہ سے قیاس کیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی سپرد کرانے کے حق کی احتیاج ہے [4]۔ خواہ معدود متعین ہو، مثلاً ڈھیر یا غیر متعین، مثلاً ڈھیر میں سے ایک قفیز۔

رہا مکیل وموزون اور اس جیسی چیزوں کے علاوہ میں تو قبضہ سے قبل اس میں تصرف کرنا جائز ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے: "أتيت النبي ﷺ فقلت: إني أبيع الإبل بالبقيع، فأبيع بالدنانير وآخذ الدراهم، وأبيع بالدراهم وآخذ الدنانير، فقال: لا بأس أن تأخذ بسعر يومها، مالم تفترقا وبينكما شيء" [5] (میں نے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر

---

(۱) دیکھئے: الانصاف ۶۰/۴، ۶۱، یہی مذہب ہے اسی پر اصحاب ہیں، یہی مذہب میں مشہور ہے۔

(۲) المغنی ۲۱۷/۴ اور اس کے بعد کے صفحات، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۱۵/۴، کشاف القناع ۲۴۱/۳۔

(۳) المغنی ۲۲۰/۴۔

(۴) کشاف القناع ۲۴۱/۳۔

(۵) حدیث ابن عمرؓ: "لا بأس أن تأخذ بسعر يومها، مالم تفترقا وبينكما شيء" کی روایت ابوداؤد (۶۵۱/۳ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے، بیہقی نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر پر اس کے موقوف ہونے کا حکم لگایا ہے (تلخیص الحبیر لابن حجر ۲۶/۳ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

عرض کیا: میں ''بقیع'' میں اونٹ فروخت کرتا ہوں، دینار میں فروخت کرکے (اس کے بدلہ) درہم لیتا ہوں، اور درہم میں فروخت کرکے (اس کے بدلہ) دینار وصول کرتا ہوں، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس دن کے نرخ پر لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ جدائیگی پر دونوں کے درمیان کوئی چیز نہ رہ گئی ہو)۔

حنابلہ نے کہا: یہ قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف ہے، اور ثمن عوضین میں سے ایک ہے[1]۔

قبضہ سے قبل ممنوع تصرف کا ضابطہ:

۶ - قبضہ سے قبل شرعاً ممنوع تصرفات کے بارے میں فقہاء کے ضوابط مختلف ہیں:

الف - حنفیہ وحنابلہ کا متفق علیہ ضابطہ یہ ہے:

ہر عوض جو ایسے عقد سے ملکیت میں آئے جس پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی ہلاکت سے عقد فسخ ہوجاتا ہے اس میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں، اور جس چیز کی ہلاکت سے عقد فسخ نہ ہو اس میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے[2]۔

اول کی مثال: مبیع، اجرت، بدل صلح عن دین (دین کے بارے میں صلح کا بدل) اگر ثمن اجرت اور بدل عین ہوں (حنفیہ کے نزدیک)، یا کیلی یا وزنی یا عددی ہوں (حنابلہ کے نزدیک)۔

دوم کی مثال: مہر اگر عین ہو (حنفیہ کے نزدیک)، اسی طرح بدل خلع، عتق علی مال (مال کی شرط پر آزادی)، بدل عن صلح دم العمد (قتل عمد کے سلسلہ میں صلح کا بدل)، اسی طرح جنایت کا تاوان اور تلف شدہ چیز کی قیمت، حنابلہ کے نزدیک ان دونوں میں یہ سب

(۱) المغنی ۴؍ ۲۲۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍ ۱۱۸۔

(۲) المغنی ۴؍ ۲۲۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍ ۱۱۸، ان سب کا الدر المختار و رد المحتار ۴؍ ۱۶۲ سے موازنہ کیا جائے۔

اگر عین ہوں تو اس پر قبضہ سے قبل بیع، اجارہ اور سارے تصرفات جائز ہیں[1]۔

حنابلہ نے اس ضابطہ کی علت یہ بیان کی ہے: تصرف کا تقاضہ کرنے والی چیز ملکیت ہے اور وہ پائی گئی، لیکن جس ملکیت میں اس بات کا وہم ہو کہ معقود علیہ (جس چیز کا عقد کیا گیا ہو) کی ہلاکت کا احتمال ہونے کی وجہ سے اس کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، ایسی ملکیت پر غرر سے بچنے کے لئے دوسرے عقد کی بنا جائز نہیں ہوگی اور جس ملکیت میں اس غرر کا وہم نہ ہو، اس سے مانع دور ہوگیا، لہذا اس پر دوسرے عقد کو مبنی کرنا جائز ہے[2]۔

ب - حنفیہ میں سے محمد بن الحسن نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے:

۱ - ہر ایسا تصرف جو قبضہ کے بغیر تام نہ ہو مثلاً ہبہ، صدقہ، رہن، قرض، اعارہ وغیرہ، مبیع پر قبضہ سے قبل جائز ہے۔

۲ - ہر تصرف جو قبضہ سے قبل تام ہوجاتا ہو مثلاً بیع، اجارہ، صلح عن الدین (دین کے بارے میں صلح کا بدل) اگر عین ہو وغیرہ، مبیع پر قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔

امام محمد کے نزدیک اس کی علت یہ ہے: (مثلاً) ہبہ چونکہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، لہذا موہوب لہ (جس کے لئے ہبہ کیا گیا) واہب (ہبہ کرنے والے) کا نائب ہوگیا، اور وہی وہ خریدار ہے جس نے اس کو مبیع قبضہ سے قبل ہبہ کیا ہے، پھر وہ اپنے لئے اس پر قبضہ کرنے والا ہوگیا، لہذا قبضہ کے بعد ہبہ مکمل ہوگا۔

برخلاف بیع وغیرہ (مثلاً) جو قبضہ سے قبل پوری ہوجاتی ہے، ان میں قبضہ سے قبل تصرف ناجائز ہے، اس لئے کہ جب دوسرے خریدار نے اس پر قبضہ کیا تو وہ پہلے خریدار کی طرف سے قبضہ

(۱) دونوں مذاہب کے ساتھ مراجع۔

(۲) المغنی ۴؍ ۲۲۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍ ۱۱۸۔

کرنے والا نہیں ہوا، کیونکہ بیع قبضہ پر موقوف نہیں، اور اس سے قبضہ سے قبل مبیع کی تملیک لازم آئے گی جو صحیح نہیں ہے [۱]۔

تمرتاشی نے اشارہ کیا ہے کہ اصح امام محمد کی رائے ہے [۲]۔

ج - مالکیہ میں سے دردیر نے قبضہ سے قبل طعام کی بیع کی ممانعت کا ضابطہ یہ لکھا ہے کہ بیع کے دوعقد یکے بادیگرے ہوں اور ان دونوں کے درمیان میں قبضہ نہ پایا جائے [۳]۔ مالکیہ کی رائے کے مطابق یہ ضابطہ طعام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ان کی رائے گذر چکی ہے کہ وہ لوگ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کو مطلق ربوی اطعمہ میں محصور کرتے ہیں۔

ابن جزی کے کلام سے جو ضابطہ اخذ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

ہر ایسا طعام جو معاوضہ میں لیا گیا ہو (اٹکل کے بغیر) اس پر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔ اور معاوضہ کے تحت خریداری، اجارہ، صلح، جنایت کا تاوان اور مہر وغیرہ آتے ہیں (جیسا کہ ذکر کیا گیا)، لہذا اس کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ ہاں وہ قبضہ سے قبل اس کو ہبہ کرسکتا ہے یا قرض کے طور پر دے سکتا ہے [۴]۔

مالکیہ کے یہاں: غیر جزاف (اٹکل کے بغیر) کی قید اس طعام کو نکالنے کے لئے ہے جسے ناپے، گنے اور تولے بغیر اٹکل سے فروخت کیا گیا ہے، کیونکہ قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ محض عقد کے ذریعہ وہ خریدار کے ضمان میں داخل ہوگیا ہے، لہذا وہ حکماً مقبوض ہے، اس لئے اس میں بیع کے دوعقد لگاتار نہیں آئے جن

(۱) ردالمحتار ۴/ ۱۶۲، ۱۶۳ تصرف کے ساتھ، نیز موضوع کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۳۶، ۱۳۷۔

(۲) الدرالمختار ۴/ ۱۶۲۔

(۳) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۵۲۔

(۴) القوانین الفقہیہ رص ۱۷۰، ۱۷۱۔

کے درمیان قبضہ نہ ہوا ہو [۱]۔

اسی طرح مالکیہ نے مطلق طعام معاوضہ کی بیع کے جواز کے لئے (اس پر قبضہ کی شرط کے ساتھ) یہ بھی شرط لگائی ہے کہ قبضہ اپنی طرف سے اپنے لئے نہ ہو، اگر اپنی طرف سے اپنے لئے ہوگا تو اس کی بیع ممنوع ہوگی، اس لئے کہ دوعقدوں کے درمیان ہونے والا یہ قبضہ عدم قبضہ کی طرح ہے [۲]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جواز کے لئے معتبر قبضہ قوی قبضہ ہے، لہذا اس کے بعد بیع طعام جائز ہے، رہا ضعیف قبضہ تو وہ عدم قبضہ کی طرح ہے، لہذا اس کے بعد جواز نہ ہوگا مثلاً:

اگر اس کو طعام کی بیع کا وکیل بنایا، اس نے اجنبی کے ہاتھ بیچ دیا اور طعام پر اجنبی کے قبضہ سے قبل وکیل نے اس سے اس کو اپنے لئے خرید لیا تو اپنے سے اس کی بیع ممنوع ہوگی، اس لئے کہ اس حالت میں وہ اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا۔

اسی طرح اگر اس کو طعام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے اس کو خرید کر اس پر قبضہ کرلیا، پھر اجنبی کے ہاتھ اس کو فروخت کردیا۔ پھر اس پر اجنبی کے قبضہ کرنے سے قبل اس سے خرید لیا تو اپنے سے اس کا خریدنا ممنوع ہے، اس لئے کہ اس حالت میں وہ اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا [۳]۔

اپنی طرف سے اپنے لئے قبضہ ہونے کی صورت میں بیع طعام کے عدم جواز سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر اپنی طرف سے قبضہ کرنے والا ایسا شخص ہو جو عقد کے دونوں اطراف کو انجام دینے والا ہو، مثلاً وصی، اپنے ماتحت دو یتیموں کے لئے یا والد اپنی دو چھوٹی اولاد

(۱) الشرح الکبیر ۳/ ۱۵۲، القوانین الفقہیہ ر ۱۷۱۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۵۲۔

(۳) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۲۔

کے لئے، کہ اس صورت میں ان میں سے کسی ایک کے طعام کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا، پھر اس کو اجنبی کے ہاتھ، اس کے قبضہ کرنے سے قبل اس شخص کے لئے فروخت کرنا جس کے لئے اس کو خریدا ہے جائز ہے [۱]۔

د-شافعیہ نے اس سلسلہ میں کوئی ضابطہ وضع نہیں کیا ہے، البتہ انہوں نے (اپنے مذہب کے اصح قول میں) قبضہ سے پہلے بطلان کے اعتبار سے بیع کے ساتھ دوسرے عقود کو لاحق کیا ہے، چنانچہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ اجارہ، رہن اور ہبہ (اگرچہ بائع کی طرف سے ہوں) باطل ہیں، لہذا یہ عقود صحیح نہیں ہونگے، اس لئے کہ نہی کی علت یعنی ملکیت کا ضعف ان میں موجود ہے، اسی طرح صدقہ، ہدیہ، بدل خلع، خون وغیرہ کے بارے میں صلح کا عوض، قرض، مضاربت اور شرکت وغیرہ کا حکم ہے [۲]۔

"المنہج" کی عبارت عام ہے، چنانچہ اس میں صراحت ہے: غیر مقبوض میں کوئی تصرف اگرچہ فروخت کرنے والے کے ساتھ ہو، جیسے بیع، رہن صحیح نہیں ہے، اور عقد کے سبب وہ چیز ضمان میں آ گئی [۳]۔

البتہ شافعیہ نے قبضہ سے قبل مبیع میں خریدار کے درج ذیل تصرفات کو صحیح قرار دیا ہے، اعتاق (آزاد کرنا)، وصیت، تدبیر (مدبر بنانا)، تزویج، وقف، قسمت افراز وتعدیل (رونہیں) کا تصرف، اور اسی طرح اُکل سے خریدے ہوئے طعام کو مباح کرنا، برخلاف اس صورت کے جبکہ طعام کو کیل سے خریدا ہو تو اس کی اباحت کے صحیح ہونے کے لئے اس کو ناپنا اور اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

شافعیہ نے اس کی توجیہ (خود شافعیہ کی تعبیر میں) یہ کی ہے کہ شارع کو حق کی خواہش ہے، اور بقیہ تصرفات اسی کے حکم میں ہیں۔

۷- نیز انہوں نے ثمن معین کو خواہ وہ دراہم ہو یا دنانیر یا ان کے علاوہ، قبضہ سے قبل تصرف کے فساد کے سلسلہ میں مبیع کے ساتھ لاحق کیا ہے، لہذا اس پر قبضہ سے قبل بائع اس کو فروخت نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس میں کوئی تصرف کرسکتا ہے، اس لئے کہ ممانعت عام ہے اور سابقہ توجیہ بھی اس کی دلیل ہے [۱]۔

بلکہ ابن حجر نے کہا: ہر عین جو عقد معاوضہ میں مضمون ہو اس کا یہی حکم ہے [۲]۔ یعنی قبضہ سے قبل اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔

رہے آدمی کے وہ اموال جو دوسرے کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہوں، مثلاً ودیعت (امانت رکھا ہوا مال)، مالِ شرکت، مال مضاربت، رہن رکھا ہوا مال رہن سے چھوٹنے کے بعد، مالِ وراثت، غنیمت میں سے جو مال مجاہد کی ملکیت میں آئے، مولیٰ علیہ (زیر ولایت نابالغ شخص) کے بلوغ رشد کے بعد، ولی کے ہاتھ میں باقی ماندہ مال اور اس طرح کے اموال، ان میں تصرف کا مالک ہے، اس لئے کہ ان تمام مذکورہ اموال میں ملکیت تام ہے [۳]۔

۸-شاید یہاں اس بات کی طرف اشارہ کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے ایک اور ضابطہ پیش کیا ہے جس کے نصف کو شافعیہ نے بیان کیا ہے، موصوف کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

وہ تصرفات جو عوض کے ساتھ ہوں، بیع کے ساتھ لاحق ہوں گے، لہذا ان کو انجام دینا قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اور وہ تصرفات جن میں عوض نہیں، وہ ہبہ کے ساتھ لاحق ہیں، لہذا ان کو

---

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۵۳۔
(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۳۔
(۳) دیکھئے: المنہج وشرحہ بحاشیۃ الجمل ۳/ ۱۶۱، ۱۶۲، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۲، ۴۰۳۔

(۱) دیکھئے: فقرہ/ ۱۰۔
(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۳۔
(۳) سابقہ حوالہ ۴/ ۴۰۳، ۴۰۴، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۳۔

قبضہ سے قبل انجام دینا جائز ہے، شوکانی نے اس رائے کو راجح قرار دیا اور اس کے ثبوت کے لئے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ قبضہ سے پہلے وقف کرنے اور آزاد کرنے کی صحت پر فقہاء کا اجماع ہے، اور غیر مقبوض کی بیع سے ممانعت کی علت (یعنی شبۂ ربا) سے بھی استدلال کیا ہے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ طاؤس نے ان سے نہی کا سبب دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا: اگر خریدار مبیع کو قبضہ سے قبل فروخت کردے اور مبیع بائع کے ہاتھ میں رہ جائے تو گویا کہ اس نے دراہم کو دراہم میں فروخت کردیا، لہذا اگر مثلاً سو دینار میں اناج خریدا، ثمن فروخت کرنے والے کے حوالہ کردیا اور اناج کو اس سے اپنے قبضہ میں نہیں لیا، پھر اس اناج کو ایک دوسرے شخص کے ہاتھ مثلاً ایک سو بیس میں فروخت کردیا تو گویا اس نے اپنے سونے کے بدلہ میں اس سے زائد سونا خرید لیا یعنی ایک سو میں ایک سو بیس کو خرید لیا۔

شوکانی نے کہا: ظاہر ہے کہ اس طرح کی علت اس تصرف پر منطبق نہیں جو بلاعوض ہو۔

غیر مقبوض کی فروختگی کی ممانعت کی جو علتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں یہ علت سب سے بہتر ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے مقاصد کو سب سے زیادہ جانتے تھے [1]۔

۹- بعض مالکیہ نے کہا: یہ نہی تعبدی ہے، دسوقی (مالکی) نے اشارہ کیا ہے کہ اہل مذہب کے نزدیک یہی صحیح ہے، اور اس کو "توضیح" سے نقل کیا ہے [2]۔

(۱) نیل الأوطار ۵/ ۱۶۰۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۵۱۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ معقول المعنی ہے، اس کی علت یہ ہے کہ اس کے ظاہر ہونے میں شارع کی ایک غرض ہے، یعنی سہولت سے اناج تک رسائی، تاکہ کمزور اور قوی ہر ایک اس کو حاصل کرسکے۔

اگر قبضہ سے قبل اس کی بیع جائز ہو تو اہل اموال بلاظاہر کئے اس کو ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کریں گے، اور خفیہ طور پر مالک سے اس کی خرید وفروخت کے امکان کی وجہ سے اناج مخفی ہوجائے گا، تو فقیر کی اس تک رسائی نہیں ہوگی، لیکن اگر اس سے روک دیا جائے تو اس کے ذریعہ کیل کرنے والا اور بوجھ لادنے والا فائدہ اٹھائے گا، اور فقیروں کے لئے کھلا ہوا سامنے ہوگا، تو اس سے لوگوں کے دل مضبوط ہونگے خصوصاً بھوک اور شدت کے زمانہ میں [1]۔

قبضہ کی تحدید اور اس کا تحقق:

۱۰- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر چیز پر قبضہ اس کے اعتبار سے ہے [2]۔

الف- اگر کیلی یا وزنی یا عددی یا ذرعی ہو تو اس پر قبضہ کیل یا وزن یا شمار یا ذراع (پیمائش) کے ذریعہ ہوگا۔ اس کی دلیل حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے انہوں نے کہا: "میں یہودیوں کے ایک خاندان سے جن کو "بنوقینقاع" کہا جاتا ہے، کھجور خریدتا اور نفع کے ساتھ فروخت کرتا تھا، حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یا عثمان: إذا ابتعت فاكتل، و إذا بعت فكل" [3]

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۵۱، ۱۵۲، حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۲/ ۱۳۵۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۲۰ میں ابن قدامہ کی صراحت ہے۔

(۳) حدیث: "یا عثمان اذا ابتعت فاکتل" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۴۴ طبع السلفیہ) نے تعلیقاً کی ہے اور احمد (۱/ ۶۲ طبع المیمنیہ) نے

(اے عثمان! جب تم خرید و تو ناپ کرلو، اور جب فروخت کرو تو ناپ کر دو)۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان: صاع البائع، و صاع المشترى"[1] (نبی کریم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس میں دو صاع جاری ہو: بیچنے والے کا صاع اور خریدنے والے کا صاع سے ناپ نہ لیا جائے)۔

مالکیہ نے "مثلی" پر قبضہ کے لئے شرط لگائی ہے کہ اس کو خریدار کے سپرد کردیا جائے اور اس کے برتنوں میں اس کو انڈیل دیا جائے[2]۔

ب۔ اگر اٹکل سے ہو تو اس پر قبضہ، اس کو منتقل کرنا ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: لوگ بازار کے اوپری حصہ میں اٹکل سے اناج کی خرید و فروخت کرتے تھے: "فنهاهم رسول الله ﷺ أن يبيعوه حتى ينقلوه" (تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کو منتقل کرلیں)۔ ایک روایت میں ہے: "حتى يحولوه"[3]

= موصولاً کی ہے ہیثمی (۴/ ۹۸ طبع القدسی) نے اس کو حسن کہا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن (۵/ ۳۱۵ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) میں اس کے قوی ہونے کا ذکر کیا ہے۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۲۰۔

حدیث: "نهى عن بيع الطعام حتى يجري فيه الصاعان، صاع البائع، وصاع المشتري" کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۵۰ طبع الحلبی) اور دار قطنی (۳/ ۸ طبع دار المحاسن) نے کی ہے، ابن حجر نے بیہقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے پھر کہا: کئی وجوہ (طرق) سے موصولاً مروی ہے ایک دوسرے سے مل کر وہ قوی ہو جاتی ہے۔

(۲) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۴۴۔

(۳) دیکھئے: المغنی ۴/ ۲۲۰۔

حدیث: "كانوا يتبايعون الطعام جزافا" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۵۰ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(یہاں تک کہ اس کو دوسری جگہ منتقل کرلیں)۔

ج۔ اگر منقول (سامان اور جانور) ہو تو اس پر قبضہ لوگوں کے عرف و رواج کے اعتبار سے ہوگا، جیسا کہ مالکیہ نے کہا: مثلاً کپڑے کو اپنے قبضہ میں لے لینا اور جانور کی نکیل سپرد کردینا[1]۔

یا اس کو ایسی جگہ منتقل کردے جو فروخت کرنے والے کے ساتھ مخصوص نہیں، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے، اور یہی امام ابو یوسف سے مروی ہے، مثلاً سڑک اور خریدار کا گھر[2]۔

حنابلہ نے منقول (سامان اور جانور) میں تفصیل کرتے ہوئے کہا: اگر مبیع دراہم یا دنانیر ہوں تو ان پر قبضہ ہاتھ سے ہوگا، اگر کپڑے ہوں تو ان پر قبضہ، ان کو منتقل کرنا ہے اور اگر جانور ہو تو اس پر قبضہ اس کو اپنی جگہ سے چلا دینا ہے[3]۔

د۔ اگر عقار (جائیداد غیر منقولہ) ہو تو اس پر قبضہ اس کے اور خریدار کے درمیان بلا کسی حائل کے تخلیہ کرا دینا[4]، اور اس کو اس میں تصرف پر قادر بنا دینا ہے، اس طور پر اگر چابی ہو تو اس کے حوالے کردے، بشرطیکہ اس کو خریدار کے علاوہ دوسرے کے سامان سے خالی کردے، یہ شافعیہ کے نزدیک ہے[5]۔

مالکیہ نے یہ شرط صرف رہائشی گھر میں لگائی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس پر قبضہ اس کو خالی کردینے کے ذریعہ ہے، صرف تخلیہ کافی نہیں، ہاں دوسری جائیدادوں میں قبضہ، تخلیہ کے ذریعہ

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۴۵۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۱۲ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح المنہج ۳/ ۱۶۶، ۱۷۲، الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۳۰۹۔

(۳) المغنی ۴/ ۲۲۰، کشاف القناع ۳/ ۲۴۷۔

(۴) المغنی ۴/ ۲۲۰، کشاف القناع ۳/ ۲۴۷، ۲۴۸۔

(۵) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۵، شرح المنہج ۳/ ۱۶۹، اور ۳/ ۱۶۷ میں بہت سی تفصیلات ہیں۔

ہوجائے گا، اگر چہ فروخت کرنے والا اپنے سامانوں کو وہاں سے نہ خالی کرے[(۱)]۔

شافعیہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تفصیل صرف اس قبضہ کے بارے میں ہے جو تصرف کو درست کرنے والے ہیں، رہا وہ قبضہ جو ضمان کو فروخت کرنے والے سے منتقل کرتا ہے تو اس کا مدار مبیع پر خریدار کے استیلاء پر ہے، خواہ اس کو منتقل کرے یا نہ کرے، اور خواہ بائع، مبیع اور خریدار کے درمیان تخلیہ کرے یا نہ کرے، خواہ اس کو قبضہ کی اجازت دے یا نہ دے اور خواہ اس کو روکنے کا حق ہو یا نہ ہو، لہذا جب خریدار نے مبیع پر استیلاء کرلیا تو بائع کے ذمہ سے ضمان ختم ہوگیا، بایں معنی کہ اگر وہ اس وقت تلف ہوجائے تو عقد فسخ نہ ہوگا یا اگر اس میں عیب پیدا ہوجائے تو خریدار کے لئے خیار ثابت نہ ہوگا، اور اگر بائع کی طرف لوٹے تو ضمان اس کی طرف نہیں لوٹے گا[(۲)]۔

۱۱- حنفیہ نے قبضہ کے بارے میں یہ تفصیل نہیں کی (امام احمد سے ابن الخطاب کی روایت بھی یہی ہے)، بلکہ انہوں نے تخلیہ کو (یعنی موانع کو ختم کرنا اور قبضہ پر قدرت دینا) حکماً قبضہ مانا ہے، ظاہر الروایہ یہی ہے، امام احمد سے ابن الخطاب نے یہی روایت کیا ہے اور تخلیہ کے ساتھ تمیز کی شرط لگائی ہے[(۳)]۔

حنفیہ نے اپنے اس مذہب کی صراحت، رہن کے سلسلہ میں رہن اور مرتہن کے درمیان تخلیہ کرانے میں کی ہے، انہوں نے کہا: اس میں تخلیہ قبضہ ہے، جیسا کہ بیع میں بھی تخلیہ قبضہ ہے[(۴)]۔ انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ سپرد کرنا ہے، لہذا اس کے لوازمات میں سے ہے

کہ قبضہ کا حکم ہو، اس لئے اس پر وہ سب کچھ مرتب ہوگا جو حقیقی قبضہ پر مرتب ہوتا ہے، اور یہی اصح ہے[(۱)]۔

اصح کے بالمقابل امام ابو یوسف سے مروی یہ قول ہے کہ منقول میں منتقل کئے بغیر قبضہ ثابت نہیں ہوتا[(۲)]۔

۱۲- اسی بنیاد پر اگر اپنی خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کردے اور اس میں نفع ملے تو یہ غیر مضمون کا نفع ہے جس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك"[(۳)] (ادھار اور بیع ایک ساتھ حلال نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں اور نہ غیر مضمون کا نفع جائز ہے، اور اس چیز کی بیع حلال نہیں جو تمہارے پاس نہیں)۔

امام محمد بن الحسن نے "کتاب الآثار" میں اس کو ایک دوسری سند اور دوسری روایت کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: رہا غیر مضمون کا نفع تو اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز خریدے اور اس پر قبضہ سے قبل اس کو فروخت کردے[(۴)]۔

یہی تشریح شوکانی نے بھی کی ہے، چنانچہ کہا: یعنی ایسے سامان کا نفع لینا ناجائز ہے جو سامان اس کے ضمان میں نہیں، مثلاً کوئی سامان خریدے اور اس کو فروخت کرنے والے سے اس پر قبضہ دینے سے پہلے اسے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع باطل ہے اور اس کا نفع ناجائز، اس لئے کہ مبیع بائع اول کے ضمان میں ہے، اس سے

---

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۴۵۔
(۲) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/۱۶۸۔
(۳) رد المحتار ۵/۳۰۹، المغنی مع الشرح الکبیر ۴/۲۲۰۔
(۴) الدر المختار ۵/۳۰۹۔

---

(۱) رد المحتار ۵/۳۰۹۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) حدیث: "لا يحل سلف و بيع......" کی تخریج فقرہ ۲/ کے تحت گذر چکی ہے۔
(۴) نصب الرایہ ۴/۱۹۔

خریدنے والے کے ضمان میں نہیں، اس لئے کہ اس کا قبضہ نہیں (۱)۔

بہوتی نے بھی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس چیز کا نفع ہے جس کو قبضہ سے پہلے فروخت کردیا گیا ہو (۲)۔

یہ حدیث گو کہ عام ہے، لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے اس کو طعام کے ساتھ خاص کیا ہے، ان سے اثرم کی روایت یہی ہے، اثرم نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے حدیث "نهى عن ربح مالم يضمن" کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ اناج اور اس جیسی ماکول یا مشروب چیز کے بارے میں ہے، لہذا اس کو قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے۔

ابن عبدالبر نے کہا: احمد بن حنبل سے اصح یہ ہے کہ قبضہ سے قبل جس چیز کی بیع ممنوع ہے وہ اناج ہے (۳)۔

قبضہ سے قبل صدقہ یا ہبہ کی بیع:

۱۳ - صدقہ: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، وجوبی یا استحبابی طور پر زندگی میں کسی حاجت مند کو بلا معاوضہ مال کا مالک بنادینا ہے (۴)۔

یہ تعریف (جیسا کہ نظر آتا ہے) فرض صدقہ جو سال کے اخیر میں مالدار کے مال سے لیا جاتا ہے یعنی مال کی زکاۃ یا رمضان کے مہینہ کے اخیر میں روزہ دار کو پاک کرنے کے لئے لیا جاتا ہے جس کو صدقۂ فطر کہتے ہیں، کو شامل ہے، اسی طرح نفلی صدقہ کو بھی شامل ہے جو ہر وقت مستحب ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ کی سابقہ روایت میں ہے: "نهى النبي ﷺ عن شراء الصدقات حتى تقبض" (۱) (حضور ﷺ نے قبضہ سے قبل صدقات کو خریدنے سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "لا تبع ماليس عندك" (۲) (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو نہ بیچو)۔

۱۴ - جمہور فقہاء (حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ) صدقہ وغیرہ مثلاً ہبہ، رہن، قرض، اعارہ (عاریت پر دینا) اور ایداع (ودیعت رکھنا) کو، عقود تبرع میں سے مانتے ہیں، جو قبضہ کے بغیر نا تمام اور غیر مملوکہ ہوتے ہیں، اور قبضہ سے قبل ان میں عقد بے اثر مانا جاتا ہے (۳)۔

صدقہ کے بارے میں مرغینانی کی عبارت ہے: صدقہ، ہبہ کی طرح قبضہ کے بغیر صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ یعنی (صدقہ) ہبہ کی طرح تبرع ہے (۴)۔

بلکہ کاسانی نے کہا: قبضہ صدقہ کے جواز کی شرط ہے، قبضہ سے قبل عام علماء کے نزدیک وہ ملکیت میں نہیں آتا (۵)۔

اس کے لئے اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: " يقول ابن آدم: مالي مالي،

---

(۱) نیل الاوطار ۵/۱۸۰۔
(۲) کشاف القناع ۳/۲۴۲۔
(۳) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/۱۱۶۔
(۴) المغنی مع الشرح الکبیر ۶/۲۴۶، الشرح الکبیر للدردیر ۴/۹۷۔

---

(۱) حدیث: "نهى عن شراء الصدقات حتى تقبض" کی روایت ابن ماجہ (۲/۷۴۰ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے زیلعی نے عبدالحق اشبیلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد قابل استدلال ہے (نصب الرایہ ۴/۱۵ طبع المجلس العلمی بالہند)۔
(۲) حدیث: "لا تبع ماليس عندك" کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/۴۳۰ طبع المکتبۃ السلفیہ) نے کی ہے ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔
(۳) مجلۃ الاحکام العدلیہ: دفعہ (۵۷)، قبضہ کے بغیر تبرع نا تمام ہے۔
(۴) الہدایہ و شرح العنایہ ۷/۵۱۵۔
(۵) بدائع الصنائع ۶/۱۲۳۔

وهل لک یا بن آدم من مالک إلا ما أكلت فأفنیت، أو لبست فأبليت، أو تصدقت فأمضيت"[1] (ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، اے ابن آدم! تیرا ہے کیا، بس وہی جو تم نے کھالیا اور فنا کردیا، یا پہن کر پرانا کردیا، یا صدقہ کرکے اس کو نافذ کردیا ہے)، اللہ تعالیٰ نے صدقہ میں امضاء (نافذ کرنا) کا اعتبار کیا اور صدقہ کو نافذ کرنا اس کو سپرد کرنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سپرد کرنا شرط ہے۔

نیز حضرت ابوبکر، عمر، ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے ان کا یہ قول مروی ہے: ''صدقہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا''۔

نیز اس لئے کہ صدقہ تبرعہ (بری کرنے) کا عقد ہے، لہذا بذاتِ خود حکم کا فائدہ نہیں دے گا جیسا کہ ہبہ۔

ہبہ کے بارے میں کاسانی کہتے ہیں: ہبہ اگر بغیر قبضہ کے صحیح ہوتا تو موہوب لہ (جس کے لئے ہبہ کیا گیا) کے لئے یہ اختیار ثابت ہوتا کہ ہبہ کرنے والے سے سپردگی کا مطالبہ کرے، اور یہ عقد ضمان ہوجاتا، اور یہ مشروع کو بدلنا ہے[2]۔

حنفیہ کا یہ قول، مذہب مالکی کے مشہور قول کے بالمقابل ہے، اور وہ مالکیہ کی ضعیف روایت ہے جس کی تاویل انہوں اس طرح کی ہے، اور کہا گیا ہے: قبضہ کے ذریعہ ہی ہبہ ملکیت میں آتا ہے[3]۔ یہ عبارت اگرچہ ہبہ کے بارے میں آئی ہے، لیکن مالکیہ کے یہاں صدقہ کی تعریف سے (جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے اور جیسا کہ احکام آرہے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبہ اور صدقہ

---

(۱) حدیث: "یقول ابن آدم مالي مالي....." کی روایت مسلم (۴/ ۲۲۷۳ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۶/ ۱۲۳۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۴/ ۱۰۱۔

دونوں کو عام ہے۔

یہی شافعیہ کا بھی مذہب ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: واہب (ہبہ کرنے والے) کی اجازت سے قبضہ کے بغیر ہبہ کی ہوئی چیز (صدقہ وہبہ کو شامل عام معنی کے لحاظ سے) ملکیت میں نہیں آتی[1]۔

شافعیہ کی عبارتوں میں ہے: اگر حالف اٹھائے کہ فلاں کو ہبہ نہیں کرے گا، پھر اس کے لئے ہبہ کیا لیکن اس نے قبول نہیں کیا یا قبول کیا لیکن قبضہ نہیں کیا تو اصح یہ ہے کہ حانث نہ ہوگا[2]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کے صحیح اور تام ہونے کے لئے قبول کرنا اور قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح حنابلہ کے یہاں مذہب بھی علی الاطلاق ہے، جیسا کہ مرداوی کہتے ہیں، چنانچہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ ہبہ کی قسمیں: صدقہ، ہدیہ اور عطیہ ہیں، ان کے معانی قریب قریب ہیں اور ان سب میں زندگی میں بلاعوض مالک بنانا ہے، ان میں ہبہ ہی کے احکام جاری ہوں گے[3]، یعنی ان مذکورہ اقسام میں ہر ایک کے احکام، بقیہ میں جاری ہوں گے[4]۔

حنابلہ نے کہا: ہبہ کرنے والے کی اجازت سے قبضہ کے ذریعہ ہبہ لازم ہوجاتا ہے، اس سے پہلے لازم نہیں ہوتا، یعنی واہب کی اجازت سے قبضہ سے قبل، اور اگر ہبہ غیر مکیل وغیرہ کا ہو تو ان تمام میں قبضہ کے بغیر ہبہ لازم نہیں ہوتا[5]۔

---

(۱) شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۳/ ۱۱۲، ۱۶۰، شرح المنہج مع حاشیۃ الجمل ۳/ ۵۹۸، صاحب حاشیۃ الجمل نے صراحت کی ہے کہ یہ شرط اور اس کے تمام احکام مطلق ہبہ (جو صدقہ وہدیہ کو شامل ہے) میں جاری ہوں گے۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۴/ ۲۸۷۔

(۳) کشاف القناع ۴/ ۲۹۹، نیز اطلاق کے سلسلہ میں دیکھئے: الانصاف ۷/ ۹۔

(۴) حوالہ سابق۔

(۵) الانصاف ۷/ ۱۱۹، ۱۲۰، الشرح الکبیر ۶/ ۲۵۰، اس میں اور المغنی ۶/ ۲۵۱

حنابلہ نے اپنے مذہب (یعنی ہبہ وغیرہ مثلاً صدقہ میں جو یہاں زیر بحث ہے، علی الاطلاق قبضہ کی شرط ہونے) کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ''عالیہ'' میں اپنے مال سے بیس وسق توڑنے کا اختیار دیا ہے، اور جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو کہا: ''بیٹی! میں نے تمہیں بیس وسق توڑنے کا اختیار دیا تھا، کاش تم نے اس کو توڑ لیا ہوتا یا قبضہ کرلیا ہوتا تو تمہارا ہوجاتا، اب تو وہ وارث کا مال ہے، تم لوگ اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کرلینا''[1]۔

بہوتی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر، عثمان، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے قریب قریب یہی مروی ہے، اور صحابہ میں کسی کی مخالفت معلوم نہیں۔

حنابلہ نے قبضہ شرط ہونے پر یہ بات مرتب کی ہے کہ قبضہ سے پہلے ہبہ کرنے والا ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے (یہی حکم صدقہ کا بھی ہے) اس لئے کہ عقد نامکمل ہے[2]۔

مالکیہ نے اپنے مشہور مذہب میں قبضہ کی شرط لگانے میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہبہ (اسی طرح صدقہ جیسا کہ مالکیہ کی تفریعات سے ماخوذ ہے)[3] مشہور قول کے مطابق ہبہ کے الفاظ بولنے سے ملکیت میں آجاتا ہے، اور اگر ہبہ کرنے والا ہبہ کردہ مال کی حوالگی سے انکار کرے تو جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے وہ اس مال کا مطالبہ ہبہ کرنے والے سے کرسکتا ہے، تاکہ ہبہ کرنے والے کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اس مال پر

= میں تکمیل دموزون کے درمیان اور ان کے علاوہ کے درمیان تفریق کی ایک روایت ہے۔

(۱) کشاف القناع ۴/ ۳۰۱۔

(۲) حوالہ سابق۔

(۳) شرح الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۷/ ۱۰۲۔

موہوب لہ (جس کے لئے ہبہ کیا ہے) کو قابو دے[1]۔

حنابلہ نے اپنی کتابوں میں[2] مالکیہ کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''العائد في هبته كالعائد في قيئه''[3] (اپنے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہی ہے جیسے قے کرکے پھر اس کو کھانے والا)، اور ایک روایت میں ہے: ''في صدقته'' (اپنے صدقہ کو)، ایک اور روایت میں ہے: ''كالكلب يقيء ثم يعود في قيئه'' (جیسے کتا قے کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ کھاجاتا ہے)۔

مالکیہ کی عبارتوں میں ہے:

الف۔ اگر کوئی شخص کہے: میرا گھر فقیروں پر صدقہ یا ہبہ یا وقف ہے تو اس کی ملکیت سے نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا (اس لئے کہ تعیین نہیں)۔

ب۔ اگر کوئی کہے: میرا گھر زید پر صدقہ یا ہبہ یا وقف ہے تو اس کی ملکیت ختم ہونے کا فیصلہ کردیا جائے گا، اس لئے کہ اس وقت اس نے نیکی اور کار ثواب کا ارادہ کیا ہے۔

ج۔ اگر کوئی کہے: مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے کہ زید کو یا فقراء کو ایک درہم دوں تو علی الاطلاق اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ایک قول ہے کہ اس کا فیصلہ کردیا جائے گا۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۴/ ۱۰۱، اور القوانین الفقہیہ / ۳۴۲ کے ساتھ موازنہ کریں۔

(۲) دیکھئے: الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۶/ ۲۵۰، المغنی ۶/ ۲۴۶، ۲۴۷۔

(۳) حدیث: ''العائد في هبته كالعائد في قيئه'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۲۳۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۲۴۱ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے ایک روایت میں ''في صدقته'' ہے جس کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۲۳۵ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۲۴۱ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے اور ایک روایت میں ''كالكلب يقيء ثم يعود في قيئه'' ہے جس کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۴۱ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔

اس کی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ قضا (فیصلہ) میں متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہے) یا موہوب لہ (جس کے لئے ہبہ کیا جائے) کی تعیین ضروری ہے، اور اس میں ثواب کا قصد بھی ضروری ہے [1]۔

امام احمد سے ایک روایت میں ہے: مکیل وموزون میں ہبہ وصدقہ صحیح نہیں، اور اس میں صدقہ وہبہ، قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا۔

ان دونوں کے علاوہ میں قبضہ کے بغیر صحیح ہے اور نفس عقد سے لازم ہوجاتا ہے اور قبضہ کے بغیر اس میں ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

اس فرق کی دلیل کا حاصل: بیع پر قیاس کرنا ہے، اس اعتبار سے کہ ہبہ بھی تملیک ہے، چنانچہ بعض بیوع قبضہ سے قبل غیر لازم ہیں مثلاً "بیع صرف" اور ربا والی بیوع اور بعض بیوع قبضہ سے پہلے لازم ہیں اور وہ اس کے علاوہ ہیں [2]۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہا تبرعات میں قبضہ کی شرط لگاتے ہیں۔

(۱) شرح الخرشی مع حاشیۃ العدوی ۷/ ۱۲۰۔

(۲) المغنی ۶/ ۲۴۶، ۲۵۱، الشرح الکبیر ۶/ ۲۵۰، ۲۵۲، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۴/ ۳۰۱۔

بیع محاقلہ

تعریف:

۱- محاقلہ لغت میں: ایسے اناج کو جو بالیوں میں ہو، خشک یا تازہ گیہوں سے فروخت کرنا ہے، جیسا کہ فیومی کہتے ہیں [1]۔

اصطلاح میں: گیہوں کو اس کے خوشہ میں ایسے گیہوں کے بدلہ فروخت کرنا جو اندازہ کے حساب سے ناپ میں خوشہ والے گیہوں کے مثل ہو [2]۔

خرص: اندازہ کرنا ہے۔

حنابلہ نے اس کی اور زیادہ عام تعریف کی ہے: دانہ کو اس کے خوشہ میں اس کی جنس کے عوض بیچنا [3]۔

بیع محاقلہ کا حکم:

۲- فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ بیع محاقلہ نا جائز ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک فاسد اور غیر حنفیہ کے نزدیک باطل ہے، اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن المزابنة والمحاقلة" [4] (حضور ﷺ نے

(۱) المصباح المنیر، مختار الصحاح مادۂ "حقل"۔

(۲) الہدایہ مع شروح ۶/ ۵۴، تبیین الحقائق ۴/ ۴۷، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۷، ۲۳۸، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۷۴۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۲۵۸، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۱۔

(۴) حدیث: "نهى عن المزابنة والمحاقلة" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۸۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے)۔

نیز اس لئے کہ یہ کیلی چیز کا اسی کی ہم جنس کیلی چیز سے فروخت کرنا ہے، لہذا اٹکل سے نا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں شبہ ربا ہے جو تحریم کے باب میں حقیقت ربا کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے[1]۔

نیز اس لئے کہ مماثلت کا علم نہیں (جیسا کہ بطلان کے وجہ کی شافعیہ نے تعبیر کی ہے)[2]۔ اور حنابلہ اس علت کی تکمیل کرتے ہوئے کہتے ہیں: اور مساوات سے ناواقفیت تفاضل کے علم کی طرح ہے[3]۔

نیز جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں محاقلہ میں بہ مقابلہ مزابنہ اس بات کی زیادتی ہے کہ محاقلہ میں اصل مبیع سے جو مقصود ہے ایسی چیز سے چھپی ہوئی ہے جو مبیع کی منفعت میں سے نہیں ہے، لہذا اس میں رویت بھی نہیں رہی[4]۔

مالکیہ کی کتابوں سے یہ بات ماخوذ ہے کہ مزابنہ وغیرہ کے فساد کی عمومی علت غرر اور اموال ربویہ میں ایک جنس کی باہمی تبادلہ میں ربا ہونا ہے[5]۔

مزید تفصیل کے لئے اصطلاح ''محاقلہ'' دیکھی جائے۔

بیع مرابحہ

دیکھئے: ''مرابحہ''۔

---

(۱) العنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۵۳، تبیین الحقائق ۴/ ۴۷۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۲۵۸۔

(۴) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۲۰۸۔

(۵) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۰۔

بیع مزابنہ

تعریف:

۱- مزابنہ: زَبن سے ماخوذ ہے، اور زبن لغت میں: دفع کرنا ہے[1] کیونکہ مزابنہ غبن کے سبب نزاع اور مدافعت کا ذریعہ بنتا ہے[2]۔ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔

فقہی اصطلاح میں جمہور نے مزابنہ کی یہ تعریف کی ہے کہ مزابنہ درخت پر لگی تر کھجور کو اندازہ کر کے اسی ناپ کے برابر توڑی ہوئی کھجور کے بدلہ میں فروخت کرنا ہے[3] (یعنی ظن اور اندازہ سے)، اور خرص: اندازہ کو کہتے ہیں[4]، اور اس کی صورت یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کا مثلاً سو صاع کی مقدار میں تخمینہ واندازہ لگایا جائے اور اس کے برابر کھجور سے فروخت کر دیا جائے[5]۔ اور اگر ثمن تر کھجور نہ ہو تو اختلاف جنس کے سبب جائز ہے[6]۔

---

(۱) المصباح المنیر، مختار الصحاح مادۂ ''زبن''۔

(۲) رد المحتار ۴/ ۱۰۹ بحوالہ البحر الرائق، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸۔

(۳) یہ ''الہدایہ'' کی عبارت ہے، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروح ۶/ ۵۳، الدر المختار ۴/ ۱۰۹، کفایۃ الطالب ۲/ ۱۵۸، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۱۷، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۸، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۱۔

(۴) فتح القدیر ۶/ ۵۳۔

(۵) رد المحتار ۴/ ۱۰۹۔

(۶) اس کی تردید کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۴/ ۱۰۹۔

مالکیہ میں سے دردیر نے مزابنہ کی تعریف یہ کی ہے کہ مزابنہ معلوم کے بدلہ میں مجہول کی فروختگی ہے ربوی ہو یا غیر ربوی یا مزابنہ مجہول کی اسی جنس کی مجہول چیز کے عوض بیع کرنا ہے [(۱)]۔

مالکیہ ہی میں سے ابن جزی نے اس کی تعریف یہ کی ہے تر چیز کو اسی کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت کرنا، خواہ ربوی ہو یا غیر ربوی [(۲)]۔

بیع مزابنہ کا حکم:

۲- اس بیع کے حکم میں فقہاء کا اختلاف نہیں، اور وہ متفق ہیں کہ یہ فاسد ہے اور غیر صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

الف۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن المزابنة والمحاقلة" [(۳)] (حضور ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے)۔

ب۔ شبہ ربا ہے، کیونکہ یہ مکیل کی اسی جنس کی مکیل سے بیع ہے جس میں کیل کے حساب سے عدم مساوات کا احتمال ہے [(۴)]۔

شافعیہ صراحت کرتے ہیں کہ ان دونوں میں ربا ہے، اس لئے کہ دونوں میں مماثلت کا علم نہیں ہے [(۵)]۔

ج۔ اس میں غرر ہے جیسا کہ ابن جزی کی توجیہ ہے [(۶)]۔

تر کھجور کی خشک کھجور کے عوض بیع ہی کی طرح انگور کی کشمش کے عوض بیع ہے [(۱)]، جیسا کہ حدیث سابق کی بعض روایات میں یہ اضافہ وارد ہے: "وعن بيع العنب بالزبيب، وعن كل ثمر بخرصه" [(۲)] (اور انگور کی کشمش کے بدلہ اور ہر پھل کی اس کے اندازہ سے بیع کی ممانعت فرمائی)۔

مالکیہ نے (شاید اسی وجہ سے) علی الاطلاق کہا کہ ہر تر چیز کی اس کی ہم جنس خشک کے عوض بیع ناجائز ہے، نہ کمی بیشی کے ساتھ اور نہ برابر برابر کسی طرح بھی جائز نہیں حتی کہ دانوں کی بیع بھی [(۳)]۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۶۰/۳۔
(۲) القوانین الفقہیہ رص ۱۶۸، ۱۶۹۔
(۳) حدیث: "نهى عن المزابنة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳۸۴/۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۱۷۱/۳ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔
(۴) الدر المختار ورد المحتار ۱۰۹/۴، الہدایہ مع شروح ۵۴/۶۔
(۵) تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۲۷۱/۴۔
(۶) القوانین الفقہیہ رص ۱۶۹۔

(۱) الہدایہ مع شروح ۵۴/۶، تبیین الحقائق ۴۷/۴۔
(۲) زیلعی نے سابقہ مقام میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔
(۳) کفایۃ الطالب رص ۱۵۸۔

بیع مزایدہ

دیکھئے: "مزایدہ"۔

بیع مساومہ

دیکھئے: "مساومۃ"۔

بیع مسترسل

دیکھئے: "استرسال"۔

بیع ملامسہ

۱-ملامسہ بھی دور جاہلیت کی بیوع میں سے ہے، حدیث میں اس کی ممانعت ثابت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے: "أن رسول الله ﷺ نهى عن الملامسة والمنابذة" (نبی کریم ﷺ نے ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے)، حضرت ابوہریرہؓ نے صحیح مسلم کی روایت میں اس کی تشریح یوں کی ہے: "ملامسہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے سمجھے چھولے، اور بیع منابذہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، اور کوئی دوسرے کا کپڑا نہ دیکھے"[1]۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ: "أن رسول الله ﷺ نهى عن بيعتين ولبستين: نهى عن الملامسة والمنابذة في البيع" (رسول اللہ ﷺ نے دو بیعوں سے اور دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا: بیع میں ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا)۔ ملامسہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا کپڑا رات یا دن میں اپنے ہاتھ سے چھوئے، اور اسی کے لئے (یعنی بیع کے لئے) اس کو الٹے۔ اور منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، اور دوسرا اپنا کپڑا اس کی طرف پھینک دے اور یہی ان کی بیع

(۱) حدیث: "نهى عن الملامسة و المنابذة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۵۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۵۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

ہو جائے، بغیر دیکھے اور بغیر رضامندی کے (۱)۔

۲- فقہ میں اس کے علاوہ، ملامسہ کی کچھ اور صورتیں مذکور ہیں:

الف۔ کوئی شخص کسی کپڑے کو لپیٹی ہوئی حالت میں یا اندھیرے میں چھو لے، پھر اس کو اس شرط پر خرید لے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اس کو خیار نہیں ہوگا۔ یعنی اس کے دیکھنے کے بجائے اس کے چھونے پر اکتفا کرے، یا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کپڑا بے سوچے چھو لے (جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے) اور یہ جانبین سے مشارکت کے طور پر ہو، لیکن شیخ دردیر کا اشارہ اس کے خلاف ہے جس میں شیخ علیش نے ان کی مخالفت کی ہے، اور یہ منقول تفسیر سے ماخوذ ہے (۲)۔

ب۔ یا یہ کہ کپڑا لپٹا ہوا ہو اور بیچنے والا خریدار سے کہے: جب تم اس کو چھو لو گے تو میں نے اس کو تمہارے ہاتھ بیچ دیا، اور اس کا چھونا ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوگا (۳)۔

"المغرب" میں ہے: بیع ملامسہ یا لماس یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: جب میں تیرا کپڑا چھو لوں یا تم میرا کپڑا چھو لو تو بیع واجب ہوگی (۴)۔

ج۔ یا کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ وہ جب اس کو چھوئے گا تو بیع لازم ہو جائے گی، اور خیار مجلس وغیرہ ختم ہو جائے گا (۵)، یہی تشریح امام ابوحنیفہ سے منقول ہے، یا خریدار یہی بات کہے۔

۳- یہ بیع مذکورہ تمام صورتوں میں عام فقہاء کے نزدیک فاسد ہے، ابن قدامہ نے کہا: ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں (۱)۔ پہلی صورت میں فساد اس لئے ہے کہ نہ دیکھنے کے باوجود بیع لازم ہے، کیونکہ رؤیت کے بجائے چھونے پر اکتفا کیا گیا ہے (۲)، دوسری صورت میں فساد کی وجہ جیسا کہ شافعیہ نے کہا صیغۂ بیع (ایجاب وقبول) کا نہ ہونا ہے (۳)، اور تیسری صورت میں فساد کی وجہ حنفیہ کی تعبیر میں یہ ہے کہ تملیک کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ جب اس چیز کو چھو لے تو بیع لازم ہوگئی اور خیار مجلس ساقط ہو گیا، اور تملیکات میں تعلیق کا احتمال نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں قمار کی صورت پیدا ہوگی (۴)۔

حنابلہ نے فساد کی دو علتیں ذکر کی ہیں:

اول: جہالت۔

دوم: اس کا شرط پر معلق ہونا، اور یہ شرط کپڑا چھونا ہے (۵)۔

ابن قدامہ کی تعبیر میں غرر سے مراد شاید یہی ہے۔

شوکانی نے فساد کی علت کو غرر، جہالت اور خیار مجلس کے ابطال کی صورت میں مختصر طور پر بیان کیا ہے (۶)۔

۴- علاوہ ازیں مالکیہ نے اپنی تفصیلی فروعات میں تصریح کی ہے کہ بیع کے لزوم وثبوت میں چھونے پر اکتفاء کرنا پھر اس کے کہ کپڑا

---

(۱) حدیث: "نهى عن بيعتين ولبستين......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۵۸، ۳۵۹ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۵۲ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) رد المحتار ۴/ ۱۰۹، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۵۶، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶، اور الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۹ کا ظاہر بھی یہی ہے۔

(۳) رد المحتار ۴/ ۱۰۹، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔

(۴) تبیین الحقائق ۴/ ۴۸۔

(۵) حوالہ سابق، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۷۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۹۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۶۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔

(۴) شرح العنایہ علی الہدایہ ۶/ ۵۵۔

(۵) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۹۔

(۶) نیل الاوطار ۵/ ۱۵۱۔

کھولا جائے اور اس کے اندر کی صورت حال معلوم کی جائے، یہی بیع کو فاسد کرنے والا ہے، مالکیہ نے کہا: لہٰذا اگر اس میں غور وفکر سے قبل شی اس شرط پر بیچ دے کہ بعد میں اس کو دیکھ لے گا، اگر پسند آ گیا تو روک لے گا ورنہ رد کر دے گا تو یہ بیع جائز ہے[1]۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۵۶/۳۔

بیع منابذہ

۱- بیع منابذہ بھی دور جاہلیت کی بیوع میں سے ہے۔

صحیح احادیث میں اس سے ممانعت ثابت ہے جیسا کہ ملامسہ سے ممانعت ثابت ہے[1]۔ اور بعض احادیث میں اس کی تشریح ہے۔

فقہاء نے اس کی حسب ذیل صورتیں بیان کی ہیں:

الف۔ خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دے، ان دونوں میں کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے یا اس کی طرف بلا تأمل پھینک دے جیسا کہ مالکیہ کی تعبیر ہے[2]۔ اس شرط کے ساتھ کہ پھینکنا ہی بیع قرار دیا جائے[3] یہ تشریح حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیح مسلم میں منقول ہے: ''کہ یہی ان کی بیع ہو بغیر دیکھے اور بغیر رضامندی کے''[4]، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے[5]۔

(۱) ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو ''بیع الملامسہ فقرہ/۱'' کے تحت منابذہ سے ممانعت کے سلسلہ میں گزریں۔

(۲) الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی ۵۶/۳۔

(۳) رد المحتار ۱۰۹/۴، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۵۵/۶، الشرح الکبیر للمقدسی فی ذیل المغنی ۲۹/۴۔

(۴) مذکورہ حدیث بیع ملامسہ فقرہ/۱ کے تحت دیکھی جائے۔

(۵) تبیین الحقائق ۴۸/۴ بحوالہ الزیلعی۔

ب- یہ کہ دونوں پھینکنے کو بیع قرار دیں یعنی ایجاب وقبول کے بجائے اسی پر اکتفاء کریں، ان میں سے ایک کہے: میں تمہاری طرف ایک کپڑا دس میں پھینک رہا ہوں، اور دوسرا شخص اس کو لے لے[1] (پہلی صورت میں مشارکت تھی اور اس میں نہیں ہے)۔

ج- یہ کہے: میں نے اسے تمہارے ہاتھ اتنے میں فروخت کردیا، اس شرط پر کہ میں جب اس کو تمہاری طرف پھینکوں گا تو بیع لازم ہوجائے گی اور خیار ختم ہوجائے گا[2]۔

د- یہ کہے: جو بھی کپڑا تم میری طرف پھینکو گے اس کو میں نے اتنے میں خریدلیا، یہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کا ظاہر ہے[3]۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے قبل ثمن کے بارے میں ان کے درمیان آمادگی اور گفتگو ہوچکی ہو، ورنہ ممانعت کی وجہ ثمن کا ذکر نہ ہونا ہوگی، اور حنفیہ کے حوالہ سے آچکا ہے کہ ثمن سے سکوت کی وجہ سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اور اس کی نفی سے بیع باطل ہوجاتی ہے۔

۲- یہ تمام صورتیں فاسد ہیں اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں، ابن قدامہ اور دیگر فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے اور فساد کی علت یہ بتائی ہے:

۱- سابقہ صحیح حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے۔

۲- اس میں جہالت ہے، یہ توجیہ حنفیہ وحنابلہ نے کی ہے[4]۔

۳- تملیک کو خطرہ پر معلق کرنا، اس لئے کہ بیع منابذہ (پہلی

(۱) شرح المحلی ۲/ ۱۷۶، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۹۳۔
(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔
(۳) المغنی ۴/ ۲۷۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۹، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۶۶۔
(۴) رد المحتار ۴/ ۱۰۹، فتح القدیر ۶/ ۵۵، المغنی ۴/ ۲۷۵۔

صورت میں جس کو حنفیہ نے ذکر کیا ہے) اس معنی میں ہے کہ جب میں تمہاری طرف کپڑا پھینکوں تو تم پر اس کی خریداری لازم ہوگئی۔ اور تملیکات میں تعلیق کا احتمال نہیں رہتا، اس لئے کہ اس سے جوئے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے[1]۔

۴- اس لئے کہ اس میں عدم رؤیت یا عدم صیغہ یا شرط فاسد ہے، جیسا کہ شافعیہ نے توجیہ کی ہے[2]۔

(۱) رد المحتار ۴/ ۱۰۹، العنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۵۵، نیز مذکورہ مقام پر ہی فتح القدیر سے موازنہ کریں، المغنی ۴/ ۲۷۵۔
(۲) شرح المحلی ۲/ ۱۷۶، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۹۳، ۲۹۴۔

بیع منہی عنہ

تعریف:

۱ - ''بیع'' کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر گفتگو اصطلاح ''بیع'' میں گذر چکی ہے۔

لفظ منہی عنہ فعل ''نہی'' سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

''نہی'' کا معنی لغت میں کسی چیز سے روکنا ہے۔ یہ ''امر'' کی ضد ہے۔

اصطلاح میں ''نہی'' کا معنی کسی چیز سے رکنے کا حاکمانہ طور پر مطالبہ کرنا ہے۔

کوئی عارض نہ ہوتو بیع میں اصل حلت ہے:

۲ - بیع میں اصل اباحت اور صحت ہے، تا آنکہ ممانعت یا فساد کی دلیل آجائے۔

اس کی دلیل فرمان باری ہے: ''وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ''[1] (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے) یہ حکم ہر طرح کی بیوع کی اباحت میں عام ہے، اور عموم کی دلیل یہ ہے کہ لفظ بیع مفرد الف اور لام کے ساتھ آیا ہے، اور الف اور لام کے ساتھ مفرد لفظ اہل اصول کے نزدیک عموم کا معنی دیتا ہے، بشرطیکہ کوئی عہد ذہنی یا خارجی نہ ہو اور نہ حقیقت وماہیت مراد لینے کا قصد ہو[1]۔

لہذا آیت کے معنی کا حاصل یہ ہوا کہ ہر بیع حلال ہے، اور یہ لفظ کے عموم سے ماخوذ ہے۔

اس آیت کے بارے میں اہل علم کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ آیت گو کہ عموم کے طور پر وارد ہے، لیکن اس میں تخصیص ہے، اس لئے کہ فقہاء کا مختلف اقسام کی بیوع کی ممانعت پر اتفاق ہے (جیسا کہ رازی جصاص کہتے ہیں اور جیسا کہ آئے گا) مثلاً قبضہ سے پہلے کی بیع، جو چیز انسان کے پاس نہیں اس کی بیع، غرر اور مجہول کی بیع اور حرام اشیاء کا عقد بیع۔

آیت کے لفظ سے ان بیوع کا جواز ثابت ہوتا تھا، لیکن ان کو دلائل کے سبب آیت سے خاص کرلیا گیا ہے، اس کے باوجود آیت کی تخصیص ان صورتوں میں جن میں تخصیص کی دلیل موجود نہ ہو، آیت کے لفظ کے عموم کا اعتبار کرنے سے مانع نہیں[2]۔

نہی کا موجب:

۳ - نہی کا موجب جمہور کے نزدیک تحریم ہے اِلا یہ کہ تحریم سے ہٹا کر کسی اور تقاضے مثلاً کراہت یا رہنمائی یا دعا وغیرہ کی طرف پھیرنے والا قرینہ موجود ہو[3]۔ اس سلسلے میں اختلاف اور تفصیل

---

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۷۵۔

---

(۱) دیکھئے: التوضیح لصدر الشریعہ بہامش شرح التلویح ۱/ ۵۴، طبع محمد علی صبیح، قاہرہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء۔

(۲) احکام القرآن لابی بکر الرازی الجصاص ۱/ ۴۶۹ طبع الآستانہ ۱۳۳۵ھ، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۳/ ۳۵۶ طبع دار الکتاب العربی برائے طباعت واشاعت، قاہرہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء۔

(۳) مسلم الثبوت فی ذیل المستصفی ۱/ ۳۹۶ طبع بولاق ۱۳۲۲ھ، شرح العضد علی مختصر المنتہی لابن الحاجب ۲/ ۹۵ طبع بولاق ۱۳۱۶ - ۱۳۱۹ھ، الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ۲/ ۲۱۵، ۲۷۵ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

ہے، جس کو اصولی ضمیمہ اور اصطلاح ''نہی'' میں دیکھا جائے۔

اگر کوئی قرینہ یا دلیل ایسی پائی جائے جو نہی کو تحریم سے پھیر دے تو نہی سے مراد کراہت ہوگی، اور کراہت لغت میں محبت کی ضد ہے، اور اصطلاح میں حسب ذیل معانی ہیں:

الف۔ مکروہ تحریمی: جو حرمت کے زیادہ قریب ہو بایں معنی کہ اس سے جہنم کی سزا کے استحقاق سے کم درجہ کا جرم متعلق ہو، مثلاً شفاعت سے محرومی، حنفیہ کے نزدیک مطلق کراہت کا مصداق یہی ہے، لیکن یہ امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے جس کی حرمت دلیل ظنی سے ثابت ہے۔

ب۔ مکروہ تنزیہی: مکروہ تنزیہی وہ ہے جو حلال ہونے کے زیادہ قریب ہو بایں معنی کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو کوئی سزا نہ ہو، لیکن اس کو ترک کرنے والے کو ادنیٰ ثواب ملے[1]، لہذا اس کا ترک اس کے فعل سے افضل ہے، مکروہ تنزیہی کے مترادف ''خلاف اولیٰ'' ہے، اور بکثرت اس کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

لہذا اگر مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل پر غور کرنا ضروری ہوگا:

الف۔ اگر وہ دلیل نہی ظنی ہو تو مکروہ تحریمی کا حکم لگایا جائے گا، الا یہ کہ نہی کو تحریم سے استحباب کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز پائی جائے۔

ب۔ اگر وہ دلیل نہی نہ ہو، بلکہ ایک درجہ غیر قطعی ترک کا معنی بتاتی ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے درمیان ایک درجہ ''اِساءت'' ہے جو مکروہ تحریمی سے نیچے اور مکروہ تنزیہی سے اوپر کا درجہ ہے، اس کی شکل سنت کو عمداً اور بغیر استخفاف کے ترک کرنا ہے، اس لئے کہ سنت پر عمل کرنا مندوب ہے، اور اس کے ترک پر ملامت کی جاتی ہے، نیز معمولی سا گناہ بھی لاحق ہوتا ہے[1]۔

ایک طرف اگر حنفیہ کے یہاں صراحت ہے کہ ان کے کلام میں لفظ مکروہ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ تنزیہی ہونے کی صراحت نہ کردی جائے[2]، تو مالکیہ کے یہاں اس کے برعکس کی صراحت ہے کہ مطلق بولنے کی صورت میں کراہت سے مراد محض تنزیہی ہے[3]۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کراہت کا اطلاق اسی چیز پر ہوتا ہے جو دوسرے فقہاء کے یہاں کراہت تنزیہی ہے۔

بیع سے نہی کے اسباب

۴- اسباب نہی عقد سے متعلق ہوں گے یا غیر عقد سے، اور عقد سے متعلق اسباب میں کچھ کا تعلق محل عقد سے ہے اور کچھ کا تعلق لازم عقد سے ہے۔

محل عقد سے متعلق اسباب:

محل عقد معقود علیہ (وہ شی جس پر عقد کیا جائے) ہے۔

اس میں فقہاء نے چند شرائط لگائی ہیں:

معقود علیہ سے متعلق پہلی شرط:

۵- یہ کہ معقود علیہ عقد کے وقت موجود ہو یعنی معدوم نہ ہو، لہذا فقہاء

---

(۱) التنقیح والتوضیح مع شرح التلویح للتفتازانی ۲/۱۲۶۔

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱/۸۹، ۳۱۸، ۳۱۹ طبع بولاق ۱۲۷۲ھ۔

(۲) رد المحتار ۱/۱۵۰۔

(۳) حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۱/۱۴۸، ۱۴۹ طبع مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، قاہرہ۔

کے نزدیک معدوم کی بیع نہیں ہوگی، اور اس کو باطل مانا جائے گا۔

اس کی شکل حسب ذیل بیوع میں ہے: "مضامین"، "ملاقیح" اور حبل الحبلہ کی بیع، اور شکم مادر میں موجود جنین کی بیع۔

مضامین: "مضمون" مجنون کے ہم وزن کی جمع ہے اور اس سے مراد جمہور اور بعض مالکیہ جیسے ابن جزی کے نزدیک وہ مادہ جو نر کی پشت میں ہے[1]۔

ملاقیح: "ملقوحۃ" اور "ملقوح" کی جمع ہے، اور اس سے مراد مادہ چوپایوں اور گھوڑیوں کے شکم کے جنین ہیں[2]۔

امام مالک نے کہا: مضامین سے مراد اونٹنیوں کے شکم کے جنین، اور ملاقیح سے مراد: نر جانوروں کی پشت میں موجود مادہ کی بیع ہے[3]۔

بیع حبل الحبلہ کی بیع سے مراد نتاج (پیدا ہونے والے بچہ) کے نتاج کی بیع یعنی یہ اونٹنی یا یہ جانور جو بچہ جنے گی اس بچہ کے بچہ کو فروخت کرنا، لہذا اس کے بچہ کے بچہ کو نتاج کہا جاتا ہے[4]۔

ان تمام بیوع کے باطل ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابن المنذر نے کہا: بالاجماع ملاقیح ومضامین کی بیع ناجائز

(۱) الدر المختار ۴/ ۱۰۲، فتح القدیر ۶/ ۵۰، القوانین الفقہیہ رص ۱۶۹ طبع بیروت ۱۹۷۴ء شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶ طبع سوم مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۷ طبع بیروت ۱۳۹۲ھ۔

(۲) الدر المختار ۴/ ۱۰۲، فتح القدیر ۶/ ۵۰، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۶۔

(۳) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۷ طبع عیسی البابی الحلبی، المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۷ فتح القدیر ۶/ ۵۰، نصب الرایہ ۴/ ۱۰، ۱۱۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۸، شرح المحلی وحاشیہ عمیرہ ۲/ ۱۷۵، ۱۷۶، المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۷، الدر المختار بہامش رد المحتار ۴/ ۱۰۲۔

ہے[1]، اس کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے: "أن النبی ﷺ نهى عن بيع المضامين والملاقيح وحبل الحبلة"[2] (نبی کریم ﷺ نے مضامین، ملاقیح اور حبل الحبلہ کی بیع سے منع فرمایا)۔

نیز حضرت سعید بن المسیب کا قول ہے: حیوان میں ربا نہیں ہے، حضور ﷺ نے جانوروں سے متعلق صرف تین چیزوں سے منع فرمایا ہے: مضامین، ملاقیح اور حبل الحبلہ[3]۔

نیز اس بیع میں غرر ہے، ہوسکتا ہے کہ اونٹنی بچہ نہ جنے یا اس سے قبل مرجائے، لہذا یہ معدوم کی بیع ہے اور اس چیز کی بیع ہے جس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہے[4]۔

شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو نہ ملکیت میں ہے نہ معلوم ہے، اور نہ ہی اس کی سپردگی پر قدرت ہے[5]۔

حنابلہ نے اس کی توجیہ میں کہا کہ جہالت ہے، اس لئے کہ اس کی صفت اور اس کی زندگی معلوم نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس کی سپردگی پر قدرت نہیں ہے[6]۔ اور جب حمل کی بیع جائز نہیں تو حمل کے حمل کی بیع بدرجہ اولی ناجائز ہوگی۔

۲ - معدوم کی بیع ہی کے قبیل سے بیع عسب الفحل (سانڈ سے جفتی

(۱) المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۷۔

(۲) حدیث ابن عباسؓ "نهى عن بيع المضامين و الملاقيح......" کی روایت طبرانی نے کی ہے، ہیثمی نے کہا: اس میں اسماعیل بن ابی حبیبہ ہے جس کی امام احمد نے توثیق اور جمہور ائمہ نے تضعیف کی ہے (مجمع الزوائد ۴/ ۱۰۴ طبع القدسی)۔

(۳) فتح القدیر مع شرح العنایہ والکفایہ ۶/ ۵۰ طبع بیروت۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۸، فتح القدیر ۶/ ۵۰۔

(۵) شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۷۰، نیز دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۵۔

(۶) المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر ۴/ ۲۷، کشاف القناع ۳/ ۱۶۶۔

کرانے کی بیع)۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے، وہ فرماتے ہیں: "أن النبي ﷺ نهى عن ثمن عسب الفحل"[1] (آپ ﷺ نے نر کی جفتی کے ثمن سے منع فرمایا)۔ ایک اور روایت میں ہے: "عن عسب الفحل" (سانڈ سے جفتی کرانے سے منع فرمایا)۔ اس روایت کے بارے میں کاسانی نے کہا: بذات خود عسب (جفتی) پر نہی کو محمول کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ عاریت کے طور پر ایسا کرنا جائز ہے، لہذا نہی کو بیع اور اجارہ پر محمول کیا جائے گا، لیکن اس چیز کو یہاں پر محذوف اور مضمر رکھا گیا ہے[2]، جیسا کہ اس فرمان باری میں ہے: "وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ"[3] (آپ اس بستی والوں سے دریافت کرلیجئے)۔

شافعیہ نے اس حدیث کی تاویل وتشریح میں تقریباً یہی لکھا ہے، انہوں نے اس کے تین طرح کے احتمالات کا ذکر کرتے ہوئے (دوسرے علماء کی طرح) اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے اور کہا: اس کے نطفہ کا ثمن حرام ہے، اس کو فروخت کرنا باطل ہے، اس لئے کہ وہ غیر معلوم بے قیمت اور سپردگی پر قدرت سے خالی ہے[4]۔

محل عقد سے متعلق دوسری شرط:

۷ - یہ کہ معقود علیہ مال ہو، مال سے مراد فقہی اصطلاح والا مال ہے یعنی جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، اور اس کو خرچ کیا جاتا اور روکا جاتا ہے[1]۔ (دیکھئے: اصطلاح "مال")، لہذا غیر مال کی بیع منعقد نہ ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ مسلمان کسی مردار کی بیع کرے تو یہ باطل ہے، وہ طبعی طور پر مرا ہو یا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو یا کسی اور غیر شرعی ذبح کے ذریعہ مرا ہو۔ اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ"[2] (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون)، اس سے مستثنیٰ صرف مچھلی اور ٹڈی ہیں جس کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے: "أحلّت لنا ميتتان ودمان: فأما الميتتان فالحوت والجراد، وأما الدمان فالكبد والطحال"[3] (ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: مردار مچھلیاں اور ٹڈی ہیں، اور خون جگر اور تلی ہیں)۔

رہا ذمی کا مردار فروخت کرنا: تو اگر وہ فطری موت مرا ہو یعنی ضرب وقتل کے ذریعہ نہ مرا ہو (یعنی رمق باقی رہنے تک اس کی سانس جاری رہی ہو) تو وہ بالاتفاق مال نہیں۔

جو جانور فطری موت نہ مرا ہو بلکہ گلا گھوٹنے کے سبب مرا ہو یا ذمی کے دین کے مطابق اس کو مارا گیا ہو، اور ہماری شریعت میں وہ ذبح نہ ہو تو اس کی بیع کے جواز وفساد کے بارے میں حنفیہ کے یہاں مختلف روایتیں ہیں: امام ابو یوسف سے جواز کی روایت اور امام محمد

---

(۱) حدیث ابن عمرؓ: "نهى النبي ﷺ عن عسب الفحل" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۶۱ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۹۔

(۳) سورۂ یوسف/ ۸۲۔

(۴) تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج لابن حجر ہیتمی مع حاشیۃ الشروانی و العبادی ۴/ ۲۹۳، کشاف القناع ۳/ ۱۶۶، المغنی ۴/ ۲۷۷۔

(۱) الدر المختار بحوالہ درر الحکام ۳/ ۱۰۰۔

(۲) سورۂ مائدہ/ ۳۔

(۳) حدیث: "أحلت لنا ميتتان و دمان......" کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۱۰۷۳ طبع عیسیٰ الحلبی) نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً کی ہے، دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ پر اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے۔ ابن حجر نے اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: موقوف روایت ہے، جس کو ابو حاتم وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، وہ مرفوع کے حکم میں ہے (تلخیص الحبیر ۱/ ۲۶ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

سے فساد کی روایت ہے، باطل ہونے کی کوئی روایت نہیں [1]۔

غیر حنفیہ بیع کے باطل ہونے کے تعلق سے فطری طور پر مردہ، اور غیر فطری طور پر مردہ جانور کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

ابن المنذر نے کہا: مردار یا اس کے کسی جزء کی بیع کے عدم جواز پر اہل علم کا اجماع ہے [2]۔

تحریم کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے: "إن الله ورسوله حرم **بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام**" [3] (اللہ تعالی اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی بیع کو حرام کیا ہے)۔

دم مسفوح (جاری خون) کی بیع حرام اور غیر منعقد ہوگی، اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: "أَوْ دَماً مَسْفُوحاً" [4] (یا بہتا ہوا خون)، "مسفوح" کی قید سے جو اس کے علاوہ ہے وہ خارج ہوگیا، لہذا اس کی بیع جائز ہے، مثلاً جگر اور تلی [5]، ان دونوں کو تحریم سے مذکورہ بالا حدیث کے سبب استثناء کیا گیا: "**أحلت لنا ميتتان و دمان**......" (ہمارے لئے دو مردار، اور دو خون حلال کئے گئے ہیں.....) اس میں کوئی اختلاف نہیں، ابن المنذر اور شوکانی نے اس کی بیع کے حرام ہونے پر اہل علم کے اجماع کی صراحت کی ہے [1]۔

مردار اور خون وغیرہ کی تحریم کی علت حنفیہ کے نزدیک مالیت کا نہ ہونا، اور دوسرے حضرات کے نزدیک نجاست عین ہے [2]۔

محل عقد میں مالیت کے نہ ہونے کی صورتوں میں سے آزاد کی بیع، اسی طرح آزاد کو ثمن بنا کر اس کے عوض بیع، یعنی اس پر "باء" داخل کر کے کہے: "**بعتك هذا البيت بهذا الغلام**" حالانکہ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہو، اس لئے کہ حقیقت بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے، اور وہ یہاں موجود نہیں، اس لئے کہ وہ مال نہیں ہے [3]۔

اس بیع کی تحریم پر سخت وعید اس حدیث میں وارد ہے: "**ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة، ومن كنت خصمه خَصَمته، رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيرا، فاستوفى منه ولم يعطه أجره**" [4] (میں قیامت کے دن تین آدمیوں کا فریق ہوں گا اور جس کا میں فریق ہوں گا اس کو مغلوب کردوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا، پھر فریب کیا، دوسرے وہ جس نے آزاد کو فروخت کر کے اس کا ثمن کھایا، تیسرے وہ جس نے مزدور سے پوری محنت لی، پھر اس کی مزدوری نہ دی)۔

تیسری شرط: مالیت والا ہونا:

۸- محل عقد سے متعلق شرائط میں اس کے مال ہونے کے ساتھ

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۱۔

(۲) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۳، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۷۔

(۳) حدیث: "إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۲۴ طبع السلفیہ) نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے کی ہے۔

(۴) سورۂ أنعام/ ۱۴۵۔

(۵) الدر المختار ۴/ ۱۰۱۔

---

(۱) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۳، نیل الاوطار ۵/ ۱۴۴۔

(۲) دیکھئے: القوانین الفقہیہ/ ۱۶۳، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰، شرح المحلی علی المنہاج ۳/ ۱۵۷۔

(۳) الدر المختار ۴/ ۱۰۱، بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۰۔

(۴) حدیث: "ثلاثة أنا خصمهم......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۴۷ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

ساتھ، اس کا متقوم ہونا بھی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک متقوم ہونا دو طرح سے ہے:

عرفی: جو حفاظت میں لینے کے ذریعہ ہوتا ہے، لہذا غیر محفوظ مثلاً شکار اور گھاس، متقوم نہیں۔

شرعی: جو انتفاع کی اباحت کے ذریعہ ہوتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے۔

لہذا اس مفہوم کے لحاظ سے جو مال متقوم نہ ہو یعنی اس سے انتفاع مباح نہ ہو، اس کی بیع باطل ہے [1]۔

بعض فقہاء مالیت، اور تقوم کے بجائے طہارت اور نفع کی شرط لگاتے ہیں جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ نے کیا ہے [2]۔

بعض نے تقوم کی اس شرط کے بجائے صرف مالیت کی شرط لگائی ہے، جو ان کے نزدیک مال کی اس تعریف کی وجہ سے ہے کہ مال وہ جس میں کوئی غیر حرام منفعت ہو، اور وہ بلا حاجت یا ضرورت کے مباح ہو۔ اور یہ حنابلہ ہیں۔

''منفعت'' کی قید سے وہ خارج ہوگیا جس میں کوئی منفعت نہیں مثلاً کیڑے مکوڑے، اور وہ جس میں حرام منفعت ہو مثلاً شراب، اور جس میں حاجت کی وجہ سے مباح منفعت ہو مثلاً کتا، اور جس میں ضرورت کی وجہ سے مباح منفعت ہو مثلاً مخمصہ (سخت بھوک) کی حالت میں مردار [3]۔

۹ - غیر متقوم کی مثالوں میں سے خمر اور خنزیر کی بیع ہے، یہ جمہور فقہاء کے نزدیک فاسد ہے۔

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۳۔

(۲) دیکھئے: القوانین الفقہیہ رص ۱۶۳، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۷۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۵۲۔

اس کی علت اس کے عین کا نجس ہونا ہے، اور ان ہی دونوں کے حکم میں بقیہ نجس العین کو رکھا گیا ہے [1]۔ اسی طرح ہر اس چیز کو جس کی نجاست اصلی یا ذاتی ہو اور اس کی تطہیر ناممکن ہو [2]۔

ابن قدامہ نے ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ اس قول پر اہل علم کا اجماع ہے [3]۔ اس کی دلیل حضرت جابر کی یہ سابقہ حدیث ہے: **"إن الله و رسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام"** [4] (اللہ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کیا ہے)۔

حنفیہ کے یہاں فرق ہے: اگر ان مذکورہ چیزوں کی بیع ثمن یا ذمہ میں واجب دین کے عوض ہو تو باطل ہے، لیکن اگر ان کی بیع، ''اعیان'' یا ''عروض'' کے عوض ہو تو شراب میں بیع باطل ہوگی اور اس کے بالمقابل اعیان وعروض میں فاسد ہوگی، فرق کی وجہ یہ ہے کہ مبیع ہی بیع میں اصل ہے، اور شراب وغیرہ تملیک کا محل نہیں ہوتی، اس لئے ان میں بیع باطل ہوگئی تو ان کا ثمن بھی باطل ہوگا۔

لیکن اگر ثمن عین ہو تو اس صورت میں وہ ایک لحاظ سے مبیع ہے جس کو ملکیت میں لینا مقصود ہوتا ہے، لیکن اس کو قیمت بنانا فاسد ہوگیا، اس لئے اس کی قیمت واجب ہوگی، نہ کہ وہ شراب جس کو بطور قیمت مقرر کیا گیا ہے [5]۔

---

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۵۔

(۲) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰، شرح الخرشی علی مختصر خلیل بحاشیۃ العدوی ۵/ ۱۵ طبع بیروت۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۵۲، الشرح الکبیر بذیل المغنی ۴/ ۱۳۔

(۴) حدیث: "ان الله حرم بيع الخمر و الميتة....." کی تخریج فقرہ/ ۷ کے تحت آچکی ہے۔

(۵) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۴/ ۴۴، ۴۵ طبع دار المعرفہ بیروت۔

اسی طرح حنفیہ نے مذکورہ چیزوں کی بیع میں مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق کیا ہے، اس سلسلہ میں کاسانی کہتے ہیں: خنزیر کی بیع مسلمان کی طرف سے منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ مسلمانوں کے حق میں وہ مال نہیں، لیکن اہل ذمہ کو آپس میں شراب اور خنزیر کی بیع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، جس کی دلیل یہ ہے:

الف۔ ہمارے بعض مشائخ کا قول ہے کہ ان کے لئے اس سے انتفاع شرعاً مباح ہے، جیسا کہ سرکہ اور بکری ہمارے لئے مباح ہیں، لہذا وہ ان کے حق میں مال ہیں، اس لئے ان کی بیع جائز ہوگی، اور سیدنا عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے شام میں اپنے محصلین عشر کے پاس لکھا کہ اس کی بیع ان کے ذمہ سونپ دو، اور اس کے ثمن میں سے عشر لے لو، اگر ان کی طرف سے اس کی بیع جائز نہ ہوتی تو حضرت عمر محصلین کو یہ حکم نہ دیتے کہ ذمیوں کو ان کی بیع کا کام سونپ دو۔

ب۔ ہمارے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ شراب اور خنزیر کی حرمت مسلمان اور کافر کے حق میں علی العموم ثابت ہے، اس لئے کہ کفار شرائع یعنی محرمات کے مخاطب ہیں، ہمارے اصحاب کے مذہب میں صحیح یہی ہے، لہذا اس کی حرمت مسلمان اور کافر کے حق میں ثابت ہوگی، لیکن ان کو اس کی بیع کرنے سے نہیں روکا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کو حرام نہیں سمجھتے اور وہ اس کو مال بنا کر جمع کرتے ہیں، اور ہم کو حکم ہے کہ ان کو ان کے عقیدہ اور دین پر چھوڑ دیا جائے [1]۔

ابن عابدین رحمہ اللہ کاسانی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں اس کی بیع صحیح ہے، گو کہ ''ثمن'' کے عوض فروخت کی جائے [2]۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۳۔

(۲) رد المحتار ۴/ ۱۰۴۔

۱۰- حنفیہ کے نزدیک غیر متقوم ہی کی مثالوں میں سے وہ مردار ہے جو فطری موت نہ مرا ہو، بلکہ گلا گھونٹنے وغیرہ کی وجہ سے مرا ہو، اس لئے کہ وہ ذمی کے یہاں شراب کی طرح مال ہے [1]، مالیت کی شرط میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

۱۱- غیر متقوم سے متعلق وہ ناپاک ہوجانے والی چیز ہے جو نا قابل تطہیر ہو مثلاً گھی، تیل، شہد، دودھ اور سرکہ۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں سے اکثر کا مشہور اور اصح مذہب ان کی بیع کا عدم جواز ہے، اس لئے کہ ان کا کھانا حرام ہے، کیونکہ حضور ﷺ سے اس چوہیا کے بارے میں دریافت کیا گیا جو گھی میں مرگئی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**و إن كان مائعا فلا تقربوه**'' [2] (اور اگر سیال ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ)۔ اور جب حرام ہے تو اس کی بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: ''**لعن الله اليهود، حرمت عليهم الشحوم، فجملوها (أي أذابوها) فباعوها.....**'' [3] (اللہ کی لعنت یہودیوں پر ہو کہ ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر دیا)۔

نیز اس لئے کہ وہ نجس ہے، لہذا مردار کی چربی پر قیاس کرتے ہوئے اس کی بیع ناجائز ہوگی، اس لئے کہ وہ نجس العین کے معنی میں ہے [4]۔

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۴/ ۱۰۳، نیز دیکھئے: فقرہ/ ۷۔

(۲) حدیث ''و إن كان مائعا فلا تقربوه.....'' کی روایت ابوداؤد (۱۸۱/۴ تحقیق عزت عبید دعاس) نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے (فتح الباری ۱/ ۳۴۴ طبع السلفیہ)۔

(۳) حدیث: ''لعن الله اليهود.....'' کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۰۷ طبع عیسی الحلبی) نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کی ہے۔

(۴) القوانین الفقہیہ رص ۱۶۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۷، کشاف القناع ۳/ ۱۶۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۵۔

مالکیہ نے طے کیا ہے کہ ان کے مذہب میں مشہور یہ ہے کہ اختیاری طور پر اس کی بیع ناجائز ہے، ہاں اضطراری طور پر جائز ہے[1]مشہور کے بالمقابل امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے، ابن اللباد، اسی پر فتوی دیتے تھے۔

ابن رشد نے کہا: امام مالک سے مشہور، اور "المدونہ" وغیرہ میں ان کے مذہب سے یہی معلوم ہے کہ اس کی بیع ناجائز ہے، اور اظہر یہ ہے کہ اس کی بیع اس شخص کی طرف سے جائز ہے جو اس کے ذریعہ دھوکہ نہ دے، اور وہ بیان کردے، اس لئے کہ نجاست کے گر جانے سے اس کا نجس ہونا، اس سے اس کے مالک کی ملکیت کو ساقط نہیں کرتا، اور اس کے تمام منافع ختم نہیں ہوتے، اور یہ بھی ناجائز ہے کہ اس کے حق میں اس کو تلف کردیا جائے، لہذا اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو ایسے شخص کے ہاتھ میں فروخت کردے جو اس کو اس جگہ صرف کرے جہاں وہ اس کو صرف کرسکتا تھا، اور تیل کے بارے میں یہی حکم ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جو اس کے دھونے کو ناجائز کہتے ہیں، لیکن جو لوگ اس کے دھونے کو جائز کہتے ہیں (اور یہ امام مالک سے مروی ہے) ان لوگوں کی رائے کے مطابق اس کی بیع کی صورت وہی ہے جو ناپاک ہونے والے کپڑے کی ہے[2]۔

ابن جزی نے ابن رشد کے قیاس کو اس صورت میں شامل کیا ہے جس کو ابن وہب نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ اگر وہ اس کو بیان کردے، اور غیر مساجد میں اس کے ذریعہ چراغ جلانے کے بارے میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے[3]۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مذکورہ مقام۔

(۳) القوانین الفقہیہ رص ۱۶۳۔

شافعیہ کے یہاں ایک قول جو ان کے نزدیک اصح کے بالمقابل ہے یہ ہے کہ اگر اس کی تطہیر ممکن ہو اس طور پر کہ اس کو کسی برتن میں رکھ کر اتنا پانی بہایا جائے کہ پانی غالب ہوجائے، اور اس کو ایک لکڑی سے ہلایا جائے یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء تک پانی پہنچ تو ناپاک ہونے والے کپڑے پر قیاس کرتے ہوئے اس کی بیع جائز ہوگی، لیکن شافعیہ کے یہاں اصح قول بیع سے ممانعت ہے، اس لئے کہ اس کو پاک کرنا ناممکن ہے، اس کی دلیل چوہیا والی سابقہ حدیث ہے، اس لئے کہ اگر اس کی تطہیر ممکن ہوتی تو حدیث میں یہ نہ کہا جاتا: "ألقوها وما حولها" (اس کو اور اس کے اطراف کو پھینک دو) اور ایک روایت میں ہے: "فأريقوه"[1] (اس کو بہادو)، اسی طرح ان کے یہاں ناپاک پانی کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔

لہذا بعض کے نزدیک بیع جائز ہے، اس لئے کہ اس کو اس طرح پاک کرنا ممکن ہے کہ اس میں پانی کا اضافہ کردیا جائے۔

بعض مالکیہ نے قطعی طور پر ناجائز کہا ہے اور یہی معتمد ہے (جیسا کہ قلیوبی اپنے شیخ کے حوالہ سے کہتے ہیں) اگر پانی دو قلہ (گھڑے) سے کم ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ فی الحال اس کی نجاست مدنظر ہے، لیکن اگر دو قلہ سے زائد ہو تو ان کے نزدیک صحیح ہے[2]۔

اسی طرح حنابلہ نے جو نجس تیل کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں امام احمد سے روایت کی ہے کہ کسی کافر کے ہاتھ جو اس کی نجاست سے

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۷، تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۴/ ۲۳۵، ۲۳۶۔

حدیث: "ألقوها وما حولها......"، اور ایک دوسری روایت میں "فأريقوه" ہے کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/ ۶۶۸ طبع السلفیہ) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کی ہے۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج وحاشیہ قلیوبی ۲/ ۱۵۷۔

واقف ہو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کو حلال سمجھتا ہے، اور اس کے کھانے کو مباح قرار دیتا ہے، نیز اس لئے کہ حضرت ابوموسی سے مروی ہے کہ "اس میں ستو ملادو، اور فروخت کردو، لیکن کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت نہ کرو، اور اس کو بتادو"۔ لیکن حنابلہ کے یہاں صحیح عدم جواز ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عباس کی سابقہ حدیث میں ہے: " **لعن الله اليهود، حُرّمتْ عليهم الشحوم فجملوها**"[1] (یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو کہ ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلایا)۔

نیز اس لئے کہ کسی مسلمان کے ہاتھ اس کی بیع جائز نہیں تو کسی کافر کے ہاتھ بھی جائز نہیں ہوگی، جیسا کے شراب اور خنزیر، کیونکہ وہ اس کو حلال سمجھتے ہیں تاہم اس کی بیع ان کے ہاتھ جائز ہے۔

نیز اس لئے کہ یہ نجس تیل ہے، لہذا اس کی بیع کسی کافر کے ہاتھ جائز نہیں ہوگی جیسا کہ مردار کی چربی[2]۔

رہا ناپاک ہونے والا کپڑا یا ناپاک ہونے والا برتن، اور اس جیسی دوسری ناپاک ہوجانے والی اشیاء جو دھونے سے پاک ہوجاتی ہیں، تو ان کی بیع کی صحت کی انہوں نے صراحت کی ہے، کیونکہ ان سے تطہیر کے بعد فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور ان کی طہارت ہی اصلی ہے، البتہ ان پر ایسی نجاست عارضی طور پر لگ گئی ہے جس کا زائل کرنا ممکن ہے۔

مالکیہ نے نجاست بیان کرنے کو علی الاطلاق واجب قرار دیا ہے، خواہ کپڑا (مثلاً) نیا ہو یا پرانا، خواہ دھونے سے وہ خراب ہوجائے یا خراب نہ ہو، اور خواہ خریدار نمازی ہو یا نمازی نہ ہو، انہوں نے کہا: اس لئے کہ طبیعت کو اس سے گھن آتی ہے، اور اگر وہ اس کو بیان نہ کرے تو مشتری کے لئے خیار ثابت ہوگا[1]۔

جبکہ حنفیہ نے (جمہور کے نزدیک اصح اور مشہور کے برخلاف) صراحت کی ہے کہ ناپاک ہوجانے والے تیل (جس میں عارضی طور پر نجاست لگ گئی ہو) کی خرید وفروخت جائز ہے، اور کھانے کے علاوہ مثلاً غیر مساجد میں چراغ جلانے اور دباغت وغیرہ میں اس سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیا ہے[2]۔

حنفیہ نے نجاست آلود تیل، اور مردار کے تیل کے درمیان فرق کیا ہے، کیونکہ مردار کا تیل نجس ہے، اس لئے کہ وہ مردار کا جز ہے، لہذا وہ مال نہیں ہوگا، پس اس کی خرید وفروخت بالاتفاق ناجائز ہوگی جیسا کہ اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے[3]۔ ابن عابدین نے اس کے لئے اس حدیث سے استدلال کیا: " **إن الله و رسوله حرّم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، فقيل يا رسول الله! أرأيت شحوم الميتة، فإنها يطلى بها السفن، ويدهن بها الجلود، ويستصبح بها الناس؟ فقال: لا، هو حرام**"[4] (اللہ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام قرار دی ہے، دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا حکم بتائیں کہ اس کو کشتیوں پر ملتے ہیں، کھالوں پر لگاتے ہیں، لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے)۔

۱۲ – بے قیمت، نجاست اور نجاست آلودہ چیزوں سے متصل مردار

---

(۱) حدیث: "لعن الله اليهود" کی تخریج فقرہ/۱ میں گذر چکی ہے۔

(۲) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍۱۵، کشاف القناع ۳؍۱۵۶۔

---

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۳؍۱۰، نیز دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲؍۱۵۷، کشاف القناع ۳؍۶۔

(۲) الدر المختار ۴؍۱۱۴۔

(۳) رد المحتار ۴؍۱۱۴، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴؍۵۱۔

(۴) حدیث: "إن الله و رسوله حرم بيع الخمر و الميتة......" کی تخریج فقرہ/ ۷ کے تحت آچکی ہے۔

کی ہڈی، اس کی کھال، اس کا اون، اس کا کھر اور اس کے پر وغیرہ ہیں۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان کی خرید فروخت نجاست کے سبب ناجائز ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ"[1] (تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار) اور یہ سب مردار کے اجزاء ہیں، لہذا حرام ہوں گے، اور ان کی خرید فروخت جائز نہ ہوگی، اور حدیث میں وارد ہے: "لا تنتفعوا من الميتة بإهاب ولا عصب"[2] (کسی مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ)، بلکہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ مردار کی کسی بھی چیز کی خرید فروخت جائز نہیں گو کہ یہ مضطر اور مجبور کے ہاتھ ہو، البتہ مچھلی، ٹڈی اور جندب (بڑی ٹڈی) اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ ان کا کھانا حلال ہے[3]۔

حنفیہ نے اس مسئلہ میں آدمی اور غیر آدمی کے درمیان، اور دباغت سے قبل اور دباغت کے بعد مردار کی کھال کے درمیان تفصیل کرتے ہوئے کہا:

الف۔ دباغت سے قبل مردار کی کھال کی خرید فروخت جائز نہیں ہے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے: "لا تنتفعوا من الميتة بإهاب ولا عصب" (کسی مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ) نیز اس لئے کہ اس کی نجاست ان رطوبتوں کے سبب ہے جو اصل خلقت کے لحاظ سے اس سے متصل ہیں، لہذا وہ مردار کے گوشت کی طرح ہوگئیں، اس کے برخلاف نجس کپڑے کی خرید فروخت جائز ہے، اس لئے کہ اس کی نجاست اصل خلقت کے لحاظ سے نہیں، لہذا اس کی خرید فروخت کے جواز سے ممانعت نہیں۔

ب۔ ہاں دباغت کے بعد اس کی بیع اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس لئے کہ وہ دباغت کے سبب پاک ہوگئی۔

ج۔ رہی ہڈی وغیرہ تو اصل خلقت کے لحاظ سے وہ پاک ہے، اور حنفیہ کے نزدیک قاعدہ ہے کہ جس چیز میں خون سرایت نہ کرے موت کے سبب وہ نجس نہیں ہوتی، مثلاً بال، پر، وبر (اونٹ، خرگوش وغیرہ کے بال) سینگ، کھر اور ہڈی، جیسا کہ انہوں نے طہارتوں کے بیان میں اس کی صراحت کی ہے[1]، لہذا اس کی خرید فروخت اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں حنفیہ کی دلیل جیسا کہ کاسانی نے لکھا ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں ہمارے لئے پیدا کی ہیں، اور ان کے ذریعہ ہم پر احسان جتایا ہے اور ذبیحہ اور مردار کے درمیان کوئی تفصیل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اباحت یقینی ہے، فرمان باری ہے: "وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِن بُيُوتِكُمْ سَكَناً، وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُوْدِ الأَنْعَامِ بُيُوتاً تَسْتَخِفُّونَها يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَ مِنْ اَصْوَافِها و اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَا أَثَاثاً وَمَتَاعاً إِلىٰ حِيْنٍ"[2] (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروجہ سکون بنائے اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی

---

(۱) سورۂ مائدہ ر ۳۔

(۲) حدیث: "لا تنتفعوا من الميتة....." کی روایت ترمذی (۲۲۲/۴ طبع عیسی الحلبی) نے حضرت عبداللہ بن عکیم سے کی ہے ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۳) دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۱۰/۳، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲۲/۳، کشاف القناع ۱۵۵/۳، ۱۵۶۔

(۱) مذکورہ چیزوں کی طہارت کے بارے میں مثلاً دیکھئے: مراقی الفلاح بحاشیۃ الطحطاوی ر ص ۹۱ طبع سوم بولاق ۱۳۱۸ھ۔

(۲) سورۂ نحل ر ۸۰۔

چیزیں بنائیں)۔

نیز اس لئے کہ مردار کی حرمت موت کی وجہ سے نہیں، کیونکہ موت مچھلی اور ٹڈی میں بھی موجود ہے، حالانکہ وہ دونوں نص کی رو سے حلال ہیں، بلکہ اس کی نجاست ان میں موجودہ سیال رطوبتوں اور نجس خون کے سبب ہے، اس لئے کہ موت کے سبب وہ جم جاتے ہیں، اور اسی وجہ سے مردار کی کھال دباغت کے سبب پاک ہوجاتی ہے، حتی کہ اس کی رطوبت کے زائل ہوجانے کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہوجاتی ہے، اور ان چیزوں میں کوئی رطوبت نہیں، لہذا یہ حرام نہیں ہوں گی [1]۔ بلکہ حنفیہ مثلاً زیلعی نے صراحت کی ہے کہ درندوں کے گوشت، ان کی چربی اور ان کی کھال شرعی طور پر ذبح کرنے کے بعد، دباغت کے بعد مردار کی کھال کی طرح ہیں، حتی کہ ان کی خرید وفروخت اور کھانے کے علاوہ میں ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی طور پر ذبح کرنے سے وہ پاک ہوگئی ہیں۔ ہاں سور کی کھال اس سے مستثنی ہے، اس لئے کہ وہ نجس العین ہے (یہی حکم اس کے گوشت، ہڈی اور بال کا ہے)، لہذا وہ شرعی طور پر ذبح کرنے اور دباغت سے بھی پاک نہیں ہوگی، اگر چہ (خنزیر کے علاوہ میں) بعض حنفیہ کا اختلاف ہے، چنانچہ شرنبلالی نے تحقیق کی ہے کہ شرعی ذبح کرنا اس جانور کی کھال کو پاک کردیتا ہے جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا، البتہ اس کے گوشت کو پاک نہیں کرتا صحیح ترین فتوی یہی ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھی کی ہڈی کی خرید وفروخت اور اس سے فائدہ اٹھانا بقیہ درندوں کی طرح جائز ہے۔

امام محمد کے نزدیک یہ ناجائز ہے اور وہ ان کے نزدیک سور کی طرح ہے [1]۔

انسان کی ہڈی اور اس کے بال کے بارے میں حنفیہ جمہور کے موافق ہیں کہ اس کی خرید وفروخت نہیں ہوگی، کاسانی نے کہا: اس کی نجاست کے سبب نہیں، کیونکہ وہ صحیح روایت کے مطابق پاک ہے، بلکہ اس کے احترام میں ناجائز ہے، خرید وفروخت کے ذریعہ اس کے استعمال میں اس کی اہانت کی علامت ہے [2]۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لعن الله الواصلة والمستوصلة" [3] (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جوڑا لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت کی ہے)۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے، اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ انسان شرعاً قابل احترام ہے گو کہ کافر ہو، لہذا اس پر عقد کرنا، اس کو استعمال کرنا، اور اس کو جمادات کے برابر کرنا اس کی توہین ہے جو ناجائز ہے، اور انسان کا جزء اس کے کل کی طرح ہے۔ حنفیہ میں سے کمال بن الہمام نے اس کی خرید وفروخت کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے [4]۔

کتے کی خرید وفروخت:

۱۴۳ - شافعیہ وحنابلہ کا مذہب، اور مالکیہ کے یہاں مشہور یہ ہے کہ کتے کی خرید وفروخت خواہ کوئی بھی کتا ہو گرچہ سکھایا ہوا ہو، صحیح نہیں،

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۲، نیز دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۱۴۔

(۱) مراقی الفلاح/ ۹۱، یہ نور الایضاح کے متن کی عبارت ہے نیز دیکھئے: تبیین الحقائق وحاشیۃ الشلبی ۱/ ۵۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۲۔

(۳) حدیث: "لعن الله الواصلة و المتوصلة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/ ۳۷۸ طبع السلفیہ) نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کی ہے۔

(۴) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۵۔

اس کی دلیل حضرت ابو جحیفہ کی صحیح حدیث ہے: "أن رسول الله ﷺ نهى عن ثمن الدم و ثمن الكلب، و كسب البغي ولعن الواشمة والمستوشمة، وآكل الربا وموكله، ولعن المصورين"[۱] (رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور زنا یا حرام کمائی سے منع فرمایا، اور آپ ﷺ نے گدنا گودنے والی اور گودوانے والی، سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اور صورت بنانے والے سب پر لعنت کی ہے)۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمروؓ کی حدیث ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن ثمن الكلب، ومهر البغي، وحلوان الكاهن"[۲] (رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زنا کی اجرت اور نجومی کی اجرت سے منع فرمایا)۔

بعض مالکیہ نے ایسے کتے جس کے پالنے کی اجازت ہے، اور ایسے کتے کے درمیان جس کے پالنے کی اجازت نہیں، فرق کرتے ہوئے کہا کہ اول کی خرید فروخت جائز ہے، اور دوسرے کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کے مذہب میں کتے کی خرید فروخت صحیح ہے، کتا کوئی بھی ہو خواہ کاٹ کھانے والا ہو۔

تفصیل اصطلاح "کلب" میں ہے۔

رہی بلی تو جمہور فقہاء اس کی خرید فروخت کے جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ وہ فائدہ اٹھائے جانے کے قابل جانور ہے، جمہور نے حضرت جابر کی حدیث: "نهى رسول الله ﷺ عن ثمن الكلب والسنور"[۱] (رسول اللہ ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا) کو غیر مملوک یا غیر نفع بخش بلی پر محمول کیا ہے، اس کی تفصیل اصطلاح "ہر" میں ہے۔

درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور کیڑوں کی خرید و فروخت:

۱۴ - **تمام** مذاہب کا اتفاق ہے کہ درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں کی خرید فروخت جائز نہیں ہے اگر وہ کسی بھی درجہ میں انتفاع کے قابل نہ ہوں۔ لیکن اگر ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو تو ان کی خرید فروخت جائز ہے، البتہ خنزیر کی جائز نہیں، اس لئے کہ وہ نجس العین ہے، تو جب اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں تو اس کی خرید فروخت بھی جائز نہیں ہوگی[۲]۔

لیکن فقہاء کے یہاں اس نفع کی تشریح کے بارے میں مختلف آراء ہیں جو درندوں کی خرید فروخت کا جواز پیدا کرتا ہے:

۱۵ - حنفیہ (اپنے یہاں ظاہر روایت میں) اور مالکیہ اپنے مذہب کے راجح قول میں اس طرف گئے ہیں کہ نفع سے مراد مطلق فائدہ ہے گو کہ کھال کے ذریعہ ہو، اور سکھائے ہوئے اور بغیر سکھائے ہوئے میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں حنفیہ کی ایک عبارت یہ ہے: کتا گو کہ کاٹ کھانے والا ہو، تیندوا، ہاتھی، بندر اور ہر قسم کے درندے حتی کہ بلی، اسی طرح پرندوں (درندہ پرندوں) سکھائے گئے ہوں یا نہ ہوں ان

---

(۱) حدیث: "نهى عن ثمن الدم......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۲۶ طبع السلفیہ) نے حضرت ابو جحیفہؓ سے کی ہے۔

(۲) حدیث: "نهى عن ثمن الكلب و مهر البغي و حلوان الكاهن......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۲۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۹۸ طبع عیسی الحلبی) نے حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے کی ہے۔

(۱) حدیث: "نهى عن ثمن الكلب" کی روایت ابو داؤد (۳/ ۷۵۴ تحقیق عزت عبید دعاس) نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کی ہے اور اس کی اصل صحیح مسلم (۳/ ۱۱۹۹ طبع عیسی الحلبی) میں ہے۔

(۲) مثلاً دیکھئے: الدر المختار ۴/ ۲۱۴، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۱، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۳۸، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۳۔

کی خرید فروخت صحیح ہے، البتہ سور اس سے مستثنی ہے، یہی مختار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے اور ان کی کھال سے نفع اٹھانا ممکن ہے[1]۔

زیلعی نے بھی ان کی خرید فروخت کے جواز کی توجیہ یہی کی ہے کہ شرعاً ان سے نفع اٹھانا جائز ہے، اور وہ عادتاً تعلیم قبول کرتے ہیں، پھر زیلعی نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ پیش کیا ہے:

ہر وہ چیز جو فی الحال یا انجام کار، شرعاً اس قابل ہو کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے اور اس کی قیمت ہو اس کی خرید فروخت جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے[2]۔

حصکفی نے کہا: خرید فروخت کے جواز کا مدار نفع اٹھانے کے حلال ہونے پر ہے[3]۔

بابرتی نے کہا: جب یہ ثابت ہے کہ حکم کا مدار نفع اٹھانے پر ہے تو یہ حکم تیندوا، چیتا اور بھیڑیے میں ثابت ہوگا، برخلاف موذی کیڑوں کے مثلاً سانپ، بچھو اور بھیڑیا کہ ان سے نفع نہیں اٹھایا جاتا[4]۔ یہی حکم غیر موذی زمینی کیڑے مثلاً گبریلا، چوہا، چیونٹی، چھپکلی سیہی اور گوہ یا سمندری چھوٹے جانور مثلاً مینڈک، اور کیکڑا کا ہے[5]۔

۱۶- مذہب مالکیہ میں بلی اور درندے کی خرید فروخت کھال کے لئے جائز ہے، رہا صرف گوشت یا گوشت اور کھال دونوں کے لئے خرید فروخت مکروہ ہے[6]۔ یہ مالکیہ کے نزدیک درندوں کے گوشت کے حکم پر مبنی ہے۔

رہے پنجوں والے شکاری پرندے تو ان کا گوشت مالکیہ کے نزدیک مباح ہے مثلاً باز، عقاب اور گدھ، اور مالکیہ نے چمگادڑ کو مکروہ کہا ہے۔

درندہ جانوروں کے بارے میں مالکیہ کے تین اقوال ہیں:

کراہت، ممانعت، اور موذی اور غیر موذی میں فرق، چنانچہ موذی (جو انسان پر حملہ کرے) مثلاً شیر، تیندوا، چیتا اور بھیڑیا حرام ہیں، اور غیر موذی مثلاً ریچھ، لومڑی، بجو، اور علی الاطلاق بلی مکروہ ہیں۔

لیکن "مختصر خلیل" میں ہے کہ وہ مکروہ ہیں حتی کہ ان کے نزدیک ہاتھی بھی[1]۔

۱۷- شافعیہ نے نفع کی تشریح، شکار اور حراست (حفاظت) جیسے الفاظ سے کی ہے، خواہ یہ نفع انجام کے اعتبار سے ہو یعنی اس کو سدھانا اور تعلیم دینا متوقع ہو۔ لیکن جس میں کوئی فائدہ نہیں اس کی خرید فروخت صحیح نہیں، جیسے پانچ شریر جانور، اور اسی طرح جس جانور کے بارے میں توقع نہ ہو کہ وہ سدھانا سیکھ جائے گا، کیونکہ مثلاً وہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ چنانچہ تیندوے سے شکار میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ہاتھی سے لڑائی میں، بندر سے حراست وحفاظت میں، گھریلو بلی سے چوہے وغیرہ کو ختم کرنے میں، بلبل کی آواز سے انس حاصل کرنے کے لئے اور مور کو اس کے رنگ سے انسیت کے لئے[2]۔

"المنہاج" میں نووی کے قول: "لہذا حشرات اور ہر غیر نافع درندہ کی بیع صحیح نہیں" کے بعد شیخ عمیرہ نے ان میں نفع نہ ہونے کی صورتوں اور وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: مثلاً اس کو کھایا نہ جاتا ہو، اس کے ذریعہ جنگ نہ کی جاتی ہو، وہ سدھایا نہ جاتا ہو، اور بار

(۱) الدر المختار ۴/ ۲۱۴، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۲، ۱۴۳۔
(۲) تبیین الحقائق ۴/ ۱۲۶۔
(۳) الدر المختار ۴/ ۱۱۱، بحوالہ المجتبی۔
(۴) العنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۲۴۷، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۲۴۵، ۲۴۶۔
(۵) فتح القدیر ۶/ ۲۴۶۔
(۶) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۰، ۱۱۔

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۱۱۵، ۱۱۷۔
(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۳۸، نیز دیکھئے: شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳/ ۲۵، ۲۶۔

برداری کے لائق نہ ہو۔

اسی طرح انہوں نے لکھا ہے کہ نفع کا نہ ہونا بسا اوقات حسی ہوتا ہے اور بسا اوقات شرعی، اور یہ کہ نفع کا نہ ہونا مالیت کو ختم کر دیتا ہے، لہذا اس کے عوض میں مال لینا (جیسا کہ انہوں نے رافعی کے حوالے سے لکھا ہے) ناحق مال کھانے کے قریب ہے[۱]۔

۱۸- حنابلہ کا مذہب (جیسا کہ یہی حنفیہ میں امام ابو یوسف سے روایت ہے، اور یہی سرخسی کے یہاں معتمد ہے) یہ ہے کہ جو شکار کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو، اور کسی حالت میں تربیت قبول نہ کرے اس کی خرید فروخت صحیح نہیں:

الف۔ حنابلہ نے خرید فروخت کی صلاحیت نہ رکھنے والے جانوروں کی مثال میں: شیر، بھیڑیا، چیتا، ریچھ اور گدھ، چیل، غراب البقع، (جس میں سیاہی اور سفیدی ہو)، نسر (گدھ) عقعق (کوے کی شکل کا ایک پرندہ)، اور غراب البین، اور ان کے انڈے کو ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ ان میں کوئی نفع نہیں، لہذا ان کی قیمت لینا ناحق مال کھانا ہے، نیز اس لئے کہ کیڑوں کی طرح ان میں بھی مباح نفع نہیں، لہذا وہ خنزیر کے مشابہ ہو گئے۔

البتہ جو شکار کے قابل ہو مثلاً تیندوا، اور مثلاً شقرہ اور باز جو سکھائے ہوئے ہوں یا سیکھنے کے قابل ہوں تو ان میں مباح نفع ہے، لہذا ان کی، ان کے چوزوں، بچوں، اور چوزہ نکالنے کے لئے انڈوں کی خرید فروخت صحیح ہوگی، کیونکہ انجام کار ان میں نفع ہے۔

تاہم حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ بندر کی بیع حفاظت کی غرض سے نہ کہ کھیل کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ حفاظت جیسا کہ حنابلہ نے کہا مباح منافع میں سے ہے[۲]۔

ب۔ حنفیہ نے امام ابو یوسف سے مروی روایت کی مثال میں تفصیل و تطبیق کے ساتھ درج ذیل جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

شیر: اگر تعلیم قبول کرے، اور اس کے ذریعہ سے شکار کیا جاتا ہو تو اس کی خرید فروخت جائز ہے ورنہ نہیں۔

تیندوا اور باز تعلیم قبول کرتے ہوں تو ان کی خرید فروخت ہر حال میں جائز ہے۔

چیتا (جیسا کہ کمال الدین بن ہمام کہتے ہیں)، اپنی طبعی سرکشی کی وجہ سے تعلیم قبول نہیں کرتا، لہذا اس کی خرید فروخت کسی بھی حالت میں جائز نہیں، اسی طرح کاٹنے والا کتا، خاص طور پر امام ابو یوسف کے نزدیک۔

بندر، اس کے بارے میں امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں ہیں:

اول: خرید فروخت جائز ہے، اس لئے کہ اس کی کھال سے نفع اٹھانا ممکن ہے، یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے، اور زیلعی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

دوم: خرید فروخت ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ لہو ولعب کے لئے ہے جو ممنوع ہے، لہذا یہ حرام کام کے لئے حرام کی خرید فروخت ہوگی اور یہ ناجائز ہے۔

کاسانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسی بناء پر ابن عابدین نے کہا: اگر لہو ولعب کا قصد نہ ہو تو اس کی خرید فروخت جائز ہے۔ لیکن لہو ولعب کے قصد کا تقاضا ہے کہ مکروہ ہو، غیر صحیح نہ ہو، جیسا کہ حصکفی نے کہا[۱]۔

لہو ولعب اور گانے بجانے کے آلات کی خرید فروخت:

۱۹- جمہور فقہاء، حنفیہ میں صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی فی ذیل حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۵۸۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۵۳، ۱۵۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۳۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۳، الہدایہ وفتح القدیر ۶/ ۲۴۵، ۲۴۷، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲۶، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۱۱، ۲۱۴۔

رائے ہے کہ لہو ولعب کے حرام آلات اور گانے بجانے کے آلات کی خرید فروخت حرام ہے، لیکن وہ آلات جن کا استعمال جائز ہے مستثنیٰ ہیں۔ اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ ان کی خرید فروخت صحیح نہیں ہے (۱)۔

حرام کی قید، شطرنج جس کی حلت کے امام شافعی قائل ہیں اور مجاہدین کے طبلہ وغیرہ کے خرید فروخت کو خارج کرنے کے لئے ہے، اور حرام آلات میں سے ستار بانسری، شبابہ (ایک قسم کی بانسری)، سارنگی، چنگ، اور رباب ہے۔

حنفیہ میں صاحبین کی رائے ہے کہ یہ آلات معصیت کے لئے بنائے گئے ہیں، لہذا ان کا قیمت والا ہونا باطل ہوگیا، اور ان کی خرید فروخت منعقد نہ ہوگی جیسا کہ شراب (۲)۔

مالکیہ نے لکھا ہے کہ جس شی پر عقد کیا جائے اس کی شرائط میں سے ہے کہ وہ شرعی طور پر قابل انتفاع ہو، گو کہ قلیل ہو مثلاً مٹی، اور اگر منفعت ناجائز ہو تو یہ آلاتِ لہو کی طرح ہے (۳)۔

شافعیہ نے بیان کیا ہے کہ لہو کے حرام آلہ کا، معصیت کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہوتا، اور شرعاً اس میں کوئی نفع نہیں (۴)۔

حنابلہ نے بتایا ہے کہ ان آلات کے توڑنے سے ضمان واجب نہیں ہوتا، اور یہ مردار کی طرح ہیں (۵)۔

گانے بجانے کے اوزار کی بیع کی حرمت جمہور کے قول: ''گانے بجانے کے اوزار اور آلات لہو حرام ہیں'' پر مبنی ہے۔

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ وہ مباح ہیں اگر ان کے ساتھ کوئی حرام کام نہ ہو، لہذا ان کی خرید فروخت ان حضرات کے نزدیک مباح ہوگی (۱)۔

تفصیل اصطلاح ''معازف'' میں ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب (صاحبین کے برخلاف) یہ ہے کہ ان تمام آلات لہو کی خرید فروخت صحیح ہے، یہی شافعیہ کے یہاں ایک ضعیف قول ہے، لیکن اس میں یہ قید ہے کہ ان میں ٹوٹے ہوئے آلات کو مال گردانے کا امکان ہو کہ اس صورت میں ان میں متوقع نفع ہوگا (۲)۔

ایک طرف صاحبین کی رائے ہے کہ آلات لہو معصیت کے لئے بنائے گئے اور فسق وفساد کے لئے اپنائے گئے ہیں (جیسا کہ کاسانی کی تعبیر ہے)، لہذا یہ اموال نہ ہوں گے، اور ان کا قیمت والا ہونا باطل ہوگا جیسا کہ شراب، تو دوسری طرف امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ یہ مال ہیں، کیونکہ نفع اٹھانے کے جائز طریقوں میں ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے یعنی انہیں چیزوں کے لئے ظروف بنالیا جائے اور دوسرے مفادات کو کہ وہ ناجائز چیزوں کے لئے استعمال کے بھی قابل ہیں، لہذا یہ گانے والی باندی کی طرح ہوگئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد با اختیار شخص کے فعل سے ہوتا ہے، لہذا اس کی وجہ سے مال ہونا ساقط نہیں ہوگا۔ اور خرید فروخت کا جواز مالیت اور باقیمت ہونے پر مرتب ہوتا ہے (۳)۔

---

(۱) مثلاً دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۴، القوانین الفقہیہ/ ۱۶۴، شرح المحلی وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۵۸، کشاف القناع ۳/ ۱۵۵۔

(۲) الہدایہ مع شروح آخر باب الغصب ۸/ ۲۹۳۔

(۳) القوانین الفقہیہ/ ۱۶۴، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰، حاشیۃ العدوی علی الخرشی ۵/ ۱۵۔

(۴) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۸، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۲۷۔

(۵) المغنی ۵/ ۲۴۵، ۲۴۶، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۵۵۔

(۱) الدر المختار ۵/ ۱۳۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۳۹۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۸۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۴، الہدایہ مع شروح ۸/ ۲۹۳ تصرف واختصار کے ساتھ۔

بتوں وغیرہ کی خرید وفروخت:

۲۰- آلات لہو کی خرید وفروخت کے بارے میں جمہور کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ کا سابقہ اختلاف یہاں بتوں کی خرید وفروخت میں بھی جاری ہوگا۔

تحریم کے لئے جمہور کی دلیل شرعاً مباح منفعت کا نہ ہونا ہے، اور حضرت جابر کی یہ مرفوع روایت ہے: "إن الله حرّم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام"[1] (اللہ نے شراب، مردار، خنزیر، اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام کیا ہے)۔

جواز کے لئے امام ابوحنیفہ اور بعض شافعیہ کی دلیل ان کو توڑنے کے بعد ان سے نفع ہے، لہذا ان کا نفع متوقع ہے، اس لئے انجام کار کے لحاظ سے ان میں مالیت اور قیمت والی ہونا موجود ہے، اور خرید وفروخت کا جواز انہی دو اوصاف پر مرتب ہوتا ہے۔

شافعیہ میں سے رافعی نے صراحت کی ہے کہ دونوں اوصاف بتوں اور تصویروں میں جاری ہوں گے[2]۔ اسی طرح شوکانی نے صراحت کی ہے[3]۔

ذیل میں بتوں سے تعلق رکھنے والی بعض چیزیں اور ان کے بعض احکام کا ذکر ہے:

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ تصویروں اور صلیبوں کی خرید وفروخت صحیح نہیں ہے، اور بچوں کے لئے تصویروں کی خرید فروخت کی صحت اور ضمان کے بارے میں حنفیہ کے دو قول ہیں[4]۔

(۱) حدیث: "إن الله حرم بيع الخمر والميتة....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۴۲۴ طبع السلفیہ) نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے کی ہے۔
(۲) حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی ۲/ ۱۵۸۔
(۳) نیل الاوطار ۸/ ۱۴۳، اول کتاب البیوع۔
(۴) حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۵۸، رد المحتار ۱/ ۴۳۷۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ وہ روپے جن پر تصویریں ہوتی ہیں ان کی خرید فروخت صحیح ہے، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ یہ تصویریں کسی بھی درجہ میں اعتبار سے مقصود نہیں ہوتی ہیں[1]۔

شافعیہ اس بات میں متردد ہیں کہ سونے، چاندی سے بنے ہوئے صلیب بتوں کے حکم میں ہوں گے یا ان روپیوں کے حکم میں جن پر تصویریں ہوتی ہیں؟

الف۔ اگر اس سے مقصود وہ شعار ہو جو ان کی تعظیم کے لئے مخصوص ہوتے ہیں تو اس کو انہوں نے بتوں کے حکم میں رکھنے کو راجح قرار دیا ہے۔

ب۔ اور انہوں نے اس کو با تصویر روپے کے حکم میں رکھنے کو راجح کہا ہے اگر اس سے مقصود استعمال کے ذریعہ عدم تعظیم ہو[2]۔

چوتھی شرط: خرید وفروخت خود مالک یا اس کا قائم مقام انجام دے:

۲۱- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ خرید وفروخت کے انعقاد کی شرائط میں سے یہ ہے کہ فروخت شدہ چیز پر فروخت کرنے والے یا اس کے مؤکل یا اس کو ولی بنانے والے کی ملکیت ہو، یہ اس صورت میں ہے جبکہ عقد کرنے والا اصالۃً یا نیابۃً خود یا وکالۃً فروخت کرے، لیکن اگر وہ فضولی ہو یعنی صراحت کرے کہ وہ دوسرے کی مملوک چیز کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کررہا ہے تو یہ ان لوگوں کے نزدیک انعقاد کی شرط نہ ہوگی جو فضولی کی بیع کو جائز کہتے ہیں، اس کی تفصیل اصطلاح ''بیع فضولی'' میں ہے۔

اس شرط کی دلیل، حضرت حکیم بن حزامؓ کی یہ روایت ہے، وہ

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۳۹۔
(۲) حوالہ سابق، اور حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۵۸ سے موازنہ کریں۔

فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے ایسا سامان فروخت کروں جو میرے پاس نہیں، تو کیا میں اس کے لئے اس کو بازار سے خرید لوں، پھر اس کے ہاتھ فروخت کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا تبع مالیس عندک''[۱] (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو فروخت نہ کرو)۔

فقہاء نے کہا: مراد یہ ہے کہ جو تمہاری ملکیت اور قدرت میں نہیں۔

بغوی نے کہا: اس حدیث میں غیر مملوکہ چیزوں کو فروخت کرنے کی ممانعت ہے[۲]۔

نیز حدیث میں آیا ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع مالیس عند الإنسان، ورخص في السلم''[۳] (رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جو انسان کے پاس نہیں، البتہ آپ ﷺ نے سلم میں رخصت دی ہے)۔

نیز اس لئے کہ فروخت کرنا، مالک بنانا ہے، لہذا غیر مملوک چیز میں اس کا انعقاد نہ ہوگا[۴]۔

اسی بنا پر اگنے کی جگہ میں موجود گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، خواہ وہ مملوکہ زمین میں اُگی ہو، اس لئے کہ گھاس نص کی رو سے مباح ہے، اور اسی طرح چشمے میں پانی کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے جبتک کہ اسے محفوظ نہ کرلیا جائے، اس کی وجہ یہ حدیث ہے: ''المسلمون شرکاء في ثلاث: في الماء و الکلأ و النار''[۱] (مسلمان تین چیزوں میں یعنی: پانی، گھاس اور آگ میں شریک ہیں)۔ یہی حکم فضاء میں پرندہ اور پانی میں مچھلی کا ہے ان میں سے کسی کی بیع منعقد نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں ملکیت کا سبب یعنی قبضہ کرنا موجود نہیں[۲]۔

اگر گھاس کو اکٹھا کرلیا جائے، مچھلی اور پرندے کا شکار کرلیا جائے اور چشموں اور عوامی نہروں سے پانی کو اٹھالایا جائے تو وہ ملکیت میں آجائیں گے اور ان کو فروخت کرنا جائز ہوجائے گا، اور اسی سلسلہ میں مروی ہے: ''نھی عن بیع الماء إلا ماحمل منه''[۳] (نبی ﷺ نے پانی کو فروخت کرنے سے منع فرمایا الا یہ کہ اسے اٹھالایا جائے)۔

ہم یہاں پر اس شرط کی کچھ عملی فقہی فروعات ذکر کررہے ہیں:

---

(۱) حدیث: ''لا تبع مالیس عندک'' کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/۴۳۰ شائع کردہ المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ) نے حضرت حکیم بن حزام سے کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۱۵۵ طبع العثمانیہ۔

(۳) حدیث: ''نھی عن بیع مالیس عند الانسان و رخص في السلم'' یہ دو حدیثوں سے مرکب ہے: پہلی حدیث ''نھی عن بیع مالیس عندک'' کی روایت ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۴/۴۳۰ طبع السلفیہ مدینہ منورہ) نے حضرت حکیم بن حزام سے کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ رہا سلم میں رخصت دینا تو یہ بخاری (فتح الباری ۴/۴۲۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۲۷ طبع عیسی الحلبی) میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۴۶۔

(۱) حدیث: ''المسلمون شرکاء في ثلاث......'' کی روایت ابوداؤد (۳/۷۵۱ تحقیق عزت عبید دعاس) نے ایک مہاجر سے کی ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے (التلخیص لابن حجر ۳/۶۵ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۴۶، الدر المختار ۴/۱۰۶، ۱۰۷، کشاف القناع ۳/۱۶۰، ۱۶۱۔

(۳) کشاف القناع ۳/۱۶۰، ۱۶۲۔

حدیث: ''نھی عن بیع الماء إلا ماحمل منه......'' کی روایت ابوعبید قاسم بن سلام نے الاحوال (ص ۳۰۴ طبع عبداللطیف حجازی) میں بروایت عبداللہ بن ابوبکر بن ابومریم عن مشیختہ سے کی ہے اور اس کی اسناد میں بعض رواۃ کی جہالت ہے (المیزان للذہبی ۴/۴۹۸ طبع عیسی الحلبی) اور مسلم میں حضرت جابر کی روایت میں ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع فضل الماء......'' (صحیح مسلم ۳/۱۱۹۷ طبع عیسی الحلبی)۔

الف-بیع فضولی:

۲۲-فضولی وہ ہے جو مالک کی طرف سے نہ وکیل ہو نہ ولی، اور یہی حکم اس کے دیگر تمام عقود کا ہے:

حنابلہ کا مذہب اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے، گوکہ مالک اس کے بعد اس کی اجازت دے دے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے: "**لا تبع مالیس عندک**"[1] (جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کو فروخت نہ کرو)، نیز اس لئے کہ یہ غیر ملکیت والی چیز کا مالک بنانا اور ایسی چیز کو فروخت کرنا ہے جس کو حوالہ کرنے کی قدرت نہیں، لہذا یہ فضا میں پرندہ کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے[2]۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب، امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ عقد صحیح اور مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر مالک اجازت دے دے تو بیع نافذ ولازم ہوجائے گی، اور اگر اجازت نہ دے اور رد کردے تو باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ بیع کے حلال ہونے کے بارے میں وارد نصوص مطلق ہیں، ان میں اصل مالک اور وکیل کے درمیان ابتداء یا بقاء وانتہاء کے لحاظ سے کوئی تفصیل نہیں ہے، نیز حضرت عروہ بن جعد بارقی کی روایت میں ہے:

"**أن النبي ﷺ أعطاه دينارا ليشتري به شاة، فاشترى به شاتين، فباع إحداهما بدينار، ثم عاد بالدينار والشاة، فدعا له بالبركة في بيعه**" (نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک دینار ایک بکری خریدنے کے لئے دیا، تو انہوں نے اس دینار میں دو بکریاں خریدیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کردیا، اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے تو حضور ﷺ نے ان کے لئے خرید وفروخت میں برکت کی دعا فرمائی)، ایک روایت میں ہے: "**بارک الله في صفقة يمينک**"[1] (حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے سودے میں برکت دے)، بیع فضولی پر تفصیلی کلام اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھا جائے۔

اسی شرط کی بنا پر فقہاء نے ذیل کی بیوع کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے:

(۱) **بیع وقف:** فقہاء نے اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے حتی کہ حنفیہ نے بھی اور انہوں نے کہا: یہ باطل ہے، فاسد نہیں، لہذا قبضہ سے ملکیت میں نہیں آئے گا[2]، (دیکھئے: اصطلاح "وقف")۔

(۲) **بیت المال کی اراضی کو فروخت کرنا:** چنانچہ بعض فقہاء نے طے کیا ہے کہ ان اراضی کی ذات پر دائمی اوقاف کے احکام جاری ہوں گے (دیکھئے: اصطلاح "ارض")، اور اراضی جزیہ کے احکام جاری ہوں گے (دیکھئے: اصطلاح "جزیہ")۔

(۳) مساجد، مکہ اور حرم کے گھروں، اور مناسک حج کے مقامات کو فروخت کرنا[3]، ان میں سے بعض میں اختلاف اور تفصیل ہے، (دیکھئے: اصطلاحات "مسجد"، "حرم" اور "مکہ")۔

(۴) مملوکہ اور آباد زمینوں میں سیال اور جامد معدنیات، ان کی فروختگی کے جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف معروف ہے۔ (دیکھئے: اصطلاح "ارض"، "معدن" اور "احیاء")۔

---

(۱) حدیث "**لا تبع مالیس عندک**" کی تخریج بیع فقرہ/۲۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/۲۴۶، ۲۴۷، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/۱۶۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۴۹، الشرح الکبیر للدردیر ۳/۱۲، شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۶۰، کشاف القناع ۳/۱۵۷۔

حدیث عروۃ البارقی: "**بارک الله في صفقة يمينک.....**" کی روایت بخاری (فتح الباری ۶/۳۲ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۳/۳۹۴۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/۱۴۶، کشاف القناع ۳/۱۶۰۔

(۵) ایک بار کی غوطہ خوری (کے نتیجہ کی بیع):

۲۳- غائص وہ ہے جو سمندر سے موتی نکالنے کے لئے غوطہ خوری کرے اگر ایسا شخص کہے: میں ایک بار غوطہ لگاؤں گا جتنے موتی نکالوں وہ اتنی قیمت میں تمہارے لئے ہیں۔

یہی حکم قانص یعنی شکاری کا ہے جو یوں کہے: ایک بار جال ڈالنے سے جتنی مچھلیاں نکلیں گی میں نے ان کو تمہارے ہاتھ اتنے میں فروخت کیا[۱]۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے: " نهى النبي ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع، وعن بيع ما في ضروعها إلا بكيل، و عن شراء العبد وهو آبق، و عن شراء المغانم حتى تقسم، و عن شراء الصدقات حتى تقبض، و عن ضربة الغائص،"[۲] (نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کے پیٹ کے بچوں کی خریداری سے یہاں تک کہ وضع حمل ہوجائے، تھن میں موجود دودھ کی فروخت سے یہاں تک کہ اس کو ناپ لیا جائے، بھاگے ہوئے غلام کے خریدنے سے، تقسیم سے قبل مال غنیمت کو خریدنے سے، قبضہ سے قبل صدقات کو خریدنے سے، اور ایک بار کی غوطہ خوری (کے نتیجہ کی بیع) سے منع کیا ہے)۔

اس بیع کے فاسد ہونے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع، غیر مملوک کی بیع، مجہول کی بیع، اور بیع غرر ہے۔

حنفیہ نے اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے، ابن الہمام نے صراحت کی ہے کہ یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ عقد سے قبل فروخت کرنے والا، فروخت کردہ چیز کا مالک نہیں ہے، لہذا غرر ہوگیا، اور اس لئے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا معلوم نہیں ہے[۱]۔

یہی صراحت حنفیہ میں حصکفی نے کی اور باطل ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ غیر مملوک کو فروخت کرنا ہے[۲]۔

(۶) قبضہ سے قبل صدقہ اور ہبہ کو فروخت کرنا:

۲۴- جمہور فقہاء تبرعات مثلاً صدقہ وغیرہ میں قبضہ کی شرط لگاتے ہیں جب تک قبضہ نہ ہو وہ لازم نہیں ہوتا، اور نہ ہی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے، لہذا قبضہ سے قبل اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے جیسا کہ قبضہ سے قبل صدقات کی خریداری سے ممانعت والی حدیث: "النهي عن شراء الصدقات حتى تقبض" میں صراحت ہے[۳]۔ اور اس کی وجہ ملکیت کا نہ ہونا ہے۔

اس کے برخلاف امام مالک وغیرہ کے مذہب میں مشہور، اور ناپی جانے والی اور وزن کی جانے والی چیزوں کے علاوہ میں امام احمد سے روایت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے لزوم ہوجائے گا، اس لئے کہ قبضہ تو صرف مکمل ہونے کی شرط ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، صحت کی شرط نہیں ہے، انعقاد اور لزوم تو قول کے ذریعہ ہوگا، اور اسی لئے اس پر قبضہ سے قبل اس میں ملکیت کے ثبوت کی وجہ سے اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب معاوضہ کی وجہ سے ملکیت

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۹، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروح ۶/ ۵۳۔

(۲) حدیث: " نهى عن شراء ما في بطون الأنعام....." اس حدیث کا ایک جز ہے جس کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۴۰ طبع عیسی الحلبی) نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے کی ہے اور زیلعی نے عبدالحق اشبیلی کے حوالہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: اس کی اسناد قابل حجت نہیں ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۵ طبع المجلس العلمی بالہند)۔

(۱) فتح القدیر ۶/ ۵۳۔

(۲) الدر المختار ۴/ ۱۰۹، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/ ۴۷۔

(۳) حدیث: "النهي عن شراء الصدقات حتى تقبض....." کی تخریج فقرہ/ ۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

میں آئے اور قبضہ نہ کیا ہو تو اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ "بیع مالم یقبض" (قبضہ سے قبل کی بیع) پر گفتگو کے ذیل میں آئے گا۔

(۷) تقسیم سے قبل مال غنیمت کو فروخت کرنا:

۲۵- غیر مملوک کو فروخت کرنے سے متعلق مجاہد کا مال غنیمت میں سے اپنے حصہ کو فروخت کرنے کا مسئلہ ہے، جبکہ ابھی امام نے تقسیم کر کے اس کو اس کا حصہ نہ دیا ہو[۱]۔

خاص اس کے متعلق حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں نص وارد ہے: "نهى النبيﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام. وعن شراء المغانم حتى تقسم"[۲] (نبی کریم ﷺ نے جانوروں کے پیٹ کے بچوں کو خریدنے سے..... اور تقسیم سے قبل مال غنیمت کے خریدنے سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيع الغنائم حتى تقسم"[۳] (نبی کریم ﷺ نے اموال غنیمت کو تقسیم سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔

فقہاء کی رائے ہے کہ غنیمت میں سے تقسیم سے قبل عمومی ضرورت کے لئے خوراک مثلاً کھانا وغیرہ لے سکتا ہے، لیکن اس کو اپنی ملکیت میں لینا اور مال بنانا مباح نہیں جیسا کہ حصکفی کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فروخت کرنا بھی ممنوع ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کی بیع کے حکم پر بحث، اس سے فائدہ اٹھانے کے متعلق کلام کے ذیل میں کی ہے۔

۲۶- چنانچہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کو بھی تقسیم سے قبل کوکہ ضرورت کے لئے ہو، فروخت کرنا جائز نہیں، اور اس کی وجہ عدم ملکیت ہے، اس لئے کہ تقسیم سے قبل غنیمت ملکیت میں نہیں آتی محض ضرورت کی وجہ سے اس کو مباح کیا گیا ہے، اور بیع کے ذریعہ مباح چیز کا مالک نہیں بنایا جاسکتا، "البدایہ" میں مرغینانی کی عبارت یہ ہے: دار الحرب میں تقسیم سے قبل اموال غنیمت کو فروخت کرنا ناجائز ہے[۱]۔

اگر اس نے اپنے لئے مذکورہ مباح چیزوں میں سے کوئی چیز فروخت کردی تو ان کے نزدیک اس کی بیع فضولی کی ہوگی، اگر امام اجازت دے دے تو اس کی مقررہ قیمت اموال غنیمت میں واپس کردے گا، لیکن اگر اموال غنیمت کی تقسیم ہوچکی ہو تو قیمت کو صدقہ کردے اگر وہ فقیر نہ ہو، اس لئے کہ کم ہونے کے سبب اس کی تقسیم ناممکن ہے، اور اس کو مستحق تک پہنچانا دشوار ہے، لہذا اس کو لقطہ کی طرح صدقہ کردے، اور اگر فقیر ہو تو اس کو کھالے[۲]۔

۲۷- مالکیہ نے کہا: اناج کا تبادلہ اسی کے مثل یا اس کے علاوہ سے کراہت کے ساتھ جائز ہے گوکہ ایک جنس کے سود والے اناج میں کمی بیشی یا تاخیر کے ساتھ ہو[۳]۔

۲۸- شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے کہا: اناج کو اپنے کھانے کے بجائے کسی اور حاجت میں صرف کرنا جائز نہیں، اور اس کے لئے محض اس کو کھانا جائز ہے، اس لئے کہ یہ اباحت کے طور پر ہے

---

(۱) بدائع الصنائع ۶/ ۱۲۳، الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۵۹۸، الانصاف ۷/ ۱۱۹، ۲۲۰۔
نیز دیکھئے: القوانین الفقہیہ رص ۱۷۰، ۱۷۱، ۲۴۲، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۰۱، الدسوقی ۳/ ۱۵۱، ۱۵۲۔

(۲) حدیث ابی سعیدؓ: "نهى النبي ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام....." کی تخریج فقرہ/ ۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) حدیث ابن عباسؓ: "نهى عن بيع الغنائم حتى تقسم....." سابقہ حدیث (فقرہ/ ۲۳) کا جزو ہے۔

(۱) دیکھئے: الہدایہ شرح البدایہ مع شروح ۵/ ۲۲۷، نیز دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳/ ۲۳۳۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۳/ ۲۳۴، نیز دیکھئے: الہدایہ مع شروح ۵/ ۲۲۷۔

(۳) شرح الخرشی ۳/ ۱۳۶، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۱۹۴۔

مالک بنانے کے طور پر نہیں [1]۔

یہ بیع کے عدم جواز کی صراحت کی طرح ہے۔

شافعیہ نے اموال غنیمت کی بحث میں یہی کہا ہے، لیکن انہوں نے قبضہ سے قبل فروخت شدہ چیز کو فروخت کرنے کے حکم کی بحث میں اس کے خلاف طے کیا ہے، اور جب نووی نے "المنہاج" میں لکھا کہ انسان دوسرے کے ہاتھ میں امانت کے طور پر رکھے اپنے مال کو فروخت کرسکتا ہے مثلاً ودیعت، مال مشترک، مضاربت، اور چھوٹنے کے بعد مال رہن، تو قلیوبی نے نووی کے قول: "مثلاً ودیعت" پر یہ حاشیہ لکھا:

"اور اسی کے مثل وقف کی آمدنی اور سال غنیمت ہے، چنانچہ کسی ایک مستحق یا غانم (مجاہد) کے لئے جائز ہے کہ علاحدگی سے قبل اپنے حصہ کو فروخت کردے، یہی ہمارے شیخ نے کہا ہے، برخلاف بیت المال میں اپنے حصہ کے، اس لئے کہ اس کی فروختگی اس کے علاحدہ کرنے اور اس کے مشاہدہ سے قبل صحیح نہیں، اور ہمارے بعض مشائخ نے صرف علاحدہ کرنے پر اکتفاء کیا ہے گو کہ دوسرے کے ساتھ ہو" [2]۔

یہاں علاحدہ کرنے پر اپنے شیخ کے حوالہ سے قلیوبی کا یہ کلام اس سابق کلام کے خلاف ہے کہ اس کے لئے اباحت کے طور پر لینا جائز ہے تملیک کے طور پر نہیں۔

بظاہر لگتا ہے کہ یہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کی ملکیت کے بارے میں شافعیہ کے درج ذیل تین اقوال میں سے ایک پر مبنی ہے:

اول: تقسیم سے قبل ملکیت میں نہیں آتا، لیکن محض تقسیم سے بھی نہیں، بلکہ وہ اپنے لئے مخصوص کئے گئے مال کو قبول کرلے یا اس پر

(۱) شرح المحلی علی المنہاج وحاشیۃ القلیوبی ۲۲۳/۴۔

(۲) حوالہ سابق ۲۱۳/۲۔

راضی ہوجائے، اس لئے کہ اعتبار ملکیت کے اختیار کرنے کا ہے، اور زبان سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں نے اپنے حصہ کی ملکیت کو اختیار کرلیا۔ شافعیہ کے یہاں معتمد قول یہی ہے۔

دوم: ایک قول یہ ہے کہ تقسیم سے قبل زبردستی قبضہ کے ذریعہ وہ ایسی کمزور ملکیت کے طور پر اس کے مالک ہوجاتے ہیں جو اعراض کے سبب ساقط ہوجاتی ہے، شیخ عمیرہ برلسی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ کفار کی ملکیت زائل ہوگئی، اور بلا مالک اس کا باقی رہنا بعید ہے۔

سوم: اگر مال غنیمت کو تقسیم کے لئے سپرد کردیا جائے تو ان کی ملکیت زبردستی قبضہ کے ذریعہ ظاہر ہوجائے گی، ورنہ اگر تلف ہوجائے یا وہ اعراض کرلیں تو ان کے لئے ملکیت نہیں [1]۔

لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ قلیوبی کے نزدیک تقسیم سے قبل فروختگی کی صحت شافعیہ کے یہاں غیر معتمد قول پر مبنی ہے۔

۲۹ - حنابلہ میں خرقی نے صراحت کی ہے کہ جس نے حاجت سے زیادہ چارہ لیا، وہ اس کو مسلمانوں کے پاس لوٹادے، اور اگر اس کو فروخت کرچکا ہو تو اس کی قیمت مال غنیمت میں لوٹادے [2]۔

جس کے پاس مال غنیمت میں سے بہت زیادہ کھانا فاضل ہو اور وہ اس کو شہر میں لاچکا ہو تو اس کو اس غزوہ (کے مال غنیمت کی تقسیم) میں لوٹانا واجب ہے، اس کی توجیہ حنابلہ نے یہ کی ہے کہ اس نے بلا حاجت لیا، لہٰذا اس پر اس کو لوٹانا واجب ہوگا، اس لئے کہ اصل اس کی حرمت ہے، کیونکہ بقیہ اموال کی طرح یہ مجاہدین میں مشترک ہے، محض حاجت کے بقدر مباح کیا گیا ہے، لہٰذا زائد اصل حرمت پر باقی رہے گا اور اسی وجہ سے اس کو فروخت کرنا مباح نہیں [3]۔

(۱) شرح المحلی علی المنہاج وحاشیہ قلیوبی وعمیرہ ۲۲۳/۴۔

(۲) المغنی ۴۸۷/۱۰۔

(۳) حوالہ سابق ۴۸۷/۱۰، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴۷۲/۱۰۔

حنابلہ نے اس سلسلہ میں یہ اثر نقل کیا ہے: لشکرِ شام کے ذمہ دار نے حضرت عمرؓ کو لکھا: ہمیں ایسی زمین ملی ہے جس میں اناج اور چارہ بہت ہیں، لیکن ابتداءً کوئی اقدام کرنا مجھے پسند نہیں، تو حضرت عمر نے ان کو لکھا: لوگوں کو اس سے چارہ لینے اور کھانے دو، لیکن جس نے اس میں سے کوئی چیز، سونے یا چاندی کے عوض فروخت کیا تو اس میں اللہ کے لئے پانچواں حصہ اور مسلمانوں کے حصہ ہیں [1]۔

ائمہ حنابلہ میں سے قاضی نے اس مسئلہ میں مکمل تفصیل لکھی ہے جس سے حنابلہ راضی ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا: وہ یا تو کسی مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے گا یا غیر مجاہد کے ہاتھ۔

اگر غیر مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے تو فروخت کرنا باطل ہے، اس لئے کہ وہ مال غنیمت کو ولایت یا نیابت کے بغیر فروخت کر رہا ہے، لہذا فروخت کردہ شی کو لوٹانا اور بیع کو توڑنا واجب ہوگا، اور اگر اس کو لوٹانا دشوار ہو تو اس کی قیمت کو اور اگر ثمن اس کی قیمت سے زیادہ ہو تو ثمن کو غنیمت میں لوٹائے۔

ابن قدامہ نے کہا: اور اسی صورت پر خرقی کا کلام محمول ہے۔

اور اگر کسی مجاہد کے ہاتھ فروخت کرے تو حلال نہیں، الا یہ کہ اس کو بدلہ میں ایسا کھانا یا چارہ دے کہ اس کے لئے اس سے یا اس کے علاوہ سے حسب ذیل طریقہ پر نفع اٹھانا ہو۔

اگر اس کو اس کے مثل میں فروخت کیا تو یہ حقیقت میں فروخت کرنا نہیں، بلکہ اس نے اس کو ایک مباح دے کر اسی کے مثل مباح اس سے لے لیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے لئے، اپنی لی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا جائز ہے، اور وہ اس کا زیادہ حق دار ہو گیا ہے، کیونکہ اس پر اس کا قبضہ ثابت ہے۔

لہذا اگر اس نے ایک صاع کو دو صاع کے عوض فروخت کیا ہو اور قبضہ سے قبل دونوں جدا ہو گئے تو جائز ہے، اس لئے کہ یہ فروخت کرنا نہیں اور اگر ادھار فروخت کرے یا اس کو قرض دیا اور اس نے لے لیا تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے، اور اس پر اس کی ادائیگی لازم نہیں، اور اگر اس کو ادا کر دے یا اس کے پاس لوٹا دے تو قبضہ اس کے پاس لوٹ آئے گا۔

اور اگر کھانا و چارہ کے علاوہ میں فروخت کیا تو بھی بیع صحیح نہیں ہوگی، اور خریدار اس کا زیادہ حق دار ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کا قبضہ اس پر ثابت ہے اور اس کے ذمہ کوئی ثمن نہیں، اور اگر اس سے لیا ہو تو اس کو واپس کرنا واجب ہے [1]۔

۳۰- اس سے واضح ہوتا ہے کہ (امام شافعی کے ایک قول سے، اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اناج کو اس کے مثل یا اس کے علاوہ سے تبادلہ کی حالت سے صرف نظر) فقہ اسلامی میں عمومی رجحان یہی ہے کہ تقسیم سے قبل اموال غنیمت ناجائز ہے، جیسا کہ اس حدیث میں صراحت ہے جس میں تقسیم سے قبل اموال غنیمت کی خریداری سے ممانعت کی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں شوکانی کہتے ہیں: ممانعت کا تقاضا ہے کہ تقسیم سے قبل مال غنیمت کی بیع صحیح نہ ہو، اس لئے کہ (جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا زیادہ راجح قول ہے) تقسیم سے قبل مجاہدین میں سے کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا، لہذا یہ لوگوں کا مال ناحق کھانے کی قبیل سے ہو جائے گا [2]۔

۳۱- یہ غزوہ میں شریک مجاہدین کا تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے ملی ہوئی چیزوں اور اپنے حصوں کو فروخت کرنے کا حکم ہے۔

رہا امام کا تقسیم سے قبل اموال غنیمت کو فروخت کرنا تو اس پر

(۱) المغنی ۱۰/۴۸۸، صاحب المغنی نے کہا: اس کو سعید نے روایت کیا ہے۔

(۱) المغنی ۱۰/۴۸۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۱۰/۴۶۹۔

(۲) نیل الاوطار ۵/۱۴۹، ۱۵۰۔

حنفیہ نے روشنی ڈالی ہے، چنانچہ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے یعنی ضروری ہے کہ امام کو اس میں مصلحت نظر آئی ہو اور اس مصلحت کا اقل درجہ یہ ہے کہ لوگوں پر زبردستی باربرداری میں تخفیف ہو یا جانوروں وغیرہ سے تخفیف اور لوگوں سے اس کے بوجھ کو کم کرنا ہو، لہذا یہ فروختگی مصلحت میں اجتہاد کی بنیاد پر ہوگی، اندازہ یا اٹکل سے نہ ہوگی، اس لئے بلا کراہت علی الاطلاق بیع منعقد ہوگی [1]۔

اسی طرح مالکیہ نے بھی اس کو لکھا ہے اس کے بارے میں ان کے دو اقوال ہیں:

اول: مال غنیمت کے پانچ میں سے چار حصوں کا امام کی طرف سے فروخت کرنا واجب ہے، تا کہ ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر سکے، اس لئے کہ ثمن کی تقسیم مساوات سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ قیمت لگانے میں غلطی ہوجاتی ہے۔

دوم: واجب نہیں، بلکہ امام کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے پیش نظر اگر چاہے تو فروخت کر کے ثمن کو تقسیم کرے، اور اگر چاہے تو ان چیزوں کو ہی تقسیم کردے [2]۔

پانچویں شرط: فروخت کردہ کو سپرد کرنے کی قدرت ہو:

۳۲-فقہاء نے صراحت کی ہے کہ فروخت کردہ چیز کی شرائط میں سے اس کے مملوک ہونے کی شرط کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کو سپرد کرنے کی قدرت ہو۔

چنانچہ بسا اوقات انسان مال کا مالک ہوتا ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے پر قادر نہیں ہوتا جیسے کہ بدکا ہوا اونٹ تو اس حالت میں اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ جس چیز کو سپرد نہ کیا جا سکے وہ معدوم کے مشابہ ہے، اور معدوم کو فروخت کرنا صحیح نہیں (جیسا کہ گزرا) [1]، تو اس کے مشابہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔

جن چیزوں کو سپرد کرنے کی قدرت نہ ہو ان کی بیع کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ مچھلی ملکیت میں آنے کے بعد سمندر میں گر جائے، مملوک پرندہ فضا میں اڑ جائے، شکار ہاتھ آنے کے بعد بھاگ نکلے، اسی کی مثال آبق غلام اور غصب کردہ چیز کی بیع ہے۔

آبق وہ غلام ہے جس نے اپنے آقا کو کسی خوف یا سخت محنت لئے جانے کی وجہ کے بغیر چھوڑ دیا ہو۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر اس کا بھاگنا خوف یا تھکن کے سبب ہو تو اس کو ''ہارب'' (جان چھڑانے والا) کہا جاتا ہے [2]۔

۳۳-فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ عقد فاسد ہے گو کہ حنفیہ کو فساد و بطلان میں نیز اس پر مرتب ہونے والے نتیجہ میں تردد ہے کہ سبب فساد کا اٹھ جانا عقد کو صحیح بنادے گا، کیونکہ فساد کے باوجود عقد قائم ہے برخلاف سبب بطلان کے زوال کے، اس لئے کہ سبب بطلان کے ساتھ عقد معدوم ہوتا ہے، تاہم حنفیہ میں کمال نے فساد کو راجح کہا ہے، اس لئے کہ اس میں تسلیم کرنے پر قدرت نہیں ہے [3]۔

انہوں نے اس عقد کے فساد کی توجیہ یہ کی ہے:

حضرت ابو سعید کی سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے [4]: ''نهى النبي ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام... و عن شراء العبد و هو آبق'' (نبی کریم ﷺ نے جانوروں

(۱) فتح القدیر ۵/ ۴۲۷۔

(۲) شرح الخرشی ۳/ ۱۳۶، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۱۹۴، القوانین الفقہیہ رص ۱۰۰۔

(۱) اس بحث کے فقرہ / ۵ اور اس کے بعد کے فقرات دیکھے جائیں۔

(۲) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۵۹، المصباح۔

(۳) رد المحتار ۴/ ۱۱۳۔

(۴) حدیث ابوسعید کی تخریج فقرہ / ۲۳ کے تحت آچکی ہے۔

کے پیٹ کے بچوں... اور غلام جو کہ بھاگا ہوا ہو اس کے خریدنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور اس لئے کہ اس کے سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے، جو جواز کی شرط ہے[1]۔

۳۴- تاہم اگر غلام کی فرونختگی ہوجائے جبکہ وہ بھاگا ہوا ہو تو اس مسئلہ میں مذاہب کی تفصیلی صورتیں یہ ہیں:

اول: مالک اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کردے جس کے قبضہ میں غلام ہے۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز[2]، بلکہ شافعیہ کی تعبیر میں قطعی ہے[3]۔ اور یہی ابن قدامہ وغیرہ کی اس عبارت کا تقاضا ہے: اگر وہ کسی انسان کے ہاتھ آجائے تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے[4]۔ لیکن مذہب حنبلی میں صراحتاً یہ ہے کہ اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے گو کہ ایسے شخص کے ہاتھ ہو جو اس کو حاصل کرنے پر قادر ہو[5]۔

لیکن جس شخص کے ہاتھ میں وہ غلام ہے فرونختگی کے بعد اس شخص کو قابض تصور کرنے کے بارے میں حنفیہ نے تفصیل کی ہے:

الف۔ اگر اس نے بھگوڑے غلام کو پانے کے وقت اس پر قبضہ اپنے لئے کیا ہو، اس کے آقا کے پاس لوٹانے کے لئے نہ کیا ہو، اور اس نے اس کے آقا کے لئے قبضہ کرنے پر گواہ نہ بنایا ہو تو وہ قابض ہوجائے گا، اس لئے کہ اس کا یہ قبضہ غصب کا قبضہ ہے اور وہ ضمان کا قبضہ ہے جو مبیع پر قبضہ کی طرح ہے۔

(۱) تبیین الحقائق ۴/۴۹، بدائع الصنائع ۵/۱۴۷۔
(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۱۲، شرح الخرشی ۵/۱۶ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔
(۳) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/۱۵۹۔
(۴) المغنی ۴/۲۷۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/۲۴۔
(۵) کشاف القناع ۳/۱۶۲، نیز دیکھئے: الانصاف ۴/۲۹۳۔

ب۔ اور اگر اس نے اس کے پانے کے وقت اس کے قبضہ پر گواہ بنالیا ہو تو وہ قابض نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ قبضہ، قبضۂ امانت ہے، حتی کہ اگر غلام اپنے آقا کے پاس پہنچنے سے قبل ہلاک ہوجائے تو یہ قبضہ کرنے والا اس کا ضامن نہ ہوگا، لہذا یہ قبضہ قبضۂ ضمان (یعنی مبیع پر قبضہ) کے قائم مقام نہ ہوگا، اس لئے کہ مبیع پر قبضہ قوی تر ہے، نیز اس لئے کہ ثمن کے ذریعہ اس کا ضمان دیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اگر غلام اپنے مالک کے پاس لوٹنے سے قبل ہلاک ہوجائے تو بیع فسخ ہوجائے گی، اور وہ ثمن واپس لے گا[1]۔

دوم: مالک اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کردے جس کے قبضہ میں غلام نہیں۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ چھین لینے اور حاصل کرنے کی قدرت ہو البتہ سہولت کے ساتھ جیسا کہ مالکیہ کی صراحت ہے[2]، شافعیہ کے مذہب میں صحیح یہی ہے[3]، حنابلہ کے یہاں دوسرا قول جس کو درست قرار دیا گیا، اور ابن قدامہ وغیرہ کی تصریح کا تقاضا بھی یہی ہے[4]۔

لیکن حنفیہ نے اس صورت کے فاسد ہونے کی صراحت کی ہے[5]، شافعیہ کے یہاں دوسرا قول[6]، اور حنابلہ کے یہاں مذہب یہی ہے[7]، شافعیہ نے اس کی توجیہ کی ہے کہ فروخت کرنے والا اس کے سپرد کرنے سے عاجز ہے۔

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۱۲، نیز دیکھئے: الہدایہ وشرح العنایہ ۶/۵۹۔
(۲) شرح الدردیر ۳/۱۱۔
(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۵۸، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۴/۲۴۳۔
(۴) دیکھئے: الانصاف ۴/۲۹۳، المغنی ۴/۲۷۱۔
(۵) الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۱۲، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/۵۰، اور البدائع ۵/۱۴۷ سے موازنہ کریں۔
(۶) شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۵۸۔
(۷) کشاف القناع ۳/۱۶۲، نیز دیکھئے: الانصاف ۴/۲۹۳۔

سوم: مالک اس کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرے جو اس کو واپس لینے پر قادر ہو، اور وہ غلام کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔

یہ صورت جمہور کے نزدیک جائز ہے [1]، حنابلہ کے یہاں دوسرا قول یہی ہے [2]۔

لیکن شافعیہ میں قلیوبی نے یہ قید لگائی ہے کہ خریدار اس کے واپس کرنے پر عادۃً ناقابل برداشت مشقت کے بغیر اور بلا صرفہ کے قادر ہو [3]۔

حنابلہ کے یہاں مذہب: عدم جواز ہے [4]۔

چہارم: اس کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرے جو اس کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہو۔

اس صورت کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، اور حدیث اسی صورت پر محمول ہے۔

۳۵- بھگوڑے غلام کو فروخت کرنے ہی کے حکم میں غصب کردہ چیز کو فروخت کرنا ہے:

الف- پس اگر اس کو غاصب کے ہاتھ فروخت کیا تو بالاتفاق جائز ہے، اور شافعیہ نے اس مسئلہ میں جواز سے تعبیر کی ہے [5]، اس لئے کہ فروخت کردہ چیز عملی طور پر خریدار کے سپرد کی جاچکی ہے [6]، (اور بیع کے بعد اس کا قبضہ قابل ضمان ہونے میں، بیع سے قبل اس کے قبضہ کی طرح ہے)۔ اور مالکیہ نے اسی کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ معلوم ہو کہ غاصب غصب کردہ چیز کو اس کے مالک کے پاس لوٹانے کا عزم رکھتا ہے [1]۔

ب- اور اگر ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جو اس کو چھین لینے یا لوٹا لینے پر قادر ہو تو جمہور کے نزدیک صحیح ہے [2]، شافعیہ کا قول صحیح یہی ہے، البتہ انہوں نے شرط لگائی ہے کہ وہ بہ سہولت بغیر کسی قابل لحاظ صرفہ ومشقت کے خریدار کے پاس پہنچ جائے [3]، اور اگر واپس لینے میں صرفہ کی ضرورت پیش آئے تو ممانعت ختم ہوجائے گی [4]۔ اسی طرح مالکیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ غاصب اقرار کرنے والا ہو اور قدرت حاصل ہوگئی ہو ورنہ نہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ جس چیز میں جھگڑا ہو اس کی خریداری ممنوع ہے [5]۔ اور طے یہ ہے کہ ان کے نزدیک غصب کردہ چیز کو صرف غاصب کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے [6]، جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے۔

شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ فروخت کرنے والا بذات خود سپرد کرنے سے عاجز ہے [7]، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے [8]۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے غصب کردہ چیز کو غصب کرنے والے کے علاوہ شخص کے ہاتھ فروخت کرنا منعقد ہوجاتا ہے مگر سپرد کرنے پر موقوف ہوتا ہے اگر سپرد کردے تو بیع نافذ ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

---

(۱) ردالمحتار ۴/ ۱۱۲، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۱، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۴۳۔
(۲) الانصاف ۴/ ۲۹۳۔
(۳) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المنہاج ۲/ ۱۵۸۔
(۴) کشاف القناع ۳/ ۱۶۲، الانصاف ۴/ ۲۹۳۔
(۵) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۸، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۵، الانصاف ۴/ ۲۹۳۔
(۶) الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۱۔

(۱) شرح الخرشی ۵/ ۱۷۔
(۲) حوالہ سابق، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۸، الانصاف ۴/ ۲۹۴۔
(۳) تحفۃ المحتاج وحاشیۃ الشبر املسی علیہا ۴/ ۲۴۳۔
(۴) شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳/ ۲۸۔
(۵) شرح الخرشی ۵/ ۱۷۔
(۶) القوانین الفقہیہ / ۱۶۴، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۱ سے، اور کشاف القناع ۳/ ۱۶۲ سے موازنہ کریں۔
(۷) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۸۔
(۸) الانصاف ۴/ ۲۹۴۔

حنفیہ نے بھگوڑے غلام کوفروخت کرنے (جو فاسد بلکہ غیر منعقد ہے) اورغصب کردہ چیز کوفروخت کرنے (جوصحیح ہے) میں فرق یہ بتایا ہے کہ مغصوب کی صورت میں حاکم کی قدرت کے ذریعہ مالک سپرد کرنے پر قادر ہے، البتہ وہ بیع موقوف ہے، فی الحال نافذ نہیں، اس لئے کہ صورتاً غاصب کا قبضہ قائم ہے، لیکن جب سپرد کردیا گیا تو رکاوٹ زائل ہوگئی، اس لئے بیع نافذ ہوجائے گی۔

یہ بھگوڑے غلام کی بیع کے خلاف ہے، اس لئے کہ (بقول کاسانی) اس کو سپرد کرنے سے علی الاطلاق عاجز ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں، کیونکہ اس کی جگہ نامعلوم ہے، لہذا عاجز ہونا ثابت ہے، جبکہ اس پر قادر ہونے کا محض احتمال اوروہم ہے اور احتمال کے ساتھ بیع منعقد نہیں ہوگی، اس طرح بھگوڑے غلام کی فروختگی، غیرموجود پرندے اور غیرموجود مچھلی کی بیع کے مشابہ ہوگئی، اور ان دونوں کی بیع باطل ہے تو بھگوڑے غلام کی بیع بھی باطل ہوگی [1]۔

لازم عقد سے متعلق اسباب

وہ یہ ہیں: ربا، ذریعۂ ربا اورغرر۔

ذیل میں ربا سے متعلق اسباب ممانعت کا بیان ہے:

۳۶- ربا لغت میں: زیادتی کو کہتے ہیں۔

فقہی اصطلاح میں: حنفیہ نے ربا کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ معاملہ معاوضہ میں کسی ایک فریق کے لئے مشروط ایسا اضافہ ہے خواہ وہ حکماً ہو جو شرعی معیار کے مطابق عوض سے خالی ہو، اور متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے اس کی شرط لگائی گئی ہو [2]۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۷۔

(۲) دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۷۶، ۱۷۷، اور تمرتاشی کی وہ تعریف جو تنویر الابصار میں مذکور ہے۔

حکمی کی قید، ربا النسیہ اور اکثر فاسد بیوع کو داخل کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ ربا کی دو انواع ہیں: ربا الفضل، اور ربا النسیہ۔

ربا کتاب اللہ، سنت اور اجماع امت سے حرام ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: امت کا اس پر اجماع ہے کہ ربا کی دونوں انواع (ربا الفضل اور ربا النسیہ) حرام ہے [1]، اور ربا الفضل اور ربا النسیہ صرف کے بعض مسائل میں جاری ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل ''صرف'' میں ہے۔

سود گناہ کبیرہ ہے، کسی شریعت میں کبھی بھی حلال نہیں رہا۔ اس لئے کہ فرمان باری ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ، وَ إِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" [2] (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہوجاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کرلوگے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں نہ تم (کسی پر) ظلم کروگے نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا)۔

اور حدیث میں ہے: ''لعن الله آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه'' (سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر اللہ کی لعنت ہے) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''هم سواء'' [3] (وہ سب برابر ہیں)۔

(۱) المغنی والشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۲۲۔

(۲) سورۂ بقرہ/ ۲۷۸، ۲۷۹۔

(۳) حدیث: ''لعن الله آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال: هم سواء.....'' کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۱۹ طبع عیسی الحلبی) نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کی ہے۔

نیز دیکھئے: حاشیہ قلیوبی علی شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۶۶۔

یہاں سود کے احکام، شرائط اور مسائل کا تذکرہ مقصود نہیں، بلکہ اس کی تفصیل عنوان ''ربا'' کے تحت دیکھی جائے۔

یہاں تو مقصود بعض سودی خرید فروخت کے احکام کو معلوم کرنا ہے جن کی حدیث پاک میں ممانعت وارد ہے، اور وہ بیوع یہ ہیں:

الف-بیع عینہ:

۳۷-بیع عینہ: کسی چیز کو زائد ثمن کے ساتھ ادھار فروخت کرنا، تاکہ قرض کا طالب اس کو فوری طور پر کم ثمن میں اپنے دین کی ادائیگی کے لئے فروخت کردے۔ یہ حنفیہ کی تعریف ہے[1]۔ کچھ اور تعریفات نیز صورتیں ہیں جن کے بارے میں اور ان کے احکام کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح ''بیع العینہ'' میں دیکھی جائے۔

ب-بیع مزابنہ:

۳۸-مزابنہ: درخت پر لگی ہوئی کھجور کو اندازہ وتخمینہ سے اس کے ناپ کے مثل توڑی ہوئی خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی تر کھجور کا ظن اور تخمینہ کے طور پر، مثلاً ایک سو صاع کا اندازہ لگایا جائے اور پھر اسی کے بقدر خشک کھجور میں اس کو فروخت کردیا جائے[2]۔

باتفاق فقہاء اس طرح کی بیع فاسد ہے۔

اس کی تفصیل اصطلاح ''بیع مزابنہ'' میں ہے۔

ج-بیع محاقلہ:

۳۹-محاقلہ: خوشہ میں موجود گیہوں کو تخمینہ سے اسی کے مثل گیہوں میں فروخت کرنا[1]۔

باتفاق فقہاء محاقلہ ناجائز ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن المزابنة والمحاقلة" (رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ ومزابنہ سے منع فرمایا)۔

تفصیل اصطلاح ''بیع محاقلہ'' میں دیکھیں۔

د-بیع عرایا:

۴۰-بیع العرایا: درخت پر لگی تر کھجور کو زمین پر رکھی خشک کھجور سے یا درخت پر لگے انگور کو منقے سے فروخت کرنا[2]۔ عرایا کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

تفصیل اصطلاح ''بیع عرایا'' میں دیکھیں۔

ھ-بیع عربون:

۴۱- کوئی سامان خریدے اور فروخت کرنے والے کو ایک درہم یا زیادہ اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سامان لیا تو ثمن میں سے اس کو کم کردے گا، اور اگر سامان نہ لیا تو وہ فروخت کرنے والے کا ہے۔

اس کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک وہ صحیح نہیں جبکہ حنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اس میں تفصیل ہے جس کو ''بیع عربون'' کے تحت دیکھا جائے۔

و- دونوں صاع کے جاری ہونے سے قبل اناج کو فروخت کرنا:

۴۲-حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام، حتى يجري فيه الصاعان: صاع البائع،

(۱) ابن عابدین ۲۷۹/۴۔
(۲) فتح القدیر والہدایہ ۵۳/۶، ابن عابدین ۱۰۹/۴۔

(۱) الہدایہ مع شروح ۵۴/۶۔
(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲۳۸/۲۔

و صاع المشتري"[1] (رسول اللہ ﷺ نے اناج کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، تا آنکہ اس میں دونوں صاع: خریدار کا صاع، اور فروخت کرنے والے کا صاع جاری ہو جائے)۔

اسی مفہوم کی حضرت عثمانؓ کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے کہا: میں یہودیوں کے ایک خاندان سے (جن کو بنوقینقاع کہا جاتا ہے) کھجور خریدتا اور اس کو نفع کے ساتھ فروخت کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یا عثمان إذا اشتریت فاکتل، و إذا بعت فکل"[2] (عثمان! جب تم خریدو تو ناپ کرلو، اور جب بیچو تو ناپ کر دو)۔

اسی طرح یحییٰ بن ابی کثیر کی حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما کھجوریں خریدتے، ان کو بوریوں میں بھرتے پھر اس کو اسی ناپ سے فروخت کرتے تھے، "فنهاهما رسول الله ﷺ أن يبيعاه حتى يكيلا لمن ابتاعه منهما"[3] (تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کو فروخت کرنے سے منع فرمایا، تا آنکہ اس شخص کو ناپ کر کے دیں جو ان دونوں سے خرید رہا ہے)۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز ناپ سے خریدے اور اس پر قبضہ کرلے پھر اسے دوسرے کو فروخت کرے تو پہلے ناپ کی بنیاد پر اس کو سپرد کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ جس نے اس کو خریدا ہے اس کو دوبارہ ناپ کر کے دے یہی جمہور کا مذہب ہے، جیسا کہ ابن حجر نے "فتح الباری" میں اس کو نقل کیا ہے[1]۔

ابن ہمام نے صراحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رضی اللہ عنہم کا مذہب یہی ہے[2]۔

فقہاء نے فی الجملہ فروخت شدہ چیز کو فروخت کرنے سے قبل قبضہ کی شرط لگائی ہے، اور یہ قبضہ کی تکمیل ہے (جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے) یا منقول کو منتقل کرنے کے ساتھ اس پر قبضہ کی صحت کی شرط ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں[3]۔

لیکن اُکل سے بیع میں ناپ کے غیر معتبر ہونے پر اجماع منعقد ہے، اور اُکل سے بیچنے کو اس شرط سے مستثنیٰ کرنا نص کے مفہوم سے یا کسی اور دلیل سے ماخوذ ہے[4]۔

۴۳ - ہم یہاں پر شافعیہ وحنابلہ کے یہاں بعض تطبیقی فقہی مثالیں ذکر کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں مذاہب ان کے بارے میں قریب قریب ہیں۔

پہلی مثال:

بکر کا زید پر مقرر مقدار میں مثلاً دس صاع اناج ہو، اور عمرو کا بکر پر اسی کے بقدر اناج ہو، بکر زید سے مطالبہ کرے کہ اناج اس کے

---

(۱) حدیث: "نهى عن بيع الطعام....." کی روایت ابن ماجہ (۷۵۰/۲ طبع الحلبی) نے حضرت جابرؓ سے کی ہے، بوصیری نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی روایت بزار نے حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے اور اس کی اسناد کو ابن حجر نے جید کہا ہے جیسا کہ "الدرایہ" (۱۵۵/۲ طبع مطبعۃ الفجالہ) میں ہے۔

(۲) حدیث: "يا عثمان إذا اشتريت....." کی روایت احمد (۶۲/۱ طبع المیمنیہ) نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹۸/۴ طبع القدسی) میں اس کو ذکر کر کے کہا: اس کی اسناد حسن ہے۔

(۳) حدیث یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت عبد الرزاق (۳۹/۸) نے کی ہے، اس کی اسناد میں یحییٰ بن ابی کثیر اور راوی حدیث صحابی کے درمیان انقطاع ہے (التہذیب لابن حجر ۲۷۰/۱۱ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ)۔

(۱) نیل الاوطار ۱۶۱/۵۔

(۲) فتح القدیر ۱۳۹/۶۔

(۳) فتح القدیر ۱۳۹/۶، شرح المحلی علی المنہاج ۲۱۷/۲، ۲۱۸، شرح المنہج ۱۷۳/۳۔

(۴) شرح المحلی حاشیۃ القلیوبی ۲۱۷/۲، حاشیۃ الجمل ۱۷۳/۳، تحفۃ المحتاج ۴۱۹/۴۔

لئے ناپ دے، تا کہ اس کی ملکیت میں آجائے، پھر بکر اس کو عمرو کے لئے ناپے، تا کہ قبضہ کرنا اور کرانا دونوں صحیح ہوں، اس لئے کہ یہاں قبضہ کرانا متعدد ہے اور قبضہ کرانے کی شرط ہے کہ ناپے، لہذا اس کا متعدد ہونا بھی لازم ہے، کیونکہ دونوں ناپوں میں بسا اوقات تفاوت ہوتا ہے[1]۔

اگر بکر عمرو سے کہے: اے عمرو! میری نیابت میں میرا جو اناج زید پر ہے، اس کو اس سے اپنے لئے قبضہ میں لے لو، اور عمرو نے ایسا کردیا تو شافعیہ کے نزدیک، اور امام احمد سے ایک روایت میں زید کے لحاظ سے قبضہ صحیح ہوگیا، اور اجازت کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا ذمہ بری ہوگیا، اور یہ قرض دینے والے کی اجازت ہے، قرض دینے والا بکر ہے اور یہ اجازت لازمی طور پر اس کے اپنے لئے اس سے قبضہ میں لینے کے بارے میں ہے، لہذا اس کا قبضہ اس کے وکیل کے قبضہ کی طرح ہوگیا، تاہم یہ قبضہ عمرو کے لحاظ سے فاسد ہے، کیونکہ وہ خود اپنی ذات سے اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ اس کے قبضہ میں شرط ہے بکر کے قبضہ سے پہلے ہو اور وہ مفقود ہے، اور ان دونوں کا حصول ناممکن ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ کرنے والا اور قبضہ کرانے والا ایک ہی ہے اور عمرو نے جس پر قبضہ کیا ہے اس کا ضمان اسی پر ہے اس لئے کہ اس کا قبضہ اپنے لئے ہے، اور اس صورت میں جس کے لئے قبضہ کیا گیا ہے (بکر) قابض (یعنی عمرو) کے لئے اس چیز کو ناپ کردے گا، اور اس کا قبضہ اس کے لئے صحیح ہوگا۔

حنابلہ کے یہاں دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قبضہ صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کو اس نے قبضہ میں اپنا نائب نہیں بنایا، لہذا قبضہ اس کے لئے نہیں ہوا، برخلاف وکیل کے، اور اس روایت کے مطابق مقبوضہ مال اس شخص کی ملکیت میں باقی رہے گا جس نے اس کو سپرد کیا ہے، اور وہ زید ہے اس لئے کہ قبضہ صحیح نہیں ہوا۔

یہ سابقہ روایت کہ برخلاف ہے، اس لئے کہ مال مقبوضہ بکر کی ملکیت میں آجائے گا۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی دوسری روایت ہی راجح ہے، چنانچہ ''الاقناع'' کا متن اسی پر ہے۔

اگر کہے: اس پر میرے لئے قبضہ کرلو، پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کرو، تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے قبضہ صحیح ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو قبضہ کرنے کے لئے اپنا نائب مقرر کیا ہے، اور جب اس نے اپنے موکل کے لئے قبضہ کیا تو اس پر اپنے لئے قبضہ کرنا جائز ہوگیا، جیسا کہ اگر اس کی کوئی ودیعت کسی ایسے شخص کے پاس ہو جس کا اس کے ذمہ قرض ہے، اور اس نے اس کو اجازت دے دی کہ اپنے قرض کی طرف سے اس پر قبضہ کرلے۔

یاد رہے کہ مذکورہ مثال یعنی پہلی مثال گو کہ سلم کے بارے میں ہے، پھر بھی اس کی قید لگانا اس لئے ہے کہ امام شافعی کے اصحاب کے کلام میں یہی ہے، اور سلم ہی کی طرح (جیسا کہ انہوں نے کہا) قرض اور کسی چیز کا تلف وضائع کرنے کا دین ہے[1]۔

دوسری مثال:

۴۴ - اگر بکر عمرو سے کہے: جب میں زید سے اپنے لئے ناپنے لگوں تو تم حاضر رہنا کہ میں اس پر تمہارے لئے قبضہ کروں، اور اس نے ایسا کیا تو عمرو کے لئے اس کا قبضہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے ناپا نہیں، اور بکر اپنے لئے اس پر قبضہ کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ

---

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۱۹۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۱۹، ۴۲۰، شرح المحلی وحاشیہ قلیوبی ۲/ ۲۱۷، ۲۱۸، حاشیۃ الجمل ۳/ ۱۷۴، ۱۷۵، المغنی ۴/ ۲۲۲، کشاف القناع ۳/ ۳۰۸۔

اس نے اس کو ناپا ہے[1]۔

تیسری مثال:

۴۵- اگر بکر نے عمرو سے کہا: اس کو اس ناپ سے لے لو جس کو تم نے دیکھا ہے، اور اس نے اس کے ذریعہ لے لیا تو صحیح ہے، اس لئے کہ اس کے ناپ کو وہ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے، لہذا دوبارہ اس کے ناپنے کے اعتبار کا کوئی معنی نہیں[2]۔

امام احمد سے ایک روایت ہے کہ یہ نا کافی ہے، اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام، حتى يجري فيه الصاعان......"[3] (نبی کریم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا، تا آنکہ اس میں دونوں ناپ جاری ہوجائیں......) اور یہ اس میں داخل ہے۔

نیز اس لئے کہ اس نے ناپے بغیر اس پر قبضہ کیا ہے، لہذا یہ اس پر اٹکل سے قبضہ کرنے کے مشابہ ہوگیا۔

چوتھی مثال:

۴۶- اگر بکر عمرو سے کہے: ہمارے سامنے رہو تا کہ میں اس کو اپنے لئے ناپوں، پھر تم اس کو اپنے لئے ناپ لو، اور دونوں نے ایسا کرلیا تو بلا اشکال صحیح ہے۔

اگر بکر نے اس کو اپنے لئے ناپا، پھر عمرو نے اسی ناپ کے ذریعہ جس کو اس نے دیکھا تھا، اسے لے لیا تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

اگر اس کو پیمانہ میں باقی رکھتے ہوئے عمرو کے حوالہ کردے تا کہ وہ اس کو اپنے لئے انڈیل لے تو صحیح ہے، اور یہ قبضہ صحیح ہوگا، اس لئے کہ ناپ کا برقرار رہنا اس کی ابتداء کے درجہ میں ہے، اور یہاں ابتداءً ناپنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ اس سے مزید علم حاصل نہ ہوگا۔

گو کہ ابن قدامہ نے شافعیہ سے یہ منسوب کیا ہے کہ قبضہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اناج کی بیع کی ممانعت ہے تا آنکہ اس میں دونوں ناپ جاری ہوجائیں، اور ابن قدامہ نے یہ طے کیا ہے کہ حدیث کے تقاضے کا قائل ہونا ممکن ہے، خریدار کا پیمانہ میں اس پر قبضہ کرنا یہ مانا جائے گا کہ اس نے اپنا صاع اس میں جاری کیا، تاہم ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ پیمانہ جیسی چیز کا برقرار رکھنا از سر نو کرنے کی طرح ہے، لہذا یہ کافی ہے[1]۔

پانچویں مثال:

۴۷- بکر نے عمرو کو کچھ دراہم دے کر کہا: ان سے اس اناج کا مثل خرید لو جو تمہارا مجھ پر ہے، اور اس نے ایسا کرلیا تو یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ فضولی ہے، کیونکہ اس نے دوسرے کے مال سے اپنے لئے خریدا ہے، اس لئے کہ بکر کے دراہم کا عوض عمرو کا نہیں ہوگا، اور شافعیہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ دوسرے کے مال سے اپنے لئے خریدنا ناممکن ہے اور دراہم اس کے ہاتھ میں امانت ہیں، لہذا اگر بعینہ ان دراہم سے خرید لے تو خرید باطل ہے، اور اگر اپنے ذمہ میں واجب ثمن میں خریدے تو اپنے لئے خریداری صحیح ہے، اور ثمن اسی کے ذمہ ہوگا، اور اگر اس نے کہا: میرے لئے ان دراہم میں اناج خرید لو، پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کرلو، اور اس نے ایسا کرلیا تو خریداری صحیح

---

(۱) کشاف القناع ۳/۳۰۸، ۳۰۹، المغنی ۴/ ۲۲۲۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع الطعام......" کی تخریج فقرہ/۴۲ کے تحت آچکی ہے۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۲۲، حاشیۃ الجمل ۳/ ۱۷۳، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۱۰۔

ہے البتہ اپنے لئے قبضہ صحیح نہیں [1]۔

شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ کسی انسان کے حق پر، دوسرا شخص اپنے لئے قبضہ نہیں کرسکتا، اور قبضہ کرنے والا قرض خواہ اس کا ضامن اپنے لئے اس پر زبردستی قبضہ کرنے کی وجہ سے ہوگا، اس لئے کہ اس نے اس پر اپنے لئے زبردستی قبضہ کیا ہے۔

حنابلہ نے کہا: اپنے لئے اس کا قبضہ اس کے مؤکل کے قبضہ کی فرع ہے، اور وہ پایا نہیں گیا۔

اگر اس نے کہا: میرے لئے ان سے اناج خرید لو (اور اس پر میرے لئے قبضہ کرلو) پھر اس پر اپنے لئے قبضہ کرلو، اور اس نے ایسا کرلیا تو جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو خریداری اور قبضہ کرنے، پھر اس کی طرف سے اپنے لئے وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے، اور یہ صحیح ہے۔

شافعیہ نے کہا: خریداری اور پہلا قبضہ صحیح ہے، دوسرا قبضہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں قبضہ کرنے اور قبضہ کرانے والا ایک ہے، جبکہ پہلے قبضہ میں یہ بات نہیں۔

حنابلہ نے اس کو اس مسئلہ پر قیاس کیا ہے کہ والد نے کوئی چیز اپنی چھوٹی اولاد کے مال سے اپنی ذات کے لئے خریدی اور وہ چیز اپنی چھوٹی اولاد کو ہبہ کی اور اولاد کی جانب سے اس چیز پر خود ہی قبضہ کیا۔

شافعیہ اس صورت میں قیاس کو ممنوع کہتے ہیں، ان کے نزدیک ایک شخص دونوں کی طرف سے ولی نہیں ہوسکتا گو کہ دونوں کی جانب سے وکالت کے طور پر ہو۔

مالکیہ بھی اس کو ممنوع کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی ہی طرف سے اور اپنے ہی لئے قبضہ کرنے والا ہوجائے گا، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو عقد کے دونوں طرف کا ولی بن سکے، لہذا اس کا قبضہ قبضہ نہ ہونے کی طرح ہے [1]۔

چھٹی مثال:

۴۸- دو شخصوں نے اناج خریدا، ان دونوں نے اس پر قبضہ کیا، پھر ان میں سے ایک نے باہم اس کی تقسیم سے قبل اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا تو:

الف۔ احتمال ہے کہ یہ صورت ناجائز ہو، اس لئے کہ اس نے انفرادی طور پر اپنے حصہ پر قبضہ نہیں کیا تو غیر مقبوضہ کے مشابہ ہوگیا۔

ب۔ جواز کا احتمال ہے، اس لئے کہ وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے اور اسے کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے تو اس کو اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، جیسا کہ بقیہ اموال کا حکم ہے۔

اگر ان دونوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور علاحدہ ہوگئے، پھر ایک نے اپنا حصہ اسی ناپ کے ذریعہ جس سے ناپا تھا فروخت کردیا تو ناجائز ہے، جیسا کہ اگر کسی سے اناج خریدا اور اس کو ناپ لیا، پھر دونوں علاحدہ ہوگئے، پھر اس نے اس کو اس شخص کے ہاتھ اسی ناپ سے فروخت کردیا۔

ہاں اگر ان دونوں نے اس کو آپس میں تقسیم کرلیا، لیکن علاحدہ نہیں ہوئے کہ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ اسی ناپ سے فروخت کردیا تو اس میں دو روایتیں ہیں [2]۔ جیسا کہ چوتھی مثال میں گذرا۔

---

(۱) الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۴، المغنی ۴/ ۲۲۲، کشاف القناع ۳/ ۳۰۹۔

(۱) الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۴، کشاف القناع ۳/ ۳۰۹، حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۲۱۸، المغنی ۴/ ۲۲۳، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۵۲، ۱۵۳۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۲۳۔

۴۹ - حنفیہ نے اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ صراحت، تفصیل اور تعلیل وتوجیہ کرتے ہوئے گفتگو کی ہے، چنانچہ ان میں سے مرغینانی نے کہا: جس نے کوئی ناپی جانے والی چیز ناپنے کی شرط کے ساتھ یا وزن کی جانے والی چیز وزن کرنے کی شرط کے ساتھ خریدی اور اس کو ناپ لیا یا وزن کرلیا، پھر اس کو ناپ یا وزن کے ساتھ فروخت کردیا، تو اس سے خریدنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو فروخت کرے یا اس کو کھائے جب تک کہ دوبارہ ناپ یا وزن نہ کرلے [1]۔ اس کی دلیل حضرت جابر اور حضرت عثمانؓ کی مذکورہ حدیثیں ہیں [2]۔

نیز اس لئے کہ مقرر مقدار سے زائد ہونے کا احتمال ہے، اور یہ زائد حصہ مقدار والی اشیاء میں فروخت کرنے والے کا ہوتا ہے، اور دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے، لہذا اس سے بچنا واجب ہوگا۔

نیز اس لئے کہ ناپ وزن اور شمار کرنا قبضہ کا تتمہ ہیں، اور اصل قبضہ تصرف کے جائز ہونے کی شرط ہے جیسا کہ گذرا، تو اس کا تتمہ بھی شرط ہوگا [3]۔

مذکورہ حکم کو خریداری کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اس کی ملکیت میں ہبہ یا وراثت یا وصیت سے آئے تو ناپنے سے قبل اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح بیع اگر مطلق بولی جائے تو کامل یعنی صحیح بیع مراد ہوتی ہے، حتی کہ جس کو فاسد بیع کے ذریعہ خریدا ہے اگر اس کو قبضہ کے بعد ناپ کر فروخت کرے تو دوسرے خریدار کو دوبارہ ناپنے کی ضرورت نہیں ہوگی، امام ابو یوسف نے فرمایا: اس لئے کہ بیع فاسد قبضہ کے ذریعہ ملکیت میں آجاتی ہے، جیسا کہ قرض [4]۔

اسی طرح فقہاء نے ناپ اور وزن والی چیز میں اس شمار کی جانے والی چیز کو بھی شامل کیا ہے جس میں باہمی فرق نہیں ہوتا، مثلاً اخروٹ اور انڈا اگر اس کو شمار سے خریدے، اور امام ابوحنیفہ سے اظہر روایت یہی ہے، انہوں نے دوبارہ شمار کرنے سے قبل بیع کو فاسد قرار دیا ہے، اس لئے کہ علت ایک ہے، اور وہ مقدار کا واجبی طور پر معلوم ہونا اور دونوں مالوں کے باہمی اختلاط کے احتمال کا زائل ہونا ہے، کیونکہ اس میں زائد حصہ فروخت کرنے والے کا ہے، اس کے برخلاف صاحبین سے مروی ہے کہ شمار کرنے سے قبل دوسری بیع جائز ہوگی۔

متن ''کنز'' اور ''تنویر'' میں شمار والی چیز کو ناپ اور وزن والی چیز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

فقہاء نے وزن والی چیز میں سے دراہم اور دنانیر کو مستثنی کیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں میں قبضہ کے بعد عقد صرف یا سلم میں وزن سے پہلے تصرف کرنا بیع تعاطی کی طرح جائز ہے، اس لئے کہ وزن والی چیزوں میں خریدار کے دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ وزن کے بعد قبضہ کے ذریعہ وہ بیع ہوگئی۔

ملحوظ رہے کہ حنفیہ نے اس حکم سے (دوسروں کی طرح) اٹکل سے فروخت شدہ چیز کو مستثنی کیا ہے اگر فروخت کرنے والے نے اس کو ناپ کر کے نہ خریدا ہو، اس لئے کہ جس کو اشارہ سے فروخت کیا گیا ہے وہ سارا خریدار کا ہے، لہذا اس میں دو ملکیتوں کا اختلاط ممکن نہیں۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے کو پیمائش کر کے بیچا ہو اس لئے کہ زیادتی خریدار کی ہے، کیونکہ پیمائش کپڑے میں

(۱) تبیین الحقائق ۸۱/۴، الہدایہ مع الشروح ۸۱/۶۔
(۲) دیکھئے: سابقہ فقرہ ۴۲۔
(۳) تبیین الحقائق ۸۲/۴، الہدایہ مع الشروح ۱۳۹/۶، ۱۴۰، نیز دیکھئے: فقرہ ۴۲۔

(۱) ردالمحتار ۱۶۳/۴۔

وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہوتا برخلاف مقدار کے[1]۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں گزوں کی تعیین کے بالمقابل ثمن نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ان کے دور میں کپڑا اس کو کہا جاتا تھا جو ایک لباس کے لئے کافی ہو، لہذا اس میں زیادتی مضر نہیں ہوتی تھی، اور نہ ہی وہ زیادتی فروخت کرنے والے کی ملکیت سے مخلوط ہوتی تھی، ہمارے دور کے کپڑے اس کے برخلاف ہیں کہ ان میں چندگز کپڑے سلنے کے لئے کاٹے جاتے ہیں، اور ان کے مقابلہ میں ثمن ہوتا ہے اور ان کو مقدار میں سے مانا جاتا ہے۔

ہر چند کہ بعض حنفیہ نے دوبارہ ناپنے سے قبل بیع کو علی الاطلاق حرام کہا ہے، تاہم شراح نے اس کی تشریح کراہت تحریمی سے کی ہے، اس لئے کہ حدیث مذکور میں ممانعت خبر آحاد کے قبیل سے ہے جس کے ذریعہ حنفیہ کے نزدیک قطعی حرمت ثابت نہیں ہوتی[2]۔

اس کے باوجود اس کے کھانے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حرام کھایا، چنانچہ ''الجامع الصغیر'' میں صراحت ہے کہ اگر اس کو کھالے، حالانکہ ناپے بغیر قبضہ کیا ہے تو نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حرام کھایا، کیونکہ اس نے اپنی مملوک چیز کھائی ہے، البتہ وہ گنہ گار ہوگا، اس لئے کہ اس کو ناپنے کا حکم دیا گیا تھا جس کو اس نے ترک کردیا۔

۵۰ - ہر چند کہ دوبارہ ناپنے سے قبل بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن حنفیہ نے اس کے فاسد ہونے کی صراحت کی ہے۔

''الجامع الصغیر'' میں امام محمد کی عبارت یہ ہے:

امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اگر تم نے ناپ یا وزن یا شمار والی کوئی چیز خریدی، اور تم نے ناپ والی چیز کو ناپ سے، وزن والی چیز کو وزن سے اور شمار والی چیز کو شمار سے خریدا، تو اس کو فروخت کرنے سے قبل ناپ لو وزن کرلو اور شمار کرلو، اگر ایسا کرنے سے قبل تم نے فروخت کردیا، اور تم نے اس پر قبضہ کرلیا تھا تو ناپ اور وزن والی چیز میں بیع فاسد ہوگی[1]۔

ابن عابدین نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ دوسری بیع فاسد ہوگی جو ناپنے سے قبل خریدار کی طرف سے بیع ہے اور پہلی بیع صحیح واقع ہوگی، لیکن اس پر اس میں کوئی تصرف کرنا (یعنی کھانا یا فروخت کرنا) حرام ہے تاآنکہ اس کو ناپ لے، اور جب اس نے اس کو ناپنے سے قبل فروخت کردیا تو دوسری بیع فاسد ہوئی، اس لئے کہ فساد کی علت ناپنے کا، قبضہ کا تتمہ ہے، تو جب اس نے اس کو ناپنے سے قبل فروخت کردیا تو گویا اس نے اس کو قبضہ سے قبل فروخت کردیا، اور منقولہ چیز کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا صحیح نہیں ہے[2]۔

۵۱ - ناپ اور وزن والی چیز میں اس کی خریداری کے بعد تصرف کرنے میں حنفیہ کے نزدیک یہ صورتیں ممکن ہیں:

اول: ناپ کر خریدے اور ناپ کر فروخت کرے، اور اس صورت میں پہلے خریدار سے خریدنے والے کے لئے جائز نہیں کہ اس کو فروخت کرے تاآنکہ اپنے لئے اس کو دوبارہ ناپ لے، جیسا کہ حکم پہلے خریدار کے حق میں تھا، اس لئے کہ سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت ہے، اور زیادتی کا احتمال ہے جیسا کہ گزرا[3]۔

دوم: اٹکل سے خریدے اور اٹکل سے ہی فروخت کرے، اس صورت میں ناپنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ مقدار کی تعیین

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۱۴۰، نیز حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/ ۸۱، ۸۲ کے ساتھ موازنہ کریں، الدر المختار ۴/ ۱۶۴۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۶۳۔

(۱) ابن عابدین ۴/ ۱۶۳، فتح القدیر ۶/ ۱۴۰۔

(۲) رد المحتار ۴/ ۱۶۳۔

(۳) دیکھئے: فقرہ/ ۴۲۔

کی حاجت نہیں۔

سوم: ناپ کر خریدے اور اٹکل سے فروخت کرے، تو دوسرے خریدار کو ناپنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ جب اس نے اٹکل سے خریدا تو بیع میں جس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس سب کا وہ مالک ہوگیا، لہذا وہ اپنی ذاتی ملکیت میں تصرف کرنے والا ہے۔

چہارم: اٹکل سے خریدے اور ناپ کر فروخت کرے، تو اس کو ایک بار ناپنے کی ضرورت ہوگی یا تو خریدار ناپ لے یا اس کی موجودگی میں فروخت کرنے والا ناپ لے، اس لئے کہ ناپ سے فروخت کی گئی چیز میں ناپنا تصرف کے لئے شرط ہے، کیونکہ فروخت شدہ مقدار کی تعیین کی ضرورت ہے، رہا اٹکل سے بیچنا تو اس کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔

اس آخری صورت کی بنیاد پر اس صورت کی تخریج ہوگی جس کی تحقیق ابن عابدین نے کی ہے، اور وہ صورت یہ ہے:

زید کی ملکیت میں اناج اٹکل سے خرید فروخت کے ذریعہ یا وراثت وغیرہ سے آگیا، اور اس نے اس کو عمرو کے ہاتھ ناپ کے طور پر فروخت کیا تو یہاں فروخت کرنے والے کا صاع (ناپ) ساقط ہوگا، اس لئے کہ اس کی پہلی ملکیت ناپنے پر موقوف نہیں ہے، صرف خریدار کے لئے ناپنے کی ضرورت رہے گی، لہذا اس کی بیع عمرو کے ہاتھ بلا ناپے صحیح نہ ہوگی، یہاں صرف دوسری بیع فاسد ہوگی، پھر اگر عمرو اس کو بکر کے ہاتھ فروخت کردے تو بکر کے لئے ایک بار اور ناپنے کی ضرورت ہوگی، اور اس صورت میں پہلی اور دوسری بیع فاسد ہوگی، کیونکہ فساد کی علت دونوں میں موجود ہے [1]۔

۵۲- شرعاً معتبر ناپ کے متعلق حنفیہ کی صراحت یہ ہے:

الف- دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنے سے قبل فروخت کرنے والے کے سابق ناپ کا اعتبار نہیں، کیونکہ اس نے اپنے لئے خریدار کی موجودگی میں اپنی خریداری کی طرف سے ناپا ہو، اس لئے کہ وہ ناپ موجودہ فروخت کرنے والے اور خریدار کا ناپ نہیں ہے، اور نص سے یہی شرط ہے۔

ب- خریدار کی غیر موجودگی میں دوسری بیع کے بعد اس کے ناپنے کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ ناپنا سپردگی کا حصہ ہے، کیونکہ ناپ ہی کے ذریعہ فروخت شدہ چیز کا تعین ہوتا ہے، اور سپرد کرنا خریدار کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔

ج- اگر اس کو خریدار کی موجودگی میں بیع کے بعد ناپا یا وزن کیا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے:

ایک قول یہ ہے کہ یہ کافی نہیں، دوبارہ ناپنا یا وزن کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل ظاہر حدیث ہے۔

عام مشائخ کا قول ہے کہ یہ کافی ہے حتی کہ خریدار کے لئے اس میں تصرف کرنا ناپنے اور وزن کرنے سے قبل صحیح ہے، اگر اس نے اس پر قبضہ کرلیا ہے یہی رائے صحیح ہے، اس لئے کہ ناپ اور وزن کا مقصد فروخت شدہ چیز کا متعین ہوجانا ہے، اور یہ مقصد ایک ناپ کے ذریعہ حاصل ہوگیا، اور سپرد کرنے کا مفہوم پالیا۔

بابرتی نے اس صورت میں ایک ناپ پر اکتفاء کرنے پر بحث کی ہے، اور مقررہ مقدار پر اضافہ کے احتمال سے اصل میں حکم کی تعلیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں بھی ایک ہی ناپ پر اکتفاء ہو، اور انہوں نے کہا: اور اگر ثابت ہوجائے کہ دونوں ناپ کے وجوب کا حکم عزیمت ہے اور ایک ناپ پر اکتفاء رخصت ہے یا قیاس اور استحسان ہے تو یہ ایسا جواب ہے جو ضوابط (یعنی قواعد) پر جاری ہے، لیکن مجھے ایسا نہیں ملا [1]۔

---

(۱) شرح العنایہ علی الہدایہ ۱۳۹/۶، ۱۴۰، تصرف کے ساتھ۔

(۱) الہدایہ و فتح القدیر مع شرح العنایہ ۱۴۰/۶، ۱۴۱، تبیین الحقائق ۸۲/۴۔

ز-بیع الکالی بالکالی (دین کی دین سے یا ادھار کی ادھار سے فروخت):

۵۳-لفظ "کالئ" کلأ الدین یکلأ (دونوں حرف پر زبر کے ساتھ) کلوء اً بمعنی مؤخر ہوا سے مشتق ہے، کالیء (ہمزہ کے ساتھ) اسم فاعل ہے، اور ہمزہ کی تخفیف بھی جائز ہے، اس صورت میں یہ لفظ قاضی کی طرح ہوجائے گا، اصمعی اس میں ہمزہ کے قائل نہ تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ قاضی کی طرح ہے اس میں ہمزہ لگانا صحیح نہیں ہے۔

بیع الکالی بالکالی: ادھار کو ادھار کے عوض فروخت کرنا ہے۔

ابوعبید نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک مدت تک کے لئے اناج کے واسطے دراہم سپرد کردے، اور جب مدت آجائے تو جس کے ذمہ اناج کی ادائیگی تھی، وہ کہے: میرے پاس اناج نہیں، ہاں تم اسے میرے ہاتھ ایک مقررہ مدت تک کے لئے فروخت کردو، تو یہ ادھار بیع تھی جو بدل کر پھر ادھار بیع ہوگئی، اور اگر اناج پر قبضہ کرلے پھر اس کو اس کے یا دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، تو یہ "کالی" کی بیع "کالی" سے نہیں ہوگی (۱)۔

شرعی مفہوم لغوی مفہوم سے الگ نہیں ہے، کیونکہ شرع میں اس کا معنی دین کو دین کے عوض فروخت کرنا ہے (۲)۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالئ بالكالئ" (نبی کریم ﷺ نے "کالی" کو "کالی" کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا)، اور انہوں نے کہا: اس کا مطلب "ادھار کو ادھار کے عوض فروخت کرنا ہے" (۳)۔

اس کی تشریح دین کی بیع سے بھی کی گئی ہے، جیسا کہ اس کی صراحت ایک روایت میں ہے۔

دین کو فروخت کرنے کی دو صورتیں ہیں: خود مدیون کے ہاتھ اس کو فروخت کرنا اور مدیون کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرنا۔

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ دین کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔

ہاں مدیون کے ہاتھ اس کو فروخت کرنے کے بارے میں ان میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء عام طور پر اس کو ناجائز کہتے ہیں، البتہ کچھ معین حالات اس سے مستثنی ہیں، حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ذیل میں فقہاء کی طرف سے پیش کی جانے والی اہم صورتوں اور تقسیمات اور ان کے احکام کا بیان ہے۔

۵۴-مذہب مالکیہ: مالکیہ کے نزدیک دین پر عقد کی مختلف صورتیں ہیں:

الف-مدیون کے ذمہ واجب کو فسخ کرنا، یعنی اس کو ایسی چیز کے عوض ساقط کرنا جس پر قبضہ فسخ کے وقت سے مؤخر ہو، خواہ فسخ کئے گئے دین کی ادائیگی کا وقت ہوچکا ہو یا نہ ہوا ہو، اگر مؤخر شدہ چیز اس کی جنس کے علاوہ سے ہو یا اسی کی جنس سے ہو، لیکن اس کے زائد کے عوض ہو، اور خواہ جس میں فسخ کیا گیا ہے معین ہو مثلاً جائیداد، یا معین ذات کے منافع ہوں مثلاً جانور کی سواری تو یہ ناجائز ہے، یہ جاہلیت کے سود میں سے ہے جو سب سے شدید حرمت والی نوع ہے، اس کی حرمت کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے۔

ب-دین کو مدیون کے علاوہ کے دین کے عوض فروخت کرنا کو

---

(۱) المصباح المنیر ومختار الصحاح مادۂ "کلأ"۔

(۲) مثلاً دیکھئے: کفایۃ الطالب ۲/ ۱۶۶، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۶۵۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع الكالىء بالكالىء" کی روایت بیہقی (۵/ ۲۹۰

= طبع دار المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، ابن حجر نے بلوغ المرام (ص ۱۹۳ طبع عبد المجید حنفی) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

کہ وہ فوری واجب الاداء ہو، یہ حدیث کی وجہ سے ممنوع ہے۔

لہذا اگر ایک شخص کا دین زید پر ہو، اور ایک دوسرے شخص کا دین عمرو پر ہو، پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنے دین کو دوسرے شخص کے دین کے عوض فروخت کردیا، تو یہ حدیث کی وجہ سے حرام ہے، اور یہ فاسد ہے۔

رہا کسی ایسی معین شئی کے عوض اس کو فروخت کرنا جس پر قبضہ مؤخر ہو مثلاً جائیداد، یا معین ذات کی منفعت کے عوض فروخت کرنا، مثلاً اگر زید کا عمرو پر دین ہو، اور زید نے اس دین کو خالد کے ہاتھ مذکورہ بالا چیز کے عوض بیچ دیا تو یہ جائز ہے، جائیداد اور معین ذات کے منافع کو حاضر کے قبیل سے مانا جائے گا، گو کہ اس کو سپرد کرنا مؤخر ہو، اس لئے کہ اس کا ضمان ذمہ میں نہیں ہوتا، کیونکہ معین چیزیں ذمہ میں ثابت نہیں ہوتیں، تو یہ دونوں اس معنی کے لحاظ سے نقد ہیں یعنی حاضر اور نقد ہوں گی، اور ذمہ میں ثابت نہ ہوں گی۔

ج۔ سلم کے رأس المال (سرمایہ) کو تین دن سے زیادہ مؤخر کرنا جبکہ وہ معین چیز ہو، یہ ممنوع وناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں دین کو دین کے عوض کرنے کی ابتداء ہے، اس کے دین کی دین کے عوض ابتداء ہونے کی وجہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے ذمہ کو ایسے دین کے ساتھ مشغول کردیا ہے جو اس کا دوسرے پر ہے [1]۔

اگر سرمایہ عین کے علاوہ ہو تو اس کی تاخیر تین دن سے زیادہ جائز ہے بشرطیکہ شرط کے ساتھ نہ ہو۔

ان تینوں صورتوں میں سے ہر ایک کو لغت کی رو سے دین کی دین کے عوض بیع کہتے ہیں۔ لیکن فقہاء مالکیہ نے ان میں سے ہر ایک کا علاحدہ مخصوص نام رکھا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک دین کی دین کے عوض بیع کی اقسام اور ان کے احکام یہی ہیں۔

رہا دین کو نقد کے عوض فروخت کرنا تو نا جائز ہے، الا یہ کہ مدیون زندہ ہو اور شہر میں حاضر ہو، گو کہ مجلس عقد میں موجود نہ ہو اور دین کا اقرار کرے، اور ان لوگوں میں سے ہو جو احکام کے تحت آتے ہوں (یعنی مکلفین میں سے ہو) اور دین کو اس کی جنس کے علاوہ سے یا اسی کی جنس سے جو مساوی ہو نہ کم نہ زیادہ فروخت کیا گیا ہو، اور سونا بعوض چاندی یا اس کے برعکس نہ ہو۔ اور خریدار اور مدیون کے مابین عداوت نہ ہو۔

اور شرط یہ ہے کہ دین ایسی چیز ہو جس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہو، اور یہ معاوضہ کے اناج سے احتراز ہے۔

دسوقی نے کہا: اگر یہ شرائط موجود ہوں تو بیع جائز ہوگی، اور اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو بیع ممنوع ہے [1]۔

۵۵- امام شافعی کا مذہب جدید اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ ذمہ میں واجب ثمن کے عوض تبادلہ کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کے قدیم مذہب میں یہ ممنوع ہے [۲]۔

مذہب جدید کی دلیل جو بعینہ حنابلہ کے یہاں اس روایت کی دلیل ہے: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے، انہوں نے کہا: "كنت أبيع الإبل بالدنانير، وآخذ مكانها الدراهم، وأبيع بالدراهم، وآخذ مكانها الدنانير فأتيت رسول الله ﷺ فسألته عن ذلک، فقال: لا بأس إذا تفرقتما وليس بينكما شيء" [۳] (میں دینار کے عوض اونٹ بیچتا، اور اس کی جگہ

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۱، ۶۳ مع تعلیقات الشیخ علیش۔

(۱) حوالہ سابق۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۴، شرح المنہج ۳/ ۱۶۳، المغنی ۴/ ۲۲۰، ۲۲۱۔

(۳) حدیث ابن عمرؓ: "کنت أبیع الإبل....." کی روایت ابوداؤد (۳/ ۶۵۱ تحقیق عزت عبید دعاس) نے کی ہے۔ بیہقی نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ابن عمر پر موقوف ہونے کی وجہ سے معلول کہا ہے (التلخیص لابن حجر ۳/ ۲۶ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

دراہم وصول کرتا، اور دراہم سے بیچتا اور اس کی جگہ دنانیر وصول کرتا تھا، خدمت نبوی میں حاضر ہوکر میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اگر تم اس حال میں جدا ہو کہ تم دونوں کے درمیان کچھ نہ رہے)۔

انہوں نے کہا: یہ قبضہ سے قبل ثمن میں تصرف ہے، اور ثمن ایک عوض ہے [1]۔

مذہب قدیم کی دلیل یہ حدیث ہے: "إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه" [2] (جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ کرنے سے قبل اس کو فروخت نہ کرو)۔

اگر سود کی علت میں غیر موافق سے استبدال کرے مثلاً دراہم دینار کے عوض تو مجلس میں بدل پر قبضہ کرنا شرط ہے۔

اگر سود کی علت میں موافقت نہ رکھنے والی چیز سے تبادلہ کرے مثلاً ذمہ میں واجب دراہم کے عوض کپڑا خرید لے تو وہ شرط نہ ہوگی [3]۔

رہا دین کو مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا تو شافعیہ کے مذہب میں اظہر یہ ہے کہ باطل ہے، یہ حنابلہ کے مذہب میں بھی باطل ہے، مثلاً کسی نے زید سے ایک کپڑا اپنے اس ایک سو کے عوض خریدا جو عمرو پر واجب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

شافعیہ کے دوسرے قول میں یہ صحیح ہے، اور اس کو اصل کتاب

(۱) المغنی ۴/ ۲۲۱۔

(۲) حدیث: "إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه......" کی روایت احمد (۳/ ۴۰۲ طبع المیمنیہ) نے کی ہے، ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے (۴/ ۳۳ طبع المجلس العلمی بالہند)۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۱۴، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۱۶۴، ۱۶۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۰۶، ۴۰۷۔

"الروضہ" میں صحیح کہا ہے، رافعی کی رائے اس کے برخلاف ہے اور وہی معتمد ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ دین ثابت ہو چکا ہے، جیسے کہ دین کو مدیون کے ہاتھ فروخت کرنے میں ہے۔

لیکن اس میں مجلس کے اندر دونوں عوض پر قبضہ شرط ہے، اگر کسی ایک پر قبضہ سے قبل وہ دونوں جدا ہو گئے تو بیع باطل ہوگی، کیونکہ اکثر شافعیہ کے کلام کا تقاضا اس کے برخلاف ہے، جیسا کہ محلی نے لکھا ہے [1]۔

اگر زید اور عمرو کے دو دین کسی ایک شخص پر ہوں، اور زید نے عمرو کو اپنا دین اس کے دین کے عوض بیچ دیا تو یہ بلا اختلاف قطعاً باطل ہوگا، جنس ایک ہو یا مختلف، اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالئ بالكالئ" [2] (نبی کریم ﷺ نے کالی کے عوض کالی کی بیع سے منع فرمایا)۔

۵۶ - حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ دین کو دین کے عوض مدیون کے ہاتھ یا اس کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنا مطلقاً باطل ہے۔

انہوں نے اس کی چند صورتیں جو شافعیہ کی ذکر کردہ بعض ان صورتوں کے علاوہ ہیں جن میں حنابلہ نے شافعیہ سے اتفاق کیا ہے، ابن المنذر نے کہا: اہل علم کا اجماع ہے کہ دین کو دین کے عوض بیچنا ناجائز ہے، امام احمد نے فرمایا: یہ مسئلہ اجماعی ہے [3]۔

۵۷ - اب اتنی بات رہ جاتی ہے کہ حنفیہ کے اس امتیازی موقف کی طرف اشارہ کر دیا جائے جس میں دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے اور مدیون کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ بیچنے کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور یہ کہ دین میں جائز تصرف مدیون کو دین کا مالک بنانا ہے کیونکہ

(۱) شرح المحلی ۲/ ۲۱۵، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۲۶۵۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع الكالىء بالكالىء" کی تخریج فقرہ/ ۵۳ کے تحت آ چکی ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۲۶۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۷۴۔

بعوض ہو، غیر مدیون کو مالک بنانا جائز نہیں، جیسا کہ حصکفی نے ابن ملک کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حنفیہ نے تین صورتوں کا استثناء کیا ہے جن میں غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا جائز کہا ہے۔

اول: اگر قرض دینے والا دوسرے کو دین پر قبضہ کرنے کے لئے مسلط کردے تو وہ شخص ایسا وکیل ہوگا جو مؤکل کے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا، پھر اپنے لئے قبضہ کرنے والا ہوگا۔

دوم: حوالہ، اس کے جواز کے استثناء پر اجماع ہے جیسا کہ شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

سوم: وصیت۔

یہاں عدم جواز کا معنی منعقد نہ ہونا ہے، یہی تعبیر کاسانی کی ہے، انہوں نے کہا: مدیون کے علاوہ کے ہاتھ دین کی بیع منعقد نہ ہوگی، اس لئے کہ دین یا تو ذمہ میں واجب مال حکمی کا نام ہوگا یا مال کا مالک بنانے اور اس کو سپرد کرنے کے عمل کا نام ہوگا، اور فروخت کرنے والے کے حق میں ان چیزوں میں حوالگی پر قدرت نہیں ہے، اور اگر مدیون پر سپردگی کی شرط لگائی جائے تو بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ فروخت کرنے والے کے علاوہ پر سپردگی کی شرط ہے جو شرط فاسد ہوگی اور بیع فاسد ہوجائے گی۔

دین کو مدیون کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ مانع سپرد کرنے سے عاجز ہونا ہے اور یہاں سپرد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کی نظیر غصب کردہ چیز کو فروخت کرنا ہے، کہ اس کو غاصب کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہے اور دوسرے کے ہاتھ درست نہیں، اگر غاصب منکر ہو اور مالک کے پاس بینہ نہ ہو[1]۔

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱۴/۴، ۱۶۶ بحوالہ الاشباہ، بدائع الصنائع ۱۴۸/۵، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۴۰۹/۴۔

''بیع الکالی بالکالی'' کے سلسلہ میں مزید تفصیل اور صورتوں کے لئے اصطلاحات ''ربا''، ''صرف'' اور ''دین'' دیکھی جائیں۔

ح - جانور کے عوض گوشت فروخت کرنا:

۵۸ - حضرت سعید بن مسیّب کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع اللحم بالحيوان" (نبی کریم ﷺ نے جانور کے عوض گوشت کی بیع سے منع فرمایا ہے)، ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "نهى عن بيع الحي بالميت"[1] (مردہ کے عوض زندہ کو فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔

اس مسئلہ میں بحث کے حسب ذیل نقاط ہیں:

اول: کیا سارا گوشت ایک جنس ہے؟

۵۹ - یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں اختلافی ہے، اور یہی مسئلہ آئندہ آنے والے مسائل کی بنیاد ہے۔

الف - چنانچہ حنفیہ کا مذہب، شافعیہ کے یہاں اظہر کے بالمقابل، اور حنابلہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ گوشت کے اصول کے فرق کے لحاظ سے اس کی مختلف جنسیں ہیں:

لہذا اونٹ اپنی تمام انواع کے ساتھ (خواہ عربی، بختی، بجیں، دو کوہان والا، ایک کوہان والا ہو) ایک جنس ہے۔ اسی طرح ان کے گوشت بھی ایک جنس ہوں گے۔

گائے اور بھینس ایک جنس ہیں۔

(۱) حدیث: "نهى عن بيع اللحم بالحيوان......" اور دوسرے الفاظ میں "نهى عن بيع الحي بالميت" کی روایت مالک (۶۵۵/۲ طبع الحلبی) نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے مرسلا کی ہے ابن حجر نے تلخیص الحبیر (۱۰/۳ طبع شرکۃ الطباعۃ) میں اس کے دوسرے طرق ذکر کئے ہیں جن سے حدیث کو تقویت ملتی ہے نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶۶/۶، ۶۸۔

بھیڑ اور بکری ایک جنس ہیں [1]۔ اور احتمال ہے کہ وہ دو صنف ہوں، اس لئے کہ قرآن نے دونوں میں فرق کیا ہے جیسا کہ اونٹ اور گائے کے درمیان فرق کیا ہے۔ فرمان باری ہے: "ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ" ((اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کئے) دو قسمیں بھیڑ میں سے اور دو قسمیں بکری میں سے)، "وَ مِنَ الإِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ" [2] (اور (اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی))۔

وحشی (جنگلی) جانور مختلف اصناف ہیں: وحشی گائے الگ صنف، وحشی بھیڑ الگ صنف، وحشی ہرن الگ صنف ہیں۔

پرندے مختلف اصناف ہیں، جس کا مستقل نام اور صفت ہو، وہ الگ صنف ہے۔

ب۔ شافعیہ کے یہاں اظہر، حنابلہ میں خرقی کا قول، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ گوشت سب ایک جنس ہیں [3]۔

ج۔ مالکیہ کی طرف سے ایک جنس کی مثال میں گائے کے گوشت کی زندہ مینڈھے کے عوض بیع، اور غیر جنس کی مثال میں زندہ جانور کی پرندہ یا مچھلی کے گوشت کے عوض بیع، پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جانوروں کے گوشت کو ایک جنس، پرندوں کے گوشت کو ایک جنس اور مچھلیوں کے گوشت کو ایک جنس مانتے ہیں۔

ابن جزی نے صراحت کی ہے کہ گوشت امام مالک کے نزدیک تین اصناف کے ہیں: چوپایوں کے گوشت ایک صنف، پرندوں کے گوشت ایک صنف، اور مچھلیوں کے گوشت ایک صنف ہیں [1]۔

دوم- گوشت کو اسی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنا:

۶۰ - جمہور فقہاء گوشت کو اسی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے، مثلاً بکری کے گوشت کی زندہ بکری کے عوض بیع، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

سابقہ حدیث میں گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت ہے، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔

نیز اس لئے کہ یہ ربوی مال ہے جو اپنے ہم جنس کے عوض مقدار کی جہالت کے ساتھ فروخت ہوا، لہذا نا جائز ہوگا جیسا کہ تل کی بیع اس کے تیل کے عوض نا جائز ہے۔

نیز اس لئے کہ یہ معلوم شی یعنی گوشت کو مجہول شی یعنی جانور کے عوض فروخت کرنا ہے، اور یہی مزابنہ ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں [2]۔

یہی امام مالک کا قول ہے، اور ان کے نزدیک حدیث کا محمل یہی ہے کہ حلال جانور کو اس کی جنس کے گوشت کے عوض فروخت کیا جائے، یہی امام شافعی کا مذہب ہے، اور یہی حنابلہ کے یہاں بھی بلا اختلاف مذہب ہے۔

حنفیہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے لیکن:

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۹۔

(۲) سورۂ انعام ۱۴۳، ۱۴۴۔

(۳) دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۴، ۱۷۵، المغنی ۴/ ۱۴۲، ۱۴۳، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۲، ۱۴۴۔

(۱) القوانین الفقہیہ رص ۱۶۸، ۱۶۹، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۵۵۔ اسی کی تائید وتوثیق ابن الہمام نے کی ہے دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۷۴۔

(۲) دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۴، ۱۷۵، کشاف القناع ۳/ ۲۵۵، المغنی ۴/ ۱۴۶، ۱۴۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۶، الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۴، شرح الخرشی ۵/ ۶۸، القوانین الفقہیہ رص ۱۶۹۔

بعض حنفیہ نے ان دونوں کو دو مختلف جنس مانا ہے (اس لئے کہ ان میں سے ایک وزن والا اور دوسرا اشارہ والا ہے)، چنانچہ انہوں نے امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک اُکل سے ان دونوں کے فروخت کے جواز کی بنیاد اسی پر رکھی ہے، اس لئے کہ اس نے ایک جنس کو دوسری جنس کے عوض فروخت کیا۔

بعض حنفیہ نے ان دونوں کو ایک جنس مانا ہے، اور انہوں نے ان دونوں (یعنی شیخین) کے مذہب کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ بکری وزن والی چیز نہیں ہے، اس لئے ان میں سے ایک کو دوسرے کے عوض اُکل سے اور زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ ربا الفضل کا مدار دو وصف: یعنی جنس اور قدر کے اکٹھا ہونے پر ہے لیکن تعیین کی شرط کے ساتھ، جیسا کہ حصکفی کی تعبیر ہے یعنی ایک دوسرے پر قبضہ پایا جائے یا ہاتھوں ہاتھ کی شرط کے ساتھ جیسا کہ کاسانی کی تعبیر ہے، اور انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور یہی بابرتی کی بھی تعبیر ہے۔

لیکن ادھار نا جائز ہے، اس لئے کہ وہ دونوں اس صورت میں سلم ہیں اور سلم ان دونوں میں سے کسی میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ابن عابدین نے ''النہر'' کے حوالہ سے لکھا ہے۔

لیکن امام محمد نے گوشت کو اس کی جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنے کے جواز میں یہ شرط لگائی ہے کہ علاحدہ کیا ہوا گوشت اس گوشت سے زیادہ ہو جو بکری میں ہے تاکہ بکری کا گوشت ہم مثل گوشت کے مقابلہ میں ہو، اور باقی گوشت اِسقاط (چمڑا، سر، پاؤں، اوجھ وغیرہ) کے مقابلہ میں ہو جائے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ربا کا تحقق و ثبوت پایا جائے گا، جو ان کے نزدیک سابقہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے نا جائز ہوگا۔

نیز اس لئے کہ وہ دونوں ایک جنس ہیں، اور اسی وجہ سے ان میں سے ایک کو دوسرے کے عوض ادھار فروخت کرنا نا جائز ہے، تو اسی طرح کمی بیشی کے ساتھ بھی نا جائز ہوگا جیسے زیتون کے پھل کے عوض زیتون کا تیل فروخت کرنا ہے[۱]۔

سوم- گوشت کو خلاف جنس جانور کے عوض فروخت کرنا:

۶۱- مثلاً مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات کے نزدیک اونٹ یا گائے کے گوشت کے عوض فروخت کرنا اور مثلاً مالکیہ کے نزدیک بکری کو پرندے کے گوشت یا مچھلی کے عوض فروخت کرنا[۲]۔

حنفیہ اور مالکیہ میں سے جمہور فقہاء نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے، اور یہی شافعیہ کے یہاں خلاف اظہر ہے، حنابلہ میں سے قاضی نے اسی کو اختیار کیا ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت ہے اور ''الاقناع'' کے متن کی عبارت اسی کے مطابق ہے۔

حنفیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دونوں دو مختلف اصول ہیں، لہذا دونوں الگ الگ جنس ہوں گے، اور ان دونوں کی بیع مطلقاً اُکل سے نقد اور ادھار جائز ہوگی، اس لئے کہ وزن اور جنس معدوم ہیں جس کی وجہ سے ربا کا تحقق بالکلیہ نہیں ہوسکتا[۳]۔

ہر چند کہ مالکیہ نے گوشتوں کی جنسوں کے بارے میں اپنی اصطلاح کے مطابق گوشت کو خلاف جنس کے عوض فروخت کرنا علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، لیکن انہوں نے اس میں قید لگائی ہے کہ وہ نقد ہو، اور اگر ادھار ہو تو جائز نہیں، بشرطیکہ جانور کو پالنے کے مقصد سے نہ رکھا جاتا ہو، ورنہ اس کو خلاف جنس کے گوشت کے عوض

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۸۹، دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/۱۶۶، ۱۶۷، الدر المختار و رد المحتار ۴/۱۸۴، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/۹۱۔

(۲) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۵۵۔

(۳) دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۱۸۹، شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۷۵، المغنی ۴/۱۴۶، ۱۵۰، الشرح الکبیر ۴/۱۴۶، کشاف القناع ۳/۲۵۵۔

ادھار بیچنا جائز ہے۔

اسی طرح شافعیہ نے کہا ہے کہ جواز کا قول اس بات پر مبنی ہے کہ گوشت مختلف اجناس ہیں، اور جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ گوشت کے عوض گوشت کو فروخت کرنے پر قیاس ہے، انہوں نے کہا: یہ اس جانور کے بارے میں ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، رہا وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس میں وجہ جواز یہ ہے کہ ممانعت کا سبب ربا کے مال کو اس کی اصل کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو ربا پر مشتمل ہے، اور وہ سبب یہاں نہیں پایا جارہا ہے۔

حنابلہ میں جو حضرات اس کے جواز کے قائل نہیں انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ مال ربا ہے جو اپنی اصل کے علاوہ کے عوض فروخت ہوا، لہذا وہ جائز ہے، جیسا کہ اگر اس کو ثمن کے عوض فروخت کیا جائے۔

اس صورت یعنی گوشت کو خلاف جنس کے جانور کے عوض فروخت کرنے کو شافعیہ نے اپنے اظہر قول، اور حنابلہ نے اپنے مذہب کے ظاہر میں ناجائز قرار دیا ہے، اور اس کے باطل ہونے کی صراحت کی ہے، اور اس کی وجہ سابقہ دونوں احادیث کا عموم ہے۔

نیز اس لئے کہ تمام گوشت ایک جنس ہیں [1]۔

ملحوظ رہے کہ صاحب ''الشرح الکبیر'' حنبلی نے صراحت کی ہے کہ ''گوشت کو خلاف جنس کے عوض فروخت کرنے'' میں اختلاف کا سبب گوشت کے بارے میں اختلاف پر مبنی ہے، اس لئے کہ جو لوگ اس کو ایک جنس کہتے ہیں وہ بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس کو مختلف الاجناس کہتے ہیں وہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں [2]۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ شافعیہ نے حدیث میں گوشت کو مطلق رکھا ہے، خواہ وہ مچھلی کا گوشت ہو یا چکتی ہو یا جگر یا تلی ہو۔ اور انہوں نے حیوان کو مطلق رکھا ہے، چاہے وہ مچھلی ہو یا ٹڈی ہو، کھایا جاتا ہو مثلاً اونٹ یا نہ کھایا جاتا ہو مثلاً گدھا تو ان کے نزدیک جانور کے عوض گوشت کی بیع اظہر قول کے مطابق علی الاطلاق باطل ہے [1]۔

چہارم- گوشت کو نہ کھائے جانے والے جانور کے عوض فروخت کرنا:

۶۲ - جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ) اس صورت کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: اور اگر اس کو نہ کھائے جانے والے جانور کے عوض فروخت کرے تو ہمارے اصحاب کے قول کے ظاہر میں جائز ہے، اور یہی عام فقہاء کا قول ہے [2]۔

اسی طرح شافعیہ نے اس صورت کے جواز سے متعلق اپنے بعض فقہاء کی رائے کی توجیہ یہ کی ہے کہ ممانعت کا سبب مال ربا کو اس کی اس اصل کے ساتھ فروخت کرنا ہے جو ربا پر مشتمل ہو، اور یہ سبب یہاں موجود نہیں، لیکن شافعیہ کے نزدیک اظہر (جیسا کہ ابھی گزرا)، یہ ہے کہ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنا حرام ہے [3]۔

---

(۱) کفایۃ الطالب مع حاشیۃ العدوی ۲/ ۱۵۷، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۵۵، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۴، ۱۷۵، المغنی ۴/ ۱۴۹، ۱۵۰، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۶، کشاف القناع ۳/ ۲۵۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۹۰۔

(۲) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۶۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۹۰، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۴، ۱۷۵، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۶۶، ۶۷۔

(۲) المغنی ۴/ ۱۵۰، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۶، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۲۵۵، نیز الدر المختار ۴/ ۱۸۴، اور الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۵۵ سے یہی ماخوذ ہے۔

(۳) شرح المحلی ۲/ ۱۷۵۔

ط-خشک کھجور کے عوض تر کھجور کوفروخت کرنا:

۶۳ -تر کھجور کوخشک کھجور کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس روایت میں آئی ہے: " أن النبي ﷺ سئل عن بيع الرطب بالتمر، فقال: أينقص الرطب إذا جف؟ قالوا: نعم، قال: فلا إذا"[1] (حضور ﷺ سے تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تر کھجور خشک ہونے پر کم ہوجائے گی؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو نہیں)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"لا يباع رطب بيابس"[2] (تر کھجور خشک کھجور کے عوض فروخت نہیں کی جائے گی)۔

جمہور فقہاء (مالک، شافعی، احمد اور حنفیہ میں سے صاحبین) اس بیع اور اس طرح کی بیع مثلاً انگور کی منقی کے عوض، دودھ کی پنیر کے عوض اور تر گیہوں کی خشک گیہوں کے عوض بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور اس کی دلیل سابق میں مذکور حدیث ہے، یہ فقہاء کہتے ہیں: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خشک ہونے کے وقت برابری کا اعتبار کیا جائے گا۔ ورنہ کم ہونا اس درجہ واضح ہے کہ اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس وقت یکسانیت نامعلوم ہے[1]۔

نیز اس لئے کہ یہ ایسی جنس ہے جس میں ربا ہے، اس کے بعض کو بعض کے عوض اس طور پر فروخت کیا گیا ہے کہ ایک عوض میں کمی ہے، لہذا ناجائز ہوگا۔

خرقی کی عبارت ہے: کوئی تر چیز اس کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت نہیں کی جائے گی سوائے عرایا کے[2]۔

بعض مالکیہ اس کو مزابنہ میں سے شمار کرتے ہیں جو ابن جزی کی تشریح کے مطابق کسی تر چیز کو اس کی جنس کی خشک چیز کے عوض فروخت کرنا ہے، خواہ وہ شی ربوی ہو یا غیر ربوی، ربوی میں ممانعت تو کمی بیشی اور غرر کے اندیشہ کی وجہ سے ہے، اور غیر ربوی میں ممانعت اس وجہ سے ہے کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اور اس میں غرر ہے[3]۔

۶۴ - امام ابو حنیفہ جواز کے قول میں منفرد ہیں، جیسا کہ کمال بن الہمام کہتے ہیں، اور جیسا کہ حنفیہ کے متون میں ہے۔

حصکفی نے صراحت کی ہے کہ تر کھجور کو تر کھجور کے عوض یا خشک کھجور کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، جبکہ دونوں فی الحال برابر ہوں، آئندہ کے اعتبار سے نہیں، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، لہذا اگر

---

(۱) حدیث سعد بن ابی وقاصؓ: "سئل عن بيع الرطب بالتمر فنهى عن ذلك" کی روایت نسائی (۷/ ۲۶۹ طبع المکتبۃ التجاریہ) نے کی ہے ابن حجر نے بلوغ المرام (رص ۱۹۳ طبع عبدالمجید حنفی) میں ابن المدینی کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے۔

(۲) حدیث: "لا يباع رطب بيابس......" کی روایت بیہقی (۵/ ۲۹۵ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) نے حضرت عبداللہ بن ابوسلمہؓ سے مرسلاً کی ہے۔ زیلعی نے ابن عبدالہادی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ مرسل جید ہے اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی سابقہ حدیث کے لئے "شاہد" ہے (نصب الرایہ ۴/ ۴۳ طبع المجلس العلمی ہندوستان) اور یہی بیہقی کا کلام بھی ہے۔

---

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۰، تحفۃ المحتاج ۴/ ۲۸۱۔

(۲) المغنی ۴/ ۱۳۲، اور سابقہ دونوں مصادر میں المنہاج کی عبارت کے ساتھ اس کا موازنہ کریں جو یہ ہے: تر کھجور کو تر کھجور یا خشک کھجور کے عوض فروخت نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی انگور کو انگور یا منقی کے عوض فروخت کیا جائے گا، اور المنہج کی عبارت یہ ہے: لہذا تر کھجور کی بیع نہ تر کھجور کے ساتھ اور نہ خشک کھجور کے ساتھ ہوگی، دیکھئے: شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۵۶، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۵۲۔

(۳) المغنی ۴/ ۱۳۲، القوانین الفقہیہ رص ۱۶۸، ۱۶۹۔

أکل سے فروخت کرے تو بالاتفاق ناجائز ہے[1]۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی اس حدیث سے ہے: "قال رسول اللہ ﷺ : الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل، سواء بسواء، يدا بيد، فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد"[2] (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے، ہم مثل، برابر برابر اور نقد انقد بیچو، پھر جب یہ قسم بدل جائیں تو جس طرح چاہو بیچو، لیکن نقد ہونا ضروری ہے)۔

اس حدیث سے وجہ استدلال کے بارے میں امام ابوحنیفہ کہتے ہیں:

رطب (تر کھجور): یا تو تمر (خشک کھجور) ہوگی یا تمر نہیں ہوگی۔ اگر تمر ہو تو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ حدیث کے آغاز میں ہے: "التمر بالتمر" (تمر کو تمر کے عوض) اور اگر تمر نہ ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے، اس لئے کہ حدیث کے آخری ٹکڑے میں ہے: "إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم" (پھر جب دونوں جنس بدل جائیں تو جس طرح چاہو بیچو)۔ امام ابوحنیفہ نے ممانعت والی سابقہ حدیث کو نہیں لیا، اس لئے کہ اس کا مدار راوی زید بن عیاش پر ہے، اور زید بن عیاش کی حدیث مقبول نہیں، وہ مجہول ہے[3]۔

اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو بھی وہ ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: "نهى عن بيع الرطب بالتمر نسيئة"[1] (آپ ﷺ نے رطب کو تمر کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا)، اور حدیث کے اس اضافہ کو قبول کرنا واجب ہے[2]۔

تمر کے عوض رطب کی بیع کی مکمل بحث اور اس سے متعلق تفصیلات واحکام کے لئے اصطلاح "ربا" دیکھی جائے۔

ی- بیع اور قرض:

۶۵- حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك"[3] (ایک ساتھ قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، اور ایسی چیز کا نفع جس کا ضمان نہ ہو، اور اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہیں، حلال نہیں ہے)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: "يا رسول الله: إنا نسمع منك أحاديث، أفتأذن لنا بكتابتها؟ قال: نعم، فكان أول ماكتب النبي ﷺ إلى أهل مكة: لا يجوز شرطان في بيع واحد، ولا بيع وسلف جميعا، ولا بيع مالم يضمن......"[4] (اے اللہ کے رسول! ہم

---

(۱) الدر المختار ۴/ ۱۸۵۔

(۲) حدیث عبادہ بن الصامتؓ: "الذهب بالذهب و الفضة بالفضة......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۱۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) فتح القدیر ۶/ ۱۶۸، ۱۶۹، نیز دیکھئے: الہدایہ مع الشروح نفس مقام پر، تبیین الحقائق ۴/ ۹۲، ۹۳، بدائع الصنائع ۵/ ۱۸۸۔

(۱) حدیث: "نهى عن بيع الرطب بالتمر نسيئة" کی روایت ابوداؤد (ص ۱۵۸ طبع عزت عبید دعاس) نے کی ہے دارقطنی اور زیلعی نے ایک راوی کی جہالت کے سبب اس کو معلول کہا ہے (نصب الرایہ ۴/ ۴۳ طبع المجلس العلمی)۔

(۲) فتح القدیر ۶/ ۱۶۹۔

(۳) حدیث: "لا يحل سلف و بيع، ولا شرطان في بيع......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۳۵ طبع الحلبی) نے کی ہے اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) حدیث: "لا يجوز شرطان في بيع واحد......" کی روایت نسائی نے عطا

آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا آپ ہمیں ان کے لکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ حضور ﷺ نے سب سے پہلی چیز اہل مکہ کے نام یہ تحریر کی: "ایک بیع میں دو شرطیں، ایک ساتھ بیع اور قرض، اور ایسی چیز کی بیع جس کا ضمان نہ ہو نا جائز ہے......)۔

امام محمد بن الحسنؒ نے "سلف" اور "بیع" کی تشریح یہی کی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میں اپنا یہ گھر تمہارے ہاتھ اتنے اتنے میں فروخت کر رہا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھ کو اتنا اتنا قرض دو گے۔

اس لحاظ سے یہ مسئلہ "شرط کے ساتھ بیع" کے موضوع کی طرف لوٹے گا اور فی الجملہ فقہاء کا شرط کے ساتھ بیع کے فساد میں اختلاف نہیں ہے۔

ابن جزی نے صراحت کی ہے کہ خرید فروخت کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے قرض کی شرط کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے، اگرچہ حنابلہ کے یہاں ایک روایت اور ایک احتمال یہ ہے کہ صرف شرط باطل ہوگی[1]۔

مالکیہ نے جب معین مدتوں والی بیوع پر بحث کی (اور یہ بیوع بظاہر جائز ہیں لیکن ان کا نتیجہ ممنوع تک پہنچاتا ہے) تو انہوں نے اس بیع کو ممنوع قرار دیا جس کو لوگوں نے ممنوع ربا کے حصول کا بکثرت ذریعہ بنالیا ہو، گوکہ وہ بیع بظاہر جائز ہو، اس کی وجہ تہمت اور سد ذریعہ ہے، مالکیہ نے اس کی مثال میں ایک ساتھ بیع اور قرض یا ایسا قرض جو نفع لائے یا ایسا ضمان جو اجرت کے عوض ہو، کا ذکر کیا ہے۔

= عن عبد اللہ بن عمرو سے کی ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۱۹/۴، طبع المجلس الاعلی بالہند) میں ہے اور انہوں نے کہا: یہ خطا ہے اور یہ عطا بن اسائب ہے اس کا سماع حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے نہیں ہے۔

(۱) نصب الرایہ ۱۹/۴، القوانین الفقہیہ رص ۲۷۱، المغنی ۲۸۶/۴، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۵۳/۴، ۵۴۔

مالکیہ نے بیع اور قرض کی تین صورتیں ذکر کی ہیں:

اول: ایسی بیع جو بظاہر جائز ہو لیکن وہ نتیجتاً بیع اور قرض تک پہنچتی ہو جیسا کہ دردیر کہتے ہیں، تو یہ تہمت کی وجہ سے ممنوع ہوگی، کیونکہ ان دونوں نے ممنوعہ بیع اور قرض کا قصد کیا ہے۔

اس کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً دو سامان دو دیناروں کے عوض ایک ماہ تک کے لئے فروخت کیا، پھر ان میں سے ایک سامان کو ایک دینار نقد کے عوض خرید لیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فروخت کرنے والے نے اپنے ہاتھ سے ایک سامان اور ایک دینار نقد نکال دیا، اس لئے کہ جو سامان اس کے ہاتھ سے نکل کر دوبارہ اس کے پاس آ گیا وہ لغو ہے، جیسا کہ دسوقی کہتے ہیں[1]، پھر اس نے ان دونوں سامانوں کے بدلہ میں مدت پوری ہونے پر دو دینار لئے، ان میں سے ایک دینار جو سامان کے بدلہ میں ہے اور یہ بیع ہے، اور دوسرا دینار اس دینار کے عوض ہے جو قرض ہے۔

یہ صورت بیع اور قرض تک پہنچاتی ہے، اور یہ بظاہر جائز ہے، لیکن مذہب میں یہ صورت بالاتفاق ممنوع ہے، ابن بشیر، ان کے متبعین اور دوسروں نے اس کی صراحت کی ہے[2]، چونکہ اس صورت میں بیع دوبارہ ہوئی ہے، اس لئے ان کے نزدیک بیع اور قرض کے قصد کی تہمت کے سبب یہ صورت ممنوع ہوگی۔

دوم: فروخت کرنے والے یا خریدار کی طرف سے لگائی گئی شرط کے ساتھ بیع اور قرض ممنوع اور ناجائز ہے، اس لئے کہ قرض سے نفع اٹھانا ثمن کا حصہ ہوگا، اگر قرض کی شرط فروخت کرنے والے کی طرف سے لگائی گئی ہو یا وہ سامان بیع کا حصہ ہوگا اگر قرض کی شرط خریدار کی طرف سے لگائی گئی ہو، لہذا اس میں ایسا قرض ہے جو

(۱) الشرح الکبیر للدردیر ۷۶/۳۔

(۲) الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۷۶/۳۔

نفع لا رہا ہے۔

سوم: بلا شرط بیع اور قرض نہ صراحتاً ہو نہ حکماً اور یہ معتمد قول کے مطابق جائز ہے (۱)۔

ک-بیع اور شرط:

۶۶-حدیث میں بیع اور شرط کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع و شرط"، (۲) (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع کیا ہے)۔ اس کی تفصیل کے لئے اصطلاح "بیع" اور "شرط" دیکھی جائے۔

غرر سے متعلق اسباب ممانعت:

۶۷-بیع سے ممانعت کے اسباب میں سے یہ دوسرا سبب ہے جس کا تعلق عقد کے لزوم سے ہے، پہلا سبب ربا تھا۔

بیوع غرر سے حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں ممانعت آئی ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الحصاة، و عن بيع الغرر"، (۳) (نبی کریم ﷺ نے کنکری کی بیع اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا)، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن کا ذکر آئے گا۔

غرر کا معنی لغت میں خطرہ اور دھوکہ ہے۔

فقہی اصطلاح میں اس کی کئی تعریفات ہیں:

حنفیہ کے نزدیک غرر وہ ہے جس کا علم انسان سے مخفی ہو۔

بعض مالکیہ کے نزدیک غرر یہ ہے کہ ایسے دو امور کے درمیان تردد پایا جائے جن میں سے ایک غرض کے مطابق، اور دوسرا اس کے خلاف ہو۔

شافعیہ کے نزدیک غرر وہ ہے جس کا انجام انسان سے مخفی ہو یا جو ایسے دو امور کے درمیان متردد ہو جن میں زیادہ خطرناک امر غالب ہو۔

بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ "غرر" اور "خطر" ایک معنی میں دو مترادف الفاظ ہیں، یعنی ایسی چیز جس کی ذات مجہول ہو۔

لیکن محققین مالکیہ کی رائے میں یہ دونوں الفاظ مختلف ہیں:

خطر وہ ہے جس کا وجود غیر یقینی ہو، جیسے کوئی شخص کہے: میرے ہاتھ اپنا گھوڑا اس چیز کے عوض فروخت کر دو جو کل مجھے نفع میں ملے گی۔

غرر وہ ہے جس کا وجود یقینی ہو لیکن اس کے مکمل ہونے میں شک ہو جیسے انتفاع کے قابل ہونے سے قبل پھلوں کی بیع (۱)۔

۶۸-انعقاد بیع کی شرائط پر بحث کے وقت کچھ ایسی صورتیں گزر چکی ہیں جن پر غرر صادق آتا ہے جیسے یہ شرط کہ فروخت کی جانے والی چیز ایسا مال ہو جو موجود ہو، ملکیت میں ہو اور اس کی حوالگی پر قدرت ہو، لہذا ماں کے شکم میں حمل کی بیع، شکاری اپنے جال میں جو مچھلی نکالے گا اس کی بیع، فضاء میں پرندے اور بدک کر بھاگے ہوئے اونٹ کی بیع صحیح نہیں ہوگی۔

غرر کی دو قسمیں ہیں:

اول: جس کا تعلق مبیع کے اصل وجود یا اس پر فروخت کرنے

---

(۱) شرح الدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۶، ۶۷۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع و شرط ....." کی روایت طبرانی نے الاوسط میں کی ہے، زیلعی نے ابن قطان کے حوالہ سے اس کی تضعیف نقل کی ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۸ طبع المجلس العلمی)۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع الحصاة و عن بيع الغرر ....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) دیکھئے: المصباح المنیر، مختار الصحاح مادہ "غرر"، فتح القدیر ۶/ ۱۳۶، شرح العنایہ علی الہدایہ ۶/ ۱۳۶، ۱۳۷، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۵۵، نیز ابن عرفہ کی ایک دوسری تعریف کے لئے دیکھئے: حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب ۲/ ۱۳۷، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۶۱۔

والے کی ملکیت یا اس کے سپرد کرنے پر اس کی قدرت سے ہو، اس کی وجہ سے بیع باطل ہوجاتی ہے، لہذا ان میں سے کسی چیز میں **بالاتفاق بیع منعقد نہیں ہوگی۔**

دوم: جس کا تعلق مبیع کے وصف یا اس کی مقدار سے ہو یا وہ مبیع میں یا ثمن میں یا مدت میں جہالت پیدا کردے۔

تو یہ محل اختلاف ہے، اس کی تفصیل اصطلاح "غرر" میں ہے۔

ذیل میں غرر کی وہ صورتیں جن کے بارے میں خاص طور پر ممانعت وارد ہے اور ان کا فقہی حکم یعنی بطلان یا فساد ذکر کیا جارہا ہے، کیونکہ غرر سے ممانعت جیسا کہ نووی کہتے ہیں، شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے جس کے تحت بہت زیادہ مسائل آتے ہیں [1] مثلاً "بیع الحصاۃ"، "بیع الملامسہ" اور "بیع المنابذہ"، ان کو اپنی اپنی اصطلاحات میں دیکھا جائے۔

اور کچھ مسائل درج ذیل ہیں:

الف- شکم مادر میں موجود جنین کی بیع:

۶۹ - اس کو بیع حمل کہتے ہیں، جیسا کہ بعض فقہی مراجع میں یہی تعبیر ہے [۲]۔

جنین وہ بچہ ہے جو شکم مادر میں ہو، اس کی جمع اَجنہ ہے جیسے دلیل کی جمع اَدلہ۔ اور جنین ہی کے مثل ملقوح اور ملقوحہ ہے، جن کی جمع ملاقیح ہے، اور ان سے مراد رحم اور پیٹ میں موجود جنین ہیں، حنفیہ اور جمہور کی تفسیر یہی ہے، اس کے برخلاف مالکیہ کے یہاں اس کی تشریح یہ ہے کہ ملاقیح وہ ہے جو نر کی پشت میں ہو [۱]۔

حدیث میں جنین کی بیع سے ممانعت ہے جب تک وہ جنین ہو، تاآنکہ پیدا ہوجائے۔ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے: **"نهى النبي ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع"** [۲] (نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کے پیٹ میں موجود بچہ کو خریدنے سے منع فرمایا تاآنکہ وضع حمل ہوجائے)۔

اس بیع کے باطل ہونے پر اجماع کا ذکر آچکا ہے جیسا کہ ابن المنذر نے صراحت کی ہے (دیکھئے: فقرہ ر ۵)، اس کی دلیل حدیث میں وارد اس سے ممانعت اور غرر ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بچہ پیدا نہ ہو، نیز اس میں اس کی صفت اور زندگی کی جہالت ہے، نیز اس لئے کہ اس کو سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

یہاں اس کا ذکر محض غرر کی وجہ سے ہے، لیکن یہ غرر قسم اول کا ہے، یعنی جو غرر بذات خود مبیع کے ساتھ اس کے اصل وجود کے اعتبار سے متعلق ہے، اور اسی وجہ سے یہ ممانعت تمام علماء کے نزدیک بطلان کا سبب ہے، حتی کہ حنفیہ کی اصطلاح میں بھی جو بطلان اور فساد کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔

ب- قابل انتفاع ہونے سے قبل پھل کی بیع:

۷۰ - اس کو "مخاضرۃ" بھی کہتے ہیں، جیسا کہ بعض نصوص میں ہے۔

---

(۱) دیکھئے: نیل الاوطار ۵/ ۱۴۸۔

(۲) مثلاً دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/ ۵۰۔

(۱) شرح الکفایہ علی الہدایہ ۶/ ۵۰، العنایہ اسی مقام پر، الدرالمختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۲، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۵۷، شرح المحلی علی المنہاج ۳/ ۷۰، المغنی ۴/ ۲۷۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۷۔

(۲) حدیث: "نهى عن شراء ما في بطون الأنعام حتى تضع......" کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۴۰ طبع الحلبی) نے کی ہے زیلعی نے عبدالحق اشبیلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی اسناد قابل استدلال ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۵ طبع المجلس العلمی ہندوستان)۔

اس سے ممانعت بہت سی احادیث میں وارد ہے مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع و المبتاع"[1] (نبی کریم ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، جب تک ان کا قابل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہوجائے۔ آپ نے بیچنے والے کو اور خریدار کو منع فرمایا)۔

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں: "نهى عن بيع النخل حتى تزهو، وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة"[2] (آپ ﷺ نے کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ رنگ نہ پکڑ لے اور بالی کے بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہوجائے، اور نقصان کا اندیشہ جاتا رہے)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے: "قال رسول الله ﷺ: لا تبتاعوا الثمار حتى يبدو صلاحها"[3] (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھلوں کو نہ خریدو جب تک کہ ان کا قابل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہوجائے)۔

اس کی تشریح حضرت انسؓ کی اس روایت میں آئی ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، و عن بيع النخل حتى يزهو، قيل: مايزهو؟ قال: يحمارّ أو يصفارّ"[4] (نبی کریم ﷺ نے پھل کی بیع سے منع فرمایا جب تک

(۱) حدیث: "نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۹۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع النخل حتى تزهو، و عن بيع السنبل حتى يبيض و يأمن العاهة" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "لا تبتاعوا الثمار حتى يبدو صلاحها......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۷ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۴) حدیث: "نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها......" کی روایت

اس کا قابل انتفاع ہونا ظاہر نہ ہوجائے، اور کھجور کی بیع سے منع فرمایا جب تک اس پر رنگ نہ آجائے، عرض کیا گیا: رنگ آنا کیا ہے، فرمایا: لال یا زرد ہوجائے) حضرت انسؓ کی بعض روایات میں ہے: "حتى تزهي، فقيل له: وماتزهي؟ قال: تحمر"[1] (یہاں تک کہ رنگ آجائے، عرض کیا گیا: رنگ آنا کیا ہے؟ فرمایا: لال ہوجائے)۔

اسی طرح "بدو صلاح" کی تشریح حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آئی ہے، انہوں نے کہا: "نهى النبي ﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها"[2] (نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک بدو صلاح نہ ہوجائے) اور جب ان سے "صلاح" کا مطلب دریافت کیا جاتا تو کہتے: اس کے نقصان کا اندیشہ جاتا رہے)۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع العنب حتى يسود، و عن بيع الحب حتى يشتد"[3] (نبی کریم ﷺ نے انگور کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ سیاہ نہ ہوجائے، اور دانہ کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ سخت نہ ہوجائے)۔

= بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۹۷ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) حدیث: "حتى تزهي، فقيل له: وماتزهي؟......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۹۸ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "كان إذا سئل عن صلاحها قال: حتى تذهب عاهتها......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/ ۳۵۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۶ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع العنب حتى يسود، و عن بيع الحب حتى يشتد" کی روایت ابوداؤد (۳/ ۶۶۸ تحقیق عزت عبید دعاس) اور حاکم (۲/ ۱۹ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) نے کی ہے، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

صحیح روایت میں ایک تیسرے لفظ کی تعبیر بھی آئی ہے اور وہ ''تشقیح'' ہے اور یہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: "نهى النبي ﷺ أن تباع الثمرة حتى تشقح فقيل: ما تشقح قال: تحمار و تصفار، ويؤكل منها"[1] (نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ مشقح نہ ہوجائے، عرض کیا گیا: مشقح ہونا کیا ہے؟ فرمایا: سرخ یا زرد ہوجائے، اور کھانے کے لائق بن جائے)۔

''بدوصلاح'' کا معنی:

۱۷ - فقہاء نے ''بدوصلاح'' کے کئی معانی بیان کئے ہیں:

حنفیہ نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ نقصان اور خرابی کا اندیشہ جاتا رہے، اور بعض حنفیہ جیسے کرلانی نے کہا ہے کہ وہ پھل انسانوں کے استعمال اور جانوروں کے چارہ کے قابل ہوجائے[2]۔

مالکیہ نے مختلف اشیاء کے اعتبار سے مختلف تشریح کی ہے: کھجور میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے اور رنگ پکڑ لے، انگور میں وہ یہ ہے کہ سیاہ ہوجائے اور اس میں مٹھاس آجائے، اور ان کے علاوہ پھلوں میں ''بدوصلاح'' مٹھاس آنا ہے، ''خس'' اور ''کسم'' میں ان دونوں کا قابل انتفاع ہونا ہے، بقیہ سبزیوں میں ان کا کھانے کے لائق ہونا اور کھیتی اور دانہ میں خشک اور سخت ہونا ہے[3]۔

شافعیہ نے پھل اور اس کے علاوہ مثلاً کھیتی میں ''بدوصلاح'' کا معنی پکنے اور مٹھاس کے آثار کا ظاہر ہوجانا قرار دیا ہے، یہ ان چیزوں میں ہے جن میں رنگ نہیں آتا ہے، اور جن میں رنگ آتا ہے ان میں ''بدوصلاح'' یہ ہے کہ سرخی یا سیاہی یا زردی کا آغاز ہوجائے۔ شافعیہ نے آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں جن سے ''بدوصلاح'' کو جانا جاسکتا ہے۔

اول: رنگ، ہر ایسے پھل میں جو کھایا جاتا ہو اور رنگ پکڑنے والا ہو، اگر اس میں سرخی یا سیاہی یا زردی شروع ہوجائے، مثلاً کچی کھجور، عناب (بیر کی شکل کا ایک معروف پھل)، خوبانی، آلو بخارا۔

دوم: مزہ، مثلاً گنے کی مٹھاس اور انار کی ترشی۔

سوم: پکنا اور نرم ہونا، مثلاً انجیر اور تربوزہ۔

چہارم: مضبوط ہونا اور سخت ہونا، مثلاً گیہوں اور جو۔

پنجم: لمبا ہونا اور بھر جانا، مثلاً چارہ اور سبزیاں۔

ششم: بڑا ہونا، مثلاً ککڑی کہ کھانے کے قابل ہوجائے۔

ہفتم: اس کے غلاف کا پھٹنا، مثلاً روئی اور اخروٹ۔

ہشتم: کھل جانا، مثلاً گلاب کا پھول۔

اور جن کا غلاف نہیں ہوتا مثلاً یاسمین، تو ان کا ظاہر ہونا ہی بدوصلاح کی علامت ہے، اور اس کو آخری علامت میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ قلیوبی نے اس کے لئے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے اور وہ یہ کہ کوئی چیز ایسی حالت کو پہنچ جائے جس میں عموماً اسے طلب کیا جاتا ہو[1]۔

حنابلہ نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جس پھل کا رنگ اس کے صلاح کے وقت بدل جاتا ہو مثلاً کھجور، کالا انگور، اور آلو بخارا، تو اس کا بدوصلاح اس کے رنگ بدل جانے سے ہوگا، اور اگر انگور سفید ہو تو

(۱) حدیث: "نهى أن تباع الثمرة حتى تشقح....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۴؍ ۳۹۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۲) رد المحتار ۴؍ ۳۸، نیز دیکھئے: حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴؍ ۱۲، فتح القدیر ۵؍ ۴۸۹، شرح الکفایہ علی الہدایہ ۵؍ ۴۸۸۔

(۳) دیکھئے: شرح الدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳؍ ۱۷۶، القوانین الفقہیہ ؍ ۱۷۲، ۱۷۳۔

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲؍ ۲۳۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳؍ ۲۰۴۔

اس کا بدو صلاح اس کا "تموہ" ہے یعنی اس میں میٹھا پانی ظاہر ہو اور وہ نرم ہو جائے اور اس کا رنگ زرد ہو جائے، اور اگر پھل ایسا ہو جس میں رنگ نہیں آتا، مثلاً سیب وغیرہ، تو اس میں بدو صلاح میٹھا اور عمدہ ہونا ہے، اور اگر تربوزہ وغیرہ ہو تو اس میں بدو صلاح پکنا ہے، اور جس پھل کا رنگ نہیں بدلتا اور عمدہ ہونے پر چھوٹی بڑی ہر شکل میں کھایا جاتا ہے مثلاً ککڑی اور کھیرا، تو اس میں بدو صلاح عادتاً کھانے کے قابل ہونا ہے[1]۔

بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ پھل کے حصول سے قبل اس کے ضائع ہونے اور اس پر آفت آنے کا اندیشہ ہے[2]۔

حضرت انسؓ کی حدیث میں آیا ہے: "أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟"[3] (تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تعالیٰ پھل نہ دے، تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا)۔

بدو صلاح سے قبل پھل کو فروخت کرنے کا حکم:

۴۷ – جمہور فقہاء عام طور پر بدو صلاح سے قبل پھل فروخت کرنے کو ناجائز اور غیر صحیح کہتے ہیں۔

ابن المنذر نے کہا: اہل علم کا بالجملہ اس حدیث کو اختیار کرنے پر اتفاق ہے[4]۔

البتہ انہوں نے عقد کے کسی شرط کے ساتھ مقید ہونے یا مطلق ہونے کے لحاظ سے اس میں تفصیل کی ہے، اور پھل کی بیع درج ذیل احوال سے خالی نہیں:

پہلی حالت یہ ہے کہ ظاہر ہونے اور نکلنے سے قبل اس کی بیع کی جائے، یعنی اس سے پھول کے جھڑنے اور اس کے پھل بننے سے قبل ہو تو یہ بیع بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ بدو صلاح سے قبل ظاہر ہونے کے بعد پھل کی بیع اس شرط کے ساتھ کی جائے کہ پکنے تک درخت ہی پر چھوڑے رکھا جائے گا تو ایسی بیع بالاجماع درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے، یا وہ عقد کے اندر ایک دوسرا عقد ہے، یا وہ بیع کے ساتھ اعارہ یا اجارہ ہے۔

ابن قدامہ نے اس کی وجہ مذکورہ حدیث میں وارد ممانعت بتائی ہے اور ممانعت فساد کی متقاضی ہے۔

فقہاء نے کہا: بدو صلاح سے قبل چھوڑنے کی شرط پر پھل کی بیع ہی طرح سخت ہونے سے قبل کھیتی کی بیع ہے[1]۔

تیسری حالت یہ ہے کہ بدو صلاح سے قبل ظاہر ہونے کے بعد فوراً توڑنے کی شرط پر بیع کی جائے تو یہ بیع بالاجماع صحیح ہے، اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں[2]۔ حنابلہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ بدو صلاح سے قبل بیع سے ممانعت صرف اس لئے ہے کہ اس کے حصول سے قبل اس کے تلف ہوجانے اور اس پر آفت آجانے کا اندیشہ ہے۔ اس کی دلیل حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث ہے اور اس

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۰۷۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۰۲، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۲۳۳۔

(۳) حدیث: "أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۹۸ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۹۰ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۴) المغنی ۴/ ۲۰۲۔

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۳۸، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۵/ ۸۸، ۹۰، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۷، اور دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۳، المغنی ۴/ ۲۰۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) فتح القدیر ۵/ ۸۸، المغنی ۴/ ۲۰۲، کشاف القناع ۳/ ۲۸۱۔

میں یہ ارشاد نبوی ہے: "أرأيت إذا مَنَعَ اللّٰه الثمرة، بِمَ يأخذ أحدكم مالَ أخيه؟"[1] (بتاؤ! اگر اللہ تعالیٰ پھل نہ دے تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا)، اور توڑ لینے کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس کی بیع صحیح ہوگی جیسا کہ اگر بدوصلاح کے بعد ہو۔

انہوں نے کہا: اس صورت میں بیع کی صحت پر اجماع سے اس عمومی ممانعت کی تخصیص ہوتی ہے جو سابقہ حدیث کے مفہوم میں پائی جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ بدوصلاح کے بعد والی حالت علاحدہ ہوجاتی ہے، اس لئے کہ اس میں اکثر وبیشتر نقصان کا اندیشہ جاتا رہتا ہے برخلاف اس صورت کے جو بدوصلاح سے قبل پائی جاتی ہے، اور اس فرق کا اشارہ اس حدیث سے ملتا ہے جو آفات کی منہائی کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے[2]، یعنی: "لو بعت من أخيك ثمرا، فأصابته جائحة (أي آفة أهلكت الثمرة) فلا يحل لك أن تأخذ منه شيئا، بم تأخذ مال أخيك بغير حق"[3] (اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ پھل بیچو، پھر اس پر آفت آجائے جس سے پھل تلف ہوجائے تو اب تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس سے کچھ لو، تم کس چیز کے بدلے اپنے بھائی کا مال ناحق لوگے)۔

۷۳ - تاہم فقہاء نے اس حکم یعنی بدوصلاح سے قبل فوراً توڑنے کی شرط پر پھل کی بیع کے جواز کو کچھ قیود سے مقید کیا ہے جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اور بعض قیود ات چند دوسرے فقہاء کے یہاں ہیں، ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

پہلی شرط: پھل قابل انتفاع ہو:

الف۔ حنفیہ اپنے اصح قول میں اور اسی طرح مالکیہ اس سے مطلقاً انتفاع کے قائل ہیں، حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ انتفاع فی الحال ہو یا دوسرے زمانہ میں ہو، دونوں کو شامل ہے، اور اسی کو مآل یا ثانی الحال کہتے ہیں جیسا کہ حنفیہ کی تعبیر ہے۔

مثلاً قصیل (ایک قسم کی گھاس جس کو جانور کھاتے ہیں) اور حصرم (کچا سبز انگور، کچا پھل) کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ جانور اور انسان کے لئے قابل انتفاع ہے[1]۔

ب۔ شافعیہ اور حنابلہ نے جواز کو فی الحال انتفاع کے ساتھ مقید کیا ہے اور شافعیہ نے منفعت کی قید میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ منفعت غرض صحیح کے لئے مقصود ہو، اگرچہ اس طریقہ پر نہ ہو جس طریقہ سے اس سے انتفاع کا ارادہ ہوتا ہے، جیسا کہ حصرم میں برخلاف ناسپاتی کے، اس لئے کہ اس کو فی الحال توڑ دینا مال ضائع کرنا ہے (جیسا کہ مالکیہ نے اس کی علت بتائی ہے) اور برخلاف اخروٹ کے پھل کے اور ترمس (ایک قسم کا غلہ) کی کھیتی کے، کہ اس کی بیع مذکورہ بالا شرط پر صحیح نہیں، اس لئے کہ سامان بیع میں نفع نہیں پایا جارہا ہے جیسا کہ حنابلہ نے اس کی علت بیان کی ہے[2]۔

دوسری شرط: متعاقدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو اس کی ضرورت ہو۔

تیسری شرط: لوگوں میں بکثرت ایسا نہ ہو، اور لوگ اس

---

(۱) حدیث: "أرأيت إذا منع الله الثمرة....." کی تخریج فقرہ/ ۷۱ کے حاشیہ میں آچکی ہے۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۰۲، کشاف القناع ۳/ ۲۸۱، ۲۸۲، شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۲۳۳۔

(۳) حدیث: "لو بعت من أخيك ثمرا....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۹۰ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۱) فتح القدیر ۵/ ۴۸۸، الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶، القوانین الفقہیہ/ ۱۷۳۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۳، شرح المنہج مع حاشیۃ الجمل ۳/ ۲۰۱، ۲۰۲، کشاف القناع ۳/ ۲۸۲، الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶۔

میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں۔

ان دونوں شرطوں کی مالکیہ نے صراحت کی ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو بیع ممنوع ہوگی[1]، اسی طرح باقی رکھنے کی سابقہ شرط یا اطلاق کی صورت میں ممنوع ہے، جیسا کہ آئے گا۔

چوتھی شرط: حنابلہ نے جس کی صراحت کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بدو صلاح سے قبل فروخت کی گئی چیز غیر معین نہ ہو، مثلاً یہ کہ کوئی شخص بدو صلاح سے قبل آدھا پھل غیر متعین صورت میں توڑنے کی شرط کے ساتھ خریدے، اس لئے کہ اس کے لئے اپنے مملوک پھل کو توڑنا غیر مملوک پھل کو توڑے بغیر ممکن نہیں، اور ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں[2]۔

۷۴ - فقہاء نے اس جائز صورت یعنی بدو صلاح سے قبل فی الحال توڑنے کی شرط پر بیع کے علاوہ درج ذیل صورتوں کو بھی جائز قرار دیا ہے:

(۱) یہ کہ بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع درخت کے ساتھ یا ہری کھیتی کی بیع زمین کے ساتھ کی جائے، اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں پھل اور کھیتی درخت اور زمین کے تابع ہیں جن کو کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا، جیسا کہ شافعیہ کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ پھل کی بیع اصل یعنی درخت کے مالک کے ہاتھ یا کھیتی کی بیع زمین کے مالک کے ہاتھ کی جائے، اس لئے کہ جب وہ اصل کے ساتھ فروخت ہوگا تو تابع ہو کر بیع میں داخل ہوگا، لہذا اس میں غرر کا احتمال مضر نہیں، جیسا کہ بکری کے ساتھ تھن میں موجود دودھ کی بیع میں جہالت کا احتمال ہوتا ہے۔

اس صورت کی صراحت حنابلہ نے کی ہے، جیسا کہ پہلی صورت کی صراحت سب نے کی ہے، اور مالکیہ نے درج ذیل صورت کا اضافہ کیا ہے:

(۳) یہ کہ اصل یعنی درخت یا زمین کو فروخت کیا جائے، اور پھر کچھ وقفہ کے بعد خواہ وہ تھوڑا ہو یا لمبا، اور ان دونوں کے خریدار کے ہاتھ سے نکلنے سے قبل پھل یا کھیتی کو اس اصل کے ساتھ شامل کردیا جائے جو اس سے قبل فروخت کی جاچکی ہے[1]۔

۷۵ - پھل کی بیع کی چوتھی حالت یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد اس کی بیع کی جائے (بدو صلاح کی تفصیل میں اختلاف ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک پک جانے، مٹھاس آنے اور تموہ وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے)، اس حالت میں بیع کے جواز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ ابن الہمام کی صراحت ہے، اور حدیث کا مفہوم بھی ان لوگوں کے نزدیک جو مفہوم کے قائل ہیں، یہی ہے۔

اور پھل کے بڑھنے اور مکمل ہونے یا اس کے مکمل نہ ہونے کی صورت کے سلسلے میں مذاہب کی بعض تفصیلات عنقریب آرہی ہیں۔

لیکن مالکیہ نے اس حالت میں جواز کو (اپنی تشریح کے مطابق بدو صلاح کے ساتھ ساتھ) اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ اپنے غلافوں میں چھپا ہوا نہ ہو مثلاً کچی کھجور، انجیر، انگور، مولی، کرات (ایک بدبودار قسم کی سبزی)، گاجر اور پیاز، اس نوع کی بیع انکل سے جائز ہے، اور وزن سے بدرجہ اولی۔

اور جو اپنے غلافوں میں چھپا ہوتا ہے مثلاً گیہوں بالی میں، تو تنہا اس کی بیع انکل سے جائز نہیں ہے، اور ناپ سے جائز ہے، اور اگر اس

(۱) الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۲۸۲۔

(۱) دیکھئے: رد المحتار ۴/ ۳۸، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶، شرح الخرشی ۵/ ۱۸۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۶۳، ۴۶۴، کشاف القناع ۳/ ۲۸۲، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۶۔

کے چھلکے (یعنی بھوسہ) کے ساتھ فروخت کیا جائے تو اُکل سے جائز ہے، اور ناپ سے بدرجہ اولی۔

اور جو اپنے پتوں میں چھپا ہو مثلاً لوبیا، تو اس کی بیع اُکل سے نہ تنہا جائز ہے اور نہ اس کے پتے کے ساتھ، ہاں ناپ سے جائز ہے [1]۔

۷۶ - پانچویں حالت: پھل کی بیع بدو صلاح سے قبل مطلقاً ہو یعنی نہ توڑنے کی شرط ہو نہ باقی رکھنے کی، یہ صورت فقہاء کے مابین اختلافی ہے:

الف۔ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے یہاں قول معتمد (گوکہ ابن جزی کی صراحت کے مطابق اس میں دو اقوال ہیں) یہ ہے کہ یہ بیع بھی باطل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع کے بارے میں مذکورہ حدیث میں ممانعت مطلق ہے، نیز اس لئے کہ اس صورت میں اس پر نقصان جلد آجائے گا، کیونکہ وہ کمزور ہے، اور اس کے ضائع ہونے سے ثمن ضائع ہو جائے گا، جس کا کوئی عوض نہیں ہوگا [2]۔

ب۔ حنفیہ نے اس مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

اگر پھل اس حالت میں ہو کہ وہ کھانے یا جانوروں کے چارہ کسی کے لئے فائدہ مند نہیں تو اس کے بارے میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے:

ایک قول میں ناجائز ہے، قاضی خان نے اس کو عام مشائخ حنفیہ سے منسوب کیا ہے، اس کی وجہ ممانعت ہے، اور اس لئے کہ بیع ایسے مال کے ساتھ خاص ہے جس کی قیمت ہو، اور بدو صلاح سے قبل پھل اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔

صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ مستقبل میں یہ قابل انتفاع مال ہے گوکہ فی الحال قابل انتفاع نہ ہو۔

اگر پھل اس طرح کا ہے کہ اس سے انتفاع ہو سکتا ہے، گوکہ جانوروں کے چارہ کے طور پر تو باتفاق اہل مذہب بیع جائز ہے اگر اس کو توڑنے کی شرط پر یا مطلقاً فروخت کیا ہو [1]۔

مالکیہ نے سابقہ تینوں مسائل میں بدو صلاح سے قبل بیع کے جواز کی صراحت کی ہے۔

بعض فقہاء مثلاً حنفیہ اور حنابلہ نے یہ صورت بھی لکھی ہے۔

۷۷ - چھٹی حالت: ایسا پھل خریدا جس کی نافعیت اور پکنا ظاہر ہو چکا تھا لیکن اس کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا تھا، اور اس کے بڑھنے کے مکمل ہونے تک باقی رکھنے اور چھوڑنے کی شرط لگائی تو:

الف۔ جمہور کا مذہب جیسا کہ ابن قدامہ کی صراحت ہے، یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، بلکہ علی الاطلاق جائز ہے، اس لئے کہ:

حدیث میں بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع سے ممانعت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد اس کی بیع مباح ہو۔ ان کے نزدیک بدو صلاح سے قبل ممانعت چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنے کی ہے، لہذا بدو صلاح کے بعد اس کا جائز ہونا واجب ہوگا، ورنہ بدو صلاح (ممانعت کی) غایت نہیں قرار پائے گی، اور نہ ہی اس کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ ہوگا۔

نیز اس لئے کہ حدیث ہے: "نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، وتأمن العاهة" (نبی کریم ﷺ نے پھل کی بیع سے منع فرمایا تا آنکہ بدو صلاح ہو جائے، اور آفت سے مامون

---

(۱) فتح القدیر ۵/ ۸۸ ۳، ۸۹ ۳، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۶۔

(۲) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۷، شرح الخرشی ۵/ ۱۸۵، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۳، المغنی ۴/ ۲۰۲، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۶۱۔

(۱) فتح القدیر ۵/ ۴۸۹، رد المحتار ۴/ ۳۸، العنایہ بشرح الہدایہ للبابرتی ۵/ ۴۸۸، ۴۸۹۔

ہو جائے)، اور آفت سے مامون ہونے کی علت بیان کرنا باقی رکھنے پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ جس کو فوری طور پر توڑ لیا جائے گا اس پر آفت آنے کا اندیشہ نہیں، اور جب بدو صلاح ہوگیا تو آفت سے مامون ہوگیا، لہذا واجب ہے کہ باقی رکھتے ہوئے جائز ہو، کیونکہ ممانعت کی علت زائل ہوگئی۔

نیز اس لئے کہ فروخت شدہ چیز میں نقل وتحویل عرف کے تقاضے سے واجب ہے، اور جب اس نے اس کی شرط لگائی تو جائز ہے جیسا کہ اناج کو فروخت کرنے والے کی ملکیت سے منتقل کرنے کی شرط لگائے [1]۔

حنفیہ نے اس مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا:

اگر چھوڑنے کی شرط لگائے اور پکنا، بڑھنا مکمل نہ ہوا ہو، تو اس نے اس میں جزء معدوم کی شرط لگائی یعنی وہ حصہ جو زمین اور درخت کی وجہ سے بڑھے گا، اور یہ زیادتی فروخت کرنے والے کی ملکیت سے بیع کے بعد پیدا ہوگی، تو گویا اس نے معدوم کو موجود کے ساتھ ملا دیا، اور ان دونوں کو خریدا، لہذا عقد فاسد ہوگا [2]۔

اگر اس نے چھوڑنے کی شرط لگائی جبکہ اس کا بڑھنا مکمل ہو چکا ہو، تو بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہی حکم ہے، یعنی عقد فاسد ہو جائے گا، اور یہی قیاس ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں، اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے اور اس میں متعاقدین میں سے ایک کے لئے نفع ہے، اور اس طرح کی چیز عقد کو فاسد کر دیتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فروخت شدہ چیز میں مزید بہتری اور تازگی آتی ہے اور اس میں خریدار کا فائدہ ہے۔

جبکہ امام محمد بن الحسن نے اس صورت میں استحسان کو اختیار کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ کی طرح کہا کہ عقد فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا عرف ہے، برخلاف اس صورت کے جبکہ بڑھنا مکمل نہ ہوا ہو کہ یہ جزء معدوم میں شرط ہے۔

ہر چند کہ شراح "الہدایہ" میں سے بابرتی اور کرلانی نے چھوڑنے کی شرط لگانے میں تعامل کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ ان دونوں نے کہا ہے کہ عادت ورواج بلا شرط چھوڑنا ہے، اور عقد میں بلا شرط اس کے چھوڑنے کی اجازت ہے، چھوڑنے کی شرط لگانے کی نہیں، تاہم کرلانی نے "الأسرار" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا ہے، کیونکہ عموم بلوی ہے [1]۔

۸۷- اگر پھل مطلقاً خریدے، چھوڑنے یا توڑنے کی شرط نہ لگائے، اور اس کا بڑھنا نامکمل ہو پھر اس کو چھوڑ دے تو اگر چھوڑنا محض فروخت کرنے والے کی اجازت سے ہو تو یہ اضافہ ہے اور اس کا کھانا اس کے لئے حلال وطیب ہے، اور اگر چھوڑنا اجارہ کے ضمن میں اجازت سے ہو مثلاً درختوں کو پکنے کے وقت تک کے لئے اجارہ پر لے لیا ہو تو بھی اضافہ حلال ہوگا، اس لئے کہ اجارہ باطل ہے، کیونکہ لوگوں میں درختوں کے اجرت پر لینے کا عرف نہیں، نیز خریدار کو درختوں کے اجرت پر لینے کی حاجت نہیں، اس لئے کہ پھلوں کو ان کے اصل کے ساتھ خریدنا اس کے لئے ممکن ہے، اور قیاس میں اصل یہ ہے کہ اجارہ باطل ہے، شرعاً حاجت کی وجہ سے اس چیز میں اجازت دے دی گئی جس کا تعامل ہے، اور محض درختوں کو اجارہ پر دینے کا تعامل نہیں، لہذا اجازت باقی رہی۔

لیکن اگر اس کو بلا اجازت چھوڑ دے تو اس پھل کی ذات میں جو اضافہ ہوا ہے اس کو صدقہ کردے، اس لئے کہ اس کا حصول ممنوع

---

(۱) المغنی ۴؍۲۰۵۔
(۲) الہدایہ مع الکفایہ للکرلانی ۵؍۴۸۹۔

(۱) الہدایہ مع المشروح ۵؍۴۸۹، تبیین الحقائق ۴؍۱۲، الدر المختار ورد المحتار ۴؍۳۹۔

طریقہ سے ہوا ہے، یعنی غصب کردہ زمین کی قوت سے اس کا حصول ہوا ہے، لہذا پکنے سے قبل اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں اس کی قیمت لگائی جائے، اور دونوں کے درمیان اضافہ کو صدقہ کردیا جائے۔

اگر پھل کو اس کی بڑھوتری کے مکمل ہونے کے بعد خریدا اور اس کو چھوڑ دیا تو اس کے ذمہ کچھ صدقہ کرنا لازم نہیں، اس لئے کہ یہ حالت کی تبدیلی ہے، زیادتی کا ثبوت نہیں [1]۔

کیا پھل کی بیع کی صحت کے لئے پورے پھل میں بدو صلاح شرط ہے؟

۷۹ -عمومی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیع کی صحت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اگر بعض پھلوں میں بدوصلاح ہوجائے، خواہ وہ تھوڑا ہوتو پورے کی بیع درست ہوگی، بشرطیکہ عقد، جنس، باغ اور نقل وحمل یکساں ہو، یہ بعض فقہاء جیسے شافعیہ کے نزدیک ہے، یا جنس ایک ہو، یہ بعض فقہاء جیسے مالکیہ کے نزدیک ہے، کیونکہ ان میں سے بعض فقہاء نے دوسروں کے برخلاف پورے پھل میں صلاح کی شرط لگائی ہے، لہذا ان کے نزدیک صرف ان پھلوں کی بیع جائز ہوگی جن میں بدوصلاح ہوچکا ہے [2]۔ اس مسئلہ میں تفصیل ہے جس کو ہم ذیل میں ذکر کررہے ہیں:

اول: اگر ایک درخت ہو، اور اس کے بعض پھلوں میں بدوصلاح ہوچکا ہوتو اس کی وجہ سے پورے پھل کی بیع جائز ہوگی، ابن قدامہ نے کہا: میرے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوم: اگر ایک درخت میں بدوصلاح ہوا ہوتو کیا باغ کے اس نوع کے سارے درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے؟

اس میں دو اقوال ہیں:

اول: جمہور یعنی مالک، شافعی، محمد بن الحسن کا مذہب، اور حنابلہ کے مذہب میں اظہر یہ ہے کہ اس نوع کے تمام پھلوں کی بیع جائز ہے، اور اس کی وجوہات یہ ہیں:

جس باغ میں وہ ہے اس میں اسی نوع کے پھل میں بدوصلاح ہوچکا ہے، لہذا پورے کی بیع جائز ہوگی جیسا کہ ایک درخت میں ہے۔

تمام پھلوں میں بدوصلاح کا اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اس کے نتیجہ میں شرکت اور مختلف ہاتھوں (قبضوں) کا ثبوت ہوگا، لہذا واجب ہے کہ جس میں بدوصلاح نہ ہوا وہ ان پھلوں کے تابع ہوجائے جن میں بدوصلاح ہوا ہے۔

مالکیہ نے اس صورت میں شرط لگائی ہے کہ کھجور کا درخت ''باکورہ'' نہ ہو اور باکورہ وہ ہے جس پر طویل عرصہ گذر چکا ہو اس طور پر کہ جلدی جلدی پھل تیار نہ ہوتے ہوں، لہذا اگر وہ باکورہ ہوتو اس کے عمدہ ہونے سے باغ کے اور پھلوں کی بیع جائز نہیں ہوگی، ہاں تنہا اس کی بیع جائز ہے [1]۔

دوم: امام احمد سے ایک روایت (اور یہی حنفیہ کے کلام سے متبادر مفہوم، اور شافعیہ کے یہاں معتمد ہے) یہ ہے کہ جن میں بدوصلاح ہوچکا ہے صرف ان کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ جس میں

(۱) الہدایہ مع الشروح ۵/ ۴۸۹، ۴۹۰، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۶۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۲۳۶، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج مع حاشیۃ الشروانی ۴/ ۴۶۷، الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۷، المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۲۰۵، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۳۹۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۰۵، ۲۰۶، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۲۸۷، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۶، القوانین الفقہیہ رص ۱۷۳، شرح الخرشی ۵/ ۱۸۵، کفایۃ الطالب مع حاشیۃ العدوی ۲/ ۱۵۴، ۱۵۵۔

بدوصلاح نہیں، وہ ممانعت کے عموم کے تحت داخل ہے، نیز اس لئے کہ اس میں بدوصلاح نہیں ہوا، لہذا اس کی بیع توڑنے کی شرط کے بغیر ناجائز ہے، اور یہ دوسری جنس کے مشابہ ہوگیا، اور اس جنس کے مشابہ ہوگیا جو دوسرے باغ میں ہے [1]، جیسا کہ آئے گا۔

۸۰- سوم: اگر ایک درخت میں یا کسی ایک نوع کے چند درختوں میں بدوصلاح ہوجائے تو باغ میں موجود اسی جنس کی دوسری نوع کے پھلوں کی بیع کیا جائز ہوگی؟

اس صورت کے بارے میں چند آراء ہیں:

پہلی رائے: بعض اصحاب امام شافعی کی ہے، اور یہی حنابلہ میں قاضی کا قول ہے کہ وہ اس کے تابع نہ ہوگا، اور ابن قدامہ نے کہا ہے کہ یہی اولی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

دو انواع کا پکنا بسا اوقات بہت فرق اور زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے، لہذا بدوصلاح میں ایک نوع دوسری کے تابع نہ ہوگی جیسا کہ دو جنسوں میں ہوتا ہے۔

اور اس لئے کہ یہاں علت ایک دوسرے کا قریب قریب پکنا نیز شرکت اور اس پر مختلف قبضے کے آنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ضرر کو دور کرنا ہے۔ اور یہ چیز دو انواع میں حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے وہ دونوں اس سلسلہ میں دو اجناس کی طرح ہوگئیں۔

دوسری رائے: امام محمد بن الحسن کی ہے، وہ یہ ہے کہ جن کا پکنا ایک دوسرے سے قریب قریب ہو تو ان میں بعض کے اندر بدوصلاح کی وجہ سے سب کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اور اگر ایک دوسرے کے مقابلہ میں بہت دیر سے پکے تو پکے ہوئے پھل میں بیع جائز ہے، اور باقی میں ناجائز ہے [2]۔

---

(۱) المغنی ۲۰۵/۴، ۲۰۶، شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۲۳۶/۲، رد المحتار ۳۹/۴۔

(۲) المغنی ۲۰۶/۴، امام محمد بن الحسن کی اس رائے کا ذکر ابن قدامہ نے کیا ہے

تیسری رائے: بعض اصحاب امام شافعی اور حنابلہ میں سے ابو الخطاب کی ہے، وہ یہ ہے کہ باغ میں موجود اس جنس کی بیع جائز ہے، انہوں نے اس کو زکاۃ میں نصاب کو مکمل کرنے پر قیاس کیا ہے، کیونکہ جنس واحد کو نصاب کی تکمیل میں ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے، لہذا جواز میں وہ اس کے تابع ہوگی، اور وہ ایک نوع کی طرح ہوجائے گی [1]۔

۸۱- چہارم: اگر دو قریب قریب کے باغات میں سے ایک میں بدوصلاح ہوجائے دوسرے میں نہیں، اور ان دونوں باغات کو ایک عقد میں فروخت کرے، اور پھل ایک نوع کا ہو تو اس کے بارے میں دو رائیں ہیں:

اول: امام مالک کا مذہب، شافعیہ کا ایک قول، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کھیت کے ایک درخت میں بدوصلاح، اس کھیت کے لئے اور اس کے قرب وجوار کے کھیت کے لئے بدوصلاح ہے، لہذا وہ سب اس کے تابع ہونگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں صلاح میں قریب قریب ہیں، لہذا یہ ایک کھیت کے مشابہ ہوگئے، نیز اس لئے کہ مقصود آفت سے مامون ہونا ہے اور وہ پایا گیا، نیز اس لئے کہ وہ دونوں ایک عقد میں جمع ہیں۔

مالکیہ نے یہاں "قرب وجوار" کی تشریح: عادتاً پے بہ پے

= حالانکہ حنفیہ کی جو کتابیں میرے سامنے ہیں ان میں یہ رائے مجھے نہیں ملی، البتہ گزر چکا ہے کہ امام محمد عقد کے جواز کا فتوی دیتے ہیں اگر کچھ پھل نکل چکے ہوں اور کچھ نہ نکلے ہوں، اور اگر خریدار اس کے چھوڑنے کی شرط لگائے جبکہ وہ مکمل بڑھ چکا ہو، تو عرف کی وجہ سے استحسانا جائز ہے یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے انہوں نے کہا: عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳۹/۴)۔

(۱) المغنی ۲۰۶/۴، نیز دیکھئے: حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج (۴۵۷/۴، ۴۵۸) کہ انہوں نے تابع ہونے میں اتحاد مجلس کی شرط لگانے پر یہ حاشیہ لکھا ہے: "أي لا نوع"۔

طیب وعمدہ ہونے یا اہل تجربہ کے قول سے کی ہے۔

مالکیہ میں سے ابن کنانہ نے باغات میں حکم کو عام رکھا ہے، گو کہ ان میں عمدگی یکے بعد دیگرے نہ ہو۔

ابن قصار نے اس حکم کو آس پاس کے باغات کے علاوہ میں بھی عام رکھا ہے جس کے تحت پورا شہر آجائے گا۔

اور باغات کے متصل ہونے کی شرط لگانے کے بارے میں مالکیہ کے دو اقوال ہیں، لیکن انہوں نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ قرب وجوار کے باغات، اس باغ والے کی ملکیت میں ہوں جس کے اندر وہ باکورہ درخت ہے جس میں بدوصلاح ہوچکا ہے، البتہ انہوں نے اس حکم کو پھلوں میں محدود رکھا ہے، اور پھلوں کے مثل ککڑی کا کھیت ہے۔ رہی کھیتیاں تو ان میں تمام دانوں کا خشک ہونا ضروری ہے[1]۔

دوم: ایک باغ دوسرے کے تابع نہ ہوگا، یہی شافعیہ کے نزدیک اصح اور معتمد، اور حنابلہ کے یہاں مذہب ہے۔ گو کہ وہ دونوں قریب قریب ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

مقامات کے مختلف ہونے کی وجہ سے تابیر (گابھا دینے) کا وقت مختلف ہوجاتا ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں، لہذا دوسرے باغ میں توڑنے کی شرط ضروری ہے۔

اور یہ کہ جن میں بدوصلاح نہیں ہوا، ان کو بدوصلاح والے کے ساتھ ملحق کرنا شرکت اور مختلف قبضوں کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے، اور یہ ضرر دوسرے باغ میں موجود نہیں ہے، لہذا تابع نہ بنانا واجب ہوگا، جیسا کہ دور دور کے دو باغات میں ہے[2]۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۰۶، نیز دیکھئے القوانین الفقہیہ/ ۱۷۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۶، الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۷۳، شرح الخرشی علی مختصر سیدی خلیل مع حاشیۃ العدوی ۵/ ۱۸۵۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۷۵۴، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۶، المغنی ۴/ ۲۰۶۔

۸۲ - پنجم: اگر پھل کی ایک جنس میں بدوصلاح ہوجائے تو یہ دوسری جنس کے پھل جس میں بدوصلاح نہیں ہوا، کی بیع کے حلال ہونے کے لئے کافی نہیں، لہذا کچی کھجور میں بدوصلاح، مثلاً انگور کی بیع کی صحت کے لئے کافی نہیں ہوگا، اگر باغ میں انگور اور انار ہوں اور انگور میں بدوصلاح ہوجائے تو انار کی بیع جائز نہیں ہوگی تا آنکہ اس میں بدوصلاح ہوجائے۔ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ متفق علیہ ہے۔ اگر اس حالت میں فروخت کردے تو دوسری جنس کے پھل کو توڑنے کی شرط واجب ہوگی۔

۸۳ - فقہاء نے بعض کے بدوصلاح کی بنیاد پر تمام کی بیع کے جواز کے حکم میں ککڑی کے کھیت کو پھل کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بڑی اور کھانے کے قابل ہوجائے۔ مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ حکم ان ہی دونوں کے ساتھ خاص ہے۔ رہی کھیتی تو بعض کا خشک ہونا سب کی بیع کے جواز کے لئے کافی نہیں، بلکہ تمام دانوں کا خشک ہونا ضروری ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے:

کہ "تفکہ" کے طور پر تر پھلوں کو کھانے کی لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔

اور اس لئے کہ اگر بعض پھل میں بدوصلاح ہوجائے تو عموماً تیزی کے ساتھ بقیہ میں ایسا ہوجاتا ہے، اور ککڑی وغیرہ اسی کے مثل ہے، برخلاف کھیتی کے۔ اور دانوں (غلوں) کی نوعیت ایسی نہیں ہے، کیونکہ وہ غذا کے لئے ہوتے ہیں، تفکہ کے لئے نہیں[1]۔

شافعیہ اور حنابلہ اصل پر قائم ہیں یعنی دانے کے بارے میں بعض میں بدوصلاح کافی ہے گو کہ تھوڑا ہو، بلکہ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ بعض دانوں کا پختہ ہونا خواہ ایک ہی بالی ہو کافی ہے، اس کی

= ۲۸۸، حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۲/ ۱۵۴، القوانین الفقہیہ/ ۱۷۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۶۔

(۱) شرح الخرشی ۵/ ۱۸۵، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۷۷۔

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ اس نے پھلوں کا عمدہ ہونا بتدریج رکھا ہے تا کہ اس سے تفکہ کا زمانہ دراز رہے۔ اور اگر تمام کے عمدہ ہونے کی شرط ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ بھی فروخت نہ کیا جاسکے گا، اس لئے کہ جو پہلے عمدہ ہوگیا وہ تلف ہوجائے گا یا ایک ایک دانہ کر کے فروخت کرنا پڑے گا، اور دونوں میں شدید حرج ہے[1]۔

۸۴- حنفیہ کے سامنے یہ مسئلہ یعنی بیع کی صحت کے لئے سارے پھلوں میں بدو صلاح کی شرط لگانا اور اس کے تحت آنے والی تفصیلات نہیں ہیں، اس لئے کہ بنیادی مسئلہ یعنی بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع (اور اسی طرح دانہ وغیرہ کے بارے میں) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ قابل انتفاع ہو، خواہ جانوروں کا چارہ ہی ہو تو بیع باتفاق اہل مذہب جائز ہے، جبکہ اس کو توڑنے کی شرط پر یا علی الاطلاق فروخت کرے، اور فی الحال خریدار پر اس کا توڑنا واجب ہے۔

سارے پھل میں صلاح اور سارے دانہ میں صلاح کی شرط لگانے کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا تمام سابقہ اختلاف، حنفیہ کے نزدیک محض قابل انتفاع ہونے کی حالت میں ہے، اور ان سب کی بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

حنفیہ کے یہاں اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ بدو صلاح سے قبل کھانے یا چارے کسی کے قابل نہ ہو:

چنانچہ سرخسی اور شیخ الاسلام (خواہر زادہ) اس جزئیہ میں ممانعت اور بے قیمت ہونے کی وجہ سے عدم جواز کے قائل ہیں۔

مذہب میں صحیح قول (اور مرغینانی کے نزدیک اصح) یہ ہے کہ اس کی بیع بھی جائز ہے، اس لئے کہ مستقبل کے لحاظ سے وہ قابل انتفاع ہے، اگر چہ فی الحال قابل انتفاع نہ ہو، اس حیثیت سے کہ وہ مال ہے[1]۔

اسی وجہ سے حنفیہ نے پورے یا بعض پھلوں میں بدو صلاح کی شرط پر بحث نہیں کی (اسی طرح غلہ میں بھی)، اور ان کے متون کی عبارتیں اس سلسلہ میں صریح ہیں، اصل عبارت یہ ہے:

جس نے ایسا پھل بیچا جس میں بدو صلاح نہیں ہوا یا بدو صلاح ہوگیا تو بیع جائز ہوگی، اور خریدار پر اس کو فی الحال توڑلینا واجب ہے، اور اگر کھجور کے درخت پر اس کو چھوڑے رکھنے کی شرط لگادے تو بیع فاسد ہے، اور ایک قول ہے کہ فاسد نہیں اگر وہ پھل مکمل ہو چکا ہو، اور اسی پر فتوی ہے[2]۔

پے در پے پیدا ہونے والے پھلوں وغیرہ کی بیع:

۸۵- بدو صلاح سے قبل پھل فروخت کرنے کے مسئلہ سے متعلق (سابقہ اختلاف کے ساتھ) یہ مسئلہ بھی ہے کہ کسی نے ایسا پھل فروخت کیا جس کا بدو صلاح ہو چکا ہو، اور وہ یکے بعد دیگرے پھل دیتا ہو، اور عموماً اس کے پھل آگے پیچھے آتے ہوں، اور نیا پھل موجودہ پھل سے مل جاتا ہو مثلاً انجیر، ککڑی اور تربوزہ، اسی طرح کھیتی میں برسیم (ایک گھاس)، اور اسی طرح گلاب کا پھول وغیرہ، یہ مسئلہ مسئلۃ الثمر المتلاحق (یکے بعد دیگر آنے والے پھل کے مسئلہ) سے معروف ہے، اور اس میں کچھ اختلاف ہے۔

الف- چنانچہ جمہور فقہاء (شافعیہ، حنابلہ) کا مذہب، حنفیہ کے

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۶۴۳، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۲۰۴، نیز توجیہ کے سلسلہ میں دیکھئے: حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی ۲/ ۲۳۶، کشاف القناع ۳/ ۲۸۷۔

(۱) الہدایہ مع الشروح ۵/ ۴۸۸، ۴۸۹، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲۔

(۲) شروح الہدایہ ۵/ ۴۸۸، ۴۸۹، متن تنویر الابصار مع الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۳۹۔

یہاں ظاہر الروایہ اور یہی ان کے یہاں قیاسا صحیح ہے، یہ ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے :

اس میں علاحدہ کرنے کے محال ہونے کی وجہ سے سپرد کرنے کی قدرت نہیں ہے، لہذا یہ سپرد کرنے سے قبل ہلاک ہونے کے مشابہ ہوگیا، جیسا کہ حنفیہ میں سے مرغینانی اور کمال بن الہمام کہتے ہیں، جبکہ شافعیہ میں سے قاضی زکریا انصاری نے توجیہ کے صرف ابتدائی حصہ کو ذکر کیا ہے۔ اور سرخسی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہ عقد میں موجود و معدوم دونوں کو جمع کرنا ہے، اور معدوم عقد کو قبول نہیں کرتا، اور موجودہ حصہ غیر معلوم ہے [1]۔

حنابلہ کی توجیہ ہے کہ یہ ایسا پھل ہے جو پیدا نہیں ہوا، لہذا اس کی بیع نا جائز ہے، جیسا کہ اگر کسی پھل کے ظاہر ہونے سے قبل فروخت کردے۔ اور اس لئے کہ اس کی اصل کی بیع کے ذریعہ حاجت پوری ہوجاتی ہے۔

کھجور کا جو پھل ابھی پیدا نہیں ہوا اس کی بیع پیدا شدہ پھل کے تابع ہوکر جائز نہیں ہے، اور اگر اس میں بدو صلاح نہ ہوا ہو تو بدو صلاح والے پھل کے ساتھ تابع ہوکر اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ جس میں بدو صلاح نہیں ہوا، بعض حالات میں انفرادی طور پر اس کی بیع جائز ہے جیسا کہ گزرا۔ لیکن جو پھل ابھی پیدا نہ ہوا ہو اس کا یہ حکم نہیں ہے [2]۔

۸۶ - امام مالک کا مذہب جواز کا ہے۔ بعض حنفیہ مثلاً حلوانی، ابو بکر محمد بن فضل بخاری اور دوسرے فقہاء نے بھی استحساناً یہی فتوی دیا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ موجودہ پھل کو عقد میں اصل قرار دے دیا جائے، اور اس کے بعد پیدا ہونے والے اس کے تابع ہوں، اور اس میں یہ قید نہ ہو کہ عقد کے وقت موجود پھل زیادہ ہو، ابن عابدین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی دلیل ذکر کی ہے۔

استحسان کی وجہ لوگوں کا تعامل ہے، کیونکہ لوگوں میں اس طریقہ پر انگور کے پھلوں کی بیع کا رواج ہے، اور اس سلسلے میں لوگوں کا عرف و رواج واضح ہے، اور لوگوں کو ان کی عادتوں سے ہٹانے میں حرج ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے درختوں پر موجود گلاب کے پھول کی بیع کو جائز کہا ہے، جبکہ یہ معلوم ہے کہ سارے پھول ایک ساتھ نہیں کھلتے، بلکہ آگے پیچھے کھلتے ہیں [1]۔

اس سے واضح ہے کہ آگے پیچھے پیدا ہونے والے پھلوں کی بیع کا جواز حنفیہ میں سے جواز کا فتوی دینے والوں کے نزدیک ''استحسان ضرورت'' کے قبیل سے ہے۔

لیکن جن لوگوں نے اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں جمہور کے مسلک کو اختیار کیا، انہوں نے نصوص کو لیا ہے اور یہاں ضرورت کے وجود کی نفی کی ہے:

اس لئے کہ فروخت کرنے والے کے لئے اصل کو فروخت کرنا جائز ہے۔

یا خریدار موجودہ پھل کو بعض ثمن کے عوض لے لے، اور بقیہ میں عقد کو اس کے وجود کے وقت تک مؤخر کردے۔

یا موجودہ پھل کو تمام ثمن کے عوض خرید لے، اور فروخت کرنے والا خریدار کے لئے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں سے انتفاع کو

---

(۱) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۷، المغنی ۴/ ۲۰۷، کشاف القناع ۳/ ۲۱۲، الدر المختار ۴/ ۳۸، الہدایہ وفتح القدیر ۵/ ۸۹، ۹۲، ۹۴، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۲۰۶۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۰۷۔

(۱) القوانین الفقہیہ/ ۱۷۳، الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۸۷، نیز الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۳۸، ۳۹ کے ساتھ موازنہ کریں، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، شرح الکفایہ علی الہدایہ ۵/ ۸۹، ۹۴، فتح القدیر ۵/ ۹۴۔

مباح کردے، اور اسی وجہ سے ان فقہاء نے کہا ہے کہ معدوم میں عقد کو جائز قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ وہ اس نص سے متعارض ہے جس میں انسان کے پاس غیر موجود چیز کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے [1]۔

اسی سلسلے میں ابن عابدین کہتے ہیں:

ہمارے زمانے میں ضرورت کا پایا جانا مخفی نہیں، اور خاص طور پر دمشق شام جیسے علاقہ میں جہاں درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے، کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ کسی طریقہ کو اختیار کر کے اس سے بچنے پر ان کو مجبور کرنا ناممکن ہے۔ اگر بعض افراد کے لحاظ سے ایسا ممکن ہو بھی تو عام لوگوں کے لحاظ سے ناممکن ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے ہٹانے میں حرج ہے (جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے)، اور لازم آئے گا کہ ان شہروں میں پھل کھانا حرام قرار دے دیا جائے، اس لئے کہ ان کی بیع اسی طرح ہوئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سلم کی رخصت محض ضرورت کی بنا پر دی ہے، حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے، لہذا چونکہ یہاں بھی ضرورت مجبوری پائی جارہی ہے، اس لئے بطریق دلالت اس کو "سلم" کے حکم میں شامل کرنا ممکن ہے، لہذا یہ نص سے متصادم نہیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کو استحسان کے قبیل سے قرار دیا ہے، اس لئے کہ قیاس عدم جواز کا ہے۔ اور "فتح القدیر" کے کلام کا ظاہر جواز کی طرف میلان ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اس کے لئے امام محمد کی روایت ذکر کی ہے، بلکہ اس کو حلوانی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے، اور جس معاملہ میں تنگی ہو جاتی ہے اس میں گنجائش نکل آتی ہے، اور مخفی نہیں کہ ظاہر روایت سے عدول کرنے کے لئے اتنا کافی ہے [2]۔

(۱) تبیین الحقائق ۴/۱۲، نیز دیکھئے: رد المحتار ۴/۳۹۔

(۲) دیکھئے: فتح القدیر ۵/۹۴، رد المحتار ۴/۳۹۔

۸۷ - مالکیہ نے جو جواز کے قائل ہیں ان یکے بعد دیگرے آنے والے پھلوں کی جن میں کئی کھیپ پیداوار ہوتی ہے دو قسمیں کی ہیں:

جس کی فصلیں ایک دوسرے سے علاحدہ ہوں۔

جس کی فصلیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں۔

جن کی کھیپ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی انتہا ہو اور دوسری وہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

ذیل میں اس کے احکام درج ہیں:

اول: جس کی فصلیں ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں، یہ وہ ہیں جو علاحدہ علاحدہ ہوں، مسلسل نہ ہوں۔ اور ایسا اس درخت میں ہوتا ہے جو سال میں دو علاحدہ علاحدہ فصل میں پھل دیتا ہے، تو اس میں دوسری فصل کو اس کے وجود کے بعد لیکن اس کے بدوصلاح سے قبل پہلی فصل کے بدوصلاح کی بنیاد پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ پہلی فصل کے ختم ہونے سے قبل دوسری فصل میں نافعیت ظاہر ہو جاتی ہو، یہی ان کے نزدیک مشہور ہے۔

ابن رشد نے جواز کا ایک قول اس بنیاد پر نقل کیا ہے کہ دوسری فصل لائق انتفاع ہونے میں پہلی فصل کے تابع ہے، لیکن ابن جزی نے اس صورت میں عدم جواز کو متفق علیہ قرار دیا ہے [1]۔

دوم: جو فصل در فصل پھل دیتا ہو، اور وہ آپس میں ممتاز نہ ہوں، اور اس کی ایک انتہاء ہو جہاں وہ ختم ہو جائے مثلاً گلاب کا پھول، انجیر، اور مثلاً کھیرا، ککڑی، تربوزہ، کولر، اور بیگن وغیرہ کے کھیت، تو اس صورت میں پہلی فصل کے بدوصلاح کے بعد بقیہ ساری فصلوں کی بیع جائز ہوگی۔ ابن جزی نے کہا: ان کا یعنی ائمہ ثلاثہ کا

(۱) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۷۷، ۱۷۸، شرح الخرشی ۵/۱۸۵، ۱۸۶، القوانین الفقہیہ/۱۷۳۔

اختلاف ہے، لہذا جس نے ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز خریدی، تو اس کے لئے ساری فصلوں کا فیصلہ ہوگا، گو کہ اس نے اس کی شرط عقد میں نہ لگائی ہو۔

اس سلسلہ میں ایک ماہ وغیرہ کا وقت مقرر کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قلت وکثرت کے لحاظ سے اس کا پھل مختلف ہوتا ہے[(۱)]۔

سوم: جو یکے بعد دیگرے پھل دے، اور اس کی فصل آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوں اور اس میں مسلسل پھل آتے ہوں یعنی اس کی انتہاء نہ ہو بلکہ اس کا پھل دینا برابر جاری ہو۔ جب بھی اس کا پھل توڑ لیا جائے اس کی جگہ پر دوسرا پھل آجائے، اور اس طرح اس کی کوئی انتہاء نہ ہو، بلکہ وہ پورے سال جاری رہتا ہو، مثلاً کیلا، بعض ملکوں میں تو اس نوع کی بیع ایک طرح کی متعین مدت مقرر کئے بغیر ناجائز ہے، اور وہ زیادہ سے زیادہ امکانی آخری مدت ہوگی، اگر چہ مدت زیادہ (طویل) ہو یہ مشہور قول کے مطابق ہے، اس میں ابن نافع کا اختلاف ہے کہ انہوں نے جواز کو ایک سال میں محدود کیا ہے، اور اس میں ان لوگوں کا بھی اختلاف ہے جو دو سال سے زیادہ کی نفی کرتے ہیں۔

جواز کے بارے میں مدت مقرر کرنے کی طرح ہی متعین فصل کا استثناء کرنا بھی ہے[(۲)]۔

ج- کئی سال کے لئے بیع:

۸۸- حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع السنين"[(۳)] (نبی کریم ﷺ نے کئی سالوں کے لئے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کھجور کا درخت آئندہ دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ تک جو پھل دے فروخت کرنے والا اس کو فروخت کرے۔ اس سے ممانعت کی وجہ اس میں غرر ہے۔ اور یہ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی ممانعت کے مقابلہ میں بدرجہ اولی ممنوع ہے[(۱)]۔

(۱) القوانین الفقہیہ/ ۱۷۳، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۱۷۸، شرح الخرشی ۵/ ۱۸۶۔

(۲) سابقہ مراجع۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع السنين" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۷۸ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

د- پانی میں مچھلی کی بیع:

۸۹- غرر کی وجہ سے جن بیوع کی ممانعت ہے ان میں پانی میں مچھلی کی بیع بھی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: "أن النبي ﷺ قال: لا تشتروا السمك في الماء، فإنه غرر"[(۲)] (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو، اس لئے کہ اس میں دھوکہ ہے)۔

جمہور فقہاء متفق ہیں کہ شکار کرنے سے قبل اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر اس کو شکار کرکے پانی میں ڈال دیا گیا کہ بلا مشقت اس کو پکڑنا ناممکن ہو، تو بھی اس کی بیع صحیح نہیں ہے، اور یہ بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔ اور اس میں بہت زیادہ غرر ہے جو بالاجماع ناقابل معافی ہے، نیز اس لئے کہ اس کو شکار کرنے کے بعد ہی اسے سپرد کرنے پر وہ قادر ہے، لہذا وہ فضا میں پرندے کی طرح ہوگی۔ اسی طرح وہ مجہول ہے، لہذا اس کی بیع صحیح نہ ہوگی، جیسا کہ تھن میں دودھ اور کھجور میں گٹھلی[(۳)]۔

(۱) فیض القدیر للمناوی ۶/ ۳۰۷۔

(۲) حدیث: "لا تشتروا السمك في الماء....." کی روایت احمد (۱/ ۳۸۸ طبع المیمنیہ) نے کی ہے دارقطنی اور خطیب نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳/ ۷ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

(۳) تبیین الحقائق ۴/ ۴۵، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۶۰، نیز شرح الخرشی ۵/ ۶۹، ۷۵ میں اس کی نظیر کی طرف اشارہ کے لئے دیکھئے: المغنی ۴/ ۲۷۲۔

حنفیہ کے یہاں یہ بیع ان کی اپنی اصطلاح کے لحاظ سے باطل ہے، اور بعض حنفیہ اس کو فاسد کہتے ہیں اگر اس کو سامان کے عوض فروخت کیا گیا ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلی ثمن ہوگی اور سامان مبیع ہوگا۔ اور اگر جہالت ثمن میں ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے، باطل نہیں ہوتی۔ اور اگر دراہم ودنانیر کے عوض فروخت کی گئی ہو تو بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ مبیع میں ملکیت نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مچھلی کا مبیع ہونا اور دراہم یا دنانیر کا ثمن ہونا متعین ہے۔

اس کے بارے میں خاص شرائط واحکام کے ساتھ جواز کی کچھ صورتیں ہیں [۱]۔ جن کی تفصیل اصطلاح ''غرر'' میں ان کے اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

۹۰ - پانی میں مچھلی کی بیع کے مثل فضاء میں پرندے کی بیع ہے۔ اس کے فاسد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کے برخلاف حنفیہ کے یہاں تفصیل ہے کہ اگر وہ چھوڑنے کے بعد لوٹ آئے تو بیع صحیح ہوگی، اور اگر چھوڑنے کے بعد نہ لوٹے تو صحیح نہیں ہوگی [۲]۔

لیکن شکار کرنے سے قبل اس کی بیع ان کے نزدیک باطل ہے، جیسا کہ اجماع ہے، اس کے بعض احکام، اس کی تفصیلات اور جواز اور عدم جواز کی توجیہ اصطلاح ''غرر'' اور ''بیع'' میں دیکھی جائے۔

ھ- بھگوڑے غلام کی بیع:

۹۱ - حضرت ابو سعیدؓ کی روایت میں ہے: ''أن رسول اللہ ﷺ نهى عن شراء العبد وهو آبق'' [۱] (رسول اللہ ﷺ نے غلام کو خریدنے سے منع کیا جبکہ وہ بھاگا ہوا ہو)، لہذا جمہور کے نزدیک اس کی بیع فی الجملہ حرام ہے۔

حنفیہ نے اس کی بیع اس شخص کے ہاتھ جائز قرار دی ہے جس کے پاس وہ غلام ہے یا جو اس کو پکڑنے پر قادر ہے۔

شافعیہ نے اس کی بیع کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ ہو جو اس کو عادتاً ناقابل برداشت مشقت کے بغیر اور اس پر قابل لحاظ صرفہ کے بغیر لوٹا لینے پر قادر ہو۔

حنابلہ نے علی الاطلاق ناجائز کہا ہے، گو کہ اس کی جگہ کا اس کو علم ہو یا اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو۔ ہاں اگر کسی انسان کے ہاتھ آجائے تو جائز ہے، اس لئے کہ اس کو سپرد کرنا ممکن ہے۔

اسی پر ان دو چیزوں کو قیاس کیا گیا ہے: بدکا ہوا اونٹ، بدکا ہوا گھوڑا اور گم شدہ جانور الا یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اس کو بہ آسانی واپس لے سکتا ہو، اور غصب کردہ چیز الا یہ کہ شافعیہ کے نزدیک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جو اس کو چھین لینے پر قادر ہو، اور اس کی بیع غاصب کے ہاتھ یقیناً درست ہوگی [۲]۔

اس مسئلہ میں بہت سی فروعات ہیں جن کو اصطلاح ''بیع'' اور ''غرر'' میں دیکھا جائے۔

و- تھن میں دودھ کی بیع:

۹۲ - اس کی ممانعت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۶، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۵۸، المغنی ۴/ ۲۷۲۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۷، تبیین الحقائق ۴/ ۴۵، ۴۶، شرح الخرشی ۵/ ۶۹، شرح المحلی وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۵۸، کشاف القناع ۳/ ۱۶۲۔

(۱) حدیث: ''نهى عن شراء العبد وهو آبق'' کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۷۴۰ طبع الحلبی) نے کی ہے، زیلعی نے عبد الحق اشبیلی کا یہ قول نقل کیا ہے: اس کی اسناد قابل استدلال ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۵ طبع المجلس العلمی بالہند)۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۱۲، بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸، شرح المحلی ۲/ ۱۵۸، کشاف القناع ۳/ ۱۶۲، المغنی ۴/ ۲۷۱۔

وارد ہے۔ انہوں نے کہا: "نهى النبي ﷺ أن يباع ثمر حتى يطعم، أو صوف على ظهر، أو لبن في ضرع، أو سمن في لبن"[1] (نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ پھل بیچا جائے تا آنکہ کھانے کے قابل ہوجائے، یا پشت پر موجود اون یا تھن میں دودھ یا دودھ میں گھی)۔

شوکانی نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث کی وجہ سے اس کی بیع کے فاسد ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ فقہاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس کی صفت اور مقدار مجہول ہے، لہذا وہ حمل کے مشابہ ہوگیا۔

حنفیہ اس بات میں متردد ہیں کہ دو ملکیتوں کے اختلاط کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی یا اس کے وجود میں شک کی وجہ سے باطل ہوگی۔

حنفیہ میں سے ابن الہمام نے اس کے لئے، اور اس جیسے دوسرے مسائل کے لئے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جو چیز اپنے غلاف میں بیچی جائے وہ ناجائز ہوگی، البتہ غلہ کی بیع اپنے چھلکے میں مستثنی ہے[2]۔ اس کے احکام کی تفصیل اصطلاح "بیع" اور "غرر" میں ہے۔

ز- پشت پر رہتے ہوئے اون کی بیع:

۹۳- اس کے متعلق ابھی اوپر فقرہ/ ۹۲ میں گذری ہوئی حدیث وارد ہے۔

اس کے فاسد ہونے کی صراحت کرنے والوں میں حنفیہ ہیں، اور یہی حنابلہ کے یہاں مذہب ہے۔

امام ابو یوسف اس کے جواز کے قائل ہیں، امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے بشرطیکہ فی الحال اس کو کاٹ لیا جائے، مرداوی نے کہا: یہ رائے قوی ہے[1]۔

مالکیہ کا مذہب اس کو تھوڑے دنوں مثلاً نصف ماہ میں کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ جواز کا ہے۔ قائلین فساد کی دلیل اس سلسلے میں وارد ممانعت ہے، اور یہ کہ یہ جانور کے اوصاف میں سے ہے، جس کی الگ سے بیع نہیں ہوسکتی۔ اور مبیع کا غیر مبیع سے اختلاط ہے، اس لئے کہ وہ نیچے سے اگتا ہے یا اس کا جانور سے متصل ہوا ہے، لہذا اس کے اعضاء کی طرح اس کو الگ سے فروخت کرنا ناجائز ہے، یا کاٹنے کی جگہ کے بارے میں نزاع اور جہالت ہے۔

امام ابو یوسف اس کو قصیل (قصفصہ یا برسیم) پر قیاس کرتے ہیں، اور قصیل کی تشریح میں کہا ہے کہ قصیل ایسا جو ہے جو جانوروں کے چارہ کے لئے سبز حالت میں کاٹ لیا جائے[2]۔ اس میں تفصیلات اور صورتیں ہیں جن کو اصطلاح "بیع"، "غرر" اور "جہالت" میں دیکھا جائے۔

ح- دودھ میں گھی کی بیع:

۹۴- حضرت ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے: "......أو سمن في لبن" (......یا دودھ میں گھی)[3]، اور یہ بیع صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں مبیع کا غیر مبیع کے ساتھ اس طرح

---

(۱) حدیث: "نهى أن يباع ثمر حتى يطعم......" کی روایت دارقطنی (۳/ ۱۴ طبع دار المحاسن) اور بیہقی (۵/ ۳۴۰ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ) نے کی ہے بیہقی نے کہا: اس کو مرفوع نقل کرنے میں عمرو بن فروخ کا تفرد ہے اور وہ قوی نہیں ہے دوسروں نے اس کی روایت موقوفا کی ہے اسی طرح دارقطنی نے حضرت ابن عباس پر اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

(۲) نیل الاوطار ۵/ ۱۴۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۲۸، المغنی ۴/ ۲۷۶، کشاف القناع ۳/ ۱۶۶، الانصاف ۴/ ۳۰۱، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۸، نیز دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/ ۵۰، تبیین الحقائق ۴/ ۴۶، فتح القدیر ۶/ ۵۱۔

(۱) الانصاف ۴/ ۳۰۱، جواہر الاکلیل ۲/ ۱۶، الدسوقی ۳/ ۲۰۳۔

(۲) الہدایہ مع الشروح ۶/ ۵۰، ۵۱، تبیین الحقائق ۴/ ۴۶، بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸، کشاف القناع ۳/ ۱۶۶، المغنی ۴/ ۲۷۶، نیل الاوطار ۵/ ۱۵۰، المصباح المنیر مادۂ "قصل"۔

(۳) حدیث کی تخریج فقرہ/ ۹۲ میں آچکی ہے۔

مخلوط ہوتا ہے کہ وہ ممتاز نہ ہوسکے اور اس میں جہالت اور غرر ہے، پھر یہ ان چیزوں میں سے ہے جو اپنے غلافوں میں ہوتی ہیں، اور ان کو حاصل کرنا اور سپرد کرنا فطری شکل کو بگاڑے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ حنفیہ میں سے ابن الہمام کہتے ہیں، غلوں کو اس سے مستثنی کیا گیا ہے، لہذا اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی (۱)۔

ط- بیع میں مجہول شی کا استثناء کرنا:

۹۵- اس کے متعلق حضرت جابرؓ کی یہ حدیث وارد ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن المحاقلة، والمزابنة، والثنيا، إلا أن تعلم" (۲) (رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ اور استثناء سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ استثناء معلوم ہو)۔

"ثنیا" کا معنی استثناء ہے، بیع میں استثناء یہ ہے کہ کوئی چیز فروخت کرے اور اس کے بعض حصہ کو مستثنی کردے، اگر استثناء کردہ حصہ متعین ہو مثلاً فروخت شدہ درختوں میں سے متعین درخت تو بیع صحیح ہوگی، اور اگر مجہول ہو مثلاً بعض درخت تو صحیح نہیں ہوگی (۳)۔

فقہاء نے اس کے لئے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ تنہا جس چیز کا عقد کرنا جائز ہے بیع میں سے اس چیز کا استثناء کرنا بھی صحیح ہے۔ ابن عابدین نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ یہ قاعدہ عام معتبر کتابوں میں مذکور ہے، اس پر کچھ مسائل کی تفریع ہوتی ہے (۴)۔

شافعیہ نے بھی اس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اسی طرح حنابلہ نے بھی اور صاحب "الشرح الکبیر" نے اس کا نام "ضابطہ" رکھتے ہوئے کہا کہ اس باب کا ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کی الگ سے بیع صحیح نہیں ہے، اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہے (۱)۔

۹۶- اس کی بعض عملی مثالیں درج ذیل ہیں:

الف۔ ایک غیر متعین بکری کے استثناء کے ساتھ اگر "اس متعین ریوڑ" کو فروخت کیا تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق صحیح نہیں ہے، اس کی دلیل غیر معلوم استثناء کی بیع سے ممانعت کے بارے میں مذکورہ حدیث ہے، نیز اس لئے کہ یہ نامعلوم مبیع ہے، اس لئے صحیح نہیں ہے اور یہ ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں ایک بکری فروخت کی جس کو تم اس ریوڑ میں سے منتخب کروگے۔ یہی حکم اس باغ کو فروخت کرنے کا ہے جس میں ایک غیر متعین درخت کا استثناء کردیا جائے (۲)۔

امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے، لہذا ان کے نزدیک فروخت کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ باغ فروخت کرے اور اس کے پانچ درختوں کو مستثنی کردے، اس لئے کہ فروخت کرنے والا عام حالات میں اپنے باغ کے عمدہ اور خراب درختوں سے واقف ہوتا ہے، لہذا اس کے بارے میں یہ وہم نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک درخت منتخب کرنے کے بعد دوسرے پر جائے گا، برخلاف خریدار کے جس کے بارے میں یہ وہم ہے کہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف منتقل ہوجائے گا اور اس کے نتیجہ میں دونوں غلوں کے درمیان اگر وہ دونوں یا کوئی ایک ربوی ہو کمی بیشی پیش آجائے گی، اس لئے کہ جس کی طرف منتقل ہوا ہے احتمال ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے

---

(۱) دیکھئے: تبیین الحقائق وحاشیۃ الشلبی ۴/۴۶، نیل الاوطار ۵/۱۵۰، فتح القدیر ۶/۵۱۔

(۲) حدیث: "نہی عن المحاقلۃ و المزابنۃ......" کی روایت بخاری (الفتح ۵/۵۰ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۱۷۵ طبع الحلبی) نے "الثنیا إلا أن تعلم" کے بغیر کی ہے البتہ اس مذکورہ حصہ کی روایت ترمذی (۳/۵۸۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) نیل الاوطار ۵/۱۵۰۔

(۴) دیکھئے: الدر المختار ۴/۴۰، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/۱۳۔

---

(۱) دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۸۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/۲۹۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۴/۴۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/۲۹، ۳۰۔

درخت سے کم یا زیادہ یا مساوی ہو، اور یکسانیت میں شک حقیقی کمی بیشی کی طرح ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں قبضہ سے قبل غلہ کی بیع لازم آئے گی، اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک ناپ والی ہو[۱]۔

ب۔ اگر ایک قفیز یا ایک رطل کے استثناء کے ساتھ گیہوں وغیرہ کے اس متعین ڈھیر کی بیع کی تو:

حنفیہ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت میں جائز ہے، اس لئے کہ یہاں استثناء معلوم ہے، لہذا وہ ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ اگر اس سے جزء غیر معین کا استثناء کرے جیسا کہ آئے گا۔

امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہے، اس لئے کہ بکی ہوئی چیز کا علم محض مشاہدہ سے ہوا ہے، مقدار سے نہیں، اور استثناء مشاہدہ کے حکم کو بدل دیتا ہے، اس لئے کہ مشاہدہ کے حکم میں کتنا باقی ہے نامعلوم ہے، لہذا ناجائز ہوگا[۲]۔

ج۔ اگر ایک معین بکری کے استثناء کے ساتھ اس ریوڑ کو فروخت کیا یا ایک معین درخت کے استثناء کے ساتھ اس باغ کو فروخت کیا تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ استثناء کردہ حصہ متعین ہے اور اس کے نتیجہ میں جہالت پیدا نہ ہوگی، اور فروخت شدہ چیز مشاہدہ سے معلوم ہے، اس لئے کہ استثناء کردہ حصہ معلوم ہے، لہذا سبب فساد ختم ہوگیا[۳]۔

د۔ چند معین رطل کے استثناء کے ساتھ کسی ڈھیر کی بیع ہو تو:

حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ اس پر عقد کرنا صحیح ہے اگر معلوم ہو کہ مستثنیٰ کئے گئے حصہ سے زیادہ باقی رہے گا اور یہ قلیل کا کثیر سے استثناء ہوگا، جیسا کہ اگر ایک رطل کا استثناء کرے۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک صحیح ہے اگر درخت پر موجود پھلوں میں سے چند معلوم رطل کا استثناء ہو، ظاہر الروایہ یہی ہے[۱]۔

امام احمد کے نزدیک (اور یہی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے اور یہ روایت ان کے مذہب کے قرینۂ قیاس ہے) یہ ہے کہ یہاں جائز نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں اگر دونوں عقد کرنے والے رطل کی مقدار سے ناواقف ہوں، اس لئے کہ اس کی جہالت کے نتیجہ میں استثناء کے بعد باقی ماندہ میں جہالت پیدا ہوگی[۲]۔

ھ۔ اگر غیر معین بلکہ کسی عمومی حصہ کا استثناء کیا مثلاً چوتھائی اور تہائی تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، اس لئے کہ اس کے اجزاء میں مبیع کا علم ہے، اور اس لئے بھی کہ ان پر عقد کرنا صحیح ہے[۳]۔

و۔ اگر ایک گز کے استثناء کے ساتھ زمین یا گھر یا کپڑا فروخت کرے تو:

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب اور حنفیہ میں سے صاحبین کا ایک قول یہ ہے کہ اگر متعاقدین زمین یا گھر یا کپڑے کے گز کی تعداد جانتے ہوں کہ مثلاً دس گز ہے تو بیع صحیح ہے اور مذکورہ گز اس میں مشترک ہوگا، گویا کہ اس نے دس کی بیع کی ہے، اور اگر وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ناواقف ہو تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ مبیع نہ معین ہے اور نہ مشترک ہے، لہذا وہ مجہول ہوگی[۴]۔

۹۷ - قاعدہ: "جس چیز پر علاحدہ عقد کرنا درست ہے اس کا عقد سے استثناء بھی درست ہے" کی تطبیق حنفیہ کی ذکر کردہ اس صورت پر

---

(۱) شرح الخرشی ۵/ ۳۳، ۴۷۔
(۲) الدر المختار ۴/ ۴۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۳۰، اور اس کو امام مالک وغیرہ سے منسوب کیا ہے۔
(۳) الدر المختار ۴/ ۴۱، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۳۰، کشاف القناع ۳/ ۱۶۸۔

(۱) رد المختار ۴/ ۴۱۔
(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۶۹، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۳۰۔
(۳) دیکھئے: رد المختار ۴/ ۴۱، کشاف القناع ۳/ ۱۶۸۔
(۴) الدر المختار ورد المختار ۴/ ۴۲، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۶۱، کشاف القناع ۳/ ۱۷۰، ۱۷۱۔

ممکن ہے یعنی یہ کہ اگر کوئی شخص سو گز والی زمین یا گھر میں سے خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو دس گز زمین فروخت کردے:

تو امام ابو حنیفہ اس عقد کو جگہ کی جہالت کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ بیع زمین کی معین مقدار پر ہوئی ہے، عام حصہ پر نہیں، اور گھر کی جہتوں اور اس کے اجزاء میں تفاوت ہوتا ہے، اور یہ جہالت نزاع کی باعث ہے، اور جب اس پر عقد کرنا صحیح نہیں ہے تو عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا، برخلاف "ڈھیر" والے مسئلہ کے، کیونکہ اس کے اجزاء میں تفاوت نہیں ہوتا۔

اور صاحبین کہتے ہیں: اگر مجموعی ذراع کو متعین کردے تو صحیح ہوگا، ورنہ جہالت کی بناپر عقد صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ گذرا۔

صاحبین کے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ عقد جائز ہے، اگر چہ متعاقدین گز کے اعتبار سے زمین کی مجموعی پیمائش نہ بیان کریں، اس لئے کہ یہ ایسی جہالت ہے جس کا زائل کرنا ان دونوں کے ہاتھ میں ہے، لہذا اس کی پیمائش کی جائے گی، اور اس میں سے دس فروخت شدہ کے تناسب کو معلوم کرلیا جائے گا، اور بیع پوری زمین میں عام ہوگی [1]۔

جب دس پر عقد کرنا صحیح ہے تو عقد سے دس کا استثناء کرنا بھی صحیح ہوگا۔

۹۸- اگر ایک بکری فروخت کی اور اس کے "حمل" کو مستثنی کردیا تو **بالاتفاق** بیع صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح اگر اس کے بعض اعضاء کا استثناء کردے، اس لئے کہ مذکورہ چیز کا علاحدہ عقد کرنا صحیح نہیں، لہذا عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، اور وہ شرط فاسد ہوگئی جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں، اور اس میں فروخت کرنے والے کا نفع ہے، لہذا بیع فاسد ہوگی [1]۔

حنابلہ نے حلال جانور کے سر، کھال، پھینکے جانے والے اجزاء اور سلب [2] اور اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے استثناء کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ "جب حضور علیہ السلام مکہ سے مدینہ ہجرت کے لئے نکلے، اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما تھے، تو ان کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا، ان دونوں نے اس سے ایک بکری خریدی اور اس سے اس کے "سلب" کی شرط لگائی" [3]، اور حنابلہ کے نزدیک حضر کا حکم سفر کے حکم کی طرح ہے، جیسا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے سفر میں ان مذکورہ چیزوں کے استثناء کا صحیح ہونا منقول ہے حضر میں نہیں، اس لئے کہ کھال اور اس کے ردی اجزاء سے مسافر کے لئے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، لہذا اس کے لئے ان کو چھوڑ کر صرف گوشت کے خریدنے کو جائز قرار دیا گیا [4]۔

ممانعت کے وہ اسباب جو عقد سے متعلق نہیں ہیں:

۹۹- ان سے مراد وہ اسباب ہیں جن کا تعلق محل عقد یا عقد کے وصف لازم سے نہ ہو اس طور پر کہ وہ اس سے جدا نہ ہوتا ہو، بلکہ ان کا تعلق اس کے علاوہ کسی خارجی امر سے ہو، پس وہ نہ تو رکن ہو اور نہ شرط ہو [5]۔

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۳۱، ۳۲، بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۲، ۱۶۳۔

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۴۰، ۴۱، ۱۰۷، تبیین الحقائق ۴/ ۵۸، القوانین الفقہیہ/ ۱۶۹، شرح المحلی علی المنہاج، ۲/ ۱۸۱، تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج بحاشیۃ الشروانی والعبادی ۴/ ۳۰۷، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۸۳، کشاف القناع ۳/ ۱۷۲، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۳۱، ۳۲۔

(۲) ذبیحہ کا سلبہ اس کی کھال، پائے اور شکم ہے (القاموس)۔

(۳) دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۷۱، المغنی ۴/ ۲۱۴، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۳۲۔

(۴) دیکھئے: کشاف القناع ۳/ ۱۷۱، المغنی ۴/ ۲۱۴، الدسوقی ۳/ ۱۸۔

(۵) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج (۳/ ۸۵) بحوالہ قلیوبی، کے ساتھ موازنہ کریں۔

ان اسباب کو درج ذیل دو انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

نوع اول: جس کے نتیجہ میں تنگی یا ایذاء رسانی یا ضرر خواہ مادی ہو یا معنوی، خاص ہو یا عام لازم آئے، جیسے غبن، ایک مسلمان کا اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا، اور اہل حرب کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا۔

نوع دوم: جس کے نتیجہ میں خالص دینی مخالفت یا خالص عباداتی خلاف ورزی لازم آئے، جیسے اذان جمعہ کے وقت بیع، اور کافر کے ہاتھ قرآن کریم کی بیع۔

نوع اول: وہ اسباب جن کے نتیجہ میں ضرر مطلق لازم آئے:

۱۰۰ - اس نوع کے تحت آنے والی اہم بیوع حسب ذیل ہیں:

الف - غلام کی بیع میں ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کرنا:

۱۰۱ - فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بیع ممنوع ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت ثابت ہے، مثلاً حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ملعون من فرّق بین والدة وولدها"[1] (ملعون ہے وہ شخص جس نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کی)۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "من فرّق بین والدة وولدها، فرّق الله بينه وبين أحبته يوم القيامة"[2] (جس نے ماں اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے درمیان اور اس کے محبوب لوگوں کے درمیان تفریق کردے گا)۔

اس تفریق کے حکم کے بارے میں فقہاء کے مذاہب:

۱۰۲ - یہ تفریق عام فقہاء کے نزدیک عمومی طور پر اور اپنی آنے والی مختلف تفصیلات کے مطابق ناجائز ہے۔

جمہور یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ بیع کے ذریعہ تفریق حرام ہے۔

امام مالک کے نزدیک اس کو فسخ کرنا واجب ہے، اگرچہ ان دونوں کو ایک شخص کی ملکیت میں جمع کرنا ممکن نہ ہو، البتہ عقود معاوضات وغیر معاوضات میں تفصیل ہے جو درج ذیل ہے:

ان دونوں (امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک بیع باطل ہے۔

شافعیہ کا ایک قول ہے کہ تفریق کرنے سے روکا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ بیع جائز ہے، اور فی نفسہ حکم کا فائدہ دینے والی ہے، البتہ مکروہ ہے، اور بائع تفریق کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

امام ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ والدین اور اولاد میں بیع فاسد ہے، اور بقیہ قریبی رشتہ داروں میں جائز ہے۔

اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ بیع سب میں فاسد ہے۔

ان آراء کے دلائل کی تفصیل اصطلاح "رق" میں دیکھی جائے۔

۱۰۳ - علاوہ ازیں حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے کہ حرمت عام ہے جو ہر ذی رحم محرم کے درمیان ہر قسم کی تفریق کو شامل ہے۔

---

(۱) حدیث: "ملعون من فرّق بین والدة وولدها......" کی روایت دارقطنی (۳/ ۶۷ طبع دار المحاسن) نے کی ہے ابن قطان نے کہا: حدیث صحیح نہیں ہے نصب الرایہ (۴/ ۲۵ طبع المجلس العلمی ہندوستان)۔

(۲) حدیث: "من فرّق بین والدة و ولدها......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۱۱ = طبع الحلبی) نے کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے (۲/ ۵۵ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ)۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف حقیقی ماں اور اس کے اس چھوٹے بچے کے درمیان جس کے دانت دوبارہ نہ نکلے ہوں، بیع کے ذریعہ تفریق حرام ہے۔

شافعیہ نے اس کو قرابت ولادت میں منحصر کیا ہے، گو کہ نیچے کی ہو، بشرطیکہ چھوٹا ہو یہاں تک کہ وہ باشعور اور اپنے کھانے پینے کے سلسلہ میں خود کفیل ہو جائے، اگر چہ سات سال کی عمر کو نہ پہنچا ہو[1]۔

دلائل کی تفصیل اصطلاح ''رق'' میں ہے۔

چھوٹے جانور اور اس کی ماں کے درمیان تفریق کا حکم:

۱۰۴ - مالکیہ کے یہاں راجح یہ ہے کہ چوپایہ جانور اور اس کی ماں کے درمیان تفریق جائز ہے۔ اور جو تفریق ممنوع ہے وہ عاقل کے ساتھ خاص ہے، اور مالکیہ میں سے ابن القاسم سے مروی ہے کہ جانوروں کے بچوں اور ان کی ماں کے درمیان بھی تفریق منع ہے، اور ظاہر حدیث یہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچہ اپنی ماں کے بغیر چرنے لگے۔

لہذا اگر ان دونوں کے درمیان بیع کے ذریعہ تفریق کر دی جائے تو فسخ نہ ہوگی، اور متعاقدین کو ایک ملکیت میں دونوں کو جمع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ عاقل کی تفریق کرنے کی طرح نہیں ہے[2]۔

۱۰۵ - یہ جس کو ابن القاسم نے ممنوع کہا ہے یہی شافعیہ کا بھی مذہب ہے جن کی صراحت ہے کہ چوپایہ جانور اور اس کے بچہ کے درمیان تفریق کرنا حرام ہے۔

پھر انہوں نے مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے کہا:

ایسی ماں کو ذبح کرنا جس کا بچہ اس کے دودھ سے بے نیاز ہو گیا ہو، مکروہ ہے، اور اگر وہ اس کے دودھ سے بے نیاز نہ ہوا ہو تو ماں کو ذبح کرنا حرام ہے۔ بیع اور تصرف صحیح نہیں ہوگا اگر چہ جانور ماکول اللحم نہ ہو، اور چھوٹے بچہ کو جو ماکول اللحم ہو ذبح کرنا قطعاً حلال ہے، اور اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ اس کے بے نیاز ہونے سے قبل اس کو ذبح کرے گا، اسی طرح اس کے بے نیاز ہونے سے پہلے اس کی ماں کو فروخت کرنا باطل ہے، اگر چہ ابن حجر اس کی حلت کے قائل ہیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ذبح فوری نہ ہو یا سرے سے ذبح ہی نہ ہو تو ممنوعہ چیز کا وجود ہوگا، اور خریدار پر ذبح کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے[1]۔

ہاں اگر خریدار کو معلوم ہو کہ فروخت کرنے والے نے اس کے ذبح کی نذر مانی ہے اور فروخت کرنے والے نے خریدار پر ذبح کی شرط لگادی تو بیع صحیح ہے، اور یہ فدیہ لینا ہوگا، اور خریدار پر اس کا ذبح کرنا واجب ہے، اور اگر وہ ذبح نہ کرے تو قاضی اس کو ذبح کر دے گا، اور ذبح کرنے والا اس کو فقراء میں تقسیم کر دے گا، اور ذبح کے علاوہ کسی اور غرض سے اس بچہ کو فروخت کرنا جو اپنی ماں سے بے نیاز ہو مکروہ ہے، اور ان دونوں کو ذبح کرنا حرام نہیں ہے[2]۔

اس مسئلہ میں ہمیں حنفیہ اور حنابلہ کا کلام نہیں ملا۔

ب- شراب بنانے والے کے ہاتھ عصیر (رس) کی بیع:

۱۰۶ - عصیر سے مراد: عصیر عنب ہے یعنی انگور کا وہ رس جو اس سے نچوڑ کر نکالا جائے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲، تبیین الحقائق ۴/ ۶۸، الہدایہ مع الشروح ۶/ ۱۰۸، المغنی ۴/ ۳۰۷، کفایۃ الطالب ۲/ ۱۴۷، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۲۷، ۷۳، تحفۃ المحتاج شرح المنہاج بحاشیۃ الشروانی والعبادی ۴/ ۳۱۹، ۳۲۰۔

(۲) کفایۃ الطالب وحاشیۃ العدوی ۲/ ۱۴۷، الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۴، نیز دیکھئے: شرح الخرشی وحاشیۃ العدوی ۵/ ۷۹۔

(۱) حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۵۔

(۲) تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج مع حاشیۃ الشروانی والعبادی ۴/ ۳۲۱، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۲، ۷۳۔

اس جزئیہ کے شرعی حکم کے سلسلہ میں فقہاء کے مختلف مذاہب ہیں۔

چنانچہ مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب میں یہ بیع حرام ہے، اور شافعیہ کے یہاں اصح اور معتمد بھی یہی ہے، اگر اس کو علم یا غالب گمان ہو کہ اس کی شراب بنے گی، اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔ اور اسی کے مثل صاحبین کا ایک قول ہے (حصکفی نے اس کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے) کہ وہ مکروہ ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر کراہت مطلق بولی جائے تو حرمت کے لئے ہوتی ہے[1]۔

مالکیہ کی عبارت ہے: مکلف پر حرام ہے کہ وہ انگور کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرے جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس سے شراب کشید کرے گا، ان کا استدلال اس فرمان باری سے ہے: "وَ لَا تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالعُدْوَانِ"[2] (اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر) ابن قدامہ نے کہا: یہ ممانعت حرمت کی متقاضی ہے۔

اسی طرح ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: "لعنت الخمر علی عشرة أوجه: بعينها، وعاصرها، ومعتصرها، وبائعها، ومبتاعها، وحاملها، والمحمولة إليه، وآكل ثمنها، وشاربها، وساقيها"[3] (دس طریقہ سے شراب پر لعنت کی گئی ہے: بذات خود شراب پر، اس کا رس نچوڑنے والے پر، اس کو شراب بنانے والے پر، اس کو فروخت کرنے والے پر، اس کو خریدنے والے پر، اس کو اٹھانے والے پر، جس کے پاس اٹھا کر لائی جائے اس پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کو پینے والے پر، اور اس کو پلانے والے پر)۔

وجہ استدلال جیسا کہ عمیرہ برلسی کہتے ہیں، یہ ہے کہ اس حدیث سے حرام کا سبب بننے کی حرمت معلوم ہوتی ہے[1]۔

اور اس کی دلیل ابن سیرین سے مروی وہ روایت بھی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ان کی زمین میں ان کا ایک نگراں تھا، اس نے حضرت سعد کو انگور کے بارے میں بتایا کہ وہ منقی نہیں بن سکتا، اور اس قابل نہیں کہ شراب کشید کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کیا جائے، تو حضرت سعد نے اس کو اکھاڑ پھینکنے کا حکم دیا اور کہا: "اگر میں شراب بیچوں تو بدترین بوڑھا ہوں گا"۔ نیز اس لئے کہ وہ ایسے شخص کے لئے نچوڑنے پر عقد بیع کر رہا ہے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس کو معصیت کے قصد سے لے رہا ہے، لہذا یہ ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ ایک شخص اپنی باندی کسی ایسے شخص کے ہاتھ اجرت پر دے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس کو زنا کاری کے لئے اجرت پر لے رہا ہے[2]۔

شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور بیع دونوں قول کے مطابق صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ یہ بیع جائز ہے، ابن المنذر نے اس کو حسن، عطاء اور ثوری سے نقل کیا ہے، اور اس کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "بع الحلال ممن شئت"[3] (حلال چیز جس کے ہاتھ چاہو فروخت کرو)، ان کا استدلال اس فرمان باری

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۲۵۰، الہدایہ مع الشروح ۸/ ۹۳-۹۴، الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۷، شرح الخرشی ۵/ ۱۱، نیز دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۴، المغنی ۴/ ۲۸۳، الانصاف ۴/ ۳۲۷۔

(۲) سورۂ مائدہ/ ۲۔

(۳) حدیث: "لعنت الخمر ......" کی روایت ابن ماجہ (۲/ ۱۱۲۲ طبع الحلبی) نے حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے ابن السکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳/ ۷۳ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

(۱) دیکھئے: حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی فی ذیل حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۴، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۹۳۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۸۴۔

(۳) الدر المختار ۵/ ۲۵۰، المغنی ۴/ ۲۸۳۔

سے ہے: "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ"[1] (اور اللہ نے بیع کو حلال کیا) اور بیع اپنے ارکان وشرائط کے ساتھ مکمل ہوگئی۔

نیز اس لئے کہ معصیت کا تعلق بعینہ اس سے نہیں بلکہ اس کے تغیر کے بعد اس کے پینے سے ہے۔ اور یہ اختیار رکھنے والے شخص کا فعل ہے، اور پیا اٹھا کر لے جانے کے لوازمات میں سے نہیں، اس لئے کہ پیا بسا اوقات اٹھا کر لے جانے کے بغیر پایا جاتا ہے، اور اٹھا کر لے جانا پینے کے لوازمات میں سے نہیں، اس لئے کہ اٹھا کر لے جانا بسا اوقات بہانے کے لئے اور سرکہ میں ڈال کر سرکہ بنانے کے لئے ہوتا ہے، لہذا معصیت اٹھا کر لے جانے کے لوازمات میں سے نہیں، اور یہ انگور نچوڑنے کے لئے اجرت پر لینے کے مثل ہوگیا، یہ قول قیاس پر مبنی ہے۔ اور صاحبین کا قول استحسان پر مبنی ہے، جیسا کہ کرلانی نے کہا، لیکن اس کے باوجود بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور خلاف اولی ہے، کیونکہ صاحب "الہدایہ" نے کہا: اس کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب کشید کرے گا[2]۔ اور عربی میں لفظ "لاباس" (کوئی حرج نہیں) کراہت تنزیہی کے لئے ہے۔ لہذا اس کو چھوڑنا اولی ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہی حنفیہ کے یہاں مذہب ہے اور اسی کے مطابق "متون" کی عبارت ہے۔

رس کو شراب بنانے کے خریدار کے قصد کا بائع کو علم ہونے کی شرط:

۱۰۷- جمہور نے اس بیع سے ممانعت کے لئے شرط لگائی ہے کہ اس سے شراب بنانے کے خریدار کے ارادہ کا بائع کو علم ہو، لہذا اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو بلا اختلاف مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے قہستانی نے لکھا ہے اور مرغینانی کے مذکورہ کلام میں اسی کی صراحت ہے۔

اسی طرح ابن قدامہ نے کہا: بیع اسی صورت میں حرام ہے جبکہ فروخت کرنے والے کو خریدار کے اس ارادہ کا علم ہو، خواہ اس کے کہنے سے یا ایسے قرائن سے جو اس قصد پر دلالت کرتے ہوں۔

رہے شافعیہ تو ان کے یہاں یہی کافی ہے کہ فروخت کرنے والے کو ظن غالب ہو کہ خریدار اس سے شراب یا کوئی نشہ آور چیز بنائے گا۔ ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے[1]۔

۱۰۸- اگر فروخت کرنے والے کو خریدار کے حال کا علم نہ ہو، یا خریدار ان لوگوں میں سے ہو جو اس سے سرکہ اور شراب دونوں بناتے ہوں یا فروخت کرنے والے کو خریدار کے بارے میں شک یا وہم ہو تو:

جمہور کا مذہب جواز ہے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کی صراحت ہے۔

شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ شک یا وہم کی حالت میں بیع مکروہ ہے[2]۔

شراب بنانے والے ذمی کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کا حکم:

۱۰۹- شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع سے ممانعت میں اطلاق وعموم، اور شروحات میں مذکورہ تعلیلات کا تقاضا (جیسا کہ ابن عابدین کہتے ہیں) یہ ہے کہ مسلمان اور کافر کے ہاتھ انگور کا رس فروخت کرنے کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے، اور یہ کہ جو فقہاء

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۷۵۔

(۲) الہدایہ مع الشروح ۸/ ۹۳، قیاس واستحسان کی تعلیل وتفصیل کے سلسلے میں خاص طور پر دیکھئے: شرح الکفایہ مذکورہ مقام پر۔

(۱) ردالمحتار ۵/ ۲۵۰، المغنی ۴/ ۲۸۴، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۶، شرح المحلی مع حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۴، الانصاف ۴/ ۳۲۷، مرداوی نے کہا: یہی درست ہے۔

(۲) الدرالمختار وردالمحتار ۵/ ۲۵۰، المغنی ۴/ ۲۸۴، شرح المحلی علی المنہاج وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۴، ۱۸۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۶، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۳۔

کفار کو فروعات شریعت کا مخاطب مانتے ہیں ان کے نزدیک کافر کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع جائز ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ وہ مخاطب ہیں، اور کوئی فرق نہیں ہے، حنابلہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

شافعیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور کہا: کشید کرنے والے کے ہاتھ کو کہ وہ کافر ہو، بیع حرام ہے، اس لئے کہ وہ اس کے لئے بھی حرام ہے، اگر چہ ہم ان سے باز پرس اس شرط کی وجہ سے نہیں کرتے کہ وہ اس کا اظہار نہیں کررہے ہیں [۱]۔

انگور کے رس کی بیع کا حکم اور دوسرے رسوں پر اس حکم کی شمولیت:

۱۱۰ - فقہاء نے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کے فروخت کے حکم کو عام رکھا ہے، اس حکم کو انگور کے رس پر پر منحصر نہیں کیا بلکہ بذات خود انگور، تر کھجور، اور منقّی میں بھی اس حکم کو عام رکھا ہے، لہذا یہ چیزیں حرمت میں انگور کے رس کی طرح ہیں بشرطیکہ اس کا مقصد شراب یا نشہ آور چیز بنانا ہو۔

شافعیہ نے کہا: تر کھجور کے مثل کی بیع کا حکم اس شخص کے ہاتھ جو اس سے نشہ آور چیز بنائے انگور کی طرح ہے۔

حنابلہ نے کہا: جس چیز سے حرام مقصود ہو اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، مثلاً انگور اور انگور کا رس شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ اسی طرح منقّی وغیرہ فروخت کرنا [۲]۔

مالکیہ نے کہا: اسی طرح ہر اس چیز کی بیع ممنوع ہوگی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ خریدار اس کے ذریعہ ناجائز چیز کا قصد رکھتا ہے۔

(۱) ردالمحتار ۵/ ۲۵۰، کشاف القناع ۳/ ۱۸۱، حاشیۃ الشروانی و ابن قاسم العبادی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۶، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۹۳۔

(۲) المنہج مع الشرح بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۲، ۹۳، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۶، کشاف القناع ۳/ ۱۸۱۔

حنفیہ اس مسئلہ میں متردد ہیں:

ان میں صاحب المحیط کے نزدیک انگور اور انگور کی بیل کی بیع اس سے شراب بنانے والے کے ہاتھ مکروہ نہیں ہے۔

قہستانی نے نقل کیا ہے کہ انگور کی بیع بھی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

امام صاحب کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، یہ مکروہ تنزیہی ہے، صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے، اور مکروہ تحریمی ہے [۱]۔

شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع کے صحیح اور باطل ہونے کا حکم:

۱۱۱ - حنفیہ، شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہے۔ شافعیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ممانعت (جو شراب کشید کرنے والے پر لعنت والی حدیث سے مستفاد ہے) [۲] اگر چہ کراہت یا حرمت کی متقاضی ہے، اس لئے کہ بیع حقیقی یا وہمی معصیت کا سبب ہے، تاہم وہ یہاں بطلان کی متقاضی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ممنوع چیز کی ذات اور اس کے لازم سے خارج علت سے ہے۔ ہاں وہ اس سے وابستہ ہے، جیسے اذان جمعہ کے بعد بیع کا مسئلہ ہے، اس لئے کہ یہ ممانعت اس بیع کی ذات یا اس کے لازم کے سبب نہیں ہے بلکہ جمعہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے ہے۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ بیع فسخ کئے بغیر خریدار کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکال دے [۳]۔

(۱) الشرح الکبیر للدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۷، ردالمحتار ۵/ ۲۵۰۔

(۲) شراب کشید کرنے والے پر لعنت والی حدیث فقرہ/ ۱۰۶ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۸، ۳۰۹، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۸۵، ۹۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۴، ۱۸۵، الشرح الدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۷، شرح الخرشی بحاشیۃ العدوی ۵/ ۱۱۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اگر حرمت ثابت ہو یعنی انگور کی خریداری سے خریدار کا قصد شراب ہو، اس کا علم بائع کو خواہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو تو بیع باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی معصیت کے لئے ایک چیز پر عقد کیا ہے، لہذا صحیح نہیں ہے، نیز اس لئے کہ یہاں حرمت اللہ تعالیٰ کے حق کے لئے ہے جو عقد کو فاسد کردے گی جیسے ایک درہم کی دو درہم سے بیع [1]۔

حرام مقصد والی چیز کی بیع:

۱۱۲ - جمہور کا مذہب ہے کہ ہر وہ چیز جس کا مقصد حرام ہو اور ہر وہ تصرف جس کے نتیجہ میں معصیت ہو وہ حرام ہے، لہذا ہر اس چیز کی بیع ممنوع ہوگی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ خریدار کا اس سے مقصد ناجائز ہے [2]۔

۱۱۳ - مالکیہ کے یہاں اس کی مثالوں میں برے لوگوں کے ہاتھ باندی کی بیع، کنیسہ یا شراب خانہ بنانے کے لئے زمین کی بیع، صلیب بنانے والے کے ہاتھ لکڑی کی بیع اور ناقوس بنانے والے کے ہاتھ تانبے کی بیع ہیں۔

دسوقی نے کہا: اسی طرح ممنوع ہے کہ حربیوں کے ہاتھ آلۂ جنگ مثلاً ہتھیار یا گھوڑے یا زین فروخت کی جائے، اسی طرح ہر ایسی چیز جس سے ان کو جنگ میں تقویت ملے مثلاً تانبا، خیمہ اور خانگی سامان۔

رہا ان کے ہاتھ اناج فروخت کرنا تو ابن یونس نے ابن حبیب کے حوالہ سے کہا ہے کہ صلح کی حالت میں جائز اور غیر صلح کی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اور ''المعیار'' میں شاطبی کے حوالہ سے ہے: مذہب یہ ہے کہ مطلقاً ممنوع ہے، اسی کو ابن فرحون نے ''التبصرۃ'' میں، اور ابن جزی نے ''القوانین'' میں ابن القاسم سے منسوب کیا ہے۔

''المعیار'' ہی میں شاطبی کے حوالہ سے ہے: ان کے ہاتھ شمع کی بیع ممنوع ہے، اگر وہ اس سے مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں مدد لیتے ہوں۔ اور اگر ان کی عیدوں کے لئے ہو تو مکروہ ہے [1]۔

۱۱۴ - شافعیہ کے یہاں اس کی مثالوں میں نشہ آور شی کی بیع اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ اس کو حرام طریقہ پر استعمال کرے گا، لکڑی کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس سے سامان لہو بنائے گا، اور ریشمی کپڑے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو بغیر کسی مجبوری وغیرہ کے پہنے گا اور اسی طرح باغی اور ڈاکو وغیرہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع، مرغے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو لڑائے گا، مینڈھے کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس کو سینگ بازی میں استعمال کرے گا، اور جانور کی بیع اس شخص کے ہاتھ جو اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادے گا۔

اسی طرح شروانی اور ابن قاسم العبادی نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کے لئے کافر کے ہاتھ کھانا فروخت کرنا ممنوع ہے، جس کے بارے میں علم یا ظن غالب ہو کہ وہ رمضان کے دن میں اس کو کھائے گا۔ رملی نے یہی فتوی دیا ہے، انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون ہے، یہ اس بات پر مبنی ہے کہ کفار فروع شریعت کے مخاطب ہیں [2]۔

۱۱۵ - حنابلہ کے نزدیک اس کی مثالوں میں حربیوں کے ہاتھ یا ڈاکوؤں کے ہاتھ یا فتنہ وہنگامہ میں، ہتھیار فروخت کرنا یا شراب

(۱) المغنی ۴/ ۲۸۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۱۔
(۲) المغنی ۴/ ۲۸۴، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۷، شرح الدردیر بحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۷۔

(۱) الدسوقی ۳/ ۷۔
(۲) تحفۃ المحتاج وحاشیۃ الشروانی ۴/ ۳۱۷، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۴، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۹۳۔

فروشی یا کنیسہ بنانے یا آتش خانہ وغیرہ بنانے کے لئے گھر کرایہ پر دینا ہیں، کیونکہ یہ حرام ہیں۔

ابن عقیل نے کہا: امام احمد نے کچھ ایسے مسائل کی صراحت کی ہے جن میں اس پر تنبیہ ہے۔ انہوں نے قصاب، اور نانبائی کے بارے میں کہا ہے: اگر اس کو معلوم ہو کہ اس سے خریدنے والا نشہ خور کی دعوت کرے گا تو اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ پیالے بنانے والا پیالوں کو اس شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جو اس میں شراب پیئے گا، اور انہوں نے مردوں کے ہاتھ ریشم فروخت کرنے سے منع کیا ہے[1]۔

۱۱۶ - امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ ایسی چیز کی بیع مکروہ نہیں جو اپنی ذات میں معصیت نہ ہو، مثلاً سینگ مارنے والے مینڈھے، اڑنے والے کبوتر اور گانے کے سامان بنانے والے کے ہاتھ لکڑی کی بیع۔ اس کے برخلاف اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی فروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ معصیت اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ لہذا یہ گناہ اور سرکشی پر تعاون ہوگا جو ممنوع ہے۔ برخلاف اس چیز کی بیع کے جس سے ہتھیار بنایا جاتا ہے مثلاً لوہا، اس لئے کہ وہ جنگ کے لئے تیار شدہ نہیں ہے، اس لئے اس میں تعاون کا مفہوم ثابت نہیں ہوگا۔

حنفیہ میں سے صاحبین کی رائے ہے کہ مسلمان کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معصیت پر تعاون ہے، لہذا وہ ان دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے اور یہ حرام نہیں، جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے[2]۔

حنفیہ نے اس مسئلہ کی نظیر پر ''اجارہ'' کے باب میں بحث کی ہے، جیسا کہ حنابلہ کے یہاں گزرا، مثلاً ایک شخص نے خود کو مزدوری پر دیا تا کہ کنیسہ کی تعمیر میں کام کرے یا کسی ذمی کے لئے خود اپنے اوپر اٹھا کر یا اپنے جانور پر لاد کر شراب لے جائے یا ذمی کا سور چرائے، یا آگ گھر یا کنیسہ یا یہودی کا عبادت خانہ بنانے کے لئے یا اس میں شراب فروشی کے لئے گھر کرایہ پر دے تو یہ اس کے لئے امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ عین عمل میں معصیت نہیں ہے، معصیت تو محض اجرت لینے والے کے فعل سے ہے، اور یہ فاعل مختار کا فعل ہے، جیسا کہ اس کی شراب نوشی اور شراب فروشی ہے، اور اسی سلسلے میں مرغینانی کہتے ہیں: اجارہ گھر وغیرہ کی منفعت پر وارد ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے محض سپرد کرنے سے اجرت واجب ہوجاتی ہے، اس میں کوئی معصیت نہیں، معصیت تو اجرت لینے والے کے فعل سے ہے اور وہ اس میں با اختیار ہے، لہذا اس کے اجرت پر دینے والے کا تعلق اس سے ختم ہوگیا[1]۔

صاحبین اس کو مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں معصیت پر اعانت ہے۔

بعض حنفیہ نے یہ ضابطہ پیش کیا ہے کہ جس کی ذات سے معصیت کا تعلق ہو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے مثلاً اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع، اور جو اپنی ذات میں معصیت نہ ہو اس کی بیع مکروہ تنزیہی ہے۔

حرام قصد والی چیز کی بیع کے صحیح اور باطل ہونے کا حکم:

۱۱۷ - جمہور (حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ) کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں بھی ایک احتمال یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی رکن یا شرط مفقود نہیں ہے۔

البتہ مالکیہ نے اس کے ساتھ ہتھیار فروخت کرنے کے مسئلہ

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۸۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۱، ۱۸۲، الانصاف ۴/ ۳۲۷، ۳۲۸۔

(۲) ردالمحتار ۵/ ۲۵۰، ۲۵۱، الہدایہ مع الشروح ۸/ ۹۳، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۳۔

(۱) الہدایہ مع الشروح ۸/ ۹۳، الدر المختار ۵/ ۲۵۰۔

میں صراحت کی ہے کہ خریدار کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنی ملکیت سے بیع کو فسخ کئے بغیر بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ نکال دے۔

دسوقی کہتے ہیں: حربیوں کے ہاتھ سامان جنگ، ہتھیار یا گھوڑے یا زین کی بیع ممنوع ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جس سے ان کو جنگ میں تقویت ملے مثلاً تانبا یا خیمہ یا خانگی ضروریات کی چیز۔ اور ان کو لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔

اسی طرح شافعیہ میں سے قلیوبی نے صراحت کی ہے کہ جس شخص نے باندی ایسے شخص کے ہاتھ بیچی جو اس کو زنا پر مجبور کرے گا یا جانور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جو اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادے گا تو حاکم کے لئے جائز ہے کہ ان دونوں کو مالک کی رضامندی کے بغیر زبردستی فروخت کردے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز پر عقد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ہوگی، لہذا صحیح نہیں [1]۔

ج- کسی دوسرے کی بیع پر بیع کرنا:

۱۱۸- اس کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ فریقین سامان کے ثمن پر راضی ہوجائیں، پھر ایک دوسرا شخص آئے اور کہے: میں تمہیں اسی جیسا سامان اس سے کم ثمن میں فروخت کرتا ہوں، یا کہے: میں تمہیں اس سے بہتر سامان اسی ثمن میں یا اس سے کم ثمن میں فروخت کرتا ہوں، یا خریدار کو ایسا سامان دکھائے کہ خریدار اس میں راغب ہو، پھر اس بیع کو فسخ کرکے اس سامان کو خرید لے [2]۔

حضرت ابن عمرؓ کی صحیح حدیث میں اس سے ممانعت ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا یبع بعضکم علی بیع بعض" [1] (تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے)، اور دوسری حدیث میں ہے: "لا یبع الرجل علی بیع أخیہ، ولا یخطب علی خطبة أخیہ، إلا أن یأذن لہ" [2] (آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دے، الا یہ کہ وہ اس کی اجازت دے)۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: "لا یبع بعضکم علی بیع بعض، حتی یبتاع أو یذر" [3] (تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے تا آنکہ وہ خرید لے یا چھوڑ دے)۔

ایک روایت میں ہے: "لا یبیع الرجل علی بیع أخیہ، ولا یخطب علی خطبة أخیہ، إلا أن یأذن لہ" [4] (آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے، الا یہ کہ وہ اس کو اجازت دے دے)۔

ایک اور وایت میں ہے: "لا یبیع بعضکم علی بیع أخیہ" [5] (تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے)۔

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۷، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۴، المغنی ۴/ ۲۸۴، الانصاف ۴/ ۳۲۷، کشاف القناع ۳/ ۱۸۱۔

(۲) فتح القدیر ۶/ ۱۰۷، رد المحتار ۴/ ۱۳۲، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۱، المغنی ۴/ ۲۷۸، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۳۔

(۱) حدیث: "لا یبع بعضکم علی بیع بعض......" کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۷۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۰۳۲ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "لا یبع الرجل علی بیع أخیہ......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۴ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "لا یبع بعضکم علی بیع بعض......" کی روایت نسائی (۷/ ۲۵۸ طبع المکتبۃ التجاریہ) نے کی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(۴) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۵) حدیث: "لا یبیع بعضکم علی بیع أخیہ......" کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۵۲ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

اس کا حکم:

۱۱۹ - شافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کے یہاں ایک احتمالی رائے یہ ہے کہ یہ بیع حرام ہے، لیکن یہ بیع باطل نہیں بلکہ صحیح ہے، اس لئے کہ ممانعت کا تعلق ذات یا اس کے لازم سے خارج علت سے ہے، کیونکہ اس میں کوئی رکن یا شرط مفقود نہیں، ہاں ممانعت ایک متصل معنی کی وجہ سے ہے جو خارج ہے، لازم نہیں ہے، اور وہ معنی یہاں ایذاء رسانی ہے۔ یہ شافعیہ کی توجیہ ہے۔

حنابلہ کی توجیہ یہ ہے کہ حرام یہ ہے کہ سامان خریدار کے سامنے پیش کرے یا اس سے ایسی بات کہے جس کی وجہ سے وہ بیع کو فسخ کردے، اور یہ بیع سے مقدم ہے۔ نیز اس لئے کہ جب فسخ جس کی وجہ سے ضرر ہوا ہے صحیح ہے تو بیع جو مصلحت کو بروئے کار لانے والی ہے بدرجہ اولی صحیح ہوگی، نیز اس لئے کہ ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، لہذا یہ بیع "نجش" کے مشابہ ہوگیا۔

حنفیہ کا مذہب ہے کہ یہ اور اس جیسی بیوع مکروہ تحریمی ہیں۔ ابن الہمام نے کہا: یہ تمام کراہتیں تحریمی ہیں، گناہ ہونے میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں، اس کی وجہ مذکورہ احادیث ہیں، نیز یہ کہ اس میں وحشت انگیزی اور ایذاء رسانی ہے[1]۔

حنابلہ کے یہاں مذہب یہ ہے کہ بیع ناجائز اور حرام ہے، یہ بیع صحیح نہیں ہے بلکہ باطل ہے، کیونکہ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمان کی ایذاء رسانی اور اس کو بگاڑنا ہے، اور ممانعت کا تقاضا بگاڑ ہے[2]۔

۱۲۰ - شافعیہ اور حنابلہ نے بیع منہی عنہ میں حسب ذیل قیدیں لگائی ہیں:

(۱) بیع پر بیع لزوم بیع سے قبل ہو، اس لئے کہ خیار مجلس یا خیار شرط باقی رہتا ہے۔ اسی طرح لزوم کے بعد خیار عیب کے زمانہ میں ہو اگر خریدار کسی عیب پر مطلع ہوجائے۔ ان کے نزدیک معتمد یہی ہے۔ اور حنابلہ کے اس قول کا مفہوم یہی ہے کہ بیع دونوں خیاروں کے زمانہ میں ہو، لہذا اگر خیار کے زمانہ کے گزرنے اور لزوم بیع کے بعد ہو تو حرام نہیں ہوگا، کیونکہ اب خریدار اس کو فسخ نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اس کی کوئی وجہ ہے۔

(۲) یہ کہ بیع پر بیع اس کی اجازت کے بغیر ہو، جیسا کہ قاضی زکریا نے کہا ہے۔ (یعنی پہلے فروخت کرنے والے نے اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنے والے کو اس کی اجازت نہ دی ہو)۔

حنفیہ نے دوسرے کی بیع پر بیع کی ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خرید فروخت کرنے والے بیع پر راضی ہوچکے ہوں[1]۔

۱۲۱ - شافعیہ نے اس جزئیہ میں بعض فروعات و احکام ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

کہ حرمت ثابت ہے گو کہ خریدار اپنے سودے میں دھوکہ کھانے والا ہو، اس لئے کہ واجبی خیر خواہی بیع کے بغیر تعارف کرا دینے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ اور قلیوبی نے حرمت میں یہ قید لگائی ہے کہ باطنی رضا کا علم نہ ہو۔

بیع پر بیع کے مثل یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کے ہاتھ زمانہ خیار میں اسی جیسا سامان فروخت کرے جس کو اس نے خریدا ہے۔ اور ممانعت کی وجہ یہ اندیشہ ہے کہ خریدار خیار کی وجہ سے پہلے سامان کو واپس کردے، جیسا کہ امام شافعیؒ نے اس کی صراحت کی ہے۔

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۱۰۶، ۱۰۷، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۴، شرح المحلی وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۲، ۱۸۴، المغنی ۴/ ۲۷۸، ۲۷۹۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۷۸، کشاف القناع ۳/ ۱۸۳، الانصاف ۴/ ۳۳۱۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۴، شرح المحلی علی المنہاج مع حاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۳، ۱۸۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۳، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۴، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۱، ابن عابدین ۴/ ۱۳۲۔

دوسرے کی بیع پر بیع اس وقت تک ممنوع ہوگی جب تک انجام واضح نہ ہوجائے، یعنی بیع لازم ہوجائے یا خریدار خریدنے سے رک جائے۔ اگر وہ اعراض کرلے تو ممانعت کی مدت ختم ہوجائے گی، اور دوسرے کے لئے فروخت کرنا جائز ہوجائے گا۔

بیع پر بیع حرام ہونے ہی کے مثل بیع کے علاوہ دوسرے عقود ہیں مثلاً اجارہ، عاریت پر لینا، قرض لینا [1]، ہبہ لینا، مساقات، مزارعت، اور جعالہ ہے۔ حنابلہ نے کہا: یہ چیزیں حرام اور غیر صحیح ہیں، اگر پہلے کسی دوسرے کے لئے ہوچکی ہوں، یہ بیع پر قیاس کرتے ہوئے ہے، اس لئے کہ اس میں ایذاء رسانی ہے۔

بلکہ شافعیہ سے میں برماوی نے بھی صراحت کی ہے کہ جس کو کوئی کتاب (عاریتاً) احسان کے طور پر مطالعہ کے لئے دی گئی، تو دوسرے کے لئے حرام ہے کہ اس کے بارے میں کتاب والے سے درخواست کرے، یعنی کتاب والے سے کتاب مانگے کہ وہ بھی اس کا مطالعہ کرے گا۔ اس کی وجہ اس میں ایذاء رسانی ہے۔ اور انہوں نے اسی پر عاریت کے مکمل ہونے کے بعد پھر عاریت طلب کرنے کی علی الاطلاق بنیاد رکھی ہے [2]۔

د- دوسرے کی خریداری پر مول تول کرنا اور خریدنا:

۱۲۲ - جہاں تک بھاؤ پر بھاؤ کرنے کا تعلق ہے تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں:

دو شخص مول بھاؤ کریں، فروخت کرنے اپنے سامان کا ثمن مانگے اور خریدار اس ثمن پر راضی ہوجائے، پھر دوسرا خریدار آجائے اور وہ پہلے بھاؤ میں دخل اندازی کرکے اور کچھ اضافہ کے ساتھ یا اسی

(۱) تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی ۴/ ۳۱۴، حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی ۲/ ۱۸۴۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۸۴، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۴۔

ثمن میں اس کو خرید لے۔ وہ صاحب وجاہت ہو اور اسی وجاہت کے سبب فروخت کرنے والا اس کے ہاتھ فروخت کردے۔

۱۲۳ - خریداری پر خریداری کی صورتوں میں سے یہ ہے کہ ایک شخص فروخت کرنے والے کو عقد فسخ کرنے کا حکم دے، تا کہ وہ اس کو اس سے زیادہ میں خریدے، یا ایک شخص فروخت کرنے والے کے پاس لزوم عقد سے پہلے آئے اور اس بکی ہوئی چیز کا اس سے زیادہ ثمن دے جس میں اس کی خریداری ہوچکی ہے، تا کہ وہ عقد فسخ کرکے اس کے ساتھ عقد کرلے [1]۔

حنفیہ نے اس خریداری یا مول بھاؤ کی ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خرید فروخت کرنے والے ثمن پر متفق یا راضی ہوچکے ہوں، یا فروخت کرنے والا خریدار کی طرف سے مقرر کردہ ثمن میں فروخت کرنے کی طرف مائل ہوگیا ہو۔ لیکن اگر اس کی طرف مائل یا اس سے راضی نہ ہوا ہو تو دوسرے کے لئے اس سے زیادہ ثمن میں خریدنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ نیلامی والی بیع ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت نہیں [2]۔ جیسا کہ آئے گا۔

شافعیہ نے ممانعت میں یہ قید لگائی ہے کہ خریداری لزوم سے پہلے ہو یعنی زمانہ خیار میں (جیسا کہ قاضی کی تعبیر ہے) [3] یا لزوم کے بعد ہو اور اس کو کسی عیب کی اطلاع مل گئی ہو (جیسا کہ دوسرے کی بیع پر بیع کی بحث میں گزرا)۔

حنابلہ کے یہاں بھاؤ پر بھاؤ کرنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲، فتح القدیر ۶/ ۱۰۷، تحفۃ المحتاج وحاشیۃ الشروانی ۴/ ۳۱۴، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۱، المغنی ۴/ ۲۷۸، کشاف القناع ۳/ ۱۸۳، ۱۸۴۔

(۲) الدر المختار ۴/ ۱۳۲، الہدایہ مع الشروح ۶/ ۱۰۷، تبیین الحقائق ۴/ ۶۷، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲۔

(۳) شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۱۔

اول: فروخت کرنے والے کی طرف سے فروخت کرنے پر رضامندی کی صراحت پائی جائے، تو اس صورت میں خریدار کے علاوہ بھاؤ کرنا حرام ہے۔

دوم: اس کی طرف سے کوئی ایسی چیز پائی جائے جس سے عدم رضامندی معلوم ہوتو بھاؤ کرنا حرام نہیں۔

سوم: اس کی رضامندی اور عدم رضا کی کوئی دلیل نہ پائی جائے تو بھی دوسرے کے لئے بھاؤ کرنا جائز ہوگا۔

چہارم: صراحت کے بغیر اس کی رضامندی کی کوئی دلیل پائی جائے تو ''قاضی'' نے کہا: بھاؤ کرنا حرام نہیں ہے، اور ابن قدامہ نے کہا: حرام ہے [1]۔

اسی طرح شافعیہ نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ وہ خریدار کی طرف سے اجازت کے بغیر ہو، لہذا اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے اجازت ہوجائے تو حرام نہیں ہوگا، اس لئے کہ حق دونوں کا ہے اور دونوں نے اس کو ساقط کردیا، نیز اس سابقہ حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے: ''حتی یبتاع أو یذر'' [2] (تا آنکہ خریدے یا چھوڑ دے)۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ معتبر مالک کی اجازت ہے۔ ولی، وصی یا وکیل کی نہیں اگر مالک کا اس میں ضرر ہو اور یہ کہ اجازت کے ساتھ جواز کی صورت یہ ہے کہ باطنی رضامندی پر دلالت حال پائی جائے۔ لیکن اگر اس کی عدم رضامندی اور اس بات پر دلالت ہو کہ اس نے تنگ آکر اور غصہ میں اجازت دی ہے تو جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ان میں سے اذرعی نے کہا ہے [3]۔

(۱) المغنی ۲۳۶/۴ طبع الریاض۔

(۲) حدیث فقرہ/ ۱۱۸ کے تحت آچکی ہے نیز دیکھئے: حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۳۱۵/۴۔

(۳) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۹۱/۳، ۹۲۔

اس کا حکم:

۱۲۴ - یہ خریداری یا مول تول ان صورتوں اور قیود کے ساتھ ممنوع اور سب کے نزدیک ناجائز ہے، لیکن جمہور کے نزدیک صحیح ہے۔ اور حنابلہ کے نزدیک باطل ہے البتہ حنابلہ کے یہاں ایک احتمالی رائے صحیح ہونے کی ہے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ حنفیہ عدم جواز سے کراہت تحریمی مراد لیتے ہیں، حرام ہونا نہیں۔

الف۔ خریداری کی صحت کے ساتھ حرمت پر شافعیہ کے مذہب اور حنابلہ کے یہاں احتمالی رائے کی دلیل یہ سابقہ حدیث ہے: ''لا یبیع بعضکم علی بیع بعض'' [1] (تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے)۔ محلی نے کہا: اسی کے معنی میں خریداری پر خریداری ہے۔

بہوتی نے اشارہ کیا ہے کہ حرمت بیع پر قیاس کی وجہ سے ہے، نیز اس لئے کہ خریداری کو ''بیع'' کہا جاتا ہے۔

نیز اس میں ایذاء ہے۔ محلی نے کہا: اس کی حرمت کی وجہ اس سے ممانعت سے واقف کو ایذاء دینا ہے۔

نیز اس لئے کہ جب فسخ جس کی وجہ سے ضرر وجود میں آیا صحیح ہے تو بیع جو مصلحت کو حاصل کرانے والی ہے بدرجہ اولی صحیح ہوگی، نیز اس لئے کہ ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، لہذا بیع نجش کے مشابہ ہوگیا [2]۔

ب۔ خریداری کی صحت کے ساتھ کراہت پر حنفیہ کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے: ''أن رسول الله ﷺ نهى أن يتلقى الركبان، ولا يبيع حاضر لباد، وأن تسأل المرأة

(۱) حدیث فقرہ/ ۱۱۸ میں آچکی ہے۔

(۲) شرح المحلی علی المنہاج بحاشیۃ القلیوبی ۱۸۴/۲، کشاف القناع ۱۸۳/۳، ۱۸۴، المغنی ۲۷۹/۴۔

طلاق أختها، و عن النجش و التصرية، و أن يستام الرجل علی سوم أخيه"[1] (رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ سواروں سے (جو غلہ لے آتے ہیں) جا کر ملا جائے۔ اور شہری باہر والے کا مال بیچے، اور یہ کہ ایک عورت اپنی بہن (کسی اور عورت) کی طلاق کا مطالبہ کرے۔ اور قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنے سے، تھن میں دودھ روکنے سے اور آدمی کے اپنے بھائی کے مول بھاؤ پر مول بھاؤ کرنے سے)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث مول بھاؤ کرنے سے ممانعت میں صریح ہے، لہذا حدیث: "لا يبع أحدكم علی بيع أخيه" (کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے) میں لفظ بیع کو مجاز ا بیع وشراء کو شامل قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں (جیسا کہ ابن الہمام نے وضاحت کی)۔ اس کی ضرورت اس وقت ہوتی جبکہ مول تول کرنے کی حدیث نہ آتی، نیز اس لئے کہ اس میں وحشت انگیزی اور ایذاءرسانی ہے، لہذا مکروہ ہوگا۔

کاسانی نے کہا: ممانعت ایسی علت کی وجہ سے ہے جو بیع کے علاوہ میں ہے۔ اور وہ ایذاءرسانی ہے، لہذا نفس بیع مشروع ہوگی اور اس کا خریدنا جائز ہوگا البتہ مکروہ ہوگا[2]۔

ج۔ تحریم وباطل ہونے پر حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت کا تقاضا فساد ہے[3]۔

۱۲۵ - ذیل میں مول بھاؤ اور دوسروں کی خریداری پر خریداری

(۱) حدیث: "نهی أن يتلقی الركبان ..." کی روایت بخاری (الفتح ۴/ ۳۵۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۵۵، طبع الحلبی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) فتح القدیر ۶/ ۱۰۸، تبیین الحقائق ۴/ ۶۷، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲۔

(۳) المغنی ۴/ ۲۷۸، نیز اس میں تفصیل، وجوہات اور چاروں صورتیں دیکھی جائیں۔

کرنے سے متعلق بعض فروعات اور تفصیلات ہیں:

الف۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ دوسروں کے مول بھاؤ پر مول کرنا مکروہ ہے، اگر چہ جس پر مول بھاؤ کیا جارہا ہے وہ ذمی یا مستامن ہو، انہوں نے کہا: "بھائی" کا ذکر حدیث میں بطور قید نہیں، بلکہ مزید نفرت دلانے کے لئے ہے، اس لئے کہ مول پر مول کرنا وحشت انگیزی اور ایذاءرسانی کا سبب ہے۔ اور یہ بھائی کے حق میں اور سخت منع ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ غیبت کے بارے میں یہ فرمان نبوی ہے: "ذِكْرُكَ أخاك بما يكره"[1] (اپنے بھائی کا ذکر اس طرح پر کہ اس کو ناگوار ہو)، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ذمی کی بھی غیبت ممنوع ہے[2]۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ آدمی کا ذکر غالب استعمال کے طور پر ہے، جیسا کہ "بھائی" کی تخصیص اس کے ساتھ نرمی ومہربانی اور فوری آمادگی کے جذبہ کو ابھارنے کے لئے ہے، لہذا ان دونوں کے علاوہ کا حکم بھی وہی ہوگا۔ اور ذمی، معاہد اور مستامن مسلمان کی طرح ہوں گے، البتہ حربی اور مرتد اس سے خارج ہوں گے، لہذا ان پر حرام نہیں ہوگا[3]۔

ب۔ مول پر مول کرنے کی ممانعت میں حنفیہ نے اجارہ کو بیع کے حکم میں رکھا ہے، کیونکہ اجارہ منافع کی بیع ہے[4]۔

جیسا کہ حنابلہ نے بہت سے عقود مثلاً قرض، ہبہ وغیرہ کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے اسی حکم میں شامل کیا ہے۔ اور یہ سب حرام اور غیر صحیح ہیں، اس لئے کہ ان میں ایذاءرسانی ہے[5]۔

(۱) حدیث: "ذكرك أخاك ..." کی روایت مسلم (۴/ ۲۰۰۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۳۲۔

(۳) شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳/ ۹۰۔

(۴) رد المحتار ۴/ ۱۳۲۔

(۵) کشاف القناع ۳/ ۱۸۴۔

ج۔ شافعیہ میں سے ماوردی نے خریداری پر خریداری کے حکم میں اس صورت کو بھی رکھا ہے کہ عقد کے لازم ہونے سے پہلے (فروخت کرنے والے کی موجودگی میں) خریدار سے سامان کو زیادہ قیمت میں مانگنا حرام ہے، کیونکہ اس کے نتیجہ میں عقد فسخ ہوگا یا ندامت ہوگی۔

د۔ اسی طرح شافعیہ نے حرمت کے بارے میں ماوردی کے کلام پر اس صورت کو قیاس کیا ہے کہ ایک شخص فروخت کرنے والے سے زمانہ خیار میں فروخت شدہ سامان کی جنس کی کوئی چیز اس ثمن سے زیادہ میں طلب کرے جس پر بیع ہوئی ہے، خاص طور پر اگر اس سے اتنی مقدار کا مطالبہ کرے جو فروخت شدہ چیز کے ملے بغیر پوری نہ ہو۔

ھ۔ انہوں نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ مذکورہ صورت حرام ہے، خواہ بکی ہوئی چیز اپنی قیمت کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ ان کے نزدیک معتمد یہی ہے۔

و۔ نیز انہوں نے خریداری میں دھوکہ کھانے والے کو اس کے غبن سے آگاہ کرنے کے مسئلہ پر بحث کی، چنانچہ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ یہ واجب خیر خواہی ہے، لیکن انہوں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ اس کا عمل ایسا غبن ہے جو فروخت کرنے والے کے دھوکہ دینے وغیرہ سے پیدا ہوا، لہذا وہ اس کی ضرر رسانی کی پرواہ نہ کرے گا، اس لئے کہ وہ گنہ گار ہے، برخلاف اس صورت کے جبکہ فروخت کرنے والے کی کوتاہی کے بغیر پیدا ہو، اس لئے کہ فسخ میں اس کا ضرر ہے اور ضرر کا ازالہ ضرر سے نہیں ہوتا۔

شروانی نے صراحت کی ہے کہ اگر دوسرے خریدار کو بکی ہوئی چیز میں کسی عیب کا علم ہوجائے تو اس کے خریدار کو اس کی خبر دینا واجب ہے، اور یہ اس صورت میں صادق آتا ہے جبکہ فروخت کرنے والا عیب سے ناواقف ہو، حالانکہ اس صورت میں اس کی کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ اور اس میں اور غبن میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ لحاظ ضرر ہونے کا ہے۔ اور انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ یہ غور کا مقام ہے۔ اور ان کی رائے ہے کہ خیر خواہی کے وجوب کا تقاضا ہے کہ دھوکہ کھانے والے کو بتادیا جائے اگرچہ دھوکہ اس کی کوتاہی سے پیدا ہوا ہو، لیکن نصیحت فروخت کے بغیر صرف بتادینے سے حاصل ہوسکتی ہے [۱]۔

۱۲۶ - فقہاء نے اس سے بولی بول کر نیلامی کی بیع کو مستثنیٰ کیا ہے، اس کو بیع دلالت کہا جاتا ہے [۲]۔ اور "مزایدہ" بھی کہا جاتا ہے۔ فقہاء نے اس کو خرید پر خرید اور مول پر مول سے مستثنیٰ کیا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ سامان کی نیلامی کی جائے اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھا کر بولی بولیں، تا آنکہ آخری زائد حد پر رک جائے اور اسی میں اس کو لے لے۔

یہ بیع باتفاق امت مسلمہ جائز ہے جیسا کہ حنابلہ نے صراحت کی ہے۔ انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، مکروہ نہیں کہا ہے۔ شافعیہ نے اس میں دو قیدیں لگائی ہیں: یہ کہ اس میں کسی کو ضرر پہنچانے کا قصد نہ ہو، اور خریدنے کے ارادہ سے ہو، ورنہ دام بڑھانا حرام ہوگا، اس لئے یہ "نجش" (قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنا) ہے [۳]۔

۱۲۷ - نیلامی کی بیع کے جواز کی دلیل:

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ ایک انصاری سوال کرنے آئے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "ما في بيتک شيء ؟ قال: بلى! حلس يلبس بعضه، ويبسط

(۱) تحفۃ المحتاج وحاشیۃ الشروانی ۳۱۴/۴، ۳۱۵۔

(۲) الدر المختار ۱۳۳/۴۔

(۳) القوانین الفقہیہ/۱۷۵، الدر المختار ۱۳۳/۴، تحفۃ المحتاج ۳۱۴/۴، المغنی ۲۷۹/۴، کشاف القناع ۱۸۳/۳، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۹۱/۳۔

بعضه، وقعب يشرب فيه الماء، قال: ائتني بهما، فأتاه بهما، فأخذهما رسول الله ﷺ وقال: من يشتري هذين؟ فقال رجل: أنا آخذهما بدرهم، قال: من يزيد على درهم؟ مرتين أو ثلاثا، فقال رجل: أنا آخذهما بدرهمين، فأعطاهما إياه، وأخذ الدرهمين، فأعطاهما الأنصاري، وقال: اشتر بأحدهما طعاما فانبذه إلى أهلك، واشتر بالآخر قدوما، فائتني به. فأتاه به، فشد رسول الله ﷺ عودا بيده، ثم قال له: اذهب فاحتطب وبع، ولا أرينك خمسة عشر يوما، فذهب الرجل يحتطب ويبيع، فجاء وقد أصاب عشرة دراهم، فاشترى ببعضها ثوبا، وببعضها طعاما، فقال له رسول الله ﷺ: هذا خير لك من أن تجيء المسألة نكتة في وجهك يوم القيامة. إن المسألة لا تصلح إلا لثلاثة: لذي فقر مدقع، أو لذي غرم مفظع، أو لذي دم موجع"[1]

(تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم اپنے بدن پر ڈالتے ہیں اور کچھ حصہ بچھالیتے ہیں، اور ایک قعب ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، وہ لے کر آئے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو لے کر فرمایا: انہیں کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے کہا: میں ان کو ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک درہم سے کوئی بڑھائے گا؟ دو یا تین بار آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ تو ایک شخص نے کہا: میں ان کو دو درہم میں لوں گا۔ آپ ﷺ نے وہ دونوں اس کو دے دیئے اور دو درہم لے لئے۔ اور درہم انصاری کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: ایک درہم کا غلہ خرید کر اپنے گھر والوں کو دے آؤ۔ اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ، وہ لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی (دستہ) لگایا، اور پھر ان سے فرمایا: جاؤ لکڑیاں اکٹھا کرو اور بیچو، اور میں تمہیں پندرہ روز تک نہ دیکھوں۔ وہ گئے اور لکڑی جمع کرتے اور فروخت کرتے رہے۔ آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے۔ کچھ سے کپڑا خریدا، کچھ سے غلہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ یہ مانگنا قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر داغ بن کر آئے۔ سوال کرنا صرف تین اشخاص کے لئے درست ہے: سخت فقر والے یا خوفناک قرض میں مبتلا شخص کے لئے یا تکلیف دہ خون والے کے لئے (یعنی خون بہا کے لئے))۔

کاسانی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ مکروہ بیع کر ہی نہیں سکتے تھے[1]۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مسلمان بازاروں میں نیلامی کی بیع کرتے رہے ہیں[2]۔

یہ فقراء کی بیع ہے جیسا کہ کاسانی نے کہا اور اس کی ضرورت ہے[3]۔

نیز اس لئے کہ ممانعت محض بیع کی حالت میں مول کرنے سے وارد ہے، اور نیلامی کی حالت بیع سے خارج ہے[4]۔ "مزایدہ" کے احکام کی تفصیل اس کی اپنی اصطلاح میں ہے۔

---

(۱) حدیث: "إن المسألة لا تصلح......" کی روایت احمد (۳/ ۱۱۴ طبع المیمنیہ) نے کی ہے، ابن حجر نے کہا: ابوبکر حنفی کی حالت مجہول ہونے کی وجہ سے ابن قطان نے اس کو معلول کہا ہے اور بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں، (تلخیص الحبیر ۳/ ۱۵ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۸۳۔

(۳) الہدایہ مع الشروح ۶/ ۱۰۸، تبیین الحقائق ۴/ ۶۷، ۶۸۔

(۴) کشاف القناع ۳/ ۱۸۳۔

ھ۔نجش:

۱۲۸-نجش جیم کے سکون کے ساتھ مصدر، اور جیم کے فتحہ کے ساتھ اسم مصدر ہے [۱]۔ اور اس کے لغوی معانی میں سے بھڑکانا ہے۔ کہا جاتا ہے: جب کوئی شخص پرندہ کو اس کی جگہ سے بھڑکائے۔ فیومی نے کہا: نجش الرجل ینجش نجشا: سامان کی قیمت کو بڑھانا، حالانکہ خریداری کا ارادہ نہ ہو، محض دوسروں کو دھوکہ دینا اور اس میں پھنسانا ہو، اسی طرح نکاح وغیرہ میں ہوتا ہے۔

نجش کی اصل استتار (چھپنا) ہے، اس لئے کہ نجش کرنے والا اپنے ارادہ کو چھپاتا ہے۔ اور اسی سے شکاری کو "ناجش" کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ چھپتا ہے [۲]۔

فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ ایک شخص قیمت بڑھائے جبکہ خریدنے کا ارادہ نہ ہو، محض دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ہو، یا بکی ہوئی چیز کی بلاوجہ تعریف کرے، تاکہ اس کی شہرت ہو [۳]۔

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تلقوا الرکبان، ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض، ولا تناجشوا، ولا یبیع حاضر لباد، ولا تصروا الغنم" [۴] (سواروں سے ملاقات نہ کرو (جو غلہ لاتے ہیں)، کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے، ایک دوسرے کو نجش (دھوکہ) نہ دو، شہری باہر والے کے لئے بیع نہ کرے۔ اور بکری کے تھن میں دودھ جمع نہ کرو)۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: "أن رسول الله ﷺ نهى عن النجش" [۱] (رسول اللہ ﷺ نے نجش (قیمت بڑھا کر دھوکہ میں ڈالنے سے) سے منع فرمایا ہے)۔

الف۔ جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ یہ حرام ہے، اس لئے کہ اس کی ممانعت ثابت ہے جیسا کہ گزرا، نیز اس میں مسلمان کو دھوکہ دینا ہے جو حرام ہے۔

ب۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے اگر سامان اپنی قیمت کے مطابق ہو، ہاں اگر اپنی قیمت کے مطابق نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ خداع (دھوکہ) نہیں ہوا [۲]۔

یہ اس کا شرعی حکم ہے۔ اور اس کا قانونی حکم یہ ہے:

الف۔ جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، شافعیہ نیز حنابلہ کے یہاں صحیح مذہب یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اس لئے کہ نجش ناجش کا فعل ہے، عقد کرنے والے کا نہیں، لہذا وہ بیع میں اثر انداز نہ ہوگا۔ اور ممانعت آدمی کے حق کے لئے ہے، لہذا وہ عقد کو فاسد نہ کرے گا جیسے سواروں سے ملاقات کرنا، اور عیب دار اور عیب چھپائے ہوئے سامان کی بیع۔ برخلاف اس صورت کے، جبکہ اللہ کا حق ہو، اس لئے کہ بندہ کے حق کی تلافی اختیار یا ثمن میں اضافہ کے ذریعہ ہوجاتی ہے۔

ب۔ امام مالک کا مذہب اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ بیع نجش صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ممنوع ہے، اور ممانعت کا

(۱) الدر المختار ۴/۱۳۲، تبیین الحقائق ۴/۶۷، فتح القدیر ۶/۱۰۷، شرح الدردیر ۳/۶۷، حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/۳۱۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/۹۲۔

(۲) المصباح المنیر مادۃ "نجش"۔

(۳) الہدایہ مع الشروح ۶/۱۰۶، بدائع الصنائع ۵/۲۳۳، ابن عابدین ۴/۱۳۲، الشرح الکبیر للدردیر ۳/۶۸، شرح الخرشی ۵/۸۲، تحفۃ المحتاج ۴/۳۱۵، شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۸۴، المغنی ۴/۲۷۸۔

(۴) حدیث: "لا تلقوا الرکبان ولا یبیع بعضکم علی بعض....." کی روایت بخاری (الفتح ۴/۳۶۱ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۱۵۵ طبع الحلبی) نے کی ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۱) حدیث: "نهى عن النجش....." کی روایت مسلم (۳/۱۱۵۶ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۴/۲۷۸، القوانین الفقہیہ/۱۷۵، تحفۃ المحتاج ۴/۳۰۸، ۳۱۵، الدر المختار ۴/۱۳۲، الہدایہ مع فتح القدیر والعنایہ ۶/۱۰۶۔

تقاضا فساد ہے۔

تاہم فقہاء نے اس بیع میں فسخ کرنے کا اختیار ملنے کی صراحت کی ہے:

چنانچہ مالکیہ نے کہا: اگر فروخت کرنے والے کو نجش کرنے والے کا علم ہو اور وہ خاموش رہے، تو خریدار کو بکی ہوئی چیز رد کرنے کا اختیار رہوگا اگر وہ چیز باقی ہو، اور وہ اس کو روک بھی سکتا ہے، لیکن اگر بکی ہوئی چیز فوت ہو چکی ہو تو واجب قبضہ کے دن کی قیمت ہے، اگر وہ چاہے، اور اگر چاہے تو نجش کا ثمن ادا کردے۔

اور اگر بائع کو نجش کرنے والے کا علم نہ ہو تو خریدار کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، اور بیع فاسد نہ ہوگی، اور گناہ ایسا کرنے والے پر ہوگا، یہ شافعیہ کے نزدیک ایک قول ہے، کیونکہ انہوں نے سازباز کرنے پر خریدار کے لئے خیار ثابت کیا ہے۔

جبکہ شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ خریدار کے لئے خیار نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی کوتاہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: بیع صحیح ہے، خواہ نجش بائع کی جانب سے سازباز سے ہو یا نہ ہو، لیکن اگر بیع میں ایسا غبن ہے جو عادتاً نہیں چلتا، تو خریدار کو فسخ کرنے اور نافذ کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ "تلقی رکبان" میں، اور اگر اس جیسا غبن چلتا ہو تو اس کے لئے خیار نہیں ہوگا [1]۔

اس سلسلہ میں تفصیلی احکام ہیں، جن کو اصطلاح "نجش" میں دیکھا جائے۔

و- "تلقی جلب" یا "رکبان" یا "سلع":

۱۲۹- حنفیہ کی تعبیر "تلقی جلب" اور مالکیہ کی تعبیر "تلقی سلع" ہے۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۷۸، الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۸، شرح الخرشی ۵/ ۸۲، ۸۳، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۴، تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۶۔

خلیل نے کہا: جیسے "تلقی سلع" یا صاحب سلع سے تلقی۔ اور مالکیہ میں ابن جزی کی تعبیر "تلقی السلعۃ" ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی تعبیر "تلقی رکبان" ہے۔

تلقی: اس شہر سے باہر جانا ہے جہاں خوراک [1] وغیرہ لائی جاتی ہے۔

جلب (جیم اور لام پر فتحہ کے ساتھ) جالب کے معنی میں ہے، یا مجلوب کے معنی میں، لہذا وہ "فعل" بمعنی مفعول ہوا [2]۔ اور مجلوب وہ ہے جس کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لایا جائے۔ مالکیہ کی تعبیر میں "تلقی سلع" سے یہی مراد ہے۔

اسی طرح لفظ "رکبان" (شافعیہ اور حنابلہ کی تعبیر میں) راکب کی جمع ہے۔ اور اس لفظ کے ذریعہ تعبیر غالب استعمال کے مطابق ہے۔ مراد آنے والا ہے گو کہ تنہا ہو یا پیدل ہو [3]۔

تلقی کا شرعی حکم:

۱۳۰- جمہور فقہاء کے نزدیک بیع تلقی حرام ہے، اس لئے کہ اس فرمان نبوی میں اس کی ممانعت وارد ہے: **"لاتلقوا الجلب، فمن تلقاه فاشتری منه، فإذا أتی سیده (أي صاحبه) السوق فهو بالخیار"** [4] (آگے جا کر باہر سے مال لانے والوں سے نہ ملو۔ اگر کوئی آگے جا کر ملے اور مال خرید لے پھر مال کا مالک بازار میں آئے تو اس کو اختیار رہوگا)۔

(۱) دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۷۰۔
(۲) المصباح المنیر مادہ "جلب"، الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۳۲۔
(۳) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۱۱، فتح القدیر ۶/ ۱۰۷، بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲، رد المحتار ۴/ ۱۳۲، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/ ۶۸۔
(۴) حدیث: "لا تلقوا الجلب......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۷ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

حنفیہ کی رائے ہے کہ تلقی مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں ضرر یا غرر ہے، یا جیسا کہ کاسانی نے کہا: اس لئے کہ بیع اپنی ذات میں مشروع ہے، اور ممانعت دوسری چیز میں ہے۔ یعنی پہلی تفسیر کے مطابق (جس کو ہم نے ان کے نزدیک ذکر کیا ہے) عام لوگوں کو نقصان پہنچانا، اور دوسری تشریح کے مطابق سامان کے مالکین کو دھوکہ دینا ہے، لہذا اگر ضرر یا غرر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اور نہ ہی مکروہ ہے، جیسا کہ مرغینانی، کرلانی، کاسانی، زیلعی اور حصکفی نے اس کی صراحت کی ہے، اس لئے کہ اس میں ضرر نہیں ہے[1]۔

لہذا ابن قدامہ کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا زیادہ واجب ہے[2]، علی الاطلاق نہیں ہے۔ اور مکروہ بیوع کا فسخ کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے، تاکہ گناہ کا خاتمہ ہو، اور کراہت ان کے نزدیک مطلق ہونے کے وقت حرمت کے لئے ہے، جیسا کہ یہاں ہے اور جیسا کہ ہر مکروہ بیع میں ہے۔

تلقی کا قانونی حکم:

۱۳۱ - جمہور فقہاء کے نزدیک بیع تلقی صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے عقد فسخ نہ ہوگا۔ ابن قدامہ نے ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ ہر ایک کے قول کے مطابق بیع صحیح ہے۔ اور صحت کی توجیہ یہی ہے کہ:

حضرت ابوہریرہ کی سابقہ حدیث میں ''خیار'' کا اثبات ہے۔ اور خیار صرف عقد صحیح میں ہی ہوسکتا ہے۔

اور اس لئے کہ ممانعت فروخت شدہ چیز میں موجود علت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک طرح کے دھوکہ سے ہے، جس کی تلافی خیار ثابت کر کے ممکن ہے، لہذا یہ بیع مصراۃ کے مشابہ ہے، اور بیع الحاضر للبادی (شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنے) سے الگ ہے، اس لئے کہ اس کی تلافی خیار کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ ضرر اس کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہے۔

امام احمد سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ تلقی فاسد ہوگی، اس کی وجہ ظاہر ممانعت ہے۔ ابن قدامہ نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے[1]۔

ز- شہری کی دیہاتی سے فروخت:

۱۳۲ - متعدد احادیث میں اس سے ممانعت وارد ہے، مثلاً حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت ہے: "لا يبيع حاضر لباد، دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض"[2] (شہری باہر والے کے لئے نہ بیچے، لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالی ایک کو دوسرے سے روزی دیتا ہے)۔

''بیع الحاضر للبادی'' سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ شہری باہر والے کا دلال ہو، اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں نرخ اوپر اٹھنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان پہنچے گا۔ اس کی اور بھی تشریح کی گئی ہے۔ اور ممانعت کے لئے جواز اور عدم جواز اور صحت یا باطل ہونے کے لحاظ سے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں۔

اس کو اصطلاح ''بیع الحاضر للبادی'' میں دیکھا جائے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲، الہدایہ وشرح العنایہ ۶/ ۱۰۷، تبیین الحقائق ۴/ ۶۸، الدر المختار ۴/ ۱۳۲۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۸۱، الدر المختار ۴/ ۱۳۲۔

(۱) المغنی ۴/ ۲۸۱، ۲۸۲۔

(۲) حدیث: "لا يبيع حاضر لباد ....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۵۷ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

نوع دوم: وہ اسباب جن کے نتیجہ میں دینی یا خالص عباداتی مخالفت لازم آئے:

الف- اذان جمعہ کے وقت بیع:

۱۳۳- قرآن کا حکم ہے کہ جمعہ کے دن نداء (اذان) کے وقت بیع ترک کردی جائے۔ فرمان باری ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ"[1] (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو)۔

بیع ترک کرنے کا حکم اس کی ممانعت ہے۔

اس نص کی وجہ سے بیع کے حرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔

البتہ جمعہ کی دو اذانیں ہیں، ان میں سے کس اذان کے وقت کو بیع سے ممانعت کا محل مانا جائے گا؟

الف۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی رائے جن میں سے بعض حنفیہ مثلاً طحاوی بھی ہیں، یہ ہے کہ یہ وہ اذان ہے جس کا تعامل جاری ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صرف یہی اذان تھی یعنی جمعہ کی وہ اذان جو منبر کے سامنے اس وقت ہوتی ہے جب امام منبر پر موجود ہوتا ہے، لہذا "نداء" سے یہی اذان مراد ہوگی۔ اور اسی وجہ سے مالکیہ اور حنابلہ نے اس کو اذان ثانی کے ساتھ مقید کیا ہے[2]۔

ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "كان النداء يوم الجمعة أوّله إذا جلس الإمام على المنبر، على عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فلما كان عثمان رضي الله عنه وكثر الناس، زاد النداء الثالث على الزوراء" (حضور ﷺ کے زمانہ میں، اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانہ میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام (خطبہ کے لئے) منبر پر بیٹھتا تھا، حضرت عثمان کے زمانہ میں جب لوگ بہت ہوگئے تو انہوں نے "زوراء" پر تیسری اذان کا اضافہ کیا)۔

ایک روایت میں الفاظ ہیں: "زاد الثاني" (دوسری اذان کا اضافہ کیا)۔

ایک اور روایت میں ہے: "على دار في السوق، يقال لها: الزوراء"[1] (بازار میں ایک مکان پر جس کو "زوراء" کہا جاتا ہے)۔ اور ہمارے زمانہ میں پہلی اذان کو تیسری اذان کہنا اس لئے ہے کہ اقامت کو (جیسا کہ ابن الہمام کہتے ہیں) اذان کہا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: "بين كل أذانين صلاة"[2] (ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے)۔

نیز اس لئے کہ اس اذان کے وقت خرید وفروخت نماز سے

---

(۱) سورۂ جمعہ/۹۔

(۲) الہدایہ مع الشروح ۲/۳۸، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲/۵۴، شرح الخرشی ۲/۹۰، القوانین الفقہیہ/۵۷ کا اشارہ دیکھئے، نیز دیکھئے: کشاف القناع ۳/۱۸۰۔

(۱) حدیث: "السائب بن يزيد....." کی روایت بخاری (الفتح ۲/۳۹۳ طبع السلفیہ) نے کی ہے دوسری روایت بخاری (۲/۳۹۶) نے کی ہے، اور تیسری روایت ابن ماجہ (۱/۳۵۹ طبع الحلبی) نے کی ہے نیز دیکھئے: فتح القدیر شرح الہدایہ ۲/۳۸۔

(۲) حدیث: "بين كل أذانين صلاة....." کی روایت بخاری (الفتح ۲/۱۱۰ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱/۵۷۳ طبع الحلبی) نے کی ہے نیز دیکھئے فتح القدیر ۲/۳۸۔

ہٹادے گی، اور پوری یا بعض نماز کے فوت ہونے کا ذریعہ بنے گی[1]۔

ب۔ حنفیہ کے نزدیک قول اصح اور مختار اور اسی کو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ ممنوع پہلی اذان کے وقت بیع ہے جو منارہ پر ہوتی ہے، اور اسی اذان کے وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور اسی کو حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، اگر وہ اذان زوال کے بعد ہو۔

اس کی توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ اطلاع اور خبر دینا اسی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، نیز اگر وہ منبر کے پاس اذان کا انتظار کرے تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا رہ جائے گا۔ بسا اوقات جمعہ بھی چھوٹ سکتا ہے اگر اس کا گھر جامع مسجد سے دور ہو۔

بلکہ طحاوی نے طحاوی کی رائے کے متعلق صاحب "البحر" کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے[2]۔

ج۔ امام احمد سے ایک روایت ہے جس کو "قاضی" نے نقل کیا ہے کہ بیع زوال شمس سے حرام ہوجاتی ہے گو کہ امام منبر پر نہ بیٹھا ہو۔

یہ روایت حنفیہ کے مذہب سے قریب ہے، لیکن ابن قدامہ کا فیصلہ ہے کہ یہ چند وجوہ سے صحیح نہیں جو یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کی ممانعت کو اذان پر معلق کیا ہے، وقت پر نہیں اور اس لئے کہ اس کا مقصد جمعہ کو پانا ہے۔ اس کا حصول منبر پر امام کے بیٹھنے کے فوراً بعد والی اذان سے ہوگا، نہ کہ اس سے جس کا ذکر "قاضی" نے کیا ہے، یعنی زوال آفتاب سے، اگر چہ امام منبر پر نہ بیٹھا ہو، نیز اس لئے کہ اگر خرید وفروخت کی حرمت وقت پر معلق ہوتی تو زوال کے ساتھ خاص نہ ہوتی، اس لئے کہ اس سے پہلے بھی وقت ہے[1]، کیونکہ امام احمد کے نزدیک جمعہ کا وقت ایک نیزہ سورج کے بلند ہونے سے ظہر کے آخری وقت تک ہے۔

(۱) کشاف القناع ۳/۱۸۰۔

(۲) الہدایہ والعنایہ ۲/۳۸، ۳۹، تبیین الحقائق ۴/۶۸، مراقی الفلاح بحاشیۃ الطحطاوی ۲۸۲، الدر المختار ۴/۱۳۲۔

اس کا شرعی حکم:

۱۳۴- جمہور فقہاء کے نزدیک اذان کے وقت خرید وفروخت سے ممانعت تحریمی ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

جبکہ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ممانعت کا کم از کم درجہ کراہت ہے، اور یہ کہ ترک بیع واجب ہے، لہذا وہ مذہب کے مطابق طرفین یعنی فروخت کرنے والے اور خریدار کی طرف سے مکروہ تحریمی ہے۔ اس پر حرام کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ مرغینانی کی تعبیر ہے، اور اس کو ترک کرنا فرض ہے جیسا کہ شرنبلالی کی تعبیر ہے[2]۔

اس بیع کی حرمت کی قیود:

۱۳۵- تحریم یا کراہت کی متقاضی یہ ممانعت چند قیود کے ساتھ مقید ہے:

الف۔ بیع میں مصروف شخص ان لوگوں میں سے ہو جن پر جمعہ لازم ہے، لہذا عورت، بچہ، اور مریض پر بیع حرام نہیں ہے بلکہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اس ممانعت سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن پر جمعہ واجب نہیں ہے[3]۔

(۱) المغنی ۲/۱۳۵۔

(۲) دیکھئے: القوانین الفقہیہ رص ۵۷، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲/۵۴، کشاف القناع ۳/۱۸۰، حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/۶۸، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲، نیز دیکھئے: الدر المختار ر ۴/۱۳۱، انہوں نے کراہت تحریمی سے تعبیر کیا ہے الہدایہ مع الشروح ۲/۳۸۔

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲/۵۴، المغنی ۲/۱۴۶، الدر المختار ورد المحتار ۴/۱۳۲۔

تاہم حنابلہ میں سے ابن ابی موسی نے غیر مخاطب لوگوں کے بارے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حرمت جمعہ کے مخاطب لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سے صرف ان لوگوں کو منع کیا ہے، جن کو سعی کا حکم دیا ہے، لہذا جو سعی کے مخاطب نہیں ان کو ممانعت شامل نہ ہوگی، نیز اس لئے کہ خرید وفروخت کی حرمت کی توجیہ یہی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے جمعہ سے رکاوٹ پیش آتی ہے، جو ان غیر مخاطب لوگوں کے حق میں معدوم ہے۔

ب۔ بیع میں مصروف شخص ممانعت سے واقف ہو، جیسا کہ شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

ج۔ بیع کی مجبوری نہ ہو مثلاً مضطر اپنے کھانے کے لئے بیع کرے اور اس میت کے لئے کفن کی بیع جس میں تاخیر سے تغیر کا اندیشہ ہو، ورنہ کوئی حرمت نہیں ہوگی، گو کہ جمعہ فوت ہوجائے جیسا کہ شافعیہ میں سے "الجمل" کہتے ہیں۔

د۔ بیع اذان خطبہ کے شروع ہونے کے بعد ہو جیسا کہ جمہور کی تعبیر ہے [1]، یا اذان خطبہ کے وقت ہو جیسا کہ مالکیہ کی بھی تعبیر ہے۔

ھ۔ اذان زوال کے بعد ہو، اس کے علاوہ حنفیہ نے کسی قید کو نہیں ذکر کیا ہے [2]۔

حرمت میں بیع کے علاوہ دوسرے عقود کو بیع پر قیاس کرنا:

۱۳۶ - جمہور کے نزدیک خرید وفروخت کی ممانعت نکاح اور دوسرے عقود کو شامل ہے بلکہ حنفیہ نے ہر اس چیز کے ترک کی صراحت کی ہے جس کے نتیجہ میں جمعہ کے لئے سعی سے رکاوٹ پیش آئے یا اس میں خلل پڑے۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ بیع، اجارہ، تولیہ، شرکت، اقالہ اور شفعہ کو فسخ کردیا جائے گا، نکاح، صدقہ، ہبہ، کتابت اور خلع کو نہیں۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عقود اور صنعتوں وغیرہ میں مصروف ہونا حرام ہے، جن کی وجہ سے جمعہ سے رکاوٹ ہو [1]۔

حنابلہ کے یہاں ایک قول ہے کہ بیع کے علاوہ دوسرے عقود مثلاً اجارہ، صلح اور نکاح حرام ہیں، اس لئے کہ یہ عقود معاوضہ ہیں، لہذا بیع کے مشابہ ہوگئے۔

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان ثانی کے شروع ہونے کے بعد خاص طور پر صرف خرید وفروخت حرام اور غیر صحیح ہیں، لہذا ان کے نزدیک دوسرے عقود مثلاً نکاح، اجارہ اور صلح وغیرہ جیسے قرض، رہن، ضمان (کفالہ) صحیح ہیں، اس لئے کہ ممانعت صرف بیع کے بارے میں وارد ہے، اور دوسرے عقود اس کے برابر نہیں ہیں کہ وہ کم پیش آتے ہیں، لہذا ان کی اباحت جمعہ فوت ہونے کا ذریعہ نہ ہوگی۔ اور ان کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

انہوں نے صراحت کی ہے کہ جس بیع میں خیار ہے اس کو نافذ کرنا یا فسخ کرنا صحیح ہے۔ اور "خیار" میں محض نافذ کرنا اور فسخ کرنا بیع نہیں مانا جائے گا [2]۔

نماز ختم ہونے تک بیع کی حرمت کا برقرار رہنا:

۱۳۷ - تقریباً فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اذان کے وقت

(۱) المغنی ۲/ ۱۴۶، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۲/ ۵۴، کشاف القناع ۳/ ۱۸۰، ۱۸۱، اس میں کچھ اور مثالیں مذکور ہیں۔

(۲) شرح الخرشی وحاشیۃ العدوی ۲/ ۹۰، الہدایہ وشرح العنایہ ۲/ ۳۸، ۳۹، مراقی الفلاح/ ۲۸۲۔

(۱) مراقی الفلاح وحاشیۃ الطحطاوی/ ۲۸۲، القوانین الفقہیہ/ ص ۵۷، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲/ ۵۴، جواہر الاکلیل للآبی ۱/ ۹۹ طبع دار المعرفہ بیروت۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۸۱، نیز دیکھئے: المغنی ۲/ ۱۴۶۔

بیع کی ممانعت نماز سے فراغت تک برقرار رہتی ہے، اس سلسلے میں ان کی تصریحات یہ ہیں:

بیع، نکاح اور دوسرے عقود خطیب کے بیٹھنے کے وقت سے نماز کے اختتام تک حرام ہیں [۱]۔

حرمت جمعہ سے فراغت تک برقرار رہتی ہے [۲]۔

بیع اور صنعتوں کی حرمت اذان ثانی کے شروع ہونے یا اس وقت سے کہ اگر وہ اس میں دور گھر سے سعی کرے تو جمعہ کو پالے گا، نماز کے ختم ہونے تک برقرار رہتی ہے [۳]۔

اذان کے وقت بیع کے عمومی احکام:

اول: جس پر جمعہ لازم ہے اس کی طرف سے ایسے شخص کے ہاتھ بیع کا حکم جس پر جمعہ لازم نہیں:

۱۳۸ - فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جس پر جمعہ واجب نہیں وہ اذان کے وقت بیع کی حرمت حکم سے مستثنی ہے، بشرطیکہ ان دونوں پر جمعہ واجب نہ ہو [۴]، لہذا اگر ایسے دو اشخاص آپس میں بیع کریں جن پر جمعہ لازم نہیں تو نہ حرام ہے نہ مکروہ (جیسا کہ شافعیہ نے صراحت کی ہے) [۵]۔

اگر ایک پر جمعہ واجب ہو دوسرے پر نہ ہو:

تو جمہور حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ دونوں ہی گنہ گار ہوں گے، اس لئے کہ پہلا شخص جس پر جمعہ واجب ہے اس نے ممانعت کا ارتکاب کیا، اور دوسرے شخص نے جس پر جمعہ واجب نہیں اس کو اس پر تعاون دیا۔

شافعیہ کے یہاں ایک قول جس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ دوسرے کے لئے بھی جس پر جمعہ واجب نہیں مکروہ ہے، لیکن وہ گنہ گار نہ ہوگا [۱]۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اس حالت میں بیع وغیرہ کو فسخ کردیا جائے گا جبکہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جس پر جمعہ واجب ہے، گو کہ ایسے شخص کے ہاتھ ہو جس پر جمعہ واجب نہیں ہے [۲]۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ جس پر جمعہ لازم ہے اس کے تعلق سے بیع صحیح نہیں ہے۔ اور دوسرے شخص کے لئے جس پر جمعہ لازم نہیں خرید وفروخت مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں گناہ پر تعاون کرنا ہے [۳]۔

دوم: اذان سن کر جامع مسجد جاتے ہوئے بیع کا حکم:

۱۳۹ - چونکہ جامع مسجد جانے والا ممنوع کے ارتکاب میں ملوث ہوتے ہوئے بھی ممانعت سے مطلوب امر کی تکمیل کر رہا ہے اس لئے فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

الف۔ حنفیہ کے مذہب میں راجح، شافعیہ کا مذہب، اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ دونوں چلتے چلتے بیع کریں تو حرام نہیں ہے، حنفیہ میں سے ابن نجیم نے ''السراج'' کے حوالہ سے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہے اگر وہ جمعہ سے رکاوٹ نہ بنے۔ اور حصکفی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے [۴]۔

---

(۱) القوانین الفقہیہ ر ۵۷، دیکھئے: شرح الخرشی ۲ر ۹۰، اور عمومی طور پر دیکھئے: مراقی الفلاح ر ۲۸۳۔
(۲) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۲ر ۵۴۔
(۳) کشاف القناع ۳ر ۱۸۱۔
(۴) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲ بحوالہ قہستانی۔
(۵) شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲ر ۵۴۔

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲، شرح المنہج ۲ر ۵۴۔
(۲) حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۲ر ۹۰۔
(۳) کشاف القناع ۳ر ۱۸۰۔
(۴) رد المحتار ۱ر ۵۵۲، الدر المختار ۲ر ۱۳۲، شرح المنہج ۲ر ۵۴، حاشیۃ العدوی ۲ر ۵۴، حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۱ر ۳۲۸۔

لیکن بیع کی ممانعت مطلقاً وارد ہے، لہذا "اجتہاد" کے ذریعہ اس کو بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا حنفیہ کے قاعدہ کے مطابق نسخ ہے، لہذا اجتہاد کے ذریعہ تخصیص جائز نہیں ہوگی [۱]۔ عدم کراہت کی تعلیل یہ کی گئی ہے کہ اذان کے وقت بیع کی ممانعت کی وجہ سعی میں خلل کا پیش آنا ہے۔ اور جب سعی میں خلل نہیں ہے تو ممانعت بھی نہیں ہوگی۔

نیز یہ کہ اس نص قرآنی سے ان لوگوں کو خاص کرلیا گیا ہے جن پر جمعہ واجب نہیں ہے، اور عام میں جب تخصیص آجائے تو وہ ظنی ہو جاتا ہے۔ اور بعد میں اس کی تخصیص "رائے"، یعنی اجتہاد کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتی ہے [۲]۔

مالکیہ نے جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ بیع اس حالت میں ان دونوں کے لئے سعی سے رکاوٹ نہیں بنے گی، مالکیہ نے اس کو حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے [۳]۔

ب۔ بعض حنفیہ مثلاً صاحب "النہر"، زیلعی، حصکفی کا قول باب جمعہ کے شروع میں، اور شرنبلالی کی رائے ہے کہ بیع کو چھوڑ دینا واجب ہے گو کہ سعی کے ساتھ ہو۔ صاحب "النہر" نے صراحت کی ہے کہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے [۴]۔

بعینہ یہی مالکیہ کا دوسرا قول بھی ہے، اور یہی حنابلہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے [۵]، گو کہ انہوں نے بذات خود اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱) تبیین الحقائق ۴/ ۶۸، نیز دیکھئے: حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲۔
(۲) الدر المختار ورد المحتار ۴/ ۱۳۲، نیز دیکھئے: ابن عابدین کے بارے میں ان کا مناقشہ اور تخصیص کے بجائے تعلیل پر ان کی ترکیز۔
(۳) حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۱/ ۳۲۸۔
(۴) رد المحتار ۱/ ۵۵۲، تبیین الحقائق ۴/ ۶۸، مراقی الفلاح بحاشیۃ الطحطاوی ر ۲۸۲۔
(۵) حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۲/ ۹۰، نیز دیکھئے مثلاً کشاف القناع ۳/ ۱۸۰۔

اس نقطۂ نظر کی صرف وہی تعلیل ہے جس کو حنفیہ میں سے شرنبلالی نے پیش کیا ہے کہ یہ سعی میں خلل انداز ہے، لہذا امر کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس کا ترک کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح بعض مالکیہ کی رائے کے مطابق یہ سد ذریعہ کے لئے ہے [۱]۔

سوم: سعی کے بعد مسجد میں بیع کا حکم:

۱۴۰ - فقہاء اس کی کراہت پر متفق ہیں:

الف۔ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد میں اذان اول کے وقت جو زوال کے بعد ہو، بیع کرنے کا گناہ جمعہ کے لئے چلتے ہوئے بیع سے بڑھا ہوا ہے۔

ب۔ شافعیہ کی صراحت ہے کہ بیع وغیرہ سے ممانعت اس شخص کے حق میں ہے جو اس کے لئے مسجد کے علاوہ میں بیٹھا ہو، لیکن اگر اذان سننے کے بعد جامع مسجد یا اس سے قریب کسی جگہ بیٹھ گیا اور بیع کی تو حرام نہیں ہے، لیکن مسجد میں بیع کرنا مکروہ ہے، ابن حجر وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ ان کا قول حرمت کے زیادہ قریب ہے [۲]۔

ج۔ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ اذان کے بعد نقد ثمن یا ذمہ میں واجب ثمن کے عوض پانی پینا مکروہ ہے، (جیسا کہ حرمین میں ہوتا ہے) بلکہ انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ اذان شروع ہونے کے بعد خرید و فروخت کی عدم صحت کا تقاضا حرمت ہی ہے۔ خاص طور پر جبکہ یہ مسجد میں ہو، الا یہ کہ کہا جائے کہ یہ حقیقت میں بیع نہیں ہے بلکہ اباحت ہے، پھر اس کی طرف سے نیابت ہوتی ہے [۳]۔

(۱) مراقی الفلاح ر ۲۸۲، حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۱/ ۳۲۸۔
(۲) شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۲/ ۵۴، رد المحتار ۱/ ۵۵۲، مراقی الفلاح ص ۲۸۲۔
(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۸۱۔

چہارم: زوال کے بعد دوسری اذان سے قبل بیع:

۱۴۱- وجوب سعی اور ترک بیع کے بارے میں حنفیہ کے یہاں معتبر وقت کا داخل ہونا ہے، اور اسی وجہ سے انہوں نے اذان کو ماسبق میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے، لہذا مناسب ہے کہ زوال کے بعد بیع کی کراہت ثابت ہو، اور اس سے قبل نہ ہو[1]۔

شافعیہ نے اسی طرح صراحت کی ہے کہ بیع وغیرہ اذان ثانی اور خطبہ کے لئے بیٹھنے سے قبل جبکہ وہ زوال کے بعد ہوں مکروہ ہیں، اس لئے کہ وجوب کا وقت داخل ہو چکا ہے، البتہ زوال سے قبل عقد مکروہ نہیں ہے۔

ان کے نزدیک یہ دونوں احکام اس صورت کے ساتھ مقید ہیں کہ عقد کرنے والے پر اس وقت سعی لازم نہ ہوتی ہو، ورنہ اگر ایسا ہو کہ اس وقت چلے بغیر جمعہ نہیں مل سکتا تو وہ عقد اس پر حرام ہوگا[2]۔

پنجم: ممانعت کا جمعہ سے غافل کرنے والی تمام چیزوں کو شامل ہونا:

۱۴۲- فقہاء متفق ہیں کہ نداء کے بعد ہر ایسی چیز حرام یا مکروہ (اس میں فقہاء کے اختلاف کے ساتھ) ہے جو جمعہ کے لئے جانے سے غافل کرنے والی ہو، اور جمعہ کے لئے جانے سے غافل کرنے والی ہر چیز کو ترک کرنا واجب ہے مثلاً اذان کے وقت سفر کا آغاز کرنا، کھانا، سلائی، تمام صنعتیں مثلاً بھاؤ تاؤ، آواز لگانا، اور کتابت، اسی طرح عبادت میں مصروفیت، اہل وعیال وغیرہ کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرے رہنا، گو کہ گھر مسجد کے دروازے پر یا اس سے قریب ہو بلکہ آیت پر عمل کرتے ہوئے جامع مسجد کی طرف پیش قدمی واجب ہوگی[1]۔

ششم: اذان میں اعتبار ابتداء کا ہے یا مکمل ہونے کا؟

۱۴۳- مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اذان میں اعتبار اس کے آغاز کا ہے، مکمل ہونے کا نہیں، لہذا اگر مؤذن اللہ اکبر کہہ دے تو بیع حرام ہو جائے گی، اس لئے کہ حرمت کا تعلق اذان سے ہے[2]۔

اس کا قانونی حکم:

۱۴۴- جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور بعض مالکیہ کی رائے ہے کہ عقد بیع صحیح ہوگا، اس لئے کہ اس سے ممانعت بیع کے علاوہ میں اور اس سے خارج ہے، اور وہ ترک کرنا ہے، لہذا بیع اصل کے لحاظ سے مشروع اور جائز ہوگی، لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، اس لئے کہ اس کے ساتھ ایک غیر مشروع چیز متصل ہوگئی ہے اور وہ سعی ترک کرنا ہے[3]۔

صحت بیع پر حسب ذیل امور متفرع ہوتے ہیں:

الف۔ اس کا فسخ واجب نہیں ہوگا، حنفیہ کے یہاں ایک قول اور مالکیہ کے یہاں بھی ایک قول یہی ہے، چنانچہ شیخ عدوی نے کہا: اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بیع فسخ نہیں ہوگی بلکہ نافذ رہے گی اور وہ اللہ سے استغفار کرے گا۔

ب۔ ثمن واجب ہوگا، قیمت نہیں۔

---

(۱) الدر المختار ورد المحتار ۱/ ۵۵۲ سے ماخوذ، مراقی الفلاح وحاشیۃ الطحطاوی ۲۸۲/۱۔

(۲) شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۲/ ۵۴ تصرف کے ساتھ۔

(۱) مراقی الفلاح وحاشیۃ الطحطاوی ۲۸۲/۱، شرح کفایۃ الطالب علی رسالۃ ابن ابی زید بحاشیۃ العدوی ۱/ ۳۴۸، کشاف القناع ۱۸۱/۳، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۲/ ۵۴۔

(۲) حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب ۱/ ۳۴۸۔

(۳) الدر المختار ۱۳۱/۴، حاشیۃ الطحطاوی ۲۸۲/۱، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۲/ ۵۴، القوانین الفقہیہ/ ۵۷، بدائع الصنائع ۲۳۲/۵۔

ج - قبضہ سے قبل فروخت شدہ چیز پر ملکیت ثابت ہوگی [1]۔

لیکن مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ یہ بیع بیع فاسد کی طرح فسخ کردی جائے گی، اور خریدار کے ہاتھ سے واپس کرلی جائے گی، اگر فوت نہ ہوئی ہو۔ ہاں اگر (بازار کے بدلنے سے) فوت ہوچکی ہوتو عقد نافذ ہوجائے گا، اور خریدار پر قبضہ کے وقت کی قیمت لازم ہوگی، مشہور یہی قول ہے، ایک قول ہے کہ بیع کے وقت کی قیمت لازم ہوگی [2]۔

جن مالکیہ نے وجوب فسخ کی صراحت کی ہے، انہوں نے اس کے ساتھ بیع کے مثل اجارہ، شرکت، اقالہ اور شفعہ کو لاحق کیا ہے، اگر ان کے ذریعہ لیا گیا ہو، لیکن اگر ترک کردیا گیا ہوتو نہیں، تاہم انہوں نے نکاح، ہبہ، صدقہ، اور آزادی جیسے امور کو مستثنی کیا ہے، لہذا ان میں کسی کو فسخ نہیں کیا جائے گا، گو کہ حرام ہو۔

ان مذکورہ چیزوں اور بیع وغیرہ کے درمیان ان کے نزدیک فرق یہ ہے کہ بیع وغیرہ جس میں عوض ہے، ان میں فسخ کی وجہ سے ہر ایک کو اپنا عوض مل جاتا ہے، لہذا اس میں کوئی بڑا ضرر نہیں ہے، برخلاف ان چیزوں کے جن میں عوض نہیں ہے، کہ وہ بالکلیہ باطل ہوجاتی ہیں اگر فسخ ہوجائیں [3]۔

عدوی نے نکاح کے بارے میں ایک دوسری علت لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے فسخ سے ضرر ہوگا، کیونکہ بسا اوقات زوجین میں سے ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے ہیں۔

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ر ۲۸۲، نیز دیکھئے: رد المحتار ۴ / ۱۳۱، حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۴ / ۹۰، اور دیکھئے: القوانین الفقہیہ ر ۵۷ میں فسخ کے سلسلہ میں اختلاف کی طرف اشارہ۔

(۲) شرح الخرشی ۴ / ۹۰۔

(۳) شرح الخرشی بحاشیۃ العدوی ۴ / ۹۰، نیز دیکھئے: حاشیۃ العدوی علی شرح رسالۃ ابن ابی زید ۱ / ۳۲۸۔

ان کے نزدیک "بدلہ کا ہبہ" (یعنی وہ ہبہ جو مکافات کی شرط پر ہو جیسا کہ مالکیہ کی تعبیر ہے یا عوض کی شرط پر جیسا کہ حنفیہ وغیرہ کی تعبیر ہے) بیع کی طرح ہے۔

خلع کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ وہ نافذ ہوجائے، فسخ نہ ہو، سابقہ علت کا تقاضا یہی ہے، اور وہ علت یہ ہے کہ خلع بالکلیہ باطل ہوجائے گا اگر فسخ کردیا جائے [1]۔

جبکہ حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ بیع تھوڑی ہو یا زیادہ صحیح نہیں ہوگی، اور سابقہ نص قرآنی جو حکم حرمت میں ظاہر ہے، کی وجہ سے منعقد ہی نہ ہوگی [2]۔

ب- کافر کے ہاتھ مصحف کی بیع:

۱۴۵ - باتفاق فقہاء یہ بیع ممنوع ہے، جمہور فقہاء نے حرمت کی صراحت کی ہے، اور حنفیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کراہت ثابت ہے، اور "کراہت" ان کے قواعد وتعلیلات کے مطابق حرمت کے لئے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: مالک کے لئے حرام ہے کہ کافر کے ہاتھ مصحف یا اس کا جزو فروخت کرے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ مصحف کی ملکیت کی وجہ سے اس میں اسلام کی بے حرمتی ہے۔

فرمان باری ہے: "وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" [3] (اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ

(۱) شرح الخرشی حوالہ سابق۔

(۲) کشاف القناع ۳ / ۱۸۰، نیز دیکھئے: المغنی ۴ / ۱۳۶۔

(۳) شرح الخرشی ۵ / ۱۰، نیز اس کے مثل: شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳ / ۱۹، ۲۰ میں دیکھئے۔

ہونے دے گا)۔

اس تعلیل کی اصل کا تعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے ہے: "أن رسول الله ﷺ نهى أن يسافر بالقرآن إلى أرض العدو" (۱) (رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو سفر میں دشمن کے ملک میں لے جانے سے منع فرمایا)۔

تاہم اس بیع کی صحت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

الف۔ شافعیہ کے یہاں اظہر، حنابلہ کا مذہب اور مالکیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ کافر کے ہاتھ مصحف فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: "وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (۲) (اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو سفر میں دشمن کے ملک میں لے جانے سے منع فرمایا، کیونکہ ان کے ہاتھ میں آجانے کا اندیشہ ہے، لہذا ان کو اس پر قدرت نہیں دی جائے گی، نیز اس لئے کہ جب کافر کو قرآن پر ملکیت برقرار رکھنے سے روکا جاتا ہے، تو ملکیت کا آغاز کرنے سے بھی روکا جائے گا، جیسا کہ بقیہ ناجائز بیع والی چیزیں ہیں، نیز مصحف وغیرہ پر کافر کی ملکیت میں توہین ہے (۳)۔

مالکیہ نے اس پر بیع کے فسخ کو متفرع کیا ہے، بشرطیکہ فروخت شدہ چیز موجود ہو۔ اس رائے کو سحنون نے اکثر اصحاب مالک سے منسوب کیا ہے (۴)۔ مالکیہ نے بیع میں (جیسا کہ ابن جزی کہتے ہیں) اسلام کی شرط صرف مسلمان غلام کی خریداری اور مصحف کی خریداری میں لگائی ہے (۱)۔

ب۔ حنفیہ کا مذہب اور مالکیہ کا مشہور مذہب اور شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ کافر کے ہاتھ مصحف کی بیع صحیح ہے، البتہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالے، تاکہ کتاب اللہ کو اہانت سے بچایا جائے (جیسا کہ ابن عابدین نے طحطاوی کے حوالے سے نقل کیا ہے)، نیز اس لئے کہ اس میں قرآن پر ملکیت کی وجہ سے اسلام کی بے حرمتی ہے، (جیسا کہ خرشی کہتے ہیں) اور حرمت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ عمیرہ نے کہا (۲)۔

اس بیع سے ملحق امور:

۱۴۶ - جس طرح کفار کے ہاتھ مصحف کی بیع ممنوع ہے اسی طرح قرآن کو ان پر صدقہ کرنا اور ان کو ہبہ کرنا (جیسا کہ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے) ممنوع ہے، اور اسی طرح قرآن کو ان کے پاس رہن میں دینا (جیسا کہ حنابلہ نے صراحت کی ہے) ممنوع ہے۔ اول الذکر علماء کفار کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالیں، جیسا کہ بیع میں ہے، دسوقی نے اس کی صراحت کی ہے (۳)۔ اس میں دوسروں کا اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔

اس بیع سے مستثنی امور:

۱۴۷ - شافعیہ نے مصحف کی بیع کے حکم سے چند چیزوں کو مستثنی

(۱) حدیث: "نهى أن يسافر بالقرآن......" کی روایت بخاری (الفتح ۶ر ۱۳۳ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳ر ۱۴۹۰ طبع الحلبی) نے کی ہے۔
(۲) سورۂ مائدہ ر ۲۔
(۳) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴ر ۱۳، کشاف القناع ۳ر ۱۳۴، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳ر ۲۰، نیز دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲ر ۱۵۶، تحفۃ المحتاج ۴ر ۲۳۰۔
(۴) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۳ر ۷۔

(۱) القوانین الفقہیہ ر ۱۶۳، نیز اس شرط کے بارے میں دیکھئے: شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳ر ۱۹، ۲۰۔
(۲) رد المحتار ۴ر ۱۳۴، شرح الخرشی بحاشیۃ العدوی ۵ر ۱۰، نیز شافعیہ کا دوسرا قول دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج وحاشیہ عمیرہ ۲ر ۱۵۶، اور حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳ر ۷ میں۔
(۳) کشاف القناع ۳ر ۱۳۴، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳ر ۷۔

کیا ہے:

ایسے دراہم ودنانیر جن پر قرآن کی کوئی آیت نقش ہو، اس لئے کہ اس کی حاجت ہے۔

اہل ذمہ کا ایسے مکانات خریدنا جن کی دیواروں یا چھتوں میں قرآن لکھا ہوا ہو، اس لئے کہ عموم بلوی ہے۔ اور وہ عام حالات میں گنجائش کی وجہ سے معاف ہوگا، اس لئے کہ اس نقش سے مقصود قرآنیت نہیں ہوتی۔

بعض حضرات (مثلاً ابن عبدالحق) نے، اس کافر کے لئے تعویذ کو مستثنی کیا ہے جس کے اسلام کی امید ہو، اسی طرح رسول اللہ علیہ السلام کی اقتداء میں مکتوب مستثنی ہے۔

اسی طرح انہوں نے اس کپڑے کو مستثنی کیا ہے جس پر کچھ قرآن تحریر ہو، اس لئے کہ اس تحریر کا مقصد قرآنیت نہیں ہوتی، الا یہ کہ کہا جائے کہ عموماً کپڑے پر تحریر کا مقصد تبرک حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کو پہننا نہیں، لہذا یہ تعویذوں کے مشابہ ہوگیا، تاہم کافر کے بدن کے ساتھ اس کے لگنے میں اس کی توہین ہے، برخلاف ان آیات کے جو چھتوں پر لکھی جائیں۔

مصحف پر کافر کی ملکیت کو زائل کرنے کا حکم دینے والا حاکم ہوگا، عام لوگ نہیں، اس لئے کہ اس میں فتنہ ہے، جیسا کہ شافعیہ نے اسی جیسے مسئلہ میں اس کی صراحت کی ہے[1]۔

مسلمانوں کی طرف سے مصحف کی بیع اور اس کی خریداری کا حکم:

۱۴۸ - الف - شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کی طرف سے مصحف کی فروخت اور اس کی خریداری مکروہ ہے۔ اور مصحف سے مراد خالص قرآن ہے۔ اور کراہت کی وجہ جیسا کہ (شیخ عمیرہ لکھتے ہیں) قرآن کریم کو خرید فروخت کے سبب حقیر سامانوں کے معنی میں ہونے سے بچانا ہے۔ اور یہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے، نیز اس لئے کہ اس سے مقصود کلام اللہ ہے، لہذا اس کو حقیر ہونے سے بچانا ضروری ہے۔ اور اس خریداری کے جواز میں اس کا سبب بننا، اور اس کی مدد کرنا ہے۔

ب - شافعیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بلا حاجت فروخت مکروہ ہے، نہ کہ خریداری۔ قلیوبی اور الجمل نے صراحت کی ہے کہ یہی ان کے نزدیک معتمد ہے۔ الجمل نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ خریداری میں اس کو حاصل کرنا ہے، برخلاف بیع کے[1]، کہ اس میں فوت کرنا، حقیر بنانا اور رغبت کا ختم ہونا ہے۔

شافعیہ کے یہاں یہ معتمد قول ہے، یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، مرداوی نے خریداری اور اس کے جواز کے مسئلہ میں کہا ہے کہ یہی مذہب ہے۔ اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ خریداری میں مصحف کو بچانا ہے، لہذا یہ جائز ہوگا، جیسا کہ مکہ کے مکانات کو خریدنا اور اس کے گھروں کو اجرت پر لینا، حالانکہ اس کی بیع یا اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حجام کی اجرت دینا مکروہ نہیں ہے، حالانکہ اس کی کمائی مکروہ ہے، بلکہ بہوتی نے اس کو قیدی کے خریدنے کی طرح قرار دیا ہے[2]۔

ج - امام احمد سے ایک روایت ہے کہ مصحف کی فروخت ناجائز ہے اور صحیح نہیں ہے، مرداوی نے کہا: یہی مذہب ہے، جیسا کہ ان

---

(۱) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۱۹، اور حاشیۃ القلیوبی علی شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۵۶ کے ساتھ موازنہ کریں۔

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی ۲/ ۱۵۷، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۲۲۔

(۲) الانصاف ۴/ ۲۷۹، کشاف القناع ۳/ ۱۵۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۱۴۔

سے مروی ہے کہ خریداری حرام ہے۔ اگر چہ بعض نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اورعدم جواز کی توجیہ یہ کی ہے کہ:

امام احمد نے کہا: مصاحف کو فروخت کرنے کی رخصت کا مجھے علم نہیں ہے۔

یہی صحابہ سے مروی ہے، اوران کے دور میں ان کا کوئی مخالف معلوم نہیں ہے۔

اس لئے کہ اس میں کتاب اللہ ہے، لہذا اس کو فروخت کرنے اور حقیر ہونے سے بچانا واجب ہے[۱]۔

د۔ اور یہاں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ مصحف کی بیع بلا کراہت جائز ہے۔ مرداوی نے کہا: اس روایت کو ابو الخطاب نے ذکر کیا ہے۔ حنابلہ نے بیع مصحف کے جواز اور اس کی رخصت دینے کو حسن، عکرمہ، شافعی اور اصحاب رائے کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ بیع کاغذ اور چمڑے کی ہوگی، اور ان کی بیع مباح ہے۔

مصحف کے تبادلہ کی کراہت کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں، امام احمد کے یہاں مختار یہ ہے کہ مصحف کو مصحف سے بدلنا جائز ہے، اس لئے کہ اس سے مصحف سے بے رغبتی کا پتہ نہیں چلتا، اور نہ دنیوی عوض میں تبادلہ کرنا معلوم ہوتا ہے، برخلاف اس کا ثمن لینے کے[۲]۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر بیع مصحف کے بارے میں امام احمد سے تین روایات ہیں:

حرمت، کراہت، اور جواز۔ اور خریداری کے بارے میں بھی یہی روایتیں ہیں۔ تبادلہ کے بارے دو اقوال ہیں۔ اور مذہب (جیسا

(۱) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍ ۱۲۔

(۲) الانصاف ۴؍ ۲۷۹، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴؍ ۱۲۔

کہ ابن قدامہ اور بہوتی کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے) یہ ہے کہ بیع حرام اور غیر صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا: میری خواہش ہے کہ ان کی بیع میں ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے، نیز اس لئے کہ اس کی تعظیم واجب ہے، اور فروخت کرنے میں ترک تعظیم اور قرآن کی تحقیر ہے۔ اور خریداری مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بچانا ہے۔ اور نہ ہی دوسرے مصحف سے بدلنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے قرآن سے بے رغبتی ظاہر نہیں ہوتی ہے[۱]۔

ممنوع بیع کے نتائج:

۱۴۹ – ممانعت میں اصل جمہور کے نزدیک باطل ہونا ہے، لہذا اس کو اصل پر جاری رکھا جائے گا الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو، اور ضرورت صرف اس صورت میں ہے جبکہ کوئی دلیل ہو کہ ممانعت ایسی علت کی وجہ سے ہے جو صرف ممنوع کے ساتھ متصل ہے، لیکن اگر دلیل سے معلوم ہو کہ ممانعت وصف لازم میں کسی علت کی وجہ سے ہے تو اصل سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس بات کی کہ ممانعت اپنی اصل (بطلان) کے خلاف جاری ہو، اس لئے کہ وصف لازم کا بطلان اصل کے بطلان کا سبب ہے، برخلاف ''مجاور'' کے، کیونکہ وہ لازم نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ممنوع تصرف میں اصل یہ ہے کہ وہ شرعاً موجود اور صحیح ہو، لہذا ممانعت اس اصل پر جاری رہے گی الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو، اور حنفیہ کے نزدیک ''ضرورت'' اس صورت میں منحصر ہے کہ دلیل سے معلوم ہوجائے کہ ممانعت صرف ممنوع کی ذات یا اس کے جزو میں موجود علت کی وجہ سے ہے، لیکن اگر دلیل بتائے کہ ممانعت وصف لازم میں موجود علت کی وجہ سے ہے تو اصل سے

(۱) کشاف القناع ۳؍ ۱۲۔

خروج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ ممانعت کو اس کی اصل پر جاری نہ کیا جائے، اور وہ اصل صحیح ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے اجزاء اور شروط کی صحت اس چیز کی صحت کے لئے کافی ہے۔ اجزاء کی صحت کی وجہ سے صحت کو ترجیح دینا وصف خارجی کی وجہ سے باطل ہونے کو ترجیح دینے سے اولی ہے۔ اور جب ضرورت نہ ہو تو ممانعت اپنی اصل پر جاری رہے گی، اور وہ یہ ہے کہ ممنوع شرعاً موجود یعنی صحیح ہوگا[1]۔

فساد، بطلان اور صحت کی اصطلاحات کے درمیان فرق:

۱۵۰ - گذشتہ تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ جمہور فساد اور بطلان کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں، حنفیہ کا اختلاف ہے۔

لہذا یہاں عقود بشمول بیع میں تقاضا یہ ہے کہ عقد اپنے مطلوبہ شرعی نتائج کے مرتب ہونے کا سبب ہو، مثلاً بیع میں ملکیت کے تعلق سے نتائج۔

بطلان کا معنی یہ ہے کہ عقود کے ساتھ احکام نہ پائے جائیں، اور عقود کا ایسا سبب نہ بن سکیں جو احکام کے لئے مفید ہوتے ہیں۔

فساد جمہور کے نزدیک بطلان کے مرادف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فساد ایک تیسری قسم ہے جو صحیح کے خلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ اصل کے لحاظ سے مشروع ہو، وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہو، برخلاف باطل کے، اس لئے کہ باطل وہ ہے جو اپنی اصل یا وصف کسی اعتبار سے مشروع نہ ہو[2]۔

لہذا جمہور کے نزدیک بطلان میں ملاقیح اور مضامین کی بیع اور جنین ومردار کی بیع برابر ہے، جیسے بدوصلاح سے قبل پھل کی بیع، قبضہ سے قبل اناج کی بیع، بیع عینہ، ربا پر مشتمل بیع، اور بیع بالشرط، ان تمام بیوع پر ان کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

جبکہ حنفیہ تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مضامین، ملاقیح، جنین اور مردار کی بیع باطل ہے، اس لئے کہ محلیت اور رکنیت مفقود ہے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ اور یہی حنفیہ کی تعبیر کے مطابق اصل کا مشروع نہ ہونا ہے، لہذا اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

بقیہ بیوع کے حنفیہ فساد کے قائل ہیں، بطلان کے نہیں۔

الف۔ چنانچہ مثال کے طور پر بیع بالشرط میں ممانعت کا تعلق شرط سے ہے، لہذا اصل عقد صحیح باقی رہے گا، اور ملکیت کا فائدہ دے گا، لیکن فساد اور حرمت کی صفت کے ساتھ، لہذا یہ شرط بیع سے ایک زائد امر ہے جو اس کے لئے لازم ہے، کیونکہ وہ نفس عقد میں مشروط ہے، اس جگہ پر وصف سے مراد یہی ہے[1]۔

ب۔ ربا پر مشتمل بیع کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ رکن بیع یعنی اہل کی طرف سے محل میں ہونے والا مالی تبادلہ موجود ہے، لہذا وہ مشروع ہوگا، لیکن مکمل تبادلہ موجود نہیں ہے، لہذا اصل تبادلہ موجود ہے، اس کا وصف یعنی مکمل ہونا موجود نہیں ہے[2]۔

یہ مردار اور جنین کی بیع کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ مال نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کی قیمت ہے، لہذا وہ اصلاً غیر مشروع ہیں۔

ذیل میں بیع باطل کے احکام (حنفیہ کے نقطۂ نظر سے جو اس کے قائل ہیں) پھر بیع فاسد کے احکام پھر بیع مکروہ کے احکام ذکر کئے جارہے ہیں۔

اول: حنفیہ کے نزدیک بیع باطل کے احکام:

۱۵۱ - بیع باطل بالکلیہ غیر منعقد ہے۔ اس کا شرعاً کوئی معتبر وجود

---

(۱) التنقیح والتوضیح ۱/ ۲۱۸۔

(۲) کشف الاسرار ۱/ ۲۵۸۔

(۱) التلویح ۱/ ۲۱۸۔

(۲) مرآۃ الاصول ۱/ ۳۳۰، نیز دیکھئے: التوضیح والتلویح ۱/ ۲۲۰، ۲۲۱۔

نہیں ہے، اگر خریدار فروخت شدہ چیز پر قبضہ کرلے تو وہ اس کی ملکیت میں نہیں آتی ہے۔

کاسانی نے کہا: اس بیع کا بالکلیہ کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے کہ حکم موجود کے لئے ہوتا ہے، اور اس بیع کا بجز صورت کے کوئی وجود نہیں ہے، کیونکہ شرعی تصرف کا کوئی وجود شرعاً اہلیت ومحلیت کے بغیر نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ تصرف حقیقی کا کوئی وجود حقیقتاً اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اہل کی طرف سے اور محل میں پایا جائے۔ اس کی مثال مردار، خون، گندگی اور پیشاب کی بیع اور ملاقیح، مضامین اور ہر غیر مال کی بیع ہے۔

اگر فروخت شدہ چیز خریدار کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس کے ضمان کے بارے میں حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے:

الف۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا ضمان نہیں ہوگا، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز اس کے ہاتھ میں امانت ہے، کیونکہ جب عقد باطل ہوگیا تو محض فروخت کرنے والے کی اجازت سے قبضہ رہ گیا، اور وہ زیادتی کے بغیر قابل ضمان نہیں ہوگا، جیسا کہ ابن عابدین نے ''الدرر'' سے نقل کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے[1]۔

ب۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا ضمان ہوگا، اس لئے کہ وہ خریداری کے مول بھاؤ کے طور پر قبضہ شدہ کی طرح ہوجائے گا۔

سرخسی وغیرہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مثل یا قیمت کے ذریعہ ضمان دیا جائے، اس لئے کہ وہ خریداری کے لئے مول بھاؤ کے طور پر قبضہ میں لی گئی چیز سے کم درجہ کا نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے، ''القنیہ'' میں ہے: یہی صحیح ہے، اس لئے کہ اس نے اس پر اپنے لئے قبضہ کیا ہے جو غصب کے مشابہ ہے۔ ''الدر'' میں ہے: کہا گیا ہے کہ اسی پر فتوی ہے[1]۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''بیع باطل''۔

دوم: بیع فاسد کے احکام:

۱۵۲ - بیع فاسد پر چند اثرات مرتب ہوتے ہیں جو یہ ہیں: قبضہ کے ذریعہ ملکیت کا منتقل ہونا، حق شرع کی وجہ سے فسخ کا وجوب اور استحقاق، فروخت شدہ چیز سے پیدا ہونے والے نفع کا حلال نہ ہونا، اس کا قابل تصحیح ہونا، ہلاکت کی وجہ سے مبیع کا ضمان دینا اور اس میں خیار کا ثبوت۔ ان اثرات اور ان کے متعلقات کی تفصیل اصطلاح ''بیع فاسد'' میں دیکھی جائے۔

یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

بیع فاسد کے احکام جمہور کے نزدیک بیع باطل ہی کے احکام ہیں، کیونکہ وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے ہیں، دیکھئے: اصطلاح ''بیع باطل''۔

سوم: بیع مکروہ کے احکام:

۱۵۳ - بیع مکروہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً ممنوع ہے، اس کے نتیجہ میں گناہ ہوگا، تاہم وہ صحیح ہوگی، اس لئے کہ ممانعت ایک ایسی علت کی وجہ سے ہے جو بیع سے متصل ہے، ذات بیع اور اس کی صحت کی شرائط میں نہیں ہے، اور اس طرح کی ممانعت فساد کی متقاضی نہیں ہوتی ہے، بلکہ کراہت کا سبب ہوتی ہے۔

لہذا اذان جمعہ کے وقت بیع، بیع نجش، اپنے بھائی کی بیع پر بیع، اپنے بھائی کے مول پر مول وغیرہ ممنوع ہیں۔ اور یہ بیوع (جیسا کہ

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۵، رد المحتار ۴/ ۱۰۵۔

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۴/ ۱۰۵۔

حکمی کہتے ہیں) مکروہ تحریمی ہیں، تاہم صحیح ہیں، باطل نہیں ہیں، کیونکہ جمہور کے نزدیک ان سے ممانعت ہے، البتہ امام احمد سے روایات اس سے الگ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق ممنوع کی ذات یا شرائط صحت سے نہیں ہے، بلکہ اس سے متصل علت کی وجہ سے ہے[1]۔

۱۵۴ – بیع مکروہ کے چند اہم احکام یہ ہیں:

یہ بیع صحیح ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

قبضہ سے قبل اس میں فروخت شدہ چیز پر ملکیت حاصل ہوجاتی ہے۔

اس میں ثمن واجب ہے، قیمت نہیں ہے۔

اس کو فسخ کرنا واجب نہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں پر اس کو فسخ کرنا واجب ہے، تاکہ ان کو ممنوع چیز سے بچایا جاسکے، نیز اس لئے کہ معصیت کو ختم کرنا امکانی حد تک واجب ہے۔

ابن عابدین نے ان دونوں اقوال میں یوں تطبیق دی ہے کہ ان دونوں پر دیانۃً واجب ہے، برخلاف بیع فاسد کے کہ اگر وہ دونوں اس کو جاری رکھنے پر مصر ہوں، تو قاضی بالجبر فسخ کردے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیع صحیح ہے، لہذا قاضی کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ ملکیت صحیح حاصل ہے[2]۔

لیکن مالکیہ میں سے ابن جزی نے لکھا ہے کہ اگر بیع کی ممانعت ایسے ممنوع امر سے متعلق ہو جو بیوع کے باب سے خارج ہو، مثلاً غصب کردہ جگہ میں خرید فروخت تو اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ فوت ہوچکی ہو یا فوت نہ ہوئی ہو۔

اگر بیع سے ممانعت ہو اور صحت بیع کی کسی شرط میں خلل نہ ہو مثلاً جمعہ کے وقت بیع، شہری کا دیہاتی کے لئے بیچنا اور قافلوں سے ملنا تو اس میں اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ اس کو فسخ کردیا جائے گا۔ دوسرا قول ہے کہ فسخ نہیں کیا جائے گا۔ تیسرا قول ہے کہ اگر سامان باقی ہو تو فسخ کردیا جائے گا[1]۔

(۱) رد المحتار ۴/۱۳۱، شرح المنہاج للمحلی بحاشیۃ القلیوبی ۲/۱۸۱ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/۱۰۸، الانصاف ۴/۳۳۱ اور اس کے بعد کے صفحات، ۳۴۳، ۳۴۴، مرداوی کا فیصلہ ہے کہ مذہب اور صحیح قول جس پر جمہور اصحاب ہیں یہ ہے کہ اذان کے وقت بیع صحیح نہیں ہے۔

(۲) رد المحتار ۴/۱۳۱، ۱۳۴ بحوالہ الدرر۔

(۱) القوانین الفقہیہ / ۱۷۲۔

بیع موقوف

تعریف:

۱ - بیع: مال کا مال سے تبادلہ ہے [۱]۔

موقوف "وقف" سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: "وقفت الدابة وقوفاً" یعنی جانور ٹھہر گیا۔ اور "وقفتها أنا وقفاً" میں نے اس کو روک دیا، "وقفت الدار وقفا" یعنی میں نے اللہ کی راہ میں گھر کو وقف کردیا، "وقفت الأمر علی حضور زید" میں نے معاملہ کو زید کی آمد پر معلق کردیا، "وقفت قسمة المیراث إلی الوضع" میں نے میراث کی تقسیم کو وضع حمل تک مؤخر کردیا [۲]۔

اس لفظ کا فقہی استعمال اس کے لغوی معانی سے خارج نہیں ہے۔

بیع موقوف: اس کے جواز کے قائل فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جو اصل اور وصف کے لحاظ سے مشروع ہو، لیکن توقف کے طور پر ملکیت کا فائدہ دے، اور تمام ملکیت کا فائدہ نہ دے، کیونکہ اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو، اور یہ بیع صحیح ہے [۳]۔

(۱) القاموس المحیط لسان العرب مادۂ "بیع"، مجلۃ الاحکام دفعۃ (۱۰۵)، البحر الرائق ۵/ ۲۷۷۔

(۲) المصباح المنیر مادۂ "وقف"۔

(۳) مجمع الأنہر شرح ملتقی الابحر ۲/ ۷۴، درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱/ ۹۴، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۰۰ طبع بولاق۔

اس کے بالمقابل بیع نافذ ہے، اور بیع نافذ وہ بیع صحیح ہے، جس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، اور وہ فی الحال حکم کا فائدہ دے، لہذا "نافذ" "موقوف" کی ضد ہے، اور جب بیع نافذ کہا جائے تو مراد یہ ہے کہ وہ غیر موقوف بیع ہے [۱]۔

بیع موقوف کی مشروعیت:

۲ - حنفیہ اور مالکیہ کی رائے، حنابلہ کے یہاں ایک روایت، اور امام شافعی کا مذہب قدیم میں قول (اور مذہب جدید میں بھی یہ منقول ہے) یہ ہے کہ بیع موقوف مشروع ہے، اور وہ بیع صحیح کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اس کی دلیل بیع کے عمومی نصوص ہیں، مثلاً فرمان باری ہے: "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ" [۲] (حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے)، اور فرمان باری ہے: "یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ" [۳] (اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

ان آیات سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرید فروخت اور تجارت کو مشروع قرار دیا اور کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے کہ مالک کی طرف سے اصالۃً ہو یا وکیل کی طرف سے ابتداءً ہو، یا مالک کی طرف سے انتہا میں اجازت پائی جائے یا عقد کے وقت یا اس کے بعد تجارت کی رضامندی پائی جائے، لہذا اس کے عموم پر عمل واجب ہے، الا یہ کہ کسی دلیل کی وجہ سے تخصیص ہو۔

نیز روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عروہ بارقیؓ کو

(۱) درر الحکام ۱/ ۹۵، ۳۲۰۔

(۲) سورۂ بقرہ/ ۲۷۵۔

(۳) سورۂ نساء/ ۲۹۔

ایک دینار دیا اور حکم فرمایا کہ قربانی کا جانور خرید یں، انہوں نے دو بکریاں خرید یں، پھر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کردیا، اور ایک دینار اور ایک بکری لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: "بارک اللہ في صفقة یمینک"[1] (اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ کے سودے میں برکت دے)، یہ معلوم ہے کہ ان کو بکری فروخت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، اگر بیع موقوف منعقد نہ ہوتی تو وہ فروخت نہ کرتے، اور رسول اللہ ﷺ ان کے عمل میں خیر وبرکت کی دعا نہ فرماتے، بلکہ ان پر نکیر کرتے، اس لئے کہ باطل پر نکیر کی جاتی ہے۔

نیز بیع موقوف اپنے اہل کی طرف سے محل میں صادر ہے، لہذا لغو نہ ہوگی، جیسا کہ اگر مالک کی طرف سے ہوتی، اور جیسے مدیون کی طرف سے مال کی وصیت اور غیر مدیون کی طرف سے تہائی سے زائد کی وصیت۔

تصرف اگر اپنے اہل کی طرف سے اپنے محل میں ہوتو اس کا وجود متحقق ہے، پھر بسا اوقات اس کا شرعاً نفاذ کسی مانع کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ اور وہ تصرف اس مانع کے زوال پر موقوف ہوجاتا ہے، اور اجازت کی وجہ سے مانع زائل ہوجاتا ہے۔ وہ مانع مالک کی عدم رضامندی ہے۔

نیز اس لئے کہ بیع موقوف قبضہ کے بغیر مکمل ملکیت کا فائدہ دیتی ہے، جیسا کہ بیع صحیح کا حکم ہے، لہذا بیع موقوف بیع صحیح ہے، اس لئے کہ اس کی تعریف اور اس کا حکم اس پر صادق آتا ہے، اور اس بیع کا اجازت پر موقوف ہوکر منعقد ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے[1]۔

(۱) حدیث: "بارک اللہ في صفقه یمینک......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۵۰ طبع الحلبی) نے کی ہے اس کے ایک راوی کی جہالت کی وجہ سے ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے (تلخیص الحبیر ۳/ ۵ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

۳- شافعیہ کے یہاں مشہور مذہب، حنابلہ کے یہاں ایک روایت اور ابوثور وابن المنذر کا قول یہ ہے کہ عقد موقوف باطل ہے۔ ان کا استدلال حضرت حکیم بن حزامؓ کی اس روایت سے ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ایک شخص میرے پاس آکر ایسی چیز فروخت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہے، کیا میں بازار سے اس کو اس کے لئے خرید لوں، پھر اس کے ہاتھ اس کو فروخت کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تبع مالیس عندک"[2] (جو چیز تمہارے پاس نہیں، اس کو فروخت نہ کرو)۔

اسی طرح ان کا استدلال اس فرمان نبوی سے ہے: "لابیع ولا طلاق ولا عتاق فیما لا یملک ابن آدم"[3] (جس چیز کا آدمی مالک نہیں، اس میں بیع یا طلاق یا آزادی نہیں)، نیز اس

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸، ۱۴۹ طبع الجمالیہ، المبسوط للسرخسی ۱۳/ ۱۵۴، مجمع الانہر ۲/ ۷۴، درر الحکام ۱/ ۹۴، ۹۵ شائع کردہ مکتبۃ احمدیہ، حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۰۰ طبع بولاق، القوانین الفقہیہ لابن جزی رص ۱۶۳ طبع دار القلم، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۰، ۱۱ شائع کردہ دار الفکر، مواہب الجلیل ۴/ ۲۶۴ طبع مکتبۃ النجاح لیبیا، مغنی المحتاج ۲/ ۱۵ شائع کردہ دار احیاء التراث العربی، المجموع ۹/ ۲۵۹ طبع مطبعۃ التضامن الاخوی مصر، المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۲۷۴، الانصاف ۴/ ۲۶۷، ۲۸۳، طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۲) حدیث: "لا تبع ما لیس عندک......" کی روایت ابوداؤد (۳/ ۷۶۹ طبع عزت عبید دعاس) اور ترمذی (۳/ ۵۲۵ طبع الحلبی) نے کی ہے ترمذی نے کہا: حدیث حسن ہے۔

(۳) حدیث: " لا بیع ولا طلاق و لاعتاق......" کی روایت ابوداؤد (۲/ ۶۴۰ طبع عزت عبید دعاس) اور ترمذی (۳/ ۴۷۷ طبع الحلبی) نے کی ہے ترمذی نے کہا: حدیث حسن ہے الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

لئے کہ سبب کا مکمل وجود اس کے اثرات کے بغیر اس کے فساد پر دلالت کرتا ہے۔

وہ حضرات بیع موقوف کو طلاق اور عتاق پر قیاس کرتے ہیں[1]۔

بیع موقوف کی انواع:

۴- عقد بیع موقوف ہوتا ہے اگر اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے کی ملکیت ہو یا غیر مالک کا فروخت شدہ چیز میں حق ہو(۲)۔

صاحب ''الخلاصہ'' نے بیع موقوف کی انواع پندرہ بتائی ہیں، اور صاحب ''النہر'' نے اس کو اڑتیس انواع تک پہنچایا ہے۔ اور ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں بیع موقوف کی انتیس صورتیں ذکر کی ہیں، جن میں سے اہم یہ ہیں:

- تصرف سے روک دئے گئے بچہ کی بیع باپ یا وصی کی اجازت پر موقوف ہے۔

- بے سوجھ بوجھ والے شخص کی بیع قاضی کی اجازت پر موقوف ہے۔

- رہن کے سامان کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

- اجرت پر لی گئی چیز کی بیع اجرت پر لینے والے کی اجازت پر موقوف ہے۔

- دوسرے کے ساتھ مزارعت میں موجود چیز کی بیع مزارعت کرنے والے کی اجازت پر موقوف ہے۔

- فروخت کرنے والے کی طرف سے خریدار کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ قبضہ کے بعد فروخت شدہ چیز کی بیع پہلے خریدار کی اجازت پر موقوف ہے۔

- مرتد کی بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک ارتداد سے اس کی توبہ پر موقوف ہے۔

- کسی چیز کی اس کے نمبر کے ذریعہ بیع، ثمن کے واضح ہونے پر موقوف ہے۔

- جتنے میں فلاں نے فروخت کیا اس کے عوض بیع، حالاں کہ خریدار کو اس کا علم نہیں، مجلس میں علم پر موقوف ہے۔

- جتنے میں لوگ فروخت کرتے ہیں اس کے مثل میں بیع، ثمن کی وضاحت پر موقوف ہے۔

- جتنے میں فلاں نے لیا ہے اس کے مثل میں بیع، ثمن کی وضاحت پر موقوف ہے۔

- مالک کی طرف سے غصب شدہ چیز کی بیع غصب کرنے والے کے اقرار پر یا اس کے انکار کے بعد ثبوت پیش کرنے پر موقوف ہے۔

- دوسرے کے مال کی بیع اس کی اجازت پر موقوف ہے (اور یہ بیع فضولی ہے)۔

- اختیاری طور پر خلط کرنے یا مالکوں کے فعل کے بغیر اختلاط کی وجہ سے مشترک چیز میں سے شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنا، دوسرے شریک کی اجازت پر موقوف ہے۔

- مرض الموت میں گرفتار شخص کا اپنے مال میں سے کسی معین چیز کو اپنے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کرنا باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے، گو کہ قیمت کے مثل میں ہو، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

- وارث کی طرف سے قرض پر حاوی ترکہ کی بیع قرض خواہوں

---

(۱) تہذیب الفروق والقواعد السنیہ ۳/ ۲۴۱ دار المعرفہ، المجموع ۹/ ۱۵۵، ۲۵۸ طبع مطبعۃ التضامن الاخوی، المغنی مع الشرح الکبیر ۴/ ۲۷۴، الانصاف ۴/ ۲۶۷، ۲۸۳ طبع دار احیاء التراث العربی۔

(۲) البحر الرائق ۶/ ۷۵۔

کی اجازت پر موقوف ہے۔

-دو وکیلوں یا دو وصی یا دو نگرانوں میں سے ایک کا دوسرے کی موجودگی میں فروخت کرنا دوسرے کی اجازت پر موقوف ہے (اگر دونوں کے اکٹھا تصرف کرنے کی شرط لگائی گئی ہو)۔

-معتوہ (کم عقل) کی بیع موقوف ہے [1]۔

بیع موقوف کا حکم:

۵ - بیع موقوف کا حکم یہ ہے کہ حسب ذیل شرائط کے ساتھ وہ اجازت کو قبول کرتی ہے:

الف ۔فروخت کرنے والے کا باحیات ہونا، اس لئے کہ اجازت کی وجہ سے اس پر عقد کے حقوق لازم ہوں گے، اور حقوق زندہ ہی پر لازم ہوتے ہیں۔

ب ۔خریدار کا باحیات ہونا، تاکہ اس پر ثمن لازم ہو، اور موت کے بعد اس پر لازم نہ ہوگا جب تک کہ اہلیت کی حالت میں اس پر لازم نہ رہا ہو۔

ج ۔ فروخت شدہ چیز کا وجود، اس لئے کہ اس میں ملکیت منتقل نہیں ہوئی، ملکیت تو اجازت کے بعد ہی منتقل ہوگی ۔ اور ہلاکت کے بعد منتقل ہونا ممکن نہیں ہے۔

فروخت شدہ چیز کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ دوسری چیز شمار ہونے لگے، لہذا اگر دوسرے کا کپڑا اس کے حکم کے بغیر فروخت کردیا، اور خریدار نے اس کو رنگ دیا اور مالک نے بیع کی اجازت دے دی تو جائز ہے، اور اگر اس نے اس کو کاٹ کر سل دیا، پھر بیع کی اجازت دی تو نا جائز ہے، اس لئے کہ اب وہ دوسری چیز بن گئی۔

د ۔ فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں ثمن کا وجود، اگر وہ کوئی ''عین'' ہو، مثلاً سامان تجارت ۔ اور اگر ثمن دین ہو، مثلاً دراہم ودنانیر اور پیسے تو ثمن کا فروخت کرنے والے کے قبضہ میں موجود ہونا شرط نہیں ہے۔

ھ۔ مالک کا موجود ہونا، اس لئے کہ اجازت اسی کی طرف سے ہوگی، حتی کہ اگر مالک بیع کی اجازت دینے سے قبل مرجائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے بیع جائز نہ ہوگی، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

مالکیہ کی رائے ہے کہ بیع موقوف کی اجازت کا حق وارث کی طرف منتقل ہوجاتا ہے [1]۔

اس کے علاوہ جن چیزوں میں اجازت کا ثبوت ہے، اور ان سے متعلقہ بقیہ مسائل کی تفصیل کے لئے دیکھئے ''اجازت''۔

اگر بیع موقوف کی اجازت دے دی جائے تو اس کے اثرات عقد کے وقت سے جاری ہوتے ہیں جیسا کہ آئے گا۔

بیع موقوف کا اثر:

۶ -''بیع نافذ'' فی الحال حکم کا فائدہ دیتی ہے، یعنی ثمن پر فروخت کرنے والے کی ملکیت اور فروخت شدہ چیز پر خریدار کی ملکیت اور فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے ہر ایک کا اپنے قبضہ والی چیز میں کسی اور چیز کی ضرورت کے بغیر تصرف ثابت ہوتا ہے، خواہ عقد

---

(۱) البحر الرائق ۳/ ۷۵، ۷۶، نیز دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۱۳۹ طبع بولاق، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۳/ ۶۳، حاشیہ ابو سعود علی شرح الکنز از ملا مسکین ۲/ ۵۶۵، درر الحکام فی شرح غرر الأحکام ۲/ ۱۷۶، ۱۷۷ طبع مطبعۃ احمد کامل ۱۳۳۰ھ، الفتاوی الخانیہ بہامش الہندیہ ۲/ ۱۷۴ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۱، ۱۲ طبع الحلبی، الخرشی ۵/ ۱۷، ۱۸، الأشباہ والنظائر للسیوطی رص ۲۸۵، ۲۸۶ طبع دار الکتب العلمیہ۔

(۱) درر الحکام فی شرح غرر الأحکام ۲/ ۱۷۷ طبع مطبعۃ احمد کامل، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۹۱، طبع دار احیاء التراث العربی، بدائع الصنائع ۵/ ۱۵۱، ۱۵۲، الخرشی ۵/ ۱۷۔

میں ذکر ہو کہ فروخت کرنے والا ثمن کا اور خریدار فروخت شدہ چیز کا مالک ہوجائے گا یا ذکر نہ ہو، اس لئے کہ موجب (سبب) کے وجود کے بعد تقاضہ اور نتیجہ کی صراحت کرنا شرط نہیں ہے (۱)۔

بیع کے نفاذ کے لئے شرط ہے کہ فروخت کرنے والا فروخت شدہ چیز کا مالک ہو یا اس چیز کے مالک کا وکیل ہو یا اس چیز کے وصی کا وکیل ہو، اور یہ کہ فروخت شدہ چیز میں دوسرے کا حق نہ ہو۔

اگر ان میں کوئی شرط مفقود ہوگی تو بیع موقوف ہوگی، اور صاحب معاملہ کی اجازت کے وقت ہی حکم کا فائدہ دے گی، اگر وہ اجازت دے تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوگی (۲)۔

لہذا مالک کی طرف سے اجازت کے صادر ہونے سے قبل بیع موقوف کا اثر ظاہر نہ ہوگا، بلکہ اس کے اثر کا ظہور اجازت پر موقوف ہوگا، مثلاً بیع فضولی ابتداءً نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ ملکیت اور ولایت نہیں ہے، ہاں مالک کی اجازت پر موقوف ہوکر منعقد ہوتی ہے۔ اگر وہ اجازت دے تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوگی (۳)۔

(دیکھئے: ''بیع فضولی'')۔

اسی طرح اگر رہن دینے والا مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو فروخت کردے تو حنفیہ کے یہاں اصح روایت میں بیع موقوف ہوگی، کیونکہ اس سے مرتہن کا حق متعلق ہے، لہذا اس کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر مرتہن اجازت دے یا رہن دینے والا اس کا دین ادا کردے تو نافذ ہوگی، اور اگر مرتہن کی اجازت سے بیع نافذ ہوجائے تو اس کا حق اس کے بدل کی طرف منتقل ہوجاتا ہے (۴)۔

(۱) فتح القدیر ۶/۱۹۱ طبع دار احیاء التراث العربی، جامع الفصولین ۱/۲۳۱ طبع بولاق ۱۳۰۰ھ۔
(۲) الفتاوی الہندیہ ۳/۱۱۴۔
(۳) الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۹۶ طبع المطبعۃ الخیریہ ۱۳۲۲ھ۔
(۴) الکفایۃ شرح الہدایہ ۶/۱۹۱ طبع دار احیاء التراث العربی۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: ''رہن''۔

اس بات کی طرف اشارہ کردینا مناسب ہے کہ بیع موقوف کا نفاذ اور اس کے اثر کا ظہور ہمیشہ عقد کرنے والا کے علاوہ شخص پر موقوف نہیں ہوتا ہے، ہاں اغلب یہی ہے، لیکن بسا اوقات اس کا نفاذ کسی شخص کی اجازت پر موقوف نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی ایسی حالت کے زوال پر موقوف ہوتا ہے جو عدم نفاذ کا سبب ہے، مثلاً اسلام سے مرتد ہونے والے کی بیع، اس کا نفاذ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسلام کی طرف لوٹ آنے پر موقوف ہوتی ہے (۱)۔

توقف کے دوران معقود علیہ میں ہونے والے تصرفات:

۷- بیع موقوف میں توقف کے دوران معقود علیہ میں ہونے والے تصرفات میں سے بعض کا اثر، انشاء (آغاز) عقد کے وقت سے جاری ہوتا ہے، جبکہ بعض کا اثر اجازت کے وقت سے شروع ہوتا ہے، لہذا اجازت بسا اوقات انشاء ہوتی ہے، اور بسا اوقات اظہار۔

ذیل میں ان دو انواع کے تصرفات کی مثالیں ہیں:

اول: وہ تصرفات جن کا اثر انشاء عقد کے وقت سے جاری ہوتا ہے:

الف۔ اگر فضولی کی طرف سے ہونے والی دوسرے کے مال کی بیع کی اجازت دے دی جائے، تو اس کا حکم عقد کے آغاز کے وقت سے نافذ مانا جاتا ہے، لہذا فروخت شدہ چیز خریدار کی ملکیت ہوجاتی ہے، اور ثمن مالک کی ملکیت ہوجاتی ہے جو فضولی کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اس لئے کہ بعد میں ملنے والی اجازت سابق وکالت کے درجہ میں ہے۔ اگر ثمن فضولی کے ہاتھ میں اجازت سے قبل ہلاک

(۱) الفتاوی الخانیہ بہامش الہندیہ ۲/۱۸۵۔

ہوجائے، پھر عقد کی اجازت دے دی جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا جیسا کہ وکیل کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر فروخت کرنے والا فضولی ثمن میں کمی کردے، پھر مالک بیع کی اجازت دے دے تو بیع اور کمی دونوں ثابت ہوں گی، خواہ فروخت کرنے والے کو کم کرنے کا علم ہو یا نہ ہو، البتہ اگر اس کو کم کرنے کا علم اجازت کے بعد ہوا ہو تو اس کے لئے خیار ثابت ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضولی اجازت کی وجہ سے وکیل کی طرح ہوجاتا ہے۔ اگر وکیل ثمن میں کمی کردے تو مؤکل خریدار سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا، تو یہاں بھی یہی ہوگا[1]۔

ب۔ اگر مالک بیع موقوف کی اجازت دے دے تو فروخت شدہ چیز پر ملکیت خریدار کے لئے خریداری کے وقت سے ثابت ہوگی، اور نتیجتاً اس کے لئے ہر اس افزائش یا زیادتی میں حق ثابت ہوگا جو فروخت شدہ چیز میں اجازت سے قبل پیدا ہو، مثلاً آمدنی، اولاد اور تاوان وغیرہ[2]۔

دوم: وہ تصرفات جن کا حکم اجازت ملنے کے وقت کے ساتھ محدود ہوتا ہے:

الف۔ فضولی سے خریدنے والے کے لئے اجازت ملنے سے قبل فروخت شدہ چیز میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس نے اس پر قبضہ کرلیا ہو یا نہ کیا ہو[3]، اگر فضولی سے خریدنے والے نے فروخت شدہ چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کردی، پھر مالک نے بیع فضولی کی اجازت دے دی تو فضولی سے خریدنے والے کی بیع نافذ نہ ہوگی، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں[1]، اس لئے کہ فضولی سے خریدنے والا اجازت کے بعد ہی اپنی خریدی ہوئی چیز کا مالک ہوگا، لہذا اس کی بیع اپنی غیر مملوک چیز پر ہوئی۔

ب۔ اگر فضولی دوسرے کی مملوک چیز فروخت کردے تو اس فروخت شدہ چیز میں شفعہ کا مطالبہ اجازت کے وقت ہوگا[2]۔

(۱) درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۳۳۳، ۳۴۰۔
(۲) درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۳۴۸، ۳۴۱، منحۃ الخالق بہامش البحر الرائق ۵/ ۲۸۱۔
(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸، الخرشی ۵/ ۱۸۔

(۱) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام ۲/ ۲۵۶، الفتاوی الخانیہ بہامش الہندیہ ۲/ ۱۷۷۔
(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ۳/ ۸۶، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۳۰۰۔

بیع وشرط

اس کی ماہیت ومشروعیت:

۱ - اسلامی شریعت میں بہت سے شرعی نصوص وارد ہیں جو عقود کے اثرات کو متعین کرتے ہیں، اور اس کے بارے میں کچھ اور نصوص وارد ہیں، جن میں سے بعض عام ہیں اور بعض خاص ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ عقود کے نتائج میں اضافہ یا کمی کے ذریعہ تبدیلی پیدا کرنے کے سلسلے میں فریقین کا حق کہاں تک ہے، اور یہ تبدیلی ان شروط کے ذریعہ ہوتی ہے جو فریقین اپنے عقد میں لگاتے ہیں۔

قرآن کریم میں فرمان باری ہے: "یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[1] (اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو)، نیز فرمایا: "لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ"[2] (ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ، ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو)۔

سنت نبوی میں یہ حدیث وارد ہے: "... المسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا" (... مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کرے)۔ ایک روایت میں ہے: "عند شروطهم"[3] (اپنی شرطوں کے پاس ہیں)۔ اور ایک حدیث ہے: "مقاطع الحقوق عند الشروط"[1] (حق کا پورا کرنا اسی وقت ہوگا جب شرط پوری کی جائے)۔ اور حدیث ہے: "ما كان من شرط ليس في كتاب الله، فهو باطل"[2] (جو شرط اللہ کی کتاب میں نہیں وہ لغو ہے)۔ یعنی ایسی شرط جو اللہ تعالی نے اپنی جو شریعت جاری کی ہے اور اس میں جو فرض واجب کیا ہے، اس میں یہ نہ ہو۔ اور حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث اپنے والد اور اپنے دادا کے واسطے سے نبی ﷺ سے مروی ہے: "نهى عن بيع و شرط"[3] (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا)۔

یہ نصوص (مجموعی حیثیت سے) اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ متعاقدین کے لئے کچھ مباح شرائط ہیں جن کو وہ حسب منشا اپنے عقود میں پابندی کرنے کے لئے اختیار کر سکتے ہیں، اور کچھ شرائط ممنوع ہیں، جن کو متعاقدین میں سے کوئی بھی مشروط نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ مقصود کے برعکس یا شریعت کے عام قواعد کے خلاف یا مقصد شریعت سے متصادم ہیں۔

---

(۱) سورۂ مائدہ/۱۔

(۲) سورۂ نساء/۲۹۔

(۳) حدیث: "المسلمون علی شروطهم، إلا شرطا حرم حلال......" اور ایک روایت میں "عند شروطهم" ہے کی روایت ترمذی (۳/۶۲۵

= طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے یہ حدیث اپنے طرق کے ساتھ صحیح ہے (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳/۲۳ طبع شرکۃ الطباعۃ الفنیہ)۔

(۱) حدیث: "مقاطع الحقوق عند الشروط......" یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے بخاری نے اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے (فتح الباری ۹/۲۱۷ طبع السلفیہ) اور سعید بن منصور نے اس کو اپنی سنن (۳/۶۶۲) میں موصولاً روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے (تغلیق التعلیق لابن حجر ۴/۴۱۹ طبع المکتب الإسلامی)۔

(۲) حدیث: "ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۲۶ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيع و شرط......" کی روایت طبرانی نے الأوسط میں کی ہے زیلعی نے ابن قطان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے (نصب الرایہ ۴/۱۸ طبع المجلس العلمی)، نیز دیکھئے: العنایہ ۶/۷۸، بدائع الصنائع ۵/۱۷۵، فتح القدیر ۶/۷۶، شرح المحلی علی المنہاج ۲/۱۷۷۔

ذیل میں بیع مع شرط کے بارے میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل ہے، ہر مذہب کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا جائے گا، کیونکہ اس سلسلے میں ان میں سخت اختلاف ہے:

اول: مذہب حنفیہ:

۲- حنفیہ نے **ممنوع** شرط کے لئے جو عقد کو فاسد کردیتی ہے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے: ہر ایسی شرط جس کا عقد متقاضی نہیں اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہے، اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے یا اجنبی کے لئے یا فروخت شدہ چیز کے لئے جو اہل استحقاق میں سے ہو، نفع ہو اور اس کا عرف ورواج نہ ہو، اور شریعت میں اس کا جواز وارد نہ ہو[1]۔

۳- اگر شرط ایسی ہو جس کا عقد متقاضی ہے، یعنی وہ عقد کی وجہ سے بلاشرط واجب ہوتی ہے تو وہ شرط صحیح ہوگی، وہ فساد بیع کا سبب نہیں ہوگی[2]۔ مثلاً اس شرط پر خریدا کہ وہ فروخت شدہ چیز کا مالک ہوجائے گا، یا اس شرط پر بیچا کہ وہ ثمن کا مالک ہوجائے گا، یا اس شرط پر بیچا کہ ثمن مکمل وصول کرنے کے لئے فروخت شدہ چیز کو روک لے گا یا اس شرط پر خریدا کہ فروخت شدہ چیز اس کے سپرد کردے گا، یا اس شرط پر جانور خریدا کہ اس پر سوار ہوگا، یا کپڑا پہننے کی شرط پر خریدا، یا بالی میں موجود گیہوں کو اس شرط پر خریدا کہ فروخت کرنے والا اس کو کاٹے گا، اور اس طرح کی دوسری شرطیں تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ بیع مذکورہ چیزوں کی شرط کے بغیر متقاضی ہے، لہذا ان کو شرط کے طور پر ذکر کرنا عقد کے تقاضے کی توثیق کے لئے ہے، ان کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوگا[3]۔

(۱) ردالمحتار ۴/ ۱۲۱، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۹، الہدایہ مع الشروح ۶/ ۷۷، تبیین الحقائق ۴/ ۵۷۔

(۲) ردالمحتار ۴/ ۱۲۱ بحوالہ البحر الرائق، نیز دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/ ۷۷۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۱، نیز ان میں سے بعض مثالوں کے لئے دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/ ۷۷، تبیین الحقائق ۴/ ۵۷، الدر المختار ۴/ ۱۲۲۔

۴- اسی طرح اگر شرط، عقد کے مناسب ہو، مثلاً اس کے تقاضے کی توثیق کرے تو عقد کو فاسد نہ کرے گی، گو کہ عقد اس کا متقاضی نہ ہو، اس لئے کہ وہ معنوی حیثیت سے اس کے حکم کو ثابت اور پختہ کرتی ہے، لہذا یہ اس شرط کے ساتھ **لاحق** ہوجائے گی جو عقد کے تقاضوں میں سے ہے، مثلاً اشارہ یا تسمیہ (نام لینے) کے ذریعہ **معلوم** رہن کی شرط، کفالت سے قبل حاضر کفیل کی شرط یا کفیل غائب تھا پھر آ گیا اور علاحدگی سے قبل اس کو قبول کرلیا[1]۔

حوالہ کی شرط لگانا کفالہ کی طرح ہے، لہذا اگر اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار فروخت کرنے والے کو ثمن کے حصول کے لئے دوسرے پر **محول** کرے گا، تو انہوں نے کہا کہ قیاساً فاسد ہے، اور استحساناً جائز ہے[2]۔

لیکن کاسانی نے حوالہ کی شرط کو مفسد قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس کا عقد متقاضی نہیں، اور نہ ہی وہ اس کے موجب کو ثابت کرتی ہے، کیونکہ حوالہ ثمن سے بری کرنا اور اس کو ساقط کرنا ہے، لہذا وہ عقد کے مناسب نہیں ہے، برخلاف **کفالہ** اور رہن کے[3]۔

۵- ان کے نزدیک "نفع" کی شرط کے تحت حسب ذیل چیزیں آتی ہیں:

الف۔ متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے منفعت کی شرط ہو، مثلاً اگر اس شرط پر گھر بیچے کہ فروخت کرنے والا اس میں ایک ماہ رہے گا، پھر اسے اس کو سپرد کرے گا یا زمین اس شرط پر بیچے کہ فروخت کرنے والا اس میں ایک سال کھیتی کرے گا یا جانور ایک ماہ سواری کی شرط پر یا کپڑا ایک ہفتہ استعمال کرنے کی شرط پر، یا اس شرط پر کہ

(۱) ردالمحتار ۴/ ۱۲۱، ۱۲۲، بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۱، ۱۷۲، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ۴/ ۵۷۔

(۲) ردالمحتار ۴/ ۱۲۲، ۱۲۳۔

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۲۔

خریدار اس کو قرض دے گا یا اس کو کوئی ہبہ کرے گا یا اپنی بیٹی سے اس کی شادی کردے گا یا اس کے ہاتھ فلاں سامان فروخت کرے گا وغیرہ یا کپڑا فروخت کیا اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو قمیص سلے گا یا گیہوں اس کو پیسنے کی شرط پر یا پھل اس کو توڑنے کی شرط پر یا ایسی چیز فروخت کی جس میں بار برداری اور خرچہ ہے، اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو خریدار کے گھر تک اٹھا کر لے جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے، اس لئے کہ بیع میں مشروط منفعت کا اضافہ سود ہوگا، کیونکہ یہ ایسا اضافہ ہے جس کے بالمقابل عقد بیع میں کوئی عوض نہیں ہے، اور سود کی تشریح یہی ہے۔ اور وہ بیع جس میں سود ہو وہ فاسد ہے یا اس میں سود کا شبہ ہو تو وہ حقیقت سود کی طرح بیع کو فاسد کرنے والا ہے [1]۔

ب۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ منفعت اجنبی کے لئے ہو، جیسے خالی زمین اس شرط پر فروخت کی کہ اس میں مسجد تعمیر کرے گا یا کھانا اس شرط پر کہ اس کو صدقہ کردے گا تو یہ فاسد ہے، گو کہ مذہب حنفیہ میں اجنبی کے لئے قرض وغیرہ کی منفعت کی شرط لگانے کے بارے میں دو قول ہیں [2]۔

ج۔ یہ اس کو بھی شامل ہے کہ معقود علیہ کے لئے منفعت ہو، جیسے باندی اس شرط پر فروخت کی کہ خریدار اس کو آزاد کرنے کی وصیت کرے گا تو بیع فاسد ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس میں فروخت شدہ چیز کے لئے منفعت ہے۔ اور یہ مفسد ہے۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب باندی کو آزاد کرنے کی شرط لگائے،

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۶۹، ۱۷۰، نیز دیکھئے: الہدایہ مع الشروح ۶/ ۷۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الدر المختار ۴/ ۱۲۱، ۱۲۲۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار ۴/ ۱۲۲۔

ظاہر الروایہ یہی ہے۔ اسی طرح اگر خریدار پر شرط لگائے کہ اس کو فروخت نہیں کرے گا یا اس کو ہبہ نہیں کرے گا، کیونکہ مملوک کے لئے مختلف ہاتھوں میں نہ جانا اچھا لگتا ہے [1]۔ اور حسن نے امام ابوحنیفہ سے خریدار پر آزاد کرنے کی شرط لگانے کا جواز نقل کیا ہے۔

جس شرط میں کسی کا نفع نہ ہو وہ شرط مذکور کے تحت نہیں آتی، اور وہ سبب فساد نہیں ہے، مثلاً کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو فروخت نہ کرے یا اس کو ہبہ نہ کرے یا جانور اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو فروخت نہ کرے یا کھانا اس شرط پر فروخت کیا کہ اس کو کھائے گا، فروخت نہیں کرے گا تو اس شرط میں کسی کا نفع نہیں ہے، لہذا یہ ''صحیح'' قول میں سبب فساد نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کی شروط میں فساد (جیسا کہ کاسانی کہتے ہیں) کا سبب ان میں مشروط منفعت کی زیادتی کی وجہ سے جس کا کوئی عوض نہیں ہے ربا ہونا ہے، اور یہ چیز اس شرط میں نہیں پائی گئی، اس لئے کہ اس میں کسی کے لئے منفعت نہیں ہے، اور نہ ہی اس شرط کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہے، لہذا اس کے نتیجہ میں ربا یا نزاع نہ ہوگا، اس لئے عقد جائز ہے اور شرط باطل ہے [2]۔

۲ - جس شرط میں عاقدین میں سے کسی کا ضرر ہو مثلاً کپڑا اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اس کو پھاڑ دے گا یا گھر اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اس کو ویران کردے گا، تو بیع جائز اور شرط باطل ہے، اس لئے کہ ضرر کی شرط بیع میں اثر انداز نہیں ہوتی ہے، اور

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۰، نیز اس میں امام ابوحنیفہ سے حسن کی مذکورہ روایت کی توجیہ دیکھی جائے۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۰، العنایہ شرح الہدایہ ۶/ ۷۸، رد المحتار (۴/ ۱۲۲) میں مذکور ابن عابدین کی اس عبارت کے ساتھ موازنہ کریں: اس طرح کی شرط (عدم بیع وہبہ) کے ساتھ بیع میں ان دونوں میں سے ایک کا ضرر ہے اور طرفین کے نزدیک اس طرح کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

ابن عابدین نے نقل کیا ہے کہ یہی امام محمد کا مذہب ہے جبکہ امام ابو یوسف کا مذہب بیع کا فاسد ہونا ہے [1]۔

جس شرط میں کسی کا ضرر یا نفع نہ ہو وہ جائز ہے، مثلاً کھانے کی شرط پر کھانا خریدے یا پہننے کی شرط پر کپڑا خریدے۔

۷- حنفیہ نے منفعت کی ایسی شرط جو عقد کو فاسد کردے اس سے اس شرط کو مستثنیٰ کیا ہے جس کا عرف ورواج ہو، اور لوگوں میں بلانکیر اس کا تعامل ہو، حنفیہ نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ جوتا اس شرط پر خریدے کہ فروخت کرنے والا اس میں نعل (یا ایڑی) لگائے گا یا کھڑاؤں اس شرط پر خریدی کہ فروخت کرنے والا اس میں تسمہ لگائے گا یا بنا ہوا اون خریدا اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کی ٹوپی (یا گلوبند اور کوٹ) بنائے گا یا ٹوپی اس شرط پر خریدی کہ فروخت کرنے والا اس میں اپنے پاس سے استر لگائے گا یا خف یا پرانا کپڑا اس شرط پر خریدا کہ فروخت کرنے والا اس میں پیوند لگائے گا یا اس کو رفو کرے گا۔

یہ اور اس طرح کی شرائط حنفیہ کے نزدیک جائز شرطوں میں سے ہیں، لہذا ان کے ساتھ بیع صحیح ہے، اور استحساناً شرط لازم ہوگی، کیونکہ لوگوں میں ان کا تعامل اور رواج ہے۔

قیاس یہ ہے کہ فاسد ہو (جیسا کہ امام زفر کہتے ہیں)، اس لئے کہ عقد ان شروط کا متقاضی نہیں ہے، اور ان میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہے۔ اور وہ یہاں خریدار ہے، لیکن لوگوں میں اس کا تعامل ہے، اور اس جیسی چیز سے قیاس ترک کردیا جاتا ہے [2]۔

۸- ابن عابدین رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ نئے عرف کا اعتبار ہے، لہذا اگر رفو کی شرط پر کپڑے کی بیع اور جوتا بنانے کی شرط پر چپل کی بیع میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور عرف پیدا ہو جائے تو وہ معتبر

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۰، رد المحتار ۴/ ۱۲۲ بحوالہ الجوہرہ۔

(۲) سابقہ مراجع۔

ہوگا، اگر اس کے نتیجہ میں نزاع پیدا نہ ہو۔

ابن عابدین نے "المنح" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس حالت میں عرف کا اعتبار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس حدیث کی خلاف ورزی ہے جس کے الفاظ ہیں: "نهى النبي ﷺ عن بيع وشرط" (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے)، کیونکہ حدیث کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ایسی نزاع ہو جو عقد کو اپنے مقصود یعنی قطع نزاع سے نکال دے، عرف اس نزاع کو ختم کرتا ہے، لہذا وہ حدیث کے معنی کے موافق ہے۔ اس لئے قیاس کے علاوہ کوئی اور مانع باقی نہ رہا، اور عرف قیاس پر غالب ہے [1]۔

۹- عقد کے تقاضے کی مخالفت کی شرط سے وہ شرط بھی مستثنیٰ ہے جو شریعت میں وارد ہو، مثلاً ثمن کی ادائیگی میں "مدت" کی شرط، کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، ہاں یہ شرط ہوگی کہ وہ مدت معلوم ہو، تاکہ جھگڑے کا سبب نہ ہو [2]۔ اسی طرح بیع میں خیار کی شرط، کہ اس کا ثبوت حضرت حبان بن منقذ کی اس معروف حدیث میں ہے: "إذا بايعت فقل لا خلابة"، [3] (جب تم بیع کرو تو کہو: فریب کا کام نہیں)، پھر تم کو ہر خریدے ہوئے سامان میں تین دنوں تک اختیار ہے، اگر پسند ہو تو روک لو اور اگر ناپسند ہو تو واپس کردو۔

حنفیہ نے بتیس ایسے مقامات شمار کرائے ہیں جن میں شرط کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی ہے [4]۔

۱۰- کیا شرط فاسد کا عقد کے ساتھ متصل ہونا شرط ہے؟ عقد کے بعد

(۱) رد المحتار ۴/ ۱۲۳۔

(۲) الدر المختار ۴/ ۲۲۔

(۳) حدیث: "إذا بايعت فقل لا خلابة....." کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیہقی (۵/ ۲۷۳ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد) نے کی ہے اس کی اصل بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۳۷ طبع السلفیہ) میں ہے۔

(۴) تبیین الحقائق ۴/ ۵۷، الدر المختار ۴/ ۱۲۱، رد المحتار ۴/ ۶۲۔

شرط کی صراحت کا حکم کیا ہے؟ اور اس پر عقد کے مبنی ہونے کا حکم کیا ہے؟

الف۔ رہا مجلس سے علاحدگی کے بعد عقد کے ساتھ شرط کا متصل ہونا تو اس کے بارے میں مذہب میں دو تصحیح شدہ روایتیں ہیں: ایک امام ابوحنیفہ سے ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، دوسری صاحبین سے ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی، اور یہی اصح ہے۔

اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر مطلقاً فروخت کرے، پھر ثمن کو ادھار رکھے تو ادھار رکھنا صحیح ہے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے۔ اور اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر ان دونوں نے بلا شرط بیع کی، پھر دونوں نے وعدہ کے طور پر شرط کا ذکر کیا تو بیع جائز ہے۔ اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے، اس لئے کہ وعدے بسا اوقات لازم ہوتے ہیں، لہذا اس کو لوگوں کی حاجت کی وجہ سے لازم کردیا جائے گا، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر وہ دونوں شرط وفاء کے تذکرہ کے بغیر بیع کریں، پھر اس کی شرط لگائیں تو یہ ''بیع الوفاء'' کے قبیل سے ہوگی۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والی شرط اصل عقد کے ساتھ مل جاتی ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ اس کے لاحق ہونے کے لئے مجلس عقد کی شرط نہیں ہے۔

ب۔ رہا عقد کا شرط فاسد پر مبنی ہونا، مثلاً ان دونوں نے عقد سے قبل شرط فاسد لگائی، پھر عقد کیا تو ابن عابدین نے ''جامع الفصولین'' کے حوالہ سے عقد کا فاسد نہ ہونا نقل کیا ہے، تاہم ابن عابدین کی تحقیق یہ ہے کہ فساد مرتب ہوگا اگر وہ دونوں عقد کی بنا اس شرط فاسد پر رکھنے سے اتفاق کرلیں۔ اس کی وجہ مذاقاً کی جانے والی بیع کے بارے میں ان کی تصریحات کا تقاضا یہی ہے۔

نیز (کتب مذہب کے حوالہ سے) رملی کے اس فتوے پر قیاس ہے کہ اگر دو شخص عقد سے قبل ''بیع الوفاء'' پر اتفاق کرلیں، پھر شرط سے خالی عقد کریں تو یہ بیع ان کے اتفاق کے موافق ہوگی[1]۔

دوم: مذہب مالکیہ:

۱۱ – مالکیہ نے بیع کے وقت متصور شرط کی تفصیل کرتے ہوئے کہا: یا تو عقد اس شرط کا متقاضی نہ ہوگا، اور وہ مقصود عقد کے منافی ہوگی یا وہ شرط ثمن میں خلل انداز ہوگی۔

اور یا تو عقد اس کا متقاضی ہوگا یا عقد اس کا متقاضی نہ ہوگا اور نہ وہ عقد کے منافی ہوگی۔

پس جو شرط عقد کو ضرر پہنچائے اور اس کو باطل کردے، وہ ایسی شرط ہے جس میں بیع کے مقصود سے تضاد یا ثمن میں خلل اندازی ہو، مالکیہ کے نزدیک یہی شرط اس حدیث کا محمل ہے جس میں یہ آیا ہے: ''نهي النبي ﷺ عن بيع و شرط'' (نبی کریم ﷺ نے ایک ساتھ بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے)، نہ کہ اخیر کی دو قسمیں[2]۔

اول کی مثال یعنی جس کا عقد متقاضی نہیں ہے، اور وہ مقصود عقد کے منافی ہے، اور جس کے بارے میں ابن جزی نے کہا: ایسی شرط جو خریدار پر پابندی کی متقاضی ہے، یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار پر یہ شرط لگائے کہ وہ سامان کسی کو بھی فروخت نہیں کرے گا یا صرف چند افراد کے ہاتھ فروخت کرے گا یا اس کو ہبہ نہیں کرے گا یا اس پر سوار نہ ہوگا یا اس کو نہیں پہنے گا یا اس میں رہائش اختیار نہیں کرے گا یا اس کو اجرت پر نہیں دے گا یا اس شرط پر کہ اگر اس کو کسی کے ہاتھ بھی

(۱) رد المحتار ۴/ ۱۳۱ التصرف کے ساتھ۔
(۲) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۶۵، شرح الخرشی ۵/ ۸۰۔

فروخت کیا تو وہی ثمن کا زیادہ حق دار ہوگا یا لمبی مدت تک خیار کی شرط لگائے۔

ان تمام حالات میں شرط اور بیع دونوں باطل ہیں [۱]۔

۱۲ - مالکیہ نے مقتضائے عقد کے منافی شرط سے بعض صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے:

اول: فروخت کرنے والے نے خریدار سے اقالہ (رد) کرنے کا مطالبہ کیا تو خریدار نے اس سے کہا: اس شرط پر کہ اگر تم اس کو میرے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کروگے تو میں ثمن کے عوض اس کا زیادہ حق دار ہوں گا تو یہ صورت کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرنے سے مستثنیٰ ہے، اور ان کے نزدیک اس کے باوجود وہ جائز ہے، اس لئے کہ اقالہ میں ایسی چیزوں کو درگزر کردیا جاتا ہے جو اقالہ کے علاوہ میں قابل معافی نہیں ہیں [۲]۔

دوم: فروخت کرنے والا خریدار پر شرط لگائے کہ وہ فروخت شدہ چیز کو وقف کرے گا یا اس کو ہبہ کرے گا یا اس کو فقراء پر صدقہ کرے گا تو یہ سب جائز ہیں، اس لئے کہ یہ احسان کی انواع ہیں جس کی شریعت دعوت دیتی ہے۔

سوم: باندی کو فوری طور پر آزاد کرنے کی شرط پر فروخت کرے تو یہ جائز ہے، گو کہ یہ شرط عقد کے تقاضے کے منافی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے آزادی کو پسند کیا ہے۔ برخلاف "مدبر"، "مکاتب" اور باندی کو ام ولد بنانے کی شرط کے، کہ یہ ناجائز ہے، کیونکہ اس میں خریدار پر تنگی کرنا ہے۔

۱۳ - رہی دوسری شرط یعنی ثمن میں خلل انداز ہونا تو اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) القوانین الفقہیہ ر ۱۷۱، الشرح الکبیر وحاشیۃ الدردیر ۳ر ۶۶، شرح الخرشی ۵ر ۸۰۔

(۲) الشرح الکبیر ۳ر ۶۶۔

اول: ثمن میں جہالت، اس کی مثال سلف یعنی ان میں سے ایک کی طرف سے دوسرے کے لئے قرض کی شرط کے ساتھ بیع ہے۔

اگر قرض کی شرط خریدار کی طرف سے صادر ہو تو یہ ثمن میں خلل انداز ہوگی، کیونکہ اس کے نتیجہ میں ثمن زیادتی کی وجہ سے مجہول ہوجائے گا، اس لئے کہ قرض سے اس کا فائدہ اٹھانا منجملہ ثمن کے ہوگا، اور یہ مجہول ہے۔ اور اگر قرض کی شرط فروخت کرنے والے کی طرف سے صادر ہو تو ثمن میں خلل انداز ہوگی، اس لئے اس کے نتیجہ میں کمی کے سبب ثمن میں جہالت آئے گی، اس لئے کہ قرض سے اس کا فائدہ اٹھانا منجملہ فروخت شدہ چیز کے ہوگا۔ اور یہ مجہول ہے [۱]۔

دوم: شبہ ربا، اس لئے کہ قرض کی شرط پر بیع کو نفع لانے والا قرض مانا جاتا ہے:

چنانچہ اگر خریدار قرض لینے والا ہو تو اس کو قرض دینے والا فروخت کرنے والا ہوگا، اور فروخت کرنے والا ثمن کی زیادتی سے فائدہ اٹھائے گا۔

اگر فروخت کرنے والا قرض لینے والا ہو تو اس کو قرض دینے والا خریدار ہوگا، اور خریدار ثمن میں کمی سے فائدہ اٹھائے گا [۲]۔

اس سلسلے میں ابن جزی نے صراحت کی ہے کہ خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک کی طرف سے قرض کی شرط لگانا بالاجماع ناجائز ہے [۳]۔

۱۴ - رہی تیسری شرط یعنی عقد جس کا متقاضی ہے، تو یہ فروخت شدہ چیز خریدار کے سپرد کرنے اور عیب کی تلافی اور بیع ٹوٹنے کے وقت

(۱) الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳ر ۶۶ تصرف کے ساتھ، نیز دیکھئے: شرح الخرشی ۵ر ۸۱۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیہ الدسوقی ۳ر ۶۷۔

(۳) القوانین الفقہیہ ر ۱۷۲۔

عوض کولوٹا نے کی شرط کی طرح ہے۔ یہ امور بلاشرط لازم ہیں، کیونکہ عقد ان کا متقاضی ہے، لہذا ان کی شرط لگانا تاکید ہے، جیسا کہ دسوقی کہتے ہیں [۱]۔

۱۵ - رہی چوتھی شرط تو وہ معین مدت، رہن، خیار اور حمیل (یعنی کفیل) کی شرط کی طرح ہے۔ تو یہ شروط عقد کے منافی نہیں ہیں، اور عقد ان کا متقاضی بھی نہیں ہے، بلکہ یہ عقد کی مصلحت پوری کرتے ہیں۔ اگر ان کی شرط لگائی گئی تو ان پر عمل ہوگا ورنہ نہیں۔

مالکیہ نے رہن کو کہ وہ غائب ہی کیوں نہ ہو کی شرط لگانے کو صحیح قرار دیا، اور رہن غائب پر قبضہ تک سامان کو موقوف رکھا جائے گا۔ رہا کفیل غائب کی شرط لگانا تو جائز ہے، اگر اس کی غیبوبت قریبی ہو، اور ناجائز ہے اگر اس کی غیبوبت بعید ہو، اس لئے کہ بسا اوقات وہ راضی ہوگا، اور ہوسکتا ہے انکار کرے، لہذا اس میں قرب کی شرط لگائی گئی۔

۱۶ - ابن جزی نے شرط کی کچھ اور صورتوں کو ذکر کیا ہے جن کو استثناء یا خاص حکم والی مانا جاتا ہے مثلاً یہ صورت کہ فروخت کرنے والا اپنے لئے منفعت کی شرط لگائے مثلاً معلوم مدت تک جانور پر سواری یا گھر میں رہائش، تو یہ بیع جائز اور شرط صحیح ہے [۲]۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ سابقہ چاروں تقسیم سے استثناء کی طرح ہے [۳]۔ اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی معروف حدیث ہے: "أنه كان يسير على جمل له، قد أعيا فأراد أن يسيبه، قال: ولحقني النبي ﷺ فدعا لي، وضربه، فسار سيرا لم يسر مثله، فقال: بعنيه، فقلت: لا. ثم قال: بعنيه، فبعته، واستثنيت حملانه إلى أهلي" (وہ اپنے ایک اونٹ پر جارہے تھے جو تھک گیا تھا، انہوں نے اس کو آزاد کردینا چاہا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مجھ سے آکر ملے، میرے لئے دعاء کی، اور اونٹ کو مارا، پھر وہ ایسا چلا کہ اس طرح سے کبھی نہیں چلا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ میں نے کہا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے کہا: میرے ہاتھ اس کو بیچ دو۔ میں نے اس کو بیچ دیا، اور اپنے گھر تک سواری کا استثناء کرلیا)۔ ایک روایت میں ہے: "وشرطت ظهره إلى المدينة" [۱] (میں نے مدینہ تک اس کی سواری کی شرط لگالی)۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط بہت سے حضرات کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ شوکانی نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کے استثناء کرنے کے ساتھ بیع جائز ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام مالک نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ سفر کی مسافت قریبی ہو، اور اس کی تحدید انہوں نے تین دن سے کی ہے۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے، مسافت مختصر ہو یا طویل [۲]۔

یہ حدیث کو کہ فروخت شدہ چیز سے اگر وہ قابل سواری جانور ہو معمولی انتفاع کے بارے میں ہے، لیکن مالکیہ نے اس پر ہر فروخت شدہ چیز سے اس کی بیع کے بعد معمولی انتفاع کو مستقل طور پر آسانی پیدا کرنے کے لئے قیاس کیا ہے جو فروخت کرنے والوں کی ضرورت کے پیش نظر ہے۔

۱۷ - مالکیہ کے یہاں قابل ذکر یہ ہے کہ اگر وہ عقد میں خلل انداز شرط کو ساقط کردے، خواہ یہ شرط مقصود بیع کے منافی ہو مثلاً

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۶۵۔
(۲) الشرح الکبیر ۳/ ۶۷، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۵، القوانین الفقہیہ / ۱۷۲۔
(۳) دیکھئے: اسی بحث کا فقرہ/ ۱۱۔

(۱) حدیث جابرؓ: "في اشتراطه الحمل على الجمل......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/ ۳۱۴ السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۲۲۱ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔
(۲) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۸، ۱۷۹۔

فروخت شدہ چیز کے فروخت نہ کرنے کی شرط، یا ثمن میں خلل انداز شرط ہو مثلاً خرید و فروخت کرنے والوں میں سے کسی ایک کی طرف سے قرض کی شرط ہو، تو بیع صحیح ہوجائے گی۔

اس حالت میں صرف یہ شرط ہے کہ ساقط کرنا سامان کے کے باقی رہنے کے ساتھ ہو۔

قرض کی شرط کے حذف کرنے کی وجہ سے یہاں بیع کے صحیح ہونے کی توجیہ خرشی نے یہ کی ہے کہ مانع زائل ہوگیا [1]۔

۱۸- کیا قرض کی شرط کے مثل میں ساقط کرنے سے متعلق حکم ان دونوں صورتوں میں برابر ہے کہ یہ اس سے انتفاع کی قدرت سے قبل ہو یا اس کے بعد؟ اس مسئلہ میں دو اقوال ہیں:

الف- مذہب میں مشہور جو ابن القاسم کا قول ہے، یہ ہے کہ اگر قرض قرض دینے والے کو لوٹا دے، جبکہ سامان موجود ہو تو بیع صحیح ہوگی، اگر چہ قرض لینے والا قرض کے بعد اتنی مدت تک غائب ہو جس میں وہ اس سے انتفاع کرسکتا ہو۔

ب- سحنون اور ابن حبیب کا قول یہ ہے کہ قرض کے ساتھ غیبوبت سے بیع ٹوٹ جائے گی، اگر چہ وہ قرض کی شرط کو ساقط کردے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان ربا کا سبب پایا گیا ہے یا دونوں کے درمیان ربا ہوچکا ہے (جیسا کہ شیخ دردیر کی تعبیر ہے)، لہذا ساقط کرنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔

دردیر کے نزدیک معتمد پہلا قول ہے، جیسا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے، اور دسوقی کا میلان دوسرے قول کی طرف ہے، جیسا کہ ان کے کلام اور دوسرے قول کو ان کے نقل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس کے مشہور ہونے کو نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح عدوی کے کلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے [1]۔

یہاں دو سوال سامنے آتے ہیں:

۱۹- پہلا سوال: کیا لازم آئے گا اگر بیع قرض کی شرط کے ساتھ ہو جو ثمن میں مخل شرط ہے، اور سامان خریدار کے پاس بیع فاسد کو فوت کرنے والی چیز کے سبب فوت ہوجائے (مثلاً اگر ہلاک ہوجائے)، خواہ شرط لگانے والے نے اپنی شرط کو ساقط کردیا ہو یا ساقط نہ کیا ہو؟

اس کے جواب میں چند اقوال ہیں:

اول: یہی "المدونہ" میں ہے۔ یا تو قرض دینے والا خریدار ہوگا یا فروخت کرنے والا:

الف- اگر خریدار نے ہی فروخت کرنے والے کو قرض دیا ہو تو خریدار پر جس ثمن میں بیع ہوئی ہے، اور قبضہ کے دن اس کی قیمت دونوں میں سے جو زائد ہو لازم ہوگا، لہذا اگر اس نے اس کو بیس میں خریدا اور "قیمت" تیس ہو تو تیس لازم ہوں گے۔

ب- اگر فروخت کرنے والے نے خریدار کو قرض دیا ہو تو خریدار پر فروخت کرنے والے کے لئے ثمن اور قیمت دونوں میں سے جو کم ہو لازم ہوگا، چنانچہ مذکورہ مثال میں اس پر بیس لازم ہوں گے، اس لئے کہ اس نے اضافہ کے لئے قرض دیا، تو اس کے ساتھ اس کے قصد کے برعکس معاملہ کیا جائے گا۔

دوم: "المدونہ" کے قول کے بالمقابل علی الاطلاق قیمت کا لازم ہونا ہے، خواہ قرض دینے والا فروخت کرنے والا ہو یا خریدار۔

سوم: خریدار کو کم تر کی ادائیگی کا ذمہ دار بنانا، جبکہ اس نے فروخت کرنے والے سے قرض لیا ہو: اس کا محل یہ ہے کہ وہ قرض کے ساتھ غائب نہ رہا ہو ورنہ اس پر قیمت لازم ہے، خواہ جتنی ہو [2]۔

---

(۱) اس سلسلہ میں دیکھئے: القوانین الفقہیہ ر ۱۷۲، کیونکہ ابن جزی نے یہاں صراحتاً کہا: ان کا اختلاف ہے نیز دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی ۳ر ۶۷، شرح الخرشی ۵ر ۸۱۔

(۱) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳ر ۶۷ قدرے تصرف کے ساتھ، حاشیۃ العدوی علی شرح الخرشی ۵ر ۸۲۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳ر ۶۷۔

یہ سب اس صورت میں ہیں جبکہ فروخت شدہ چیز ذوات القیم میں سے ہو، اور اگر مثلی ہو تو اس میں محض مثل واجب ہے، اس لئے کہ ''مثل''، ''اس کے عین'' کی طرح ہے، لہذا اس میں کسی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وہ اس درجہ میں ہے کہ وہ قائم ہو، اور بعینہ اس کو لوٹا دیا گیا ہو(1)۔

دوسرا سوال:

۲۰- کیا لازم آئے گا اگر مقصود کے منافی شرط کے ساتھ بیع ہو جائے، اور سامان خریدار کے پاس فوت ہو جائے، خواہ اس شرط کو ساقط کر دیا گیا ہو یا نہ ساقط کیا گیا ہو؟

انہوں نے کہا: حکم یہ ہے کہ قبضہ کے دن اس کی قیمت اور ثمن میں سے جو زیادہ ہو وہی فروخت کرنے والے کے لئے ہوگا، کیونکہ شرط کی وجہ سے بیع عام ثمن سے کم میں ہوئی ہے(2)۔

سوم: مذہب شافعیہ:

۲۱- شافعیہ شارع کی طرف سے سابقہ حدیث میں ایک ساتھ بیع اور شرط سے ممانعت کے پابند ہیں اور انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر عمل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **"لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ماليس عندك"**(3) (حلال نہیں ہے ایک ساتھ قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، ایسی چیز کا نفع جو قابل ضمان نہ ہو، اور اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو)۔ اور انہوں نے صرف انہی چیزوں کو مستثنی کیا ہے جن کا استثناء شرع سے ثابت ہے، اور انہوں نے عقد کے تقاضے اور اس کے مصالح کی طرف بہت کم نظر کی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا مذہب تینوں مذاہب میں سب سے تنگ ہے۔

تاہم بعض شافعیہ نے شرط کی تقسیم کرتے ہوئے کہا:

شرط یا تو مطلق عقد کا تقاضا ہوگی مثلاً قبضہ، فائدہ اٹھانا، اور عیب کی وجہ سے رد کرنا یا نہ ہوگی۔

پہلی صورت: عقد کے لئے مضر نہیں ہے۔

دوسری صورت: جس میں شرط عقد کا تقاضا نہ ہو، وہ یا تو مصلحت عقد سے متعلق ہوگی، مثلاً رہن، گواہ بنانا، اور مقصودہ اوصاف یعنی کتابت، خیاطت، خیار(1) وغیرہ کی شرط یا وہ مصلحت عقد سے متعلق نہ ہوگی۔

پہلی شکل مفسد عقد نہیں ہوگی اور خود شرط بھی صحیح ہوگی۔

اور دوسری شکل جو مصلحت عقد سے متعلق نہ ہو یا تو اس میں نزاع بننے والی غرض نہ ہوگی جیسے یہ شرط کہ فروخت کیا گیا جانور صرف ایسی غذا کھائے گا تو یہ شرط لغو ہوگی اور عقد صحیح ہوگا اور یا اس میں نزاع بننے والی غرض ہوگی تو یہ شرط فاسد اور مفسد ہوگی جیسے وہ امور جو مقتضائے عقد کے منافی ہوں مثلاً عدم قبضہ اور عدم تصرف وغیرہ(2)۔

اس تقسیم کا خلاصہ:

(۱) ایسی شرط لگانا جس کا عقد متقاضی ہو یا عقد کی مصلحت یا اس کی صحت سے متعلق ہو، صحیح ہے۔

(۲) ایسی شرط جس کی کوئی غرض نہ ہو لغو ہے، لیکن مفسد عقد نہیں ہے۔

(۳) ایسی شرط جس میں نزاع پیدا کرنے والی غرض ہو وہ مفسد

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی حوالہ سابق۔

(۲) الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۶۷۔

(۳) حدیث: "لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع......" کی روایت ترمذی (۳/ ۵۳۵ طبع مصطفی الحلبی) نے کی ہے، ترمذی نے کہا: حسن صحیح ہے۔

---

(۱) اصل میں اسی طرح ہے اور کیا درست: ''خبازت'' ہے؟

(۲) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۴، ۷۵۔

شرط ہے اور یہ تقاضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کی طرح ہے[1]۔

۲۲- دونوں احادیث اور اس تقسیم کی تطبیق کے لئے ان کے یہاں اہم تصریحات یہ ہیں:

(۱) بیع کی شرط کے ساتھ بیع مثلاً کہے: میں نے تمہیں یہ زمین ایک ہزار میں اس شرط پر بیچ دی کہ تم اپنا گھر مجھے اتنے میں بیچ دو یا تم مجھ سے میرا گھر اتنے میں خریدو، تو یہ شرط فاسد ومفسد ہے، عقد اس کا متقاضی نہیں ہے۔

(۲) قرض کی شرط کے ساتھ بیع، مثلاً اپنی زمین دوسرے کو ایک ہزار میں اس شرط میں فروخت کرے کہ وہ اس کو ایک سو قرض دے گا۔ اور قرض ہی کے مثل اجرت پر دینا، شادی کرانا اور عاریت پر دینا ہے[2]۔

(۳) کھیتی کی خریداری اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو کاٹ دے یا کپڑے کی خریداری اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو سل دے، اور اسی میں سے (جیسا کہ عمیرہ برلسی کہتے ہیں) ایندھن کی خریداری اس شرط پر ہے کہ فروخت کرنے والا اس کو خریدار کے گھر اٹھا کر لے جائے، تو یہ اور ان جیسی شرطوں کے بارے میں مذہب خریداری کا باطل ہونا ہے، کیونکہ اس میں ایسی چیز میں عمل کی شرط ہے جس کا مالک ابھی تک وہ نہیں ہے۔ اور یہ فاسد ہے، نیز اس لئے کہ (جیسا کہ اسنوی نے کہا) یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہذا اصح قول کے مطابق بیع اور شرط دونوں باطل ہوں گی، اگرچہ ان کے یہاں اس جزئیہ میں دو اور اقوال ہیں:

اول: بیع صحیح ہوگی اور شرط لازم ہوگی، اور یہ معنوی لحاظ سے بیع اور اجارہ ہے اور مقررہ ثمن ان دونوں پر قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

دوم: شرط باطل ہوگی۔ اور فروخت شدہ چیز کے بالمقابل مقررہ ثمن میں بیع صحیح ہوگی[1]۔

۲۳- شافعیہ نے ممانعت سے چند مسائل کو مستثنی کیا ہے[2]، جن کو شرط کے باوجود صحیح کہا ہے، وہ یہ ہیں:

الف۔ معین مدت کی شرط پر بیع، اس کی دلیل فرمان باری ہے: "إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ"[3] (جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو)۔

ب۔ بیع رہن کی شرط کے ساتھ، اس میں انہوں نے متعین ہونے کی قید لگائی ہے۔

ج۔ معین کفیل کی شرط پر بیع اور کفالت فروخت شدہ چیز یا ذمہ میں ثابت ثمن میں سے کسی عوض میں ہو۔ اس کی وجہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان دونوں کی ضرورت ہے جو ان دونوں کے بغیر راضی نہیں ہوتا۔

د۔ بیع ہونے پر گواہ بنانا، اس لئے کہ اس کا حکم آیت میں ہے: "وَ اَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ"[4] (اور جب خرید وفروخت کرتے ہو (تب) گواہ کر لیا کرو)۔

ھ۔ خیار کی شرط کے ساتھ بیع، کیونکہ اس کا ثبوت حبان بن

---

(۱) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۵ تصرف کے ساتھ۔

(۲) تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج بحاشیۃ الشروانی وحاشیۃ العبادی ۴/ ۲۹۴، ۲۹۵، شرح المحلی بحاشیۃ القلیوبی وعمیرہ، حاشیۃ الجمل ۳/ ۷۴۔

---

(۱) حاشیہ عمیرہ علی شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۷، شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۷۴، ۷۵۔

(۲) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۵، ۷۶، شیخ الجمل نے اس کو شرح قسطلانی علی البخاری کے حوالہ سے صراحتاً نقل کیا ہے۔

(۳) سورۂ بقرہ/ ۲۸۲۔

(۴) سورۂ بقرہ/ ۲۸۲۔

منقذ کی مشہور روایت میں ہے [۱]۔

۲۴-فروخت شدہ چیز کو آزاد کرنے کی شرط پر بیع کے بارے میں ان کے یہاں چند اقوال ہیں:

پہلا قول جو زیادہ صحیح ہے، یہ ہے کہ شرط صحیح ہوگی اور بیع بھی صحیح ہوگی۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا چاہا، حضرت بریرہ کے گھر والوں نے ''ولاء'' کی شرط لگائی۔ حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اشتریها و أعتقيها، فإنما الولاء لمن أعتق'' [۲] (اس کو خرید لو، اور آزاد کردو، اس لئے کہ ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہوتا ہے)، اور حضور ﷺ نے ان کے لئے ولاء کی شرط لگائے جانے پر نکیر نہیں فرمائی، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مابال أقوام يشترطون شروطا ليست في كتاب الله؟ من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل'' [۳] (کیا حال ہے لوگوں کا کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے)۔

نیز اس لئے کہ بیع کے فوراً بعد آزاد ہونا رشتہ دار کے خریدنے کی صورت میں معروف ہے، لہذا اس کی شرط کو برداشت کرلیا گیا، نیز اس لئے کہ شارع نے آزادی کو پسند کیا ہے۔

اسی کے ساتھ اس میں خریدار کے لئے فائدہ اور نفع ہے، دنیا میں ولاء کے حصول کے ذریعہ اور آخرت میں ثواب کے ذریعہ اور فروخت کرنے والے کا نفع اس کا سبب بننے کی وجہ سے ہے [۱]۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شرط باطل ہوگی اور بیع بھی باطل ہوگی، جیسا کہ اگر اس کی بیع یا اس کے ہبہ کی شرط لگادے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی [۲]۔

۲۵-شافعیہ کے یہاں ممانعت سے مستثنیٰ امور میں سے آزادی کے ساتھ خریدار کے علاوہ کسی اور کے لئے ولاء کی شرط لگانا ہے۔ شافعیہ کے یہاں دو اقوال میں سے زیادہ کمزور قول یہی ہے۔ اس صورت میں بیع صحیح ہوگی اور شرط باطل ہوگی، اس کی دلیل بعض روایات میں حضرت بریرہ کی حدیث کا ظاہر اور حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''واشترطي لهم الولاء'' [۳] (ان کے لئے ولاء کی شرط لگالو)۔

لیکن اصح اس حالت میں شرط اور بیع کا باطل ہونا ہے۔ اس لئے کہ شرعاً طے ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔

ان حضرات نے حدیث عائشہ: ''واشترطي لهم الولاء'' کا جواب یہ دیا ہے کہ شرط عقد بیع میں نہیں تھی، اور یہ کہ یہ حضرت عائشہ کے مسئلہ کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کہ آپ ﷺ کے فرمان میں ''لهم'' (ان کے لئے) ''عليهم'' (ان کے خلاف) کے معنی میں ہے [۴]۔

۲۶-شافعیہ کے یہاں مستثنیٰ امور میں سے ہی فروخت شدہ چیز میں عیوب سے براءت کی شرط ہے، اس لئے کہ اس میں فروخت کرنے والے کو شرط براءت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو خفیہ اپنے لئے

(۱) حدیث کی تخریج فقرہ ۹ میں گزرچکی ہے۔
(۲) حدیث: ''إنما الولاء لمن أعتق......'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۷۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۲/ ۱۱۴۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔
(۳) حدیث: ''من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل......'' کی تخریج فقرہ ۱۱ کے تحت گزرچکی ہے۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۰۔
(۲) حاشیۃ الجمل ۳/ ۷۵، ۷۶، نیز دیکھئے: شرح المنہج ۳/ ۷۶۔
(۳) حدیث: ''الولاء لمن أعتق......'' کی تخریج فقرہ ۲۴ میں گزرچکی ہے۔
(۴) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۶، نیز دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۰۔

نامعلوم عیب کے بارے میں بیع کے لزوم کا اطمینان ہو (معلوم عیب کے بارے میں نہیں)۔ یہ حکم جانور اور اس کے علاوہ میں مطلق ہے، لہذا مذکورہ شرط کے ساتھ بیع علی الاطلاق صحیح ہوگی، خواہ شرط صحیح ہو یا غیر صحیح، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو عقد کو پختہ کرتی ہے اور ظاہر حال (یعنی عیوب سے سلامتی) کے موافق ہے[۱]۔

اس کی تائید حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں عیوب سے بری ہونے کی شرط پر فروخت کیا، پھر خریدار نے ان سے کہا: اس میں ایک مرض ہے جس کو آپ نے میرے سامنے بیان نہیں کیا، وہ دونوں اس معاملہ کو حضرت عثمانؓ کے پاس لے گئے، تو انہوں نے حضرت ابن عمر کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ابن عمر قسم کھائیں کہ انہوں نے جب غلام کو فروخت کیا تھا تو ان کے علم میں یہ مرض نہ تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا، اور غلام واپس لے لیا، پھر اس کو پندرہ سو میں فروخت کیا[۲]۔

انہوں نے کہا: صحابہ کے درمیان مشہور اس فیصلہ عثمانی کے ذریعہ عیب سے براءت کی شرط لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، یہ صحابہ کے درمیان مشہور ہے، لہذا یہ اجماع سکوتی ہوگیا[۳]۔

۲۷ - شافعیہ کے یہاں مستثنی امور میں سے یہ بھی ہے:

الف۔ فروخت کرنے والے کی جگہ سے فروخت شدہ چیز کو منتقل کرنے کی شرط، انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ مقتضائے عقد کی صراحت ہے[۱]۔

ب۔ پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے اور پکنے کے بعد اس کو توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط، یہ عقد بیع میں جائز ہے، جیسا کہ پکنے کے بعد اس کی بیع بلا شرط جائز ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"[۲] (رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع سے منع فرمایا)، اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "لا تتبايعوا الثمار حتى يبدو صلاحها"[۳] (پھلوں کو آپس میں فروخت مت کرو جب تک کہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر نہ ہوجائے)۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بدو صلاح کے بعد پھل کی بیع جائز ہے، اور یہ تینوں احوال پر صادق آتا ہے: بلا شرط اس کی بیع، اس کو توڑنے کی شرط پر اس کی بیع اور اس کو باقی رکھنے کی شرط پر بیع[۴]۔

ج۔ یہ شرط کہ فروخت کرنے والا فروخت شدہ چیز میں متعین کام کرے گا مثلاً کپڑا خریدا اس شرط پر کہ فروخت کرنے والا اس کو سلے گا، یہ تین اقوال میں سب سے ضعیف قول کے مطابق ہے، جیسا کہ گزرا[۵]۔

د۔ فروخت شدہ چیز میں عرفاً مقصود وصف کی شرط لگانا

---

(۱) شرح المنہج ۳/ ۱۳۲، ۱۳۳۔

(۲) اثر ابن عمر: "أنه باع عبدا ......" کو شیخ الاسلام زکریا انصاری نے شرح المنہج (۳/ ۱۳۲ طبع المیمنیہ) میں ذکر کیا ہے، اور اس کو بیہقی سے منسوب کیا ہے اور ان کے حوالہ سے اس کی تصحیح نقل کی ہے لیکن ہمیں بیہقی کی "السنن" میں یہ اثر نہیں ملا ہوسکتا ہے ان کی کسی اور کتاب میں ہو۔

(۳) دیکھئے: شرح المنہج وحاشیۃ الجمل ۳/ ۱۳۲، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۷۸۔

(۱) حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/ ۷۶۔

(۲) حدیث: "نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها ......" کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/ ۳۹۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/ ۱۱۶۷ طبع الحلبی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۳) حدیث: "لا تبايعوا الثمار حتى يبدو صلاحها ......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۱۶۷ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۴) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۳۔

(۵) دیکھئے: اسی بحث کا فقرہ/ ۲۲۔

مثلاً جانور حاملہ ہو یا دودھ والا ہو۔ اس صورت میں شرط صحیح ہوگی۔ اور اگر شرط نہ پائی جائے تو خریدار کے لئے خیار ہوگا، انہوں نے کہا: صحت کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط مصلحت عقد سے متعلق ہے [1]۔

نیز اس لئے کہ یہ عقد کے وقت موجود شرط کا التزام ہے، اس کا التزام مستقبل میں کسی چیز کے انشاء پر موقوف نہیں ہے، اور یہی شرط کی حقیقت ہے، لہذا یہ ''ایک ساتھ بیع اور شرط سے'' ''ممانعت'' کے تحت نہیں آئے گا [2]۔

ھ۔ یہ شرط لگانا کہ جب تک ثمن پورا وصول نہ کرلے گا فروخت شدہ چیز سپرد نہیں کرے گا۔

و۔ عیب کی وجہ سے واپسی کی شرط، اس لئے کہ یہ عقد کا تقاضا ہے [3]۔

ز۔ خیار رویت، جبکہ بغیر دیکھی ہوئی چیز فروخت کی، یہ اس کی صحت کے قول کے مطابق ہے، اس لئے کہ اس کی ضرورت ہے [4]۔

چہارم: مذہب حنابلہ:

۲۸ - حنابلہ نے بیع میں شرائط کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

اول: صحیح اور لازم شرط، جس کے خلاف یہ شرط ہے اس کے لئے اس کو توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔

دوم: فاسد شرط، اس کی شرط لگانا حرام ہے۔

(۱) شرح المنہج بحاشیۃ الجمل ۳/ ۷۸، ۸۰، شرح المحلی وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۸۰، ۱۸۱۔

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۰۵، لفظ ''بیع وشرط'' میں ''واؤ'' کا اضافہ حاشیۃ الشروانی سے کیا گیا ہے۔

(۳) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۰۔

(۴) حاشیۃ الجمل ۳/ ۷۶۔

(۱) پہلی قسم: شرط صحیح لازم کی تین قسمیں ہیں:

اول: جو حکم شریعت سے عقد کے تقاضے کے مطابق ہو مثلاً آپسی قبضہ کرنا، ثمن کا فی الفور ہونا، ان میں سے دونوں کا اپنے تحت آنے والی چیز میں تصرف کرنا، خیار مجلس، اور پرانے عیب کی وجہ سے رد کرنا۔

اس شرط کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے۔ وہ نہ تو حکم کا فائدہ دیتی ہے، اور نہ ہی عقد میں اثر انداز ہے، اس لئے کہ یہ عقد کے تقاضے کا بیان اور تاکید ہے [1]۔

دوم: مصلحت عقد کی شرط، یعنی اس شرط سے ایسی مصلحت متعلق ہے جس کا فائدہ دونوں عقد کرنے والوں میں سے شرط لگانے والے کو پہنچے مثلاً خیار، گواہی یا ثمن میں کسی وصف کی شرط، مثلاً کلی یا جزوی طور پر اس کو ادھار رکھنے یا اس کے عوض معین رہن، یا معین کفیل یا فروخت شدہ چیز میں مطلوب صفت کی شرط لگانا مثلاً صناعت، کتابت یا جانور کا دودھ والا ہونے یا بہت زیادہ دودھ والا ہونے کی شرط یا چیتے کا شکاری یا پرندہ کا خوش الحان یا انڈا دینے والا ہونے یا معلوم مسافت سے آنے یا زمین کے خراج (آمدنی) کا اتنی مقدار میں ہونے کی شرط...... مذکورہ تمام صورتوں میں شرط صحیح ہے، اس کو پورا کرنا لازم ہے [2]۔ اس کی دلیل یہ ہے: ''**المسلمون عند شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا**'' [3] (مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کرے)، کیونکہ ان اوصاف کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبتیں مختلف ہوتی ہیں، اگر ان کی شرط لگانا

(۱) کشاف القناع ۳/ ۱۸۹، المغنی ۴/ ۲۸۵۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۸۹، ۱۹۰، المغنی ۴/ ۲۸۵، ۲۸۶۔

(۳) حدیث: ''المسلمون علی شروطهم......'' کی تخریج فقرہ/ ۱۰ کے تحت آچکی ہے۔

صحیح نہ ہوتو وہ حکمت فوت ہوجائے گی، جس کی وجہ سے بیع کو جائز کیا گیا ہے۔

لہذا اس شرط کو اگر پورا کرے تو بیع لازم ہوگی، ورنہ اس کی شرط لگانے والے کے لئے اختیار ہے کہ اس کے فقدان کی وجہ سے فسخ کردے یا صفت کے فقدان کا تاوان لے۔ اور اگر واپس کرنا محال ہو تو صفت کے فقدان کا تاوان متعین ہے، جیسے عیب دار چیز اگر خریدار کے پاس تلف ہوجائے [۱]۔

سوم: ایسی شرط جس کا عقد متقاضی نہ ہو، نہ عقد کی مصلحت میں سے ہو، نہ عقد کے تقاضے کے منافی ہو، لیکن اس میں فروخت کرنے والے یا خریدار کے لئے معلوم نفع ہو۔

الف۔ مثلاً فروخت کرنے والے نے فروخت شدہ گھر میں ایک ماہ رہائش کی شرط لگائی یا یہ شرط لگائی کہ جانور (یا گاڑی) اس کو معلوم جگہ تک لے جائے گی، تو یہ صحیح ہے، اس لئے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اپنا اونٹ فروخت کیا تو انہوں نے کہا: میں نے اس کو فروخت کیا، اور اپنے گھر تک اس پر سواری کو استثناء کیا [۲]۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ نهى عن المحاقلة والمزابنة، و الثنيا إلا أن تعلم" [۳] (نبی کریم ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، اور ثنیا سے منع فرمایا الا یہ کہ ثنیا معلوم ہو)، اور

(۱) کشاف القناع ۳/۱۸۹، ۱۹۰۔

(۲) حدیث جابر کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۱۴ طبع السلفیہ) اور مسلم (۳/۱۲۲۱ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: "نهى عن المحاقلة والمزابنة و الثنيا إلا أن تعلم......" کی روایت مسلم (۳/۱۱۷۵ طبع عیسی الحلبی) اور بخاری (فتح الباری ۵/۵۰ طبع السلفیہ) نے کی ہے لیکن حدیث کے آخری ٹکڑے "والثنيا إلا أن تعلم" کی روایت ترمذی (۳/۵۸۵ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

"ثنیا" سے مراد استثناء ہے۔

نیز کرایہ پر دیئے گئے گھر کو فروخت کرنے کے مسئلہ پر اس کو قیاس کرتا ہے۔

ماسبق کے مثل ہی فروخت کرنے والے کا یہ شرط لگانا ہے کہ ثمن پورا وصول کرنے تک وہ فروخت شدہ چیز کو روکے گا۔ اسی طرح دوسرے کے لئے معلوم مدت تک منفعت کی شرط لگانا ہے۔ اگر وہ "عین" جس کے نفع کے استثناء کی شرط ہے، فروخت کرنے والے کے نفع وصول کرنے سے قبل تلف ہوجائے:

اگر تلف خریدار کے فعل اور اس کی کوتاہی سے ہوتو اس پر اجرت مثل لازم ہوگی، اس لئے کہ اس نے واجب منفعت کو اس کے مستحق کے حق میں فوت کردیا، اور اگر اس کے بغیر تلف ہوتو اس پر عوض لازم نہیں ہوگا [۱]۔

ب۔ نیز جیسا کہ اگر خریدار نے فروخت کرنے والے پر ایندھن کے اٹھاکر پہنچانے یا اس کو توڑنے یا کپڑے کے سلنے یا اس کو کاٹنے یا پکی کھیتی کو کاٹنے یا کچی کے توڑنے کی شرط لگائی تو صحیح ہے اگر نفع معلوم ہو، اور فروخت کرنے والا پر اس کو انجام دینا لازم ہے۔ اور اگر شرط لگائی کہ فروخت کرنے والے خریدار کے سامان کو اس کے گھر تک پہنچائے اور فروخت کرنے والے کو گھر کا علم نہ ہوتو اس سلسلہ میں ان کے یہاں دو اقوال ہیں [۲]۔

پھر اگر مشروط عمل مبیع کے تلف ہونے کی وجہ سے ناممکن ہوجائے یا اجارہ خاصہ کی وجہ سے نفع کا استحقاق ہوجائے یا فروخت کرنے والے کی موت کی وجہ سے محال ہوجائے تو خریدار اس نفع کا عوض واپس لے گا، جیسا کہ اگر اجارہ اس کے عوض پر قبضہ کے بعد فسخ

(۱) کشاف القناع ۳/۱۹۱۔

(۲) حوالہ سابق۔

ہوجائے تو اجرت پر لینے والا منفعت کا عوض واپس لے گا۔

اگر مرض کی وجہ سے فروخت کرنے والے کے لئے عمل کرنا محال ہوجائے تو کام کے لئے اس کا قائم مقام مقرر کیا جائے گا، اور اجرت کام کرنے والے کے ذمہ ہوگی، جیسا کہ اجارہ میں (۱)۔

۲۹- حنابلہ نے معلوم نفع کے اشتراط کے جواز سے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ استثناء میں دو شرطوں کو جمع کردیا جائے، اور وہ دونوں صحیح ہوں مثلاً ایندھن کے اٹھا کر لے جانے، اور اس کو توڑنے یا کپڑے کو سلنے اور کاٹنے کی شرطیں، کہ اس صورت میں بیع صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں فرمان نبوی ﷺ ہے: "**لایحل سلف و بیع، ولا شرطان في بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع مالیس عندک**" (۲) (حلال نہیں ہے ایک ساتھ قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں، ایسی چیز کا نفع جس کا ضمان نہ ہو، اور اس چیز کی بیع جو تمہارے پاس نہ ہو)۔

ہاں اگر دونوں مجموعی شرطیں مقتضائے عقد میں سے ہوں مثلاً دونوں کے اپنے پاس آنے والی چیز میں تصرف کی شرط کے ساتھ ثمن کے فی الفور ہونے کی شرط لگانا تو یہ بلا اختلاف صحیح ہے، یا دونوں شرطیں مصلحت عقد میں سے ہوں مثلاً ثمن پر معین رہن، اور معین کفیل کی شرط تو صحیح ہے، جیسا کہ اگر وہ دونوں مقتضائے عقد میں ہوں (۳)۔

(۲) دوم: یعنی شرط فاسد حرام، اس کے تحت بھی تین انواع ہیں:

(۱) کشاف القناع ۳/ ۱۹۲۔

(۲) حدیث: "لا یحل سلف و بیع....." کی تخریج فقرہ/ ۲۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۹۱، ۱۹۲، نیز دیکھئے: المغنی ۴/ ۲۸۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۲، ۵۳۔

نوع اول:

۳۰- ان میں سے ایک دوسرے پر کسی اور عقد کی شرط لگائے مثلاً عقد سلم یا قرض یا بیع یا اجارہ یا شرکت کی تو یہ شرط فاسد ہے، اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہوجائے گی، خواہ اس کی شرط فروخت کرنے والے نے لگائی ہو یا خریدار نے۔

مذہب میں مشہور یہی ہے، گو کہ صرف شرط کا باطل ہونا حنابلہ کے یہاں ایک احتمال ہے، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے (۱)۔

مشہور قول کی دلیل:

الف۔ یہ ایک بیع میں دو بیع ہیں اور حدیث ہے: "**أن النبي ﷺ نهی عن بیعتین في بیعة**" (۲) (نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع سے منع کیا ہے) ممانعت فساد کی متقاضی ہے۔

ب۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے: "ایک سودے میں دو سودا ربا ہے"۔

ج۔ اس لئے کہ اس نے ایک عقد میں دوسرے عقد کی شرط لگائی ہے، لہذا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ نکاح شغار۔

اسی طرح ہر وہ چیز جو اس کے مفہوم میں ہو مثلاً کہے: میں نے تمہیں اپنا گھر اتنے میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردوگے، یا اس شرط پر کہ تم میرے جانور پر یا اس میں سے میرے حصہ پر قرض کے طور پر یا مفت خرچہ کروگے (۳)۔

(۱) دیکھئے: الانصاف ۴/ ۳۴۹، ۳۵۰۔

(۲) حدیث: "نهی عن بیعتین....." کی روایت احمد (۲/ ۴۳۲ طبع المیمنیہ) اور ترمذی (۳/ ۵۳۳ طبع الحلبی) نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۹۳، نیز دیکھئے: المغنی ۴/ ۲۸۶، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۳۔

نوع دوم:

۳۱- عقد میں تقاضائے عقد کے منافی شرط لگائے مثلاً فروخت کرنے والا خریدار پر شرط لگائے کہ فروخت شدہ چیز کو فروخت نہیں کرے گا، ہبہ نہیں کرے گا، آزاد نہیں کرے گا یا شرط لگائے کہ اس کو فروخت کرے گا یا وقف کرے گا یا اگر فروخت شدہ چیز ہلاک ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو واپس کرے گا یا اگر اس کو کسی غاصب نے غصب کرلیا، تو اس کا ثمن واپس لے لے گا۔ اور اگر اس کو آزاد کردیا تو ولاء اس کے لئے ہوگا، تو یہ اور اس جیسی تمام شرطیں فاسد ہیں۔

ان شرائط کی وجہ سے بیع کے فساد کے بارے میں ''مذہب'' میں دو روایتیں ہیں، امام احمد سے منصوص یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور شرط اس کو باطل نہیں کرے گی، بلکہ صرف شرط باطل ہوجائے گی، اس لئے کہ حضور ﷺ نے حضرت بریرہ کی معروف حدیث میں شرط کو باطل کردیا، اور عقد کو باطل نہیں کیا [۱]۔

۳۲- حنابلہ نے اس شرط باطل سے آزادی کو مستثنیٰ کیا ہے، لہذا صحیح ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار پر اس کی شرط لگائے، اس کی دلیل حضرت بریرہ کی سابقہ حدیث ہے۔ اور خریدار کو آزاد کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ انکار کرے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، جیسا کہ نذر، اور اگر خریدار آزاد کرنے سے گریز کرے تو حاکم اس کی رضامندی کے بغیر آزاد کردے گا، اس لئے کہ یہ آزادی اس پر واجب ہے، کیونکہ یہ ایسا ''تقرب'' ہے جس کا اس نے التزام کیا ہے، جیسا کہ نذر [۲]۔

۳۳- حنابلہ کے مذہب کے مطابق سابقہ صورت میں بیع کی صحت اور صرف شرط کے فساد کے حکم کی بنیاد پر شرط کے فاسد ہونے کی وجہ سے فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے جس کی بھی غرض فوت ہوئی ہو، خواہ اس کو فساد شرط کا علم ہو یا نہ ہو، اس کے لئے حسب ذیل امور جائز ہیں:

الف۔ بیع کو فسخ کرنا، اس لئے کہ جس شرط پر وہ آیا تھا وہ شرط اس کے لئے محفوظ وسالم نہیں رہی۔

ب۔ شرط کی وجہ سے ثمن میں پیدا ہونے والے نقص کو شرط کے لغو ہونے کے بعد فروخت کرنے والا واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس نے نقص کے ساتھ اس لئے فروخت کیا تھا کہ اس کی مشروط غرض حاصل ہوگی، اور جب اس کی غرض حاصل نہیں ہوئی تو نقص کو واپس لے گا۔

ج۔ شرط کے بعد زائد ثمن کو خریدار واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس نے زائد ثمن کے ساتھ اس لئے خریدا تھا کہ اس کو مشروط غرض حاصل ہوگی، اور جب اس کی مشروط غرض پوری نہیں ہوئی تو اس زیادتی کو واپس لے گا جس کو اس نے درگزر کردیا تھا، جیسا کہ اگر اس کو عیب دار پائے۔

لہذا فروخت کرنے والے کو اختیار ہے کہ فسخ کردے یا نقص کا تاوان لے۔

خریدار کو اختیار ہے کہ فسخ کردے یا ثمن میں زیادتی کو واپس لے [۱]۔

اسی کے ساتھ حنابلہ نے کوئی چیز واپس لئے بغیر ثبوت خیار کا احتمال ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ رہن اور کفیل کی شرط لگانے پر راہن اور کفیل کے گریز کرنے پر قیاس ہے، نیز اس لئے کہ شرط کی وجہ سے ثمن میں آنے والا نقص مجہول ہے، لہذا ثمن بھی مجہول ہوجائے گا، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ کے مالکان کے حق

(۱) حدیث بریرہ کی تخریج فقرہ/ ۲۴ کے تحت آچکی ہے۔
(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۹۳۔

(۱) حوالہ سابق، نیز دیکھئے: المغنی ۴/ ۲۸۷، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۴۔

میں کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا، جبکہ شرط فاسد اور بیع صحیح تھی (۱)۔

نوع سوم:

۳۴- فروخت کرنے والا اور خریدار ایسی شرط لگائیں جس پر خرید فروخت معلق ہو، مثلاً فروخت کرنے والا کہے: میں نے تمہیں فروخت کیا اگر میرے پاس اتنا لاؤ گے یا فروخت کیا اگر فلاں راضی ہو۔ اور جیسے خریدار کہے: میں نے خریدا اگر زید آجائے، تو بیع صحیح نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کا تقاضا بیع کے وقت ملکیت کو منتقل کرنا ہے، اور یہاں پر شرط اس سے مانع ہے، نیز اس لئے کہ اس نے بیع کو شرط مستقبل پر معلق کیا ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی، جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں فروخت کیا جب مہینہ کا آخر آجائے، حنابلہ نے اس سے فروخت کرنے والے کے قول: فروخت کر دیا انشاء اللہ، اور خریدار کے قول: قبول کیا انشاء اللہ، اور بیع عربون کو مستثنیٰ کیا ہے، کہ یہ صحیح ہے، اس لئے کہ نافع بن حارث نے حضرت عمر کے لئے صفوان سے قید خانہ خریدا کہ اگر عمر راضی ہوجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے لئے اتنا ہوگا (۲)۔

دیکھئے: اصطلاح "عربون"۔

ایک بیع میں دو بیع:

۳۵- حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے: "**نهى النبي ﷺ عن بيعتين في بيعة**" (۳) (حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے: "**نهى النبي ﷺ عن صفقتين في صفقة**" (۱) (حضور ﷺ نے ایک سودے میں دوسودوں سے منع فرمایا ہے)۔

اس مسئلہ سے مراد ایک عقد میں دو بیع کو جمع کرنا ہے۔ اس عقد کو دو بیع کہنا ثمن کے متعدد ہونے کے اعتبار سے ہے (۲)۔

حنفیہ میں سے کمال ابن الہمام نے اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ دونوں حدیثیں ایک معنی میں ہیں، ان کو وہم ہوا ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہے، بیعتین (دو بیع) والی حدیث صفقتین (دوسودوں) والی حدیث سے خاص ہے، اس لئے کہ پہلی حدیث ایک خاص سودا یعنی بیع کے بارے میں ہے (۳)، جبکہ صفقتین والی حدیث میں عموم زیادہ ہے، اس لئے کہ اس کے تحت بیع اور اس کے علاوہ مثلاً اجارہ آتے ہیں۔ اور ممنوع کے تصور کے لئے فقہاء نے مختلف صورتیں پیش کی ہیں۔

ان میں تفصیل ہے جس کو اصطلاح "بیعتان فی بیع" کے تحت دیکھا جائے۔

---

(۱) الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۴، ۵۵۔

(۲) کشاف القناع ۳/ ۱۹۵، الشرح الکبیر فی ذیل المغنی ۴/ ۵۸۔

(۳) حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

---

(۱) حدیث: "نهى عن صفقتين......" کی روایت احمد (۱/ ۳۹۸ طبع المیمنیہ) نے کی ہے شیخ احمد شاکر نے المسند (۲/ ۲۹۵ طبع المعارف) پر اپنی تعلیق میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب الربانی فی شرح رسالۃ ابن ابی زید القیروانی ۲/ ۱۵۷۔

(۳) فتح القدیر ۶/ ۸۱۔

بیع الوضیعہ

دیکھئے: "وضیعہ"۔

بیع الوفاء

تعریف:

۱- بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے [۱]۔

وفاء لغت میں غدر کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: **وفي بعهده**، اور **أوفى** : یہ دونوں ایک معنی میں ہیں۔ وفاء: شریفانہ عالی اور بلند اخلاق کا نام ہے، اور **أوفى الرجل حقه** اور **وفاه إياه** کا معنی ہے: اس نے اس کا حق مکمل اور پورا پورا دے دیا۔

اصطلاح فقہاء میں "بیع الوفاء" اس شرط پر بیع ہے کہ جب فروخت کرنے والا ثمن لوٹائے گا تو خریدار اس کو فروخت شدہ چیز لوٹائے گا۔ اس کو بیع الوفاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ خریدار پر اس شرط کی وفاداری اور تکمیل لازم ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں مالکیہ اس بیع کو "بیع الثنیا"، شافعیہ اس کو "بیع العہدہ" [۲]، اور حنابلہ اس کو "بیع الامانہ" کہتے ہیں [۳]، اس کو "بیع الطاعہ" اور "بیع الجائز" بھی کہتے ہیں، اور حنفیہ کی بعض کتابوں میں اس کو "بیع المعاملہ" بھی کہا گیا ہے [۴]۔

بیع الوفاء کا حکم:

۲- بیع الوفاء کے شرعی حکم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

---

(۱) مجلۃ الأحکام العدلیہ دفعۃ (۱۰۵)۔

(۲) الحطاب ۴/ ۳۷۳، بغیۃ المسترشدین ص ۱۳۳۔

(۳) کشاف القناع ۳/ ۱۴۹، ۱۵۰۔

(۴) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹۔

مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ اور شافعیہ میں سے متقدمین کی رائے ہے کہ بیع **الوفاء** فاسد ہے، اس لئے کہ ثمن خریدار کو لوٹانے پر فروخت شدہ چیز کے لینے کی فروخت کرنے والے کی طرف سے شرط لگانا بیع کے تقاضے اور حکم کے خلاف ہے، بیع کا تقاضا ہے کہ استقرار و دوام کے طور پر فروخت شدہ چیز پر خریدار کی ملکیت ہو۔ اور اس شرط میں فروخت کرنے والے کا فائدہ ہے، اس کے جواز کی کوئی معین دلیل وارد نہیں ہے، لہذا یہ شرط فاسد ہوگی، اور بیع میں اس کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

نیز اس لئے کہ اس طریقہ پر بیع کا مقصد حقیقتاً بیع بشرط الوفاء نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصود حرام ربا تک پہنچنا ہوتا ہے، یعنی مال کو ایک مدت تک کے لئے دینا، اور فروخت شدہ چیز کا نفع ہی ربح ہے۔ اور ربا تمام حالات میں باطل ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ میں سے بعض متاخرین کی رائے ہے کہ بیع وفاء جائز ہے، اور بعض احکام کا فائدہ دیتی ہے جیسے خریدار کا فروخت شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا، اور بعض احکام کا فائدہ نہیں دیتی ہے، جیسے دوسرے کے ہاتھ بیع۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس شرط پر بیع کا لوگوں میں عرف ہے، لوگوں نے اپنی ضرورت کی وجہ سے اس پر عمل کیا ہے تاکہ ربا سے بچ سکیں، لہذا یہ صحیح ہوگی، اور اس کی شرط لگانے سے بیع فاسد نہ ہوگی، کیونکہ وہ قواعد کے خلاف ہے، اس لئے کہ تعامل کی وجہ سے قواعد کو ترک کردیا جاتا ہے جیسا کہ استصناع میں ہے[1]۔

۳- حنفیہ میں سے ابو شجاع، علی السعدی، اور قاضی ابو الحسن ماتریدی کی رائے ہے کہ بیع **الوفاء** رہن ہے، بیع نہیں ہے، پس اس کے لئے رہن کے سارے احکام ثابت ہوں گے، لہذا خریدار اس کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے انتفاع کرے گا، اور اگر اس کو اجرت پر لے لے تو اس کی اجرت اس پر لازم نہ ہوگی، جیسا کہ اگر راہن مرہون کو مرتہن سے اجرت پر لے لے، اور اس کے ہلاک ہونے کی وجہ سے دین ساقط ہوجائے گا، اور اس میں ہونے والی زیادتی کا وہ ضامن نہ ہوگا، اور اگر راہن مرجائے تو مرتہن اس کا بقیہ قرض خواہوں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عقود میں اعتبار معانی کا ہے، الفاظ اور کلمات کا نہیں، اسی وجہ سے ہبہ بشرط عوض بیع ہوتی ہے، اور کفالہ بشرط براءت اصیل حوالہ ہوتی ہے، اس کی مثالیں فقہ میں بے شمار ہیں۔

اس بیع میں چونکہ ثمن لوٹانے کے وقت فروخت شدہ چیز لینے کی شرط ہے، لہذا یہ رہن ہے، اس لئے کہ دین کی ادائیگی کے وقت رہن ہی کو لیا جاتا ہے[1]۔

۴- ابن عابدین نے کہا: بیع **الوفاء** کے بارے میں دو اقوال ہیں:

اول: یہ بیع صحیح ہے، اپنے بعض احکام (یعنی اس سے فائدہ کے حلال ہونے) کا فائدہ دیتی ہے، البتہ خریدار اس کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے، زیلعی نے "الإکراہ" میں کہا: اور اسی پر فتوی ہے۔

دوم: بعض محققین کا جامع قول یہ ہے کہ یہ بیع بعض احکام کے حق میں فاسد ہے حتی کہ ان میں سے ہر ایک فسخ کرنے کا مالک ہوتا ہے اور بعض احکام کے حق میں صحیح ہے، جیسے فروخت شدہ چیز کو اپنے پاس اتارنا اور اس کے منافع کا حلال ہونا، اور بعض احکام کے حق میں رہن ہے حتی کہ خریدار دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرنے اور اس کو رہن رکھنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، اور اس کی ہلاکت سے دین ساقط ہوجاتا ہے، لہذا یہ تینوں عقود سے مرکب ہے، جیسا کہ زرافہ میں اونٹ، گائے اور چیتے کی صفات اکٹھا ہوتی ہیں، لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اپنے مالکین کے لئے دونوں بدل کے محفوظ وسالم رہنے کی

(۱) تبیین الحقائق للزیلعی ۵/ ۱۸۴، البحر الرائق ۶/ ۸، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۸، ۲۰۹، ابن عابدین ۴/ ۲۴۶، ۲۴۷، مغنی المحتاج ۲/ ۳۱، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۳۳، بغیۃ المسترشدین رص ۱۳۳، الاقناع ۳/ ۵۸۔

(۱) تبیین الحقائق ۵/ ۱۸۳، البزازیہ بہامش الہندیہ ۴/ ۴۰۵۔

شرط پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، ''البحر'' میں کہا: مناسب ہے کہ فتوے میں جامع قول سے عدول نہ کیا جائے، اور ''النہر'' میں ہے کہ ہمارے دیار میں عمل زیلعی کی ترجیح پر ہے (۱)۔

۵-متاخرین شافعیہ میں سے صاحب ''بغیۃ المسترشدین'' نے کہا: بیع العہدہ صحیح اور جائز ہے، اور اس کے ذریعہ سے حجت شرعاً وعرفاً اس کے قائلین کے قول کے مطابق ثابت ہے۔ کسی نے اس کی کراہت کی صراحت کی ہو، میں نے نہیں دیکھا، زمانہ قدیم سے مسلمانوں کے غالب اطراف وجہات میں اس پر عمل جاری ہے، اس کے مطابق حکام نے فیصلہ کیا ہے، اس کے قائل علماء اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے، حالانکہ وہ امام شافعی کے مذہب میں نہیں ہے، صرف کچھ لوگوں نے اس کو اختیار کیا ہے، اور مختلف مذاہب سے تلفیق کی ہے، جو اس کی سخت ضرورت کی وجہ سے ہے، تاہم بذات خود اس کی صحت اور اس پر تفریع کے بارے میں اختلاف فقہ سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے (۲)۔

جواز کے قائلین کے نزدیک بیع الوفاء کی شرط:

۶-بیع الوفاء کے احکام کی تطبیق کے لئے اس کی اجازت دینے والوں کے یہاں دو لازمی شرطیں ہیں:

الف۔ عقد میں صراحت ہو کہ جب فروخت کرنے والا ثمن لوٹائے گا تو خریدار فروخت شدہ چیز لوٹائے گا۔

ب۔ دونوں بدل کی سلامتی۔ اگر بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز ضائع ہوجائے، اور اس کی قیمت دین (یعنی ثمن) کے برابر ہو، تو اس کے مقابلہ میں دین ساقط ہوجائے گا، اور اگر مقدار دین سے زیادہ ہو، اور فروخت شدہ چیز خریدار کے ہاتھ میں ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت میں سے دین کے بالمقابل مقدار ساقط ہوجائے گی، اور وہ اس سلسلے میں حنفیہ کے نزدیک رہن کی طرح ہے (۱)۔

بیع الوفاء پر مرتب ہونے والے اثرات:

متاخرین حنفیہ وغیرہ جو اس کے جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بیع الوفاء پر کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو اجمالی طور پر یہ ہیں:

اول: ملکیت کے لئے اس کو منتقل نہ کرنا:

۷-بیع الوفاء خریدار کے لئے کسی ایسے تصرف کا جواز پیدا نہیں کرتی جو ملکیت کو منتقل کردے مثلاً بیع اور ہبہ ان لوگوں کے نزدیک جو اس کو جائز کہتے ہیں۔ اور اس پر چند مسائل مرتب ہوتے ہیں:

الف۔ بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کی بیع فروخت کرنے والے کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ رہن کی طرح ہے اور رہن کی بیع ناجائز ہے (۲)۔

ب۔ بیع الوفاء میں خریدار کے لئے حق شفعہ نہیں ہے، حق شفعہ فروخت کرنے والے کے لئے باقی رہے گا، چنانچہ ''الفتاوی الہندیہ'' میں ''فتاوی ابی الفضل'' کے حوالے سے ہے: ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک مرد اور ایک عورت کے پاس باغ ہے، عورت نے اپنا حصہ اس مرد کے ہاتھ فروخت کردیا، اور یہ شرط لگائی کہ جب وہ ثمن لائے گی تو مرد اس کا حصہ اس کو واپس کردے گا، پھر اس مرد نے اپنا حصہ فروخت کردیا تو کیا عورت کے لئے اس میں شفعہ ہے؟

انہوں نے (ابو الفضل نے) کہا: اگر بیع بیع المعاملہ ہے تو اس میں عورت کے لئے شفعہ ہے، خواہ باغ میں سے اس کا حصہ اس کے ہاتھ میں ہو یا مرد کے ہاتھ میں۔

---

(۱) ابن عابدین ۲۴۶/۴، ۲۴۷ طبع بولاق۔

(۲) بغیۃ المسترشدین رص ۱۳۳ تصرف کے ساتھ۔

(۱) ابن عابدین ۲۴۷/۴، مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ: (۳۹۹، ۴۰۰)۔

(۲) ابن عابدین ۲۴۷/۴۔

بیع الوفاء اور بیع المعاملہ ایک ہیں، ''تتارخانیہ'' میں اسی طرح ہے[1]۔

ج۔ بیع الوفاء کے طور پر فروخت شدہ زمین کا خراج فروخت کرنے والے پر ہوگا[2]۔

د۔ اگر فروخت شدہ چیز خریدار کے ہاتھ میں ہلاک ہوجائے تو فروخت کرنے والے اور خریدار میں سے کسی کے لئے دوسرے پر کچھ نہیں ہوگا[3]۔

ھ۔ بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کے منافع فروخت کرنے والے کے لئے ہیں مثلاً اجارہ اور درختوں کے پھل وغیرہ، لہذا اگر بیع الوفاء کے طور پر معلوم ثمن میں کسی نے اپنا گھر دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا، اور دونوں نے قبضہ کرلیا، پھر اس نے اس گھر کو خریدار سے صحت اجارہ کی شرائط کے ساتھ اجارہ پر لے لیا، اور اس پر قبضہ کرلیا، اور مدت گزر گئی تو کیا اس پر اجرت لازم ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خریدار کے لئے ملکیت منتقل نہیں ہوئی، کیونکہ اگر ملکیت منتقل ہوچکی ہوتی تو اجرت لازم ہوتی۔ اسی طرح درخت کا پھل فروخت کرنے والے کے لئے ہوگا نہ کہ خریدار کے لئے۔ اور اگر خریدار درختوں کے پھل میں سے کچھ لے لے، اور اس نے فروخت کرنے والے کی اجازت سے لیا ہو تو اس کا ذمہ بری ہے۔ اور اگر اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر لیا ہو تو اس کا ضامن ہوگا[4]۔

و۔ بیع الوفاء میں فروخت شدہ چیز کا وراثت کی وجہ سے فروخت کرنے والے کے ورثاء کی طرف منتقل ہونا، لہذا اگر کسی نے اپنا باغ دوسرے کے ہاتھ بیع الوفاء کے طور پر فروخت کیا اور دونوں نے قبضہ کرلیا، پھر خریدار نے اس کو دوسرے کے ہاتھ قطعی بیع کے طور پر فروخت کردیا اور سپرد کردیا اور غائب ہوگیا، تو فروخت کرنے والے یا اس کے ورثاء کو حق ہے کہ دوسرے خریدار سے مقدمہ لڑیں اور باغ واپس لے لیں۔

اسی طرح اگر فروخت کرنے والا اور دونوں خریدار مر گئے، اور ہر ایک کے ورثاء ہوں تو مالک کے ورثاء کو حق ہے کہ اس کو دوسرے خریدار کے ورثاء کے ہاتھ سے نکال لیں، اور دوسرے خریدار کے ورثاء کو حق ہے کہ دوسرے خریدار نے اپنے فروخت کرنے والے کو جو ثمن دیا ہے، اس کو فروخت کرنے والے کے ترکہ میں سے جو اس کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے واپس لیں، اور پہلے خریدار کے ورثاء کے لئے حق ہے کہ اس کو واپس لیں، اور اپنے مورث کے دین کے عوض اس کو روک لیں تا آنکہ وہ دین کو ادا کردیں[1]۔

دوم: فروخت شدہ چیز کو واپس لینے کے سلسلے میں فروخت کرنے والے کا حق:

۸- فروخت کرنے والے کو حق ہے کہ اپنا فروخت کردہ سامان واپس کرلے اگر اس نے ثمن خریدار کو واپس کردیا ہو، وقت مقرر کرنے اور نہ کرنے دونوں حالتوں کا یہی حکم ہے[2]۔

سوم: بیع الوفاء میں متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کا اثر:

۹- ابھی گزرا ہے کہ اگر بیع الوفاء میں خریدار یا فروخت کرنے والا مرجائے تو رہن کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے، وفاء کے احکام کے

---

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹۔
(۲) معین الحکام ص ۱۸۳۔
(۳) حوالہ سابق۔
(۴) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، معین الحکام ص ۱۸۳۔

(۱) الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، البزازیہ بہامش الہندیہ ۴/ ۴۱۱۔
(۲) معین الحکام ص ۱۸۲، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، منحۃ الخالق شرح البحر الرائق ... بغیۃ المسترشدین ص ۱۳۳۔

سلسلے میں اس کے ورثاء اس کے قائم مقام ہوں گے [۱]۔

چہارم: بیع الوفاء میں متعاقدین کا اختلاف:

۱۰ - بیع الوفاء میں متعاقدین کے اختلاف سے متعلق اہم احکام یہ ہیں:

الف۔ اگر متعاقدین کا اختلاف اصل بیع الوفاء میں ہو، یعنی ایک کہے: بیع قطعی تھی یا وفاء تھی تو اعتبار حقیقی اور قطعی بیع کے مدعی کے قول کا ہوگا، الا یہ کہ بیع الوفاء کا قرینہ ہو۔ اسی سلسلے میں حنفیہ کے یہاں ایک اور قول یہ ہے کہ اعتبار بیع الوفاء کے مدعی کے قول کا استحساناً ہوگا [۲]۔

ب۔ اگر خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں گواہ پیش کریں تو ''وفاء'' کے گواہ کو مقدم کریں گے، اس لئے کہ یہ خلاف ظاہر ہے [۳]۔

ج۔ اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اعتبار قطعی بیع کے دعوے دار کے قول کا ہوگا۔

ابن عابدین نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ بینہ (گواہ) میں اختلاف کی صورت میں استحسان ''وفاء'' کے گواہوں کی ترجیح میں ہے، اور قول میں اختلاف کی صورت میں استحسان قطعیت کے دعوے دار کے قول کی ترجیح میں ہے [۴]۔

''وفاء'' پر دلالت کرنے والے قرائن میں سے ثمن میں بہت زیادہ کم ہونا ہے۔ یعنی جس میں عادتاً لوگ دھوکہ روا نہیں رکھتے، الا یہ کہ ''وفاء'' کا مدعی نرخ کی تبدیلی کا دعوی کرے [۵]۔

(۱) البزازیہ بہامش الہندیہ ۴/ ۴۱۱، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۲۰۹، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۳/ ۱۴۳، ۱۴۴۔

(۲) الطحطاوی مع الدر المختار ۳/ ۱۴۴۔

(۳) حوالہ سابق۔

(۴) ابن عابدین ۴/ ۲۴۸۔

(۵) ابن عابدین ۴/ ۲۴۸، ۲۴۹۔

بیعتان فی بیعۃ

تعریف:

۱ - بیعتان لغت میں: بیعۃٌ کا تثنیہ ہے۔ اور ''بیعۃ'' ایک مرتبہ بیع کا نام ہے۔

''البیعتان في بیعة'' کے اصطلاحی معنی میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

اول: اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنا سامان فروخت کرتے ہوئے کہے: یہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں، یعنی ثمن اول سے زیادہ ثمن میں، اس کی یہ تشریح امام احمد کے مطابق حضرت سماک نے حضرت ابن مسعودؓ کے حوالہ سے کی ہے (جو "النهي عن البيعتين في بيعة" والی حدیث کے راوی ہیں)، اور ایک جماعت نے اسی تشریح کو اپنایا ہے، گو کہ بعد میں خرید فروخت کرنے والے ایک ثمن کو بیان کردیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے سامان کی ادھار بیع میں اس دن کے نرخ سے اضافہ اور زیادتی کو منع کیا ہے، جیسا کہ آئے گا۔

دوم: بعض حضرات نے اسی سابقہ تشریح میں یہ قید لگائی ہے کہ دونوں ثمن میں ابہام کے ساتھ علاحدگی ہوگئی ہو، انہوں نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہارے ہاتھ اس کو نقد اتنے میں یا ادھار اتنے میں فروخت کیا، پھر دونوں میں سے کسی ایک ثمن پر بیع ہونے کے التزام سے قبل وہ دونوں علاحدہ ہوگئے، ابہام کے ساتھ ان میں علاحدگی ہوئی ہو۔ امام شافعی نے کہا: اس کی تعریف یہ

ہے کہ کہے: میں نے اس کو تمہارے ہاتھ نقد ایک ہزار میں یا ایک سال تک کے لئے ادھار دو ہزار میں فروخت کیا، لہذا ان میں سے جس کے عوض تم چاہو اور میں چاہوں لے لو۔ شافعیہ میں سے ''قاضی'' نے کہا: مسئلہ کی صورت یہ فرض کی گئی ہے کہ اس نے ابہام کے ساتھ قبول کر لیا، لیکن اگر اس نے کہا: میں نے ایک ہزار میں نقد قبول کیا، یا کہا: ادھار دو ہزار میں قبول کیا تو یہ صحیح ہے[1]۔

اس کی یہی تشریح ابو عبید، ثوری، اسحاق، مالکیہ اور حنابلہ نے بھی کی ہے، نیز انہوں نے اس کی کچھ اور تشریحات کی ہیں، جیسا کہ آئے گا۔

سوم: امام مالک نے یہ بھی کہا: وہ یہ ہے کہ کوئی سامان ایک دینار یا ایک بکری کے عوض خریدے یا ایک دینار میں ایک بکری یا ایک کپڑا خریدے، ان میں سے ایک خریدار کے لئے واجب ہو۔

باجی نے کہا: خواہ لزوم دونوں کے لئے ہو یا کسی ایک کے لئے، لہذا اس وجہ میں سابقہ وجہ بھی داخل ہو جائے گی، اور اس کا مدار دو ثمنوں یا دو سامانوں کے درمیان اختیار دینے پر ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک غیر معین کا پابند بنانے کے ساتھ[2]۔

چہارم: جسے ابن القیم نے ''تہذیب السنن'' میں کہا ہے: وہ یہ کہ کہے: میں نے یہ سامان تمہارے ہاتھ ایک سو کے عوض ایک سال کے لئے ادھار اس شرط پر فروخت کیا کہ میں اس کو تم سے (یعنی اس کے بعد) اسی کے عوض نقد خریدوں گا۔ انہوں نے کہا: ''بیعتین فی بیعۃ'' کے بارے میں وارد حدیث کا مطلب یہی ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مطلب نہیں ہے، اور یہی مفہوم اس فرمان نبوی علیہ السلام کے موافق ہے: '' فله أوكسهما أو الربا''[1] (تو اس کے لئے ان دو میں سے کم تر ہوگا یا ربا)، کیونکہ اگر وہ زائد ثمن کو لے تو اس نے ربا لیا یا ثمن اول کو لے تو یہی ان دونوں میں کم تر ہے۔ اور اس کا مقصد نقد دراہم کو ادھار زائد دراہم کے عوض فروخت کرنا تھا، حالانکہ وہ صرف رأس المال کا مستحق ہے[2]۔

اس کے ''بیعتین فی بیعۃ'' کے باب سے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں دو بیع ہیں: ایک ادھار ثمن میں، اور دوسری فوری ثمن میں، اور دونوں کو ایک سودے میں مکمل کیا گیا ہے۔

پنجم: یہ ہے کہ وہ دونوں ایک بیع میں دوسری بیع کی شرط لگائیں۔

اس کی یہ تشریح بھی امام شافعیؒ نے کی ہے۔ انہوں نے کہا: وہ یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہارے ہاتھ یہ گھوڑا ایک ہزار میں اس شرط پر فروخت کیا کہ تم اپنا گھر مجھے اتنے میں فروخت کر دو یعنی جب مجھ پر تمہارا واجب ہوگا تو میرا تم پر واجب ہو جائے گا۔ شوکانی نے کہا: یہ حضرت ابو ہریرہ کی پہلی روایت کی تشریح بننے کے قابل ہے، دوسری روایت کے لئے نہیں، اس لئے کہ آپ علیہ السلام کا فرمان: ''أو كسهما'' (ان دونوں میں کم تر) بتاتا ہے کہ اس نے ایک ہی چیز کو دوبار فروخت کیا: ایک بار کم میں اور دوسری بار زیادہ میں[3]۔

مسروق نے اسی قبیل سے اس قول کو بھی قرار دیا ہے کہ وہ کہے: میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ اتنے اتنے دینار میں فروخت کیا تم ایک

---

(۱) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲، عون المعبود ۹/ ۳۳۳ شائع کردہ المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ، المغنی ۴/ ۲۳۴، نصب الرایہ ۴/ ۲۰، فتح القدیر ۶/ ۸۱۔

(۲) المواق بہامش منح الجلیل ۴/ ۳۶۴۔

(۱) حدیث: "من باع بيعتين في بيعة....." کی روایت ابوداؤد (۳/ ۷۳۹ تحقیق عزت عبید دعاس) اور حاکم (۲/ ۴۵ طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن) نے کی ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) جامع الاصول لابن الاثیر (۹/ ۳۴ طبع ۱۳۸۹ھ) میں اس حدیث پر حاشیہ ہے۔

(۳) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲۔

دینار کے عوض مجھے دس درہم دو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ''بیع'' اور ''صرف'' کو جمع کردیا ہے[1]۔

ششم: اور یہ حنفیہ کے نزدیک پانچویں قول سے عام ہے، کیونکہ اس کے تحت یہ صورت بھی داخل ہے کہ اس شرط پر گھر فروخت کرے کہ فروخت کرنے والا اس میں ایک ماہ رہے گا یا جانور اس شرط پر فروخت کرے کہ اس سے خدمت لے گا، گو کہ مدت معینہ ہو وغیرہ[2]۔

ہفتم: خطابی نے کہا: وہ یہ ہے کہ اس سے ایک دینار میں ایک صاع گیہوں ایک ماہ کے ''سلم'' کے طور پر خریدے، اور جب مدت پوری ہوجائے، اور وہ گیہوں کا مطالبہ کرے تو وہ اس سے کہے: تمہارا ایک صاع جو میرے ذمہ ہے، اس کو میرے ہاتھ دو ماہ تک کے لئے دو صاع کے عوض فروخت کردو۔ خطابی نے کہا: یہ دوسری بیع ہے جو بیع اول پر داخل ہوئی ہے، لہذا ان دونوں کو ان میں سے کمتر (یعنی بیع اول) کی طرف لوٹایا جائے گا، انہوں نے یہ تشریح ابن رسلان کی شرح سنن ابی داؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اور ابن الاثیر نے اس کو ''النہایہ'' میں نقل کیا ہے[3]۔ اور واضح ہے کہ اس طرح کی بیع سب کے نزدیک باطل ہے، اس لئے کہ مال ربوی کی، اسی جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ ادھار بیع کی گئی ہے۔

متعلقہ الفاظ:

الف-صفقتان فی صفقۃ:

۲- صفقہ: صفق کا اسم مرہ ہے، لغت میں اس کا معنی ایسی مار ہے جس کی آواز سنائی دے۔ عرف لغوی میں اس کا اطلاق بیع میں ایک مرتبہ

(۱) مصنف عبد الرزاق ۸/ ۱۳۹۔
(۲) فتح القدیر ۶/ ۸۰۔
(۳) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲، عون المعبود ۹/ ۳۲۲۔

پر ہوتا ہے، کیونکہ جب ایک شخص بیع کو لازم کرتا تو اپنا ہاتھ خریدار کے ہاتھ پر مارتا تھا۔ اور اس کا اطلاق امام کی بیعت پر بھی ہوتا ہے، اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے: "**من بایع إماما فأعطاه صفقة یده وثمرة قلبه......**"[1] (جو شخص کسی امام سے بیعت کرے اور اس کو اپنے ہاتھ کا ''صفقہ''، اور اپنے دل کا پھل دے دے)۔

اصطلاح میں صفقہ کا اطلاق بیعت اور دوسرے عقود پر بھی ہوتا ہے، لہذا ایک بار اجارہ صفقہ ہے، اور ایک بار کا قرض صفقہ ہے اور اسی طرح ہے[2]۔

''صفقتین فی صفقۃ'' سے مراد دو سودے ایک عقد میں جمع کرنا ہے، مثلاً فلاں کے ہاتھ اپنا گھر بیچے، اور اس سے اس کا جانور خریدے، اس شرط پر کہ جب پہلا سودا مکمل ہوگا، تو دوسرا بھی مکمل ہوجائے گا یا فلاں کے ہاتھ اپنا گھر بیچے اور اس سے اس کا جانور کرایہ پر لے، اس شرط پر کہ جب بیع مکمل ہوگی تو اجارہ بھی مکمل ہوجائے گا، لہذا ''صفقتین فی صفقۃ'' کی اصطلاح ''بیعتین فی بیعۃ'' کی اصطلاح کے مقابلہ میں عام ہے[3]۔

ب-بیع وشرط:

۳- بیع وشرط، ''بیعتین فی بیعۃ'' سے عام ہے، اس لئے کہ اشتراط میں کبھی کبھی دوسرے عقد کی شرط ہوتی ہے، اور بسا اوقات متعاقدین میں سے کسی ایک کی مصلحت کی شرط ہوتی ہے، کسی دوسرے عقد کی شرط نہیں ہوتی ہے۔

(۱) لسان العرب۔
حدیث: "من بایع إماما فأعطاه صفقة یده وثمرة فؤاده......" کی روایت مسلم (۳/ ۱۴۷۳ طبع عیسی الحلبی) نے کی ہے۔
(۲) المغنی ۴/ ۲۳۴، ۲۳۶، شرح المنہاج مع قلیوبی وحاشیہ عمیرہ ۲/ ۱۸۸، ۱۸۹۔
(۳) فتح القدیر ۶/ ۸۱۔

بیعتین فی بیعۃ کا حکم:

۴- بيعتين في بيعة ایک ممنوع بیع ہے، اس سے ممانعت تین روایات میں وارد ہے:

اول: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيعتين في بيعة" [۱] (نبی کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا)۔ اور حضرت عبد اللہؓ کی روایت اسی طرح ہے [۲]۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيتعين في بيعة، و عن ربح مالم يضمن" [۳] (رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع اور ایسی چیز کے نفع سے منع کیا جس کا ضمان نہ ہو)۔

دوم: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا" [۴] (جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے ان دونوں میں سے کم تر یا ربا ہے)، شوکانی نے کہا: اس کی اسناد میں محمد بن عمرو بن علقمہ ہے، جس پر کئی ایک نے کلام کیا ہے [۵]۔

سوم: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے: "نهى النبي ﷺ عن صفقتين في صفقة" [۱] (نبی کریم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا)، اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے: "لا تحل الصفقتان في الصفقة" [۲] (ایک سودے میں دو سودے حلال نہیں ہیں)۔ اور ایک دوسری موقوف روایت میں ہے: "الصفقة في الصفقتين ربا" [۳] (دو سودوں میں ہونے والا سودا ربا ہے)۔

لہذا ایک بیع میں دو بیع حرام عقد ہے، اس کا اقدام کرنے والا گنہگار ہے، کیونکہ اس نے ممانعت کی مخالفت کی، اور یہ عقد فاسد ہے، لیکن "بيعتين في بيعة" کی تعریف میں سابق اختلاف کے لحاظ سے کس پر فساد کا حکم لگائیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جس کی تشریح حسب ذیل ہے:

نوع اول: یہ کہ فروخت کرنے والا کہے: یہ اتنے میں نقد ہے اور اس سے زیادہ میں ادھار ہے۔

۵- ادھار ثمن کے عوض جس کی مقدار اور مدت معلوم ہو بیع فی الجملہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ فرمان باری ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى

(۱) حدیث: "نهى عن بيعتين في بيعة ....." کی روایت احمد (۲/ ۴۳۲ طبع المیمنیہ) اور ترمذی (۳/ ۵۳۳ طبع مصطفی الحلبی) نے کی ہے اور امام ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) اس کو ابن القیم نے تہذیب السنن میں ذکر کیا ہے۔

(۳) حدیث: "نهى عن بيعتين في بيعة وعن ربح ما لم يضمن" کی روایت احمد (۲/ ۱۷۴، ۱۷۵ طبع المیمنیہ) نے کی ہے احمد شاکر نے المسند (۱۰/ ۱۶۰ طبع دار المعارف) پر اپنے حاشیہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) حدیث: "من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا" کی تخریج فقرہ ۱ کے تحت آچکی ہے۔

(۵) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲۔

(۱) حدیث: "نهى عن صفقتين في صفقة" کی روایت احمد (۱/ ۳۹۸ طبع المیمنیہ) نے کی ہے احمد شاکر نے المسند (۵/ ۲۹۵ طبع دار المعارف) پر اپنے حاشیہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حدیث: "لا تحل صفقتان في الصفقة....." کی روایت طبرانی نے الاوسط میں سماک بن حرب سے مرفوعا کی ہے اور زیلعی نے عقیلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے (نصب الرایہ ۴/ ۲۰ طبع المجلس العلمی ہندوستان)۔

(۳) حدیث: "الصفقة في الصفقتين ربا ....." کی روایت عقیلی نے حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعا کی ہے اور اسے عمرو بن عثمان بن ابو صفوان ثقفی کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور کہا: اس کے مرفوع پر اس کا کوئی متابع نہیں، اور موقوف اولی ہے (نصب الرایہ ۴/ ۲۰ طبع المجلس العلمی ہندوستان)۔

أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ"[1] (اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو)، مفسرین نے کہا: اس سے مراد ہر ایسا معاملہ ہے جس کا ایک عوض نقد ہو اور دوسرا ادھار[2]، جس میں ثمن کو پہلے ادا کر دیا جائے، اور فروخت شدہ چیز کو سپرد کرنا ادھار ہو وہ "سلم" ہے۔ جس کا جواز شریعت میں وارد ہے، اور اس پر اجماع منعقد ہے، یہ بیع بھی اسی طرح ہے، اس لئے کہ یہ دونوں عوض میں سے ایک کی تاخیر ہے، یہ سب اس شرط پر ہے کہ دونوں عوض میں سے کوئی ایسا نہ ہو جس میں ادھار کا سود جاری ہوتا ہو، جیسا کہ سونا سونے کے بدلہ یا چاندی کے بدلہ، اور جیسے گیہوں جو کے بدلہ۔

لیکن امام احمد کے یہاں یہ مکروہ ہے کہ آدمی خاص طور پر ادھار کے عوض بیع کرے، ادھار کے عوض ہی بیع کرے اور نقد بیع نہ کرے۔

ابن عقیل نے کہا ادھار کو مکروہ محض اس لئے سمجھا کہ وہ ربا کے مشابہ ہے، اس لئے کہ اکثر اوقات ادھار کے عوض بیع کرنے والا مدت کی وجہ سے زیادتی کا قصد کرتا ہے، لیکن ادھار بیع بالاتفاق حرام نہیں ہے، اور مکروہ نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے علاوہ اس کی کوئی تجارت نہ ہو[3]۔

لیکن اگر وہ ثمن جس پر ادھار بیع ہوئی ہے، اس سامان کے موجود ثمن سے اعلی ہو تو:

اس کے بارے میں زین العابدین علی بن حسین سے اختلاف منقول ہے، چنانچہ شوکانی نے ان سے نقل کیا ہے کہ ادھار کی وجہ سے اس دن کے نرخ سے زیادہ میں کسی چیز کی بیع کو وہ

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۸۲۔
(۲) تفسیر القرطبی ۳/ ۳۷۷، فتح القدیر لابن الہمام ۵/ ۶۸۔
(۳) المغنی ۴/ ۱۷۶۔

حرام سمجھتے تھے[1]۔

صاحب "سبل السلام" نے اس میں بعض حضرات کا اختلاف نقل کیا ہے مگر ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے[2]۔

شوکانی نے کہا: اس کی دلیل یہ روایت ہے: "فله أو كسهما أو الربا" اور اس کے راوی کے بارے میں کلام آپ کو معلوم ہی ہے۔ اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ سے مشہور روایت کے الفاظ وہی ہیں جو دوسرے راویوں نے ذکر کئے ہیں، یعنی: دو بیع سے ممانعت، اور اس میں مقصود کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر شوکانی نے کہا: تاہم اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بیع سے ممانعت پر دلالت ہے، اگر بیع اس صورت پر ہو یعنی فروخت کرنے والا کہے: "نقد اتنے میں"، اور ادھار اتنے میں"۔ نہ کہ اس صورت میں جبکہ وہ ابتداء ہی کہہ دے: "صرف ادھار اتنے میں"، اور کچھ نہ کہے، اور وہ اس دن کے نرخ سے زیادہ ہو، تاہم اس روایت کو مستدل بنانے والے اس صورت کو بھی ممنوع کہتے ہیں، اور حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی ہے، لہذا دلیل دعوی سے خاص ہوئی۔ اور سابق کی سابقہ روایت (دیکھئے: فقرہ/ ۱) کا ظاہر یہ ہے کہ وہ حرام اس صورت کو سمجھتے تھے کہ وہ کہے: "یہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں ہے"۔ اس طرح اس پر حدیث کی دلالت مطابق ہوجاتی ہے[3]۔

نوع دوم: دو ثمن کے عوض بیع جس میں ایک نقد اور دوسرا ادھار ہو جو نقد سے زیادہ ہو اور ابہام کے ساتھ ہو۔

(۱) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲۔
(۲) سبل السلام ۳/ ۱۶ طبع چہارم ۱۳۷۹ھ۔
(۳) نیل الاوطار ۵/ ۱۷۲، شوکانی نے کہا: اس سلسلہ میں ہم نے ایک رسالہ "شفاء الغلل فی حکم الزیادۃ فی الثمن لمجرد الأجل" کے نام سے لکھا ہے اور اس میں ایسی تحقیق ہے جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔

۶- اگر سامان کو ایک ہزار کے عوض نقد یا ڈیڑھ ہزار کے عوض ایک سال تک ادھار کے طور پر فروخت کرے، اور ان میں سے ایک اس پر واجب ہو، پھر اگر علاحدگی سے قبل دونوں میں سے ایک ثمن کو فریقین متعین کردیں تو بیع جائز ہے، اور اگر ابہام کے ساتھ وہ دونوں علاحدہ ہوگئے تو ناجائز ہے۔

امام شافعی نے جیسا کہ گزرا صراحت کی ہے کہ یہ ممنوعہ ایک بیع میں دو بیع کے قبیل سے ہے، اور جمہور فقہاء نے اسی کو لیا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ نے اس ممانعت کی دو علت بتائی ہے:

اول: ثمن میں جہالت اور اس کا متعین نہ ہونا۔ ابن قدامہ نے کہا: اس لئے کہ ثمن مجہول ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ نامعلوم نمبر پر بیع، نیز اس لئے کہ ایک عوض غیر معین اور غیر معلوم ہے، لہذا صحیح نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہارے ہاتھ اپنے گھروں میں سے ایک گھر فروخت کردیا۔ انہوں نے کہا: صحیح اسی وقت ہوگی کہ خریدار اس کے بعد کہے: میں اس کو ادھار اتنے میں لیتا ہوں، پھر فروخت کرنے والا کہے: لے لو یا کہے: میں راضی ہوں وغیرہ، تو یہ کامل عقد ہوگا، لیکن اگر کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو ایجاب کے قائم مقام ہو یا ایجاب پر دلالت کرے تو صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جو قول تردد اور ابہام کے ساتھ گزر چکا ہے وہ ایجاب بننے کے لائق نہیں ہے، پھر انہوں نے صحیح ہونے کی ایک دوسری "وجہ" کی تخریج کی ہے[1]۔

دوم: اس میں ربا ہے۔ اس علت کا مدار حضرت ابن مسعودؓ کی بعض روایات پر ہے جن میں وارد ہے: "الصفقة في الصفقتين ربا"[1] (ایک سودا دوسودوں میں ربا ہے)، اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث پر ہے: "فله أو كسهما أو الربا"[2] (اس کے لئے ان دونوں میں سے کم تر یا ربا ہے)۔

یہی علت امام مالک، ان کے شیخ ربیعہ اور بقیہ مالکیہ نے بیان کی ہے۔ "المدونہ" میں مکروہ صورت کی تشریح یہ آئی ہے کہ اگر ایک دینار نقد یا دو دینار ایک مقررہ مدت تک ادھار کے عوض ایک کپڑے کا مالک بنایا کہ ان دونوں میں سے جس کے عوض تم چاہو، اور میں چاہوں لے لو، اور تم پر ان میں سے ایک واجب ہے، تو گویا وہ ایک دینار نقد میں تم پر واجب ہوئی، تم نے اس کو مؤخر کرتے ہوئے دو دینار ادھار کے عوض کردیا، یا گویا وہ تم پر دو دینار ادھار کے عوض واجب ہوئی اور تم نے ان دو دیناروں کو ایک دینار نقد بنادیا۔

اس مسئلہ میں مالکیہ کے مذہب کی توضیح:

۷- مالکیہ نے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی تشریح کی ہے اور ایک بیع میں دو بیع کی حرام صورت کے ضوابط کو بیان کیا ہے، ان کے کلام کا حاصل یہ ہے:

الف۔ حرمت اس صورت کو شامل ہے جبکہ تردد دو مختلف سامانوں کے درمیان ہو مثلاً اگر کہے: میں تمہیں ایک دینار میں یہ سامان یا یہ بکری بیچ رہا ہوں۔ اور اس صورت کو بھی جبکہ تردید دو ثمنوں کے درمیان ہو مثلاً اگر کہے: میں تمہیں یہ سامان دس میں نقد یا بیس میں ایک سال تک ادھار فروخت کررہا ہوں۔

ب۔ یہ حرام نہیں الا یہ کہ عقد دونوں خرید فروخت کرنے

(۱) المغنی ۴/۲۳۵، جواہر الاکلیل ۲/۲۲، شرح المنہاج بحاشیۃ القلیوبی و حاشیۃ عمیرہ ۲/۱۷۷۔

(۱) حدیث: "الصفقة في الصفقتين ربا......" کی تخریج فقرہ/۴ میں آچکی ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث: "فله أو كسهما أو الربا......" کی تخریج فقرہ/۱ میں آچکی ہے۔

والوں یا کسی ایک کو دو چیزوں میں سے ایک کا پابند بنانے کے طور پر ہو، اور اگر بغیر پابندی کے دونوں کے لئے اختیار دینے کے طور پر ہو تو جائز ہے۔

ج۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ ان دونوں سامانوں کی جنس جن کے درمیان اختیار دیا گیا ہے الگ الگ ہو، لیکن اگر جنس ایک ہو، اور اختلاف محض عمدہ اور خراب ہونے میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وہ افضل ہی کو اختیار کرے گا۔ امام مالک نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ دو کپڑوں میں ایک جس کو وہ اختیار کرے گا اتنے ثمن میں خریدے یا گٹھر کے سو کپڑوں میں سے پچاس کپڑا جن کا وہ انتخاب کرے گا خریدے، اگر جنس ایک ہو، اور اس کی بناوٹ اور طول کو بتادے اگرچہ قیمت الگ ہو۔ جبکہ وہ سب مروی یا ہروی ہوں[1] (یہ مرو اور ہرات کی طرف منسوب ہیں)۔

د۔ اس حالت سے مستثنیٰ یہ ہے کہ سامان جس کی بیع ہو رہی ہے اناج ہو جس میں زیادتی کا سود جاری ہوتا ہے، تو جائز نہیں کہ تم اس میں سے اس شرط پر خریدو کہ ان چند ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر کا انتخاب کرلوگے، یا کھجور کے چند درختوں کے پھلوں میں سے ایک درخت کے پھل کا انتخاب کرلوگے، یا پھل دار درختوں میں سے معین تعداد کا انتخاب کرلوگے، جنس ایک ہو یا مختلف۔ مالکیہ نے اس مسئلہ میں "طعام" کی صراحت اس لئے کی ہے کہ ان کے نزدیک زیادتی کے سود کی علت نقدین کے علاوہ میں "غذائیت" ہے[2]۔

انہوں نے یہاں پر زیادتی کے سود کے وجود کی شکل یہ بتائی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایک ڈھیر کو اختیار کرنے کے بعد چھوڑ دے، اور دوسرے ڈھیر کو لے لے، اور ان دونوں کے ناپ میں کمی بیشی ہو، اور سامان غذائی شئ ہو، لہذا زیادتی کا سود ہوگا۔

حنفیہ نے اس تعلیل کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا ہے۔ ابن الہمام نے کہا: ثمن کا بفرض نقد ایک ہزار ہونا، اور بفرض ادھار دو ہزار ہونا ربا کے معنی میں نہیں ہے[1]۔

۸- ربا چند سامانوں کے درمیان یا ایک سامان کی چند قیمتوں کے درمیان اختیار کے ساتھ بیع کرنا تو یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں بھی فاسد ہے، اس لئے کہ جہالت ہے، اور اس صفت کے ساتھ بیع باعث نزاع ہے، حنفیہ نے استحسان کے طور پر اس سے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ چند کپڑوں مثلاً دو کپڑوں یا تین کپڑوں میں ایک کو اس شرط پر فروخت کرے کہ تین دن کے اندر اندر ان میں سے انتخاب کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر کپڑے چار ہوں تو بیع فاسد ہوگی۔ انہوں نے کہا: قیاس یہ ہے کہ سارے میں بیع فاسد ہو، یہی امام زفر اور شافعی کا قول ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ خیار کی مشروعیت ازالۂ غبن کی ضرورت کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ اپنے لئے زیادہ موافق اور بہتر کا انتخاب کرسکے، اور ضرورت کا ثبوت متحقق ہے، اس لئے کہ خریدار کو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا معتبر آدمی انتخاب کرے یا جس کے لئے وہ چیز خریدی ہے وہ انتخاب کرلے، البتہ یہ ضرورت تین کپڑوں سے پوری ہوجاتی ہے، کیونکہ اس میں عمدہ، ردی اور اوسط ہوتا ہے۔ رہا چار یا اس سے زائد تو اس کی ضرورت متحقق نہیں ہے[2]۔

اگر دو "قیمتی" چیزوں میں سے ایک کو ابہام کے ساتھ بلا اختیار کے فروخت کرے، مثلاً گھر اور کپڑا ایک دینار میں، تو یہ سب کے

---

(۱) مدونہ امام مالک بروایت سحنون ۴/ ۱۹۳۔

(۲) مواہب الجلیل علی مختصر خلیل للحطاب، التاج والاکلیل بہامشہ ۴/ ۳۶۴، جواہر الاکلیل ۲/ ۲۲۔

(۱) فتح القدیر ۶/ ۸۱۔

(۲) فتح القدیر ۵/ ۵۲۱۔

نزدیک فاسد ہوگی، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز مجہول ہے[1]۔

نوع سوم: ابن القیم کے کلام میں وارد ہے کہ ثمن ادھار میں کوئی چیز فروخت کرے اور شرط ہو کہ وہ لوٹ کر اس کے خریدار سے اس کے ادھار ثمن سے کم نقد ثمن میں خریدے گا۔

۹ - یہ نوع بھی ان تمام لوگوں کے نزدیک فاسد ہے جو عینہ کی بیع کو باطل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ہاتھ ثمن نقد میں سامان فروخت کرے، جس کو اس نے اسی سے اس سے زیادہ ادھار ثمن میں خرید اتھا۔ اور یہ ربا کا ایک حیلہ ہے، کیونکہ سامان اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا، اور اس کے اپنے لئے فریق کے ذمہ میں مثلاً بارہ سو ایک مدت تک کے لئے ثابت ہو گئے۔ اور اس نے اس کے مقابلہ میں ایک ہزار نقد لے لیا (دیکھئے: ''بیع عینہ'')۔

بیع عینہ کی تحریم کے قائلین نے کہا: یہ حرام ہے، اور فاسد ہے، اگر اس کا وقوع ہو جائے، خواہ بیع دوسری اتفاقاً ہوئی ہو یا ان دونوں نے عقد اول کے وقت اس پر اتفاق کیا ہو[2]۔ اور جب وہ عقد اول میں عقد ثانی کی شرط کی بنیاد پر ہوئی ہے تو یہ بدرجہ اولی حرام اور فاسد ہوگی۔

لیکن جو لوگ بیع عینہ کے جواز کے قائل ہیں مثلاً امام شافعی اور ان کے اصحاب ان کے نزدیک بھی یہ بیع حرام ہے اور فاسد ہے، اور یہ ان کے نزدیک ایک بیع میں دو بیع میں سے ہے، اسی طرح ممنوع بیع یا شرط میں سے ہے[3]، اور یہ اگلی نوع میں داخل ہے۔

نوع چہارم: عقد بیع میں دوسری بیع یا کسی اور عقد کی شرط لگائے:

۱۰ - اس کے دو طریقے ہیں:

اول: عقد بیع میں دوسری بیع کی شرط لگائے، اور دوسری فروخت شدہ چیز یا ثمن کی تحدید نہ کرے۔ تو یہ دو وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ اول: یہ ''ایک ساتھ بیع اور شرط'' میں سے ہے جو ممنوع ہے۔ دوم: جہالت۔ نیز یہ کہ یہ بیع اکثر علماء کے نزدیک ایک بیع میں دو بیع ہے۔

دوم: بیع میں دوسری بیع کی شرط لگائے اور دوسری فروخت شدہ چیز یا ثمن کی تحدید کر دے مثلاً کہے: میں نے تمہیں اپنا یہ گھر ایک ہزار میں اس شرط پر بیچ دیا کہ تم مجھے اپنا گھر ایک ہزار پانچ سو میں بیچو گے یا اس شرط پر کہ تم مجھ سے میرا دوسرا گھر ایک ہزار پانچ سو میں خریدو گے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع ہے جو ممنوع ہے اور یہ حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک، ''ایک ساتھ بیع اور شرط'' میں سے بھی ہے جس سے سنت نبوی میں ممانعت وارد ہے[1] (دیکھئے: ''بیع و شرط'')۔

۱۱ - ایک ساتھ بیع و شرط سے ممانعت کا قائل ہونے میں اگرچہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ حنفیہ و شافعیہ اس کو ممنوع کہتے ہیں، جبکہ حنابلہ اس کو جائز کہتے ہیں اگر شرط ایک ہو۔ اس میں ہر ایک کے یہاں تفصیل ہے، یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں ہے، لیکن اگر مشروط دوسری بیع ہو تو شرط فاسد ہوگی، اور بیع بھی فاسد ہوگی حتی کہ حنابلہ کے نزدیک بھی[2]۔

---

(۱) فتح القدیر والعنایہ ۵/ ۵۱۸، ۵۱۹، ابن عابدین ۴/ ۱۰۹، شرح المنہاج ۲/ ۱۶۱۔

(۲) المغنی ۴/ ۱۷۴ طبع سوم۔

(۳) شرح المنہاج وحاشیۃ القلیوبی ۲/ ۱۷۷۔

(۱) شرح المنہاج وحاشیۃ القلیوبی وعمیرہ ۲/ ۱۷۷، المغنی ۴/ ۲۳۴ طبع سوم۔ حدیث: "نهى عن بيع و شرط......" کی روایت طبرانی نے الاوسط میں کی ہے زیلعی نے ابن القطان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہے (نصب الرایہ ۴/ ۱۸، طبع المجلس العلمی ہندوستان)۔

(۲) المغنی ۴/ ۲۳۳، ۲۳۵، شرح فتح القدیر علی الہدایہ ۶/ ۸۰، ۸۱۔

یہ نوع بھی فاسد ہے، خواہ مشروط عقد بیع میں بیع ہو یا اس کے علاوہ مثلاً سلف یا اجارہ یا قرض یا اس کے علاوہ دوسرے عقود۔ اس کی وجہ بیع کی شرط لگانے پر قیاس ہے۔ نیز وہ دوسری روایت یعنی ایک صفقہ میں دوصفقوں سے ممانعت کے عموم میں داخل ہے، اس لئے کہ صفقہ بمعنی عقد ہے، لہذا اس کے تحت ہر وہ دو عقد آئیں گے جن کو ایک عقد میں جمع کر دیا گیا ہو، اور سلف اور بیع کو جمع کرنے کے بارے میں خاص ممانعت وارد ہے۔ اور وہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "لا يحل سلف و بيع" (ایک ساتھ بیع اور سلف حلال نہیں ہیں) ابن قدامہ نے کہا: یہ امام مالک اور شافعی کا مذہب ہے۔ میرے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ امام مالک نے کہا: اگر سلف کی شرط لگانے والا اپنی شرط کو چھوڑ دے تو بیع صحیح ہوگی۔

ابن قدامہ نے فساد بیع کی توجیہ اس کا صفقتین فی صفقۃ میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کی ہے کہ جب اس نے مثلاً قرض کی شرط لگا دی تو اس کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کر دیا، تو ثمن میں ہونے والی یہ زیادتی قرض کا عوض اور اس کا نفع ہوگی، اور یہ حرام سود ہے، لہذا فاسد ہوگی، جیسا کہ اگر اس کی صراحت کر دے [1]۔

اگر دونوں عقدوں میں کوئی بیع نہ ہو تو بھی دونوں فاسد ہیں جیسا کہ اگر اجارہ میں سلف یا نکاح کی شرط لگائے یا نکاح میں نکاح کی شرط لگائے، ایک تشریح کے مطابق یہی شغار کہلاتا ہے جو ممنوع ہے۔ (دیکھئے: "شغار")۔

اس نوع کے تحت آنے والے مسائل ہی میں یہ بھی ہے کہ کوئی سامان سونے کے دنانیر میں فروخت کرے اور شرط لگائے کہ ثمن دراہم کی شکل میں بیع صرف کے نرخ پر سپرد کرے گا، جس پر ان دونوں نے اسی عقد میں اتفاق کر لیا ہو۔ ابن قدامہ نے کہا: یہ باطل ہے، کیونکہ اس نے اس عقد میں شرط لگائی کہ اس کے ساتھ اس ثمن میں، جس پر عقد ہوا ہے بیع صرف کرے، اور صرف عقد ہے تو یہ "بیعتین فی بیعۃ" کے باب سے ہوگا، پھر انہوں نے کہا: اور امام مالک نے کہا: میں لفظ فاسد کی طرف توجہ نہیں دوں گا اگر وہ معلوم حلال ہو۔ تو گویا اس نے سامان کو ان دراہم کے عوض فروخت کیا جن کو وہ دیناروں کے بدلے لے گا۔

۱۲ - مذکورہ بالا حالت اور اس صورت کے درمیان فرق کرنا چاہئے کہ دو مختلف سامانوں کو ایک ثمن میں فروخت کرے، مثلاً جانور اور گھر ایک ہزار دینار میں فروخت کرے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور "بیعتین فی بیعۃ" میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گھر کو ایک جانور اور ایک ہزار دینار کے عوض فروخت کرے۔

۱۳ - اسی طرح اگر بیع اور اجارہ کو یا بیع اور صرف کو یا اجارہ اور نکاح کو ایک عوض کے ساتھ جمع کر دے، مثلاً اگر کہے: میں نے ایک ہزار دینار میں تمہیں اپنا یہ گھر فروخت کیا، اور اپنا دوسرا گھر تمہیں ایک سال کے لئے اجرت پر دیا، تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہ دو "چیزیں" ہیں، انفرادی طور پر ان میں سے ہر ایک کا عوض لینا جائز ہے، لہذا اجتماعی طور پر ان دونوں کا عوض لینا بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اگر کہے: میں نے تمہیں یہ دونوں کپڑے ایک ہزار میں فروخت کئے، یہ حنابلہ کے یہاں قول اصح اور شافعیہ کے یہاں اظہر ہے، اور ایک کو واپس کرنے کے وقت عوض کو ان دونوں کی قیمت کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا، یعنی مثلاً مقررہ مدت کی اجرت کے لحاظ سے کرایہ کی چیز کی قیمت اور فروخت شدہ چیز کی ذات کی قیمت۔

فریقین میں سے ہر ایک کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحیح

---

(۱) المغنی ۴/ ۵-۲۳۴۔

نہیں ہے، اس لئے کہ ان دونوں کا حکم مختلف ہے، اس لئے کہ فروخت شدہ چیز محض بیع سے قابل ضمان ہوجاتی ہے، اور اجارہ اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ بسا اوقات فسخ وانفساخ وغیرہ کے اسباب میں اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کے حکم میں ہونے والے اختلاف کی بناپر کوئی ایسی چیز پیش آجاتی ہے، جو ان دونوں میں ایک کے فسخ کی متقاضی ہوتی ہے، اور تقسیم کی ضرورت ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ عقد کے وقت ان دونوں میں سے ہر ایک کا خصوصی عوض مجہول ہو، اور یہ ممنوع ہے، لیکن اگر دوعقد میں سے کوئی ایک نکاح ہو تو وہ مہر مثل سے صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ مقرر کرنا اس کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے (۱)۔

مالکیہ کے یہاں مشہور قول کے مطابق صراحت ہے کہ بیع کے ساتھ ''صرف'' یا ''جعالہ'' یا ''مساقات'' یا ''شرکت'' یا ''قراض'' یا ''نکاح'' یا ''سلف'' کو جمع کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح ان میں کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ جمع کرنا ناجائز ہے۔ اور سلف کے ساتھ سلف لینے والے کی جانب سے صدقہ یا ہبہ وغیرہ بھی جمع نہیں ہوں گے (۲)۔

نوع پنجم: متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے منفعت کی شرط:

۱۴ – اس کی مثال یہ ہے کہ کہے: میں نے تمہیں یہ گھر اس شرط پر فروخت کیا کہ اس میں ایک سال رہائش اختیار کروں گا یا کہے: میں نے تمہیں یہ جانور اس شرط پر فروخت کیا کہ اس سے ایک ماہ خدمت

(۱) المغنی ۴/ ۲۳۶، شرح المنتہی ۲/ ۱۵۴، نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۶۶، ۴۶۸، شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۱۸۸۔

(۲) اللباب ۴/ ۳۱۳۔

لوں گا۔ حنفیہ نے اس کو ''بیعتین فی بیعۃ'' میں داخل کیا ہے، جس سے ممانعت وارد ہے۔ اور انہوں نے کہا: اس کی وجہ سے بیع فاسد ہوجائے گی، نیز اس لئے کہ یہ ''ایک ساتھ بیع'' اور ''شرط'' کے باب سے ہے۔ جس سے ممانعت ہے۔ (دیکھئے: ''بیع وشرط'')۔

اس کے ''بیعتین فی بیعۃ'' میں سے ہونے کی وجہ جیسا کہ ''الہدایہ'' اور ''فتح القدیر'' میں ہے، یہ ہے کہ اگر خدمت اور رہائش کے بالمقابل کچھ ثمن ہو، بایں طور کہ مقررہ رقم کو فروخت شدہ چیز کے بالمقابل ثمن اور خدمت ورہائش کے بالمقابل اجرت مانا جائے تو یہ بیع میں اجارہ ہوگا، اور اگر خدمت ورہائش کے بالمقابل ثمن کا کوئی حصہ نہیں تو یہ بیع میں اعارہ ہوگا، اور اس کے ربا ہونے کی وجہ یہ ہے عقد میں مشروط زیادتی، عوض سے خالی ہے۔ اور ربا کا مفہوم یہی ہے (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اسی کے مثل یہ بھی ہے کہ درخت فروخت کرے جس پر پھل ہو، اور ایک مدت تک درخت پر پھل کے بقاء کی شرط لگادے۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع میں اعارہ یا اجارہ ہوگا، لہذا یہ ''صفقتین فی صفقۃ'' کے باب سے بھی ہوگا (۲)۔

شافعیہ اس بیع کے ممنوع ہونے اور اس جیسی شرط کے مفسد عقد ہونے سے اتفاق کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ ''بیع وشرط'' کے باب سے ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، جبکہ مشروط منفعت معلوم ہو۔ انہوں نے کہا: حضرت جابرؓ کی صحیح حدیث ہے: "أنه باع من النبي ﷺ جملا و استثنى حمله إلى المدينة" (انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اونٹ فروخت کیا اور مدینہ تک اس کی سواری کا استثنا کرلیا) اور اس لئے کہ: "نهى عن الثنيا إلا أن

(۱) الہدایہ وفتح القدیر ۶/ ۷۸، ۸۰۔

(۲) الاختیار لتعلیل المختار ۲/ ۷ طبع سوم ابن عابدین ۴/ ۳۹، ۱۲۱۔

تعلم"،[1](حضور ﷺ نے استثناء سے منع کیا ہے الا یہ کہ وہ معلوم ہو)۔

(۱) المغنی ۹۶/۴، ۹۸، نیل المآرب ۳۹۹/۱، شائع کردہ مکتبۃ الفلاح کویت، ۱۴۰۳ھ، جواہر الاکلیل ۱۸۶/۲، ۱۸۷۔
حدیث جابرکی روایت بخاری (فتح الباری ۳۱۴/۵ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔
اور حدیث: "النهي عن الثنيا" کی روایت ترمذی (۵۸۵/۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

بیعت

تعریف:

۱- لغت میں بیعت کے کئی معانی ہیں، اس کا اطلاق: طاعت کے لئے بیعت پر ہوتا ہے، اور اس کا اطلاق: بیع کے ایک سودے پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: **بایعته**، یہ بیع اور بیعت دونوں سے ہے۔ اور "تبایع" بھی اسی کی طرح ہے۔ فرمان باری ہے: **"إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ"**[1](بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں۔ وہ اللہ ہی سے بیعت کررہے ہیں)۔

اور حدیث میں ہے کہ جب حضرت مجاشع نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: کس بات پر آپ ہم سے بیعت لیتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"علی الإسلام و الجهاد"**[2](اسلام اور جہاد پر)۔ اور یہ عقد اور معاہدہ کرنے کے معنی میں ہے، گویا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ بیچ دی، اور اس کو اپنی خالص نیت، اپنی اطاعت اور اپنا راز سونپ دیا۔ اور اسی کے مثل بیعت کی قسمیں ہے، جن کو حجاج نے بہت سخت امور یعنی طلاق، آزادی اور روزہ وغیرہ پر مشتمل کرکے مرتب کیا تھا[3]۔

(۱) سورۂ فتح / ۱۰۔
(۲) حضرت مجاشعؓ کی حدیث کی روایت بخاری (الفتح ۱۱۷/۶ طبع السلفیہ) اور مسلم (۱۴۸۷/۳ طبع الحلبی) نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں۔
(۳) لسان العرب، المصباح المنیر، الصحاح۔

بیعت اصطلاح میں جیسا کہ ابن خلدون نے اپنے ''مقدمہ'' میں اس کی تعریف کی ہے، طاعت پر عہد کرنا ہے، گویا بیعت کرنے والا اپنے امیر سے اس بات پر عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی امر اور مسلمانوں کے امور کی نگرانی اس کے سپرد کرتا ہے۔ اس سلسلہ کی کسی چیز میں اس سے نزاع نہیں کرے گا، اور خوشی و ناخوشی میں اس کے حکم کو مانے گا، اور جب وہ کسی امیر سے بیعت کرلیتے اور اس سے عہد کو مکمل کرلیتے تو عہد کی تاکید کے لئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ اس طرح سے یہ عمل خرید وفروخت کرنے والے کے فعل کی طرح ہوگیا اور بیعت دست بدست مصافحہ سے ہونے لگی۔

یہ لغت میں اس کا مدلول اور شریعت میں معروف معنی ہے۔ ''''عقبہ کی رات''، اور ''درخت'' کے پاس نبی کریم ﷺ سے بیعت والی حدیث میں یہی مراد ہے، اور جہاں بھی یہ لفظ وارد ہے یہی مراد ہے۔ اسی سے ''بیعت خلفاء''، اور اسی سے ''بیعت کی قسمیں'' ماخوذ ہے، چنانچہ خلفاء عہد پر قسم لیتے، اور اس میں تمام اقسام کی قسموں کو شامل کرلیتے تھے، لہذا اس استیعاب وجامعیت کو ''ایمان بیعت'' کہا گیا[۱]۔

۲- علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ سے شہرت کے ساتھ ثابت ہے کہ لوگ آپ ﷺ سے کبھی ہجرت وجہاد پر، کبھی ارکان اسلام کے قائم کرنے پر، کبھی کفار سے جنگ میں ثابت قدمی، اور برقرار رہنے پر، اور بسا اوقات سنت کو اختیار کرنے، بدعت سے اجتناب، اور طاعات کی پابندی پر بیعت کرتے تھے[۲]۔

اس کے علاوہ بیعۃ بمعنی ایک بار بیع کرنا پر بحث کے لئے دیکھئے: اصطلاح ''بیع''۔

(۱) مقدمہ ابن خلدون رص ۲۰۹ طبع دار احیاء التراث العربی۔
(۲) القواعد الفقہیہ للمجددی البرکتی ر ۶۱۲ طبع ڈھاکہ۔

متعلقہ الفاظ:

الف-عقد:

۳- عقد: اس کی جمع عقود ہے، لغت میں اس کے کئی معانی ہیں مثلاً رسی وغیرہ میں گرہ لگانا، اور اس کا ایک معنی عہد ہے[۱]۔

اصطلاح میں عقد تصرف کے اجزاء کو شرعاً ایجاب وقبول کے ذریعہ مربوط کرنا ہے[۲]۔

لہذا عقد میں بمقابلہ بیعت عموم ہے۔

ب-عہد:

۴- لغت میں اس کے معانی میں سے ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ سے عہد کیا جائے، اور بندوں کے درمیان ہونے والے میثاق اور ایمان ہیں۔

عہد: وہ تحریر ہے جو حکمرانوں کے لئے ذمہ داری سونپتے وقت لکھی جاتی ہے۔ اس کی جمع: ''عہود'' ہے، کہتے ہیں: **عهد اليه عهداً**: سونپا، حوالہ کرنا۔

عہد: وہ میثاق اور قسم ہے جو انسان سے لی جائے، تم کہتے ہو: **عليّ عهد الله و ميثاقه** یعنی مجھ پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے، اور **أخذت عليه عهدالله و ميثاقه**: میں نے اس سے اللہ کا عہد اور میثاق لیا، اور ''بیعت'' ایک طرح کا عہد ہے[۳]۔

بیعت کا شرعی حکم:

۵- بیعت کرنے والوں کے لحاظ سے بیعت کا حکم مختلف ہوتا ہے، چنانچہ اہل حل وعقد پر اس شخص سے بیعت کرنا واجب ہے جس کو

(۱) لسان العرب، المصباح المنیر۔
(۲) التعریفات للجرجانی ر ۱۵۳۔
(۳) لسان العرب، التعریفات للجرجانی۔

انہوں نے امامت کے لئے منتخب کیا ہو اور جس میں امامت کی تمام شرعی شرائط موجود ہوں۔

رہے عام لوگ تو اصل یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی بیعت کی بنیاد پر ہر شخص پر بیعت واجب ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ''من مات وليس في عنقه بيعة لإمام مات ميتة جاهلية''[1] (جو مر گیا، اور اس نے کسی امام سے بیعت نہیں کی تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی)، لیکن مالکیہ کی رائے ہے کہ بقیہ لوگوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ بیعت شدہ امام کے ماتحت ہیں اور اس کی اطاعت کے پابند ہیں[2]۔

یہ تو بیعت کرنے والوں یعنی اہل حل وعقد اور بقیہ لوگوں کے تعلق سے ہے۔

جہاں تک امامت کے لئے منتخب کئے جانے والے شخص کا تعلق ہے تو اس پر واجب ہے کہ بیعت قبول کر لے، اگر امامت اس کے لئے متعین ہو، یعنی کسی دوسرے کے اندر تمام شرائط نہ پائی جائیں۔ اور اگر کئی ایک میں تمام شرائط موجود ہوں تو بیعت کو قبول کرنا فرض کفایہ ہوگا، دیکھئے: اصطلاح ''امامت کبریٰ'' اور ''اہل حل وعقد''۔

بیعت کی مشروعیت کے دلائل:

٦ - مسلمانوں کا رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا، اللہ سے بیعت کرنا ہے جیسا کہ فرمان باری میں ہے: "إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ"[1] (بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے)، چنانچہ اجر وثواب دینے میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ وفاداری کے بارے میں بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں سے اوپر، اور ہدایت کے ذریعہ ان پر احسان کرنے میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ طاعت کے باب میں ان کے ہاتھ کے اوپر ہے[2]۔

اس آیت میں بیعت سے مراد مقام حدیبیہ میں ہونے والی بیعت رضوان ہے، جہاں بیعت کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ''لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فتحاً قَرِيْباً''[3] (بیشک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جبکہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی)۔

''صحیح مسلم'' میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے، انہوں نے کہا: "كنا يوم الحديبية ألفا و أربعمائة، فبايعناه وعمر آخذ بيده تحت الشجرة وهي سمرة" (ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑے ہوئے درخت کے نیچے تھے۔ اور وہ سمرہ (ببول) کا درخت تھا)۔ انہوں نے کہا: ''بايعناه على أن لا نفر، ولم نبايعه على الموت''[4] (ہم نے آپ ﷺ سے نہ بھاگنے

---

(۱) حدیث: "من مات وليس في عنقه بيعة....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۴۷۸ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) ابن عابدین ۱/ ۳۶۸، الشرح الکبیر ۴/ ۲۹۸، دیکھئے: منہاج الطالبین وحاشیۃ القلیوبی ۴/ ۱۷۳، مطالب أولی النہی ۶/ ۲۶۳۔

(۱) سورۂ فتح / ۱۰۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۶/ ۲۶۷۔

(۳) سورۂ فتح / ۱۸۔

(۴) حدیث جابر: "كنا يوم الحديبية....." کی روایت مسلم (۳/ ۱۴۸۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

پر بیعت کی تھی، مر جانے پر بیعت نہیں کی تھی)۔

بیعت عقبہ اولی میں مسلمانوں نے آپ ﷺ سے ''عورتوں'' والی بیعت کی تھی، یہ جہاد فرض ہونے سے قبل تھی، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے جو شرکاء بدر اور عقبہ کی رات کے نقباء میں سے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "بايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم، ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم، ولا تعصوا في معروف، فمن وفى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله، فهو إلى الله، إن شاء عفا عنه وإن شاء عاقبه، فبايعناه على ذلك'' [1] (تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے، چوری نہ کروگے، زنا نہ کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، اور بہتان نہ لاؤ گے جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑلو، نیک کام میں نافرمانی نہ کروگے، پھر تم میں سے جو یہ عہد پورا کرے اس کا ثواب اللہ پر ہے، اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے، اور اس دنیا میں اس کی سزا مل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے، پھر اللہ نے اس کو دنیا میں چھپائے رکھا، تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے اس کو معاف کردے، اور اگر چاہے عذاب دے، پھر ہم نے ان باتوں پر آپ ﷺ سے بیعت کرلی)۔

۷ - رہی عورتوں والی بیعت تو اس کا بیان اس فرمان باری میں ہے:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ'' [1] (اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں تو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑلیں اور مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرلیا کیجئے، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے)۔

فتح مکہ کے موقع پر مکہ کی عورتیں آپ ﷺ کے پاس بیعت کے لئے آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے عہد لیا شریک نہ ٹھہرائیں ......الخ۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، انہوں نے کہا کہ مسلمان عورتیں جب ہجرت کرکے آتیں تو آپ ﷺ ان کا اس آیت کے مطابق امتحان لیتے: " يَأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ'' إلى آخر الآية۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر جو عورت اس کا اقرار کرلیتی تو گویا بیعت کا اقرار کرتی [2]۔

جب وہ اپنی زبان سے اس کا اقرار کرلیتیں تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: ''انطلقن فقد بايعتكن'' (جاؤ، میں تم سے بیعت لے

(۱) حدیث عبادہ صامت کی روایت بخاری (الفتح ۱/ ۶۴ طبع السلفیہ) نے کی ہے۔

(۱) سورۂ ممتحنہ/۱۲۔

(۲) امام نووی نے کہا: یعنی آپ نے شرعی بیعت لے لی۔

چکا) اور اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی مس نہ ہوا، بلکہ آپ ﷺ ان سے زبان سے بیعت لیتے تھے۔حضرت عائشہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کوئی قرار نہیں لیا،مگر جس کا اللہ نے حکم دیا،آپ ﷺ کی ہتھیلی کسی عورت کی ہتھیلی سے کبھی نہیں لگی، بلکہ وہ اقرار کرلیتیں تو آپ ﷺ صرف زبان سے فرما دیتے:"قد بایعتکن"[1] (میں تم سے بیعت لے چکا)۔(یعنی ان سے مصافحہ نہیں ہوتا تھا)۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا، پھر حضرت عمر بن الخطاب کو ہمارے پاس بھیجا، انہوں نے دروازے پر کھڑے ہوکر سلام کیا،عورتوں نے سلام کا جواب دیا، انہوں نے کہا: میں تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام لے کرآیا ہوں کہ تم اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ،عورتوں نے کہا: جی ہاں۔انہوں نے اپنا ہاتھ گھر کے باہر سے بڑھایا،ہم نے اپنا ہاتھ گھر کے اندر سے بڑھایا،پھر انہوں نے کہا: خدایا! تو گواہ رہ[2]۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت ہے:

"أن النبي ﷺ كان إذا بايع النساء دعا بقدح من ماء فغمس يده فيه، ثم أمر النساء فغمسن أيديهن فيه"[3]

(رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگاتے، اس میں دست مبارک ڈال دیتے پھر عورتیں آپ ﷺ کے حکم سے اپنے ہاتھ اس میں ڈال دیتیں)۔

بہرکیف رسول اللہ ﷺ سے مسلمان مردوں کی بیعت زبانی گفتگو کے ساتھ مصافحہ کے ذریعہ ہوتی تھی، جبکہ مسلمان عورتوں کی بیعت صرف زبانی ہوتی،مصافحہ نہیں ہوتا تھا۔امام نووی نے "شرح مسلم" میں کہا: عورتوں کی بیعت ہتھیلی پکڑے بغیر صرف زبانی ہوتی، اور مردوں کی بیعت زبانی کے ساتھ ہتھیلی پکڑ کر ہوتی تھی[1]۔

اور جس وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کو مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکر! آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں، انہوں نے ہاتھ بڑھادیا۔حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت کی، پھر مہاجرین نے ان سے بیعت کی، پھر انصار نے ان سے بیعت کی[2]۔

نبی کریم ﷺ سے صحابہ کی بیعت، اور دوسرے ائمہ سے بیعت کے درمیان فرق:

۸- رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا موضوع بیعت کرنے والوں کے سمع وطاعت کا عہد کرنے اور اس کے پابند ہونے اور خاص طور پر جس چیز کی بیعت ہوئی ہے، اس کی پابندی تک محدود ہے، رہا آپ ﷺ کا امامت کے لئے متعین ہونا تو وہ وحی کے ذریعہ تھا۔اور دوسرے حضرات کی بیعت طرفین سے التزام اور پابندی ہے، یہ اہل حل

---

(۱) حدیث عائشہ "الطلقن فقد بایعتکن" کی روایت مسلم (۳/ ۱۴۸۹ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

(۲) حضرت ام عطیہ کی حدیث کی روایت ابن سعد (۸/ ۷ طبع دار بیروت) نے اپنی طبقات میں کی ہے نیز ابوداؤد (۱/ ۶۷۷ طبع عزت عبید دعاس) نے مختصراً اس کی روایت کی ہے۔

(۳) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۸/ ۷۰، ۷۱، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۴۳۱ جزو ۲۔

حدیث عمرو بن شعیب: "کان إذا بایع النساء دعا بقدح من ماء....." کی روایت ابن سعد اور ابن مردویہ نے کی ہے، جیسا کہ الدر المنثور للسیوطی (۸/ ۱۴۳ طبع دار الفکر) میں ہے۔

(۱) حاشیہ قلیوبی علی منہاج الطالبین ۴/ ۲۷۲، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص ۹ طبع مصطفی الحلبی، قواعد الفقہ للمجددی البرکتی رسالہ چہارم ۶۱۲۔

(۲) السیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۶۶۰ جزو رابع۔

وعقد کی طرف سے امام کے لئے سمع وطاعت کی پابندی اور اس کی امامت کا اقرار کرنا ہے، اور جس کے لئے بیعت کی جائے اس کی طرف سے عدل وانصاف قائم کرنے، اور فرائض امامت کی انجام دہی کی پابندی کا اقرار ہے[1]، اس بیعت پر اگر وہ شرعی طریقہ پر ہوجائے، اس شخص کے لئے امامت کا انعقاد مرتب ہوگا جس سے اہل حل وعقد بیعت کرلیں، اور اہل حل وعقد کے علاوہ بقیہ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اہل حل وعقد کے اتباع میں اس سے بیعت کرلیں۔

کیا بیعت عقد ہے اور قبول کرنے پر موقوف ہے؟

۹- بیعت رضا اور اختیار کا عقد ہے اس میں جبر ودباؤ کا کوئی دخل نہیں ہے، اور یہ طرفین کے درمیان عقد ہے، ایک طرف اہل حل وعقد اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کا انہوں نے اپنے اجتہاد سے انتخاب کیا ہے، جس میں امامت کی تمام شرائط موجود ہیں، تا کہ وہ ان کا امام ہوسکے۔ جب اہل حل وعقد انتخاب کے لئے جمع ہوں اور امامت کی اہلیت رکھنے والوں کے حالات کا جائزہ لیں جن میں امامت کی شرائط موجود ہیں تو ان میں سب سے افضل اور سب سے مکمل شرائط کے حامل کو آگے بڑھادیں جس کی اطاعت لوگ فوری کریں گے، اور اس کی بیعت سے توقف نہیں کریں گے، اور اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں انہوں نے جماعت میں سے ایک معین شخص کا انتخاب کرلیا تو اس کے سامنے امامت کو پیش کریں، اگر وہ قبول کرلے تو اس سے بیعت امامت کرلیں، اور ان کی بیعت ہوجانے سے اس شخص کی امامت کا انعقاد ہوجائے گا، اور تمام امت کو اس کی بیعت میں داخل ہونا اور اس کی اطاعت قبول کرنا واجب ہوگا، اور اگر وہ منتخب شخص امامت سے گریز کرے اور اس کو قبول نہ کرے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اس سے ہٹ کر دوسرے مستحق کو دیکھا جائے گا[1]۔

امامت کے انعقاد میں بیعت کا اثر:

۱۰- اہل حل وعقد کی طرف سے امام کا انتخاب اور اس کے لئے ان کی بیعت ہی امامت کے انعقاد میں اصل ہے، اور اہل حل وعقد علماء اور اہل رائے وتدبیر کی جماعت ہے، جن میں امانت وعدالت اور رائے کی شرائط کے ساتھ ساتھ علم بھی ہو (دیکھئے: اہل حل وعقد)۔

رہا ولی عہد بنانے یا غلبہ کی وجہ سے امامت کا انعقاد[2] تو اس کا حکم اصطلاح: ''امامت کبری'' میں دیکھا جائے۔

جو لوگ امام کے شہر میں ہیں ان کو دوسرے شہروں والے لوگوں پر کوئی خصوصیت اور امتیاز حاصل نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ امام کے انتخاب میں دوسرے سے آگے ہوں، امام کے شہر کے لوگ عقد امامت کرنے والے محض عرفاً ہوگئے ہیں، شرعاً نہیں، کہ ان کو امام کی موت کا علم پہلے ہوتا ہے، اس لئے کہ اکثر خلافت کے اہل افراد امام کے شہر میں موجود ہوتے ہیں[3]۔

---

(۱) مطالب أولی النہی ۶/ ۲۶۶۔

---

(۱) الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ للماوردی رص ۷ طبع دار الکتب العلمیہ، حاشیہ قلیوبی علی منہاج الطالبین ۴/ ۱۷۳، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی رص ۸ طبع اول مصطفی الحلبی، مقدمہ ابن خلدون رص ۲۰۹۔

(۲) ابن عابدین ۱/ ۳۶۹، ۳/ ۳۱۰، الشرح الکبیر ۴/ ۲۹۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۶، منہاج الطالبین وحاشیہ قلیوبی ۴/ ۱۷۳، مطالب أولی النہی ۶/ ۲۶۴، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی رص ۵۔

(۳) ابن عابدین ۳/ ۳۱۰، الشرح الکبیر ۴/ ۲۹۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۶، مطالب أولی النہی ۶/ ۲۶۳، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی رص ۳، ۴۔

جن لوگوں کی بیعت سے امامت کا انعقاد ہوتا ہے ان کی تعداد:

۱۱ - اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ امامت کا انعقاد بیعت پر اہل حل وعقد کے اتفاق کر لینے اور ہر شہر کے جمہور اہل حل وعقد کی طرف سے بیعت کر لینے اور آمادگی پائے جانے سے ہوجاتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اس سے کم سے امامت کا انعقاد نہیں ہوتا، تا کہ اس کی امامت پر مکمل رضا اور آمادگی پائی جائے۔ امام بخاری نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ''من بايع رجلا من غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو ولا الذي بايعه'' [۱] (جس نے کسی شخص سے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر بیعت کر لی تو نہ اس نے بیعت کی اور نہ اُس نے جس کی بیعت کی گئی)۔

ابویعلی نے کہا: رہا اہل حل وعقد کے انتخاب سے امامت کا انعقاد تو وہ جمہور اہل حل وعقد کے بغیر نہیں ہوگا، اور اسحاق بن ابراہیم کی روایت میں امام احمد نے کہا: امام وہ ہے جس پر اہل حل وعقد اتفاق کرلیں، سب کہیں: یہ امام ہے۔ ابویعلی نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ امامت کا انعقاد ان کی جماعت سے ہوگا۔

ایک قول ہے کہ اس سے کم سے بھی ہوجائے گا۔

جمہور اہل حل وعقد ہی کے ذریعہ امامت کے انعقاد کے قائلین میں مالکیہ اور حنابلہ ہیں، معتزلہ نے کہا: پانچ سے انعقاد ہوجائے گا، شافعیہ نے کہا: چار، تین اور دو سے انعقاد ہوجائے گا، اور حنفیہ ایک سے انعقاد کے قائل ہیں [۱]۔ تفصیل اصطلاح ''امامت کبری'' میں دیکھئے۔

طریقۂ بیعت:

۱۲ - اس کا طریقہ یہ ہے کہ بیعت کرنے والے اہل حل وعقد میں سے ہر شخص بیعت کرتے وقت کہے: ہم نے آپ سے عدل وانصاف کے قائم کرنے اور فرائض امامت کی انجام دہی پر بیعت کی، اس کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین میں بیعت مصافحہ کے ذریعہ ہوتی تھی، لیکن جب حجاج برسر اقتدار آیا تو اس نے اللہ کی قسم، طلاق، آزادی اور صدقۂ مال پر مشتمل قسمیں مرتب کیں۔ ابن القیم نے ''إعلام الموقعین'' میں مزید لکھا ہے کہ عورتوں سے بیعت زبانی ہوتی تھی، رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کبھی بھی کسی غیر محرم عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا [۲]۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں جب حضرت عمرؓ کو مسلمانوں میں اختلاف کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: ابوبکر! اپنا ہاتھ پھیلائیے، انہوں نے ہاتھ پھیلادیا، حضرت عمرؓ نے ان سے بیعت کر لی، پھر مہاجرین نے بیعت کی، پھر انصار نے بیعت کی۔

عورتوں کی بیعت کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ وہ زبانی ہوتی تھی، آپ ﷺ عورتوں کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں مارتے تھے، جیسا کہ مردوں سے بیعت کرتے تھے۔

---

(۱) حضرت عمر بن الخطاب کے اثر: ''من بايع رجلا من غير مشورة......'' کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۲/ ۱۴۵ طبع السلفیہ) نے تفصیل سے کی ہے۔

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلی رص ۷، وللماوردی رص ۶، ۷، حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۲۹۸، الشرح الکبیر ۴/ ۲۹۸، مطالب اولی النہی ۶/ ۲۶۳، ابن عابدین ۳/ ۳۱۰، منہاج الطالبین وحاشیہ قلیوبی ۴/ ۱۷۳۔

(۲) مطالب اولی النہی ۶/ ۲۶۶، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی رص ۹۔

بیعت کو توڑنا:

۱۴۳ - امام سے بیعت کرنے کے بعد اس کی بیعت کو توڑنا یا اس کی اطاعت نہ کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے الا یہ کہ بیعت کے توڑنے کا کوئی شرعی تقاضا ہو مثلاً امام کا مرتد ہونا، اور اس کے علاوہ دوسرے اسباب جن کا ذکر اصطلاح ''امامت کبری'' میں آچکا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے بیعت توڑدے تو حرام ہے (۱)۔ اس کی ممانعت اس فرمان باری میں وارد ہے: ''إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ، فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهِ وَ مَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً'' (۲) (بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کررہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کررہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، سو جو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا، اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرلے گا جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے تو اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا)، اور فرمان نبوی ہے: ''من بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع'' (۳) (جس نے کسی امام سے بیعت کرلی، اس کو اپنا ہاتھ دے دیا، اور دل سے اس کی تابع داری کرلی، تو اس کی اطاعت کرے، جہاں تک طاقت ہو)۔

بیعۃ

دیکھئے: ''معاہد''۔

بیّنہ

دیکھئے: ''شہادات'' اور ''إثبات''۔

---

(۱) ابن عابدین ۱/ ۳۶۸، ۳/ ۳۱۰، الشرح الکبیر ۴/ ۱۲۹، ۱۳۰، منہاج الطالبین وحاشیہ قلیوبی ۴/ ۱۷۴، الاحکام السلطانیہ للماوردی/ ص ۱۷، مطالب أولی النہی ۶/ ۲۶۵، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ۵، ۶۔

(۲) سورۂ فتح/ ۱۰۔

(۳) حدیث: ''من بايع إماما فأعطاه صفقة يده......'' کی روایت مسلم (۳/ ۱۴۷۳ طبع الحلبی) نے کی ہے۔

تراجم فقہاء

جلد ۹ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

الف

ابراہیم المقدسی (؟-۵۱۸ھ)

یہ ابراہیم بن مسلم، ابوالفتح ہیں، فقیہ سلطان مقدسی کے نام سے مشہور ہیں، شافعی فقیہ ہیں۔ ذہبی نے کہا: نصر مقدسی سے علم حاصل کیا اور ابوبکر خطیب سے حدیث سنی۔ اسنوی اور علی سلامہ مقدسی نے کہا: مذہب میں ماہر تھے، ستر سال کی عمر کے بعد مصر آئے، وہاں حدیث سنی، وہ مصر کے عظیم ترین فقہاء میں سے تھے، مصر کے اکثر فقہاء نے ان سے پڑھا۔

بعض تصانیف: "البيان في أحكام التقاء الختان"، اور "ذخائر الآثار" فقہ میں۔

[شذرات الذہب ۴/۵۸؛ النجوم الزاہرہ ۵/۲۲۹؛ معجم المؤلفین ۱/۱۱۱؛ کشف الظنون ۱/۲۶۳]

ابن ابی موسیٰ: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گذر چکے۔

ابن الاثیر: یہ المبارک بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۲ میں گذر چکے۔

ابن بطہ: یہ عبید اللہ بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گذر چکے۔

ابن تیمیہ (تقی الدین): یہ احمد بن عبدالحلیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۹ میں گذر چکے۔

ابن الحاجب: یہ عثمان بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۹ میں گذر چکے۔

ابن حبیب: یہ عبدالملک بن حبیب ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گذر چکے۔

ابن حجر: یہ احمد بن حجر الہیثمی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گذر چکے۔

ابن خلدون: یہ عبدالرحمٰن بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۶ ص ۴۷۶ میں گذر چکے۔

ابن رشد (الجد): یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۲ میں گذر چکے۔

ابن رشد (الحفید): یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۲ میں گذر چکے۔

ابن الرفعۃ (۶۴۵-۷۱۰ھ)

یہ احمد بن محمد بن علی بن مرتفع بن حازم، ابوالعباس، انصاری، مصری ہیں، ابن رفعہ کے نام سے مشہور ہیں، شافعی فقیہ، فضلاء مصر میں سے تھے، انہوں نے ظہیر الترمنتی، اور شریف عباسی سے فقہ حاصل کیا، ان کا لقب ''فقیہ'' تھا، محی الدین دمیری سے حدیث سنی،

اور مدرسہ معزیہ میں درس دیا۔

بعض تصانیف: "المطلب في شرح الوسيط"، "الكفاية في شرح التنبيه"، "بذل النصائح الشرعية فيما على السلطان وولاة الأمور وسائر الرعية"، "الإيضاح والتبيان في معرفة المكيال والميزان" اور "الرتبة في الحسبة"۔

[شذرات الذهب ۶/۲۲؛ البدر الطالع ۱/۱۱۵؛ طبقات الشافعیہ ۵/۱۷۷؛ معجم المؤلفین ۲/۵۱۳، الأعلام ۱/۲۱۳]

ابن سماعہ: یہ محمد بن سماعہ التمیمی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ص ۴۵۷ میں گذر چکے۔

ابن سیرین: یہ محمد بن سیرین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۳ میں گذر چکے۔

ابن الصلاح: یہ عثمان بن عبدالرحمٰن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن عابدین: یہ محمد امین بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن عباس: یہ عبداللہ بن عباس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۴ میں گذر چکے۔

ابن عبدالبر: یہ یوسف بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۲ص ۵۶۶ میں گذر چکے۔

ابن عرفہ: یہ محمد بن محمد بن عرفہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

ابن عقیل: یہ علی بن عقیل ہیں:
ان کے حالات ج ۲ص ۵۶۷ میں گذر چکے۔

ابن عمر: یہ عبداللہ بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

ابن فرحون: یہ ابراہیم بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۷ میں گذر چکے۔

ابن القاسم: یہ محمد بن قاسم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۸ میں گذر چکے۔

ابن قاسم العبادی: یہ احمد بن قاسم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۷ میں گذر چکے۔

ابن قدامہ (۵۹۷-۶۸۲ھ)

یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ، ابوالفرج، مقدسی، اصلاً جماعیلی، پھر دمشقی، صالحی، حنبلی ہیں، فقیہ، محدث اور اصولی تھے، اپنے والد، اپنے چچا موفق الدین، نیز ابوالیمن کندی اور ابن جوزی وغیرہ سے حدیث سنی، اور اپنے چچا موفق الدین سے فقہ حاصل کیا، اور خود ان سے محی الدین نووی، احمد بن عبدالدائم، تقی الدین بن تیمیہ وغیرہ نے روایت کیا، مدرس و مفتی رہے اور ایک زمانہ تک علم سکھاتے رہے۔ لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ اپنے دور میں مذہب حنبلی کی

ریاست انہی پر ختم ہوئی، نہ چاہتے ہوئے بھی بارہ سال سے زیادہ تک منصب قضا پر فائز رہے، اور اس پر متعین وظیفہ نہیں لیا۔
بعض تصانیف: "شرح المقنع" دس جلدوں میں، اور "تسهيل المطلب في تحصيل المذهب"۔
[شذرات الذہب ۵/۳۷۶: الذيل على طبقات الحنابلہ ۱/۳۱۹: النجوم الزاہرہ ۷/۵۸؛ معجم المؤلفین ۵/۳۶۹]

ابن قدامہ: یہ عبداللہ بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۸ میں گذر چکے۔

ابن القصار: یہ علی بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۸ ص ۳۱۶ میں گذر چکے۔

ابن القطان: یہ عبداللہ بن عدی ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص ۴۵۸ میں گذر چکے۔

ابن القیم: یہ محمد بن ابی بکر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۸ میں گذر چکے۔

ابن الماجشون: یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۳۴۹ میں گذر چکے۔

ابن المنذر: یہ محمد بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۰ میں گذر چکے۔

ابن نجیم: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

ابن ہانی (؟-۲۶۵ھ)

یہ ابراہیم بن ہانی، ابو اسحاق نیساپوری، امام احمد کے کبار اصحاب میں سے ہیں۔ یہ امام حدیث تھے، بہت سفر کرنے والے تھے۔ انہوں نے ابوعبید اللہ العیشی، یعلی بن عبید اور محمد بن عبید وغیرہ سے حدیث روایت کی اور امام احمد سے بہت سے مسائل نقل کئے۔ امام احمد کہا کرتے تھے: اگر شہر میں ابدال میں سے کوئی ہے تو وہ اسحاق نیساپوری ہیں۔ ابتلاء وآزمائش کے دور میں امام احمد انہی کے گھر میں روپوش رہے۔
[طبقات الحنابلہ لابی یعلی ۱/۹۷: شذرات الذہب ۲/۱۴۹: النجوم الزاہرہ ۳/۴۱]

ابن الہمام: یہ محمد بن عبدالواحد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

ابن یونس: یہ احمد بن یونس مالکی ہیں:
ان کے حالات ج ۱۰ ص ۳۶۱ میں آئیں گے۔

ابوایوب الانصاری: یہ خالد بن زید ہیں:
ان کے حالات ج ۶ ص ۳۷۸ میں گذر چکے۔

ابوبکر: یہ عبدالعزیز بن جعفر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گذر چکے۔

ابوبکر الصدیق:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گذر چکے۔

ابوثور: یہ ابراہیم بن خالد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۳ میں گذر چکے۔

ابوجحیفہ (؟-۶۴ھ)
یہ وہب بن عبداللہ بن مسلم بن جنادہ، ابوجحیفہ، سوائی، صحابی ہیں، رحلت نبوی کے وقت وہ قریب البلوغ تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے عون، نیز سلمہ بن کہیل، شعبی، اور حکم بن عتیبہ وغیرہ نے روایت کیا۔ کوفہ میں رہائش تھی، حضرت علی کی خلافت کے دور میں بیت المال، اور پولیس کے ذمہ دار رہے۔ حضرت علی ان کو "وہب الخیر" کہہ کر پکارتے تھے۔
[الإصابہ ۳/ ۶۴۲؛ تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۶۴؛ الأعلام ۹/ ۱۴۹]

ابوحنیفہ: یہ النعمان بن ثابت ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

ابوالخطاب: یہ محفوظ بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

ابوداؤد: یہ سلیمان بن الاشعث ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۴ میں گذر چکے۔

ابوزید (۳۰۱-۳۷۱ھ)
یہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن محمد، ابوزید، فاشانی ہیں، شافعی فقیہ اور محدث ہیں، "مرو" کے ایک گاؤں "فاشان" کی طرف نسبت ہے۔ محمد بن یوسف فربری، عمر بن علک مروزی، اور محمد بن عبداللہ سعدی وغیرہ سے حدیث روایت کی، اور خود ان سے ہیثم بن احمد صباغ، عبدالوہاب میدانی، اور ابوعبداللہ حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے، خطیب نے کہا: وہ ائمہ مسلمین میں سے اور مذہب شافعی کے حافظ تھے۔
[شذرات الذہب ۳/ ۷۶؛ النجوم الزاہرہ ۴/ ۱۴۱؛ طبقات الشافعیہ ۲/ ۱۰۸]

ابوسعید الخدری: یہ سعد بن مالک ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۵ میں گذر چکے۔

ابوشجاع (؟-؟)
ابوالوفاء نے الجواہر المضیہ میں کہا: ابوشجاع کا ذکر "خاصی" نے اس مسئلہ میں کیا ہے: اگر نماز میں تشہد سے فراغت کے بعد بھول کر حضور ﷺ پر درود شروع کردے، پھر یاد آئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے، تو سید امام ابوشجاع، اور قاضی ماتریدی نے کہا: اس پر سجدہ سہو واجب ہے، جیسا کہ یہی ہمارے مشائخ کا جواب ہے، البتہ سید امام نے کہا: اگر وہ "اللهم صلى على محمد" کہہ دے تو سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے، اور قاضی ماتریدی نے کہا: اس پر واجب نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ "وعلى آل محمد" نہ کہہ دے۔ یہ ابوشجاع اور قاضی ماتریدی، امام علی سعدی کے ہم عصر تھے، سعدی کا انتقال ۴۶۱ھ میں ہوا ہے۔
[الجواہر المضیہ ۲/ ۲۵۴-۲۵۵ طبع اول؛ حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۱/ ۱۹۳]

ابوعبید: یہ القاسم بن سلام ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۵ میں گذر چکے۔

ابوالفضل: یہ عبداللہ بن محمود ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۴۰۶ میں گذر چکے۔

ابومسعود: یہ عقبہ بن عمرو ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

ابوہریرہ: یہ عبدالرحمٰن بن صخر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

ابویعلی: یہ محمد بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۳ میں گذر چکے۔

ابویوسف: یہ یعقوب بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گذر چکے۔

الأتاسی: یہ خالد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

الاثرم: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

اُخوین:

مالکیہ کی کتابوں میں اخوین سے مراد: مطرف اور ابن ماجشون ہیں۔ ان کو "اخوین" اس لئے کہا گیا کہ احکام میں وہ بکثرت ہم رائے ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

[الخرشی ۱/۴۹ طبع اول]

الاذرعی: یہ احمد بن حمدان ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

الاسبیجابی (؟-۴۸۰ھ)

یہ احمد بن منصور، قاضی، ابونصر، اسبیجابی ہیں، حنفی فقیہ ہیں، ان کی نسبت "اسبیجاب" کی طرف ہے، جو حدود ترک کا ایک بڑا شہر ہے۔ ابوالوفاء نے الجواہر میں عمر بن محمد نسفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ سمرقند آئے تو لوگوں نے ان کو افتاء کے لئے بیٹھا دیا، اور واقعات کے سلسلے میں انہی کی طرف رجوع ہوگیا۔ اور ان کی وجہ سے دینی امور منظم ہوگئے، اور ان کے اچھے اثرات سامنے آئے، وفات کے بعد ان کا ایک صندوق ملا جس میں بہت سے فتاوے تھے۔

بعض تصانیف: "شرح مختصر الطحاوی"، "شرح علی کتاب الصدر ابن مازة"، "شرح الکافی"، "فتاوی"، یہ سب فروع فقہ حنفی میں ہیں۔

[الجواہر المضیہ ۱/۱۲۷؛ الفوائد البہیہ ۴۲؛ معجم المؤلفین ۲/۱۸۳]

اسحاق بن راہویہ:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گذر چکے۔

اسحاق بن منصور (؟-۲۵۱ھ)

یہ اسحاق بن منصور بن بہرام، ابویعقوب، کوسج مروزی ہیں، حنبلی فقیہ، امام احمد کے اصحاب میں سے اور رجال حدیث میں سے ہیں۔ سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ابراہیم بن اسحاق حربی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، بخاری اور مسلم (صحیحین میں)، ابوزرعہ اور

ابوعیسی ترمذی وغیرہ نے روایت کی۔ مسلم بن حجاج اور ابوعبدالرحمٰن نسائی نے کہا: اسحاق بن منصور ثقہ مامون ہیں۔ اور ابویعلی نے کہا: اسحاق عالم فقیہ تھے، انہوں نے فقہ میں امام احمد کے حوالہ سے مسائل مدون کئے۔

بعض تصانیف: "المسائل" فقہ میں۔

[طبقات الحنابلہ لابی یعلی ۱/ ۱۱۳؛ شذرات الذہب ۲/ ۱۲۳؛ لأعلام ۱/ ۲۸۹؛ معجم المؤلفین ۲/ ۲۳۹]

الاسنوی: یہ عبدالرحیم بن الحسن ہیں:

ان کے حالات ج ۳ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

اصبغ: یہ اصبغ بن الفرج ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۰ میں گذر چکے۔

امام احمد: یہ احمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۴۸ میں گذر چکے۔

امام الحرمین: یہ عبدالملک بن عبداللہ ہیں:

ان کے حالات ج ۳ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

انس بن مالک:

ان کے حالات ج ۲ص ۵۷۶ میں گذر چکے۔

الاوزاعی: یہ عبدالرحمٰن بن عمرو ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

ب

البابرتی: یہ محمد بن محمد ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

الباجی: یہ سلیمان بن خلف ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۱ میں گذر چکے۔

باعلوی (؟-۱۲۵۱ھ)

یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن حسین بن عمر باعلوی، حضرمی، شافعی ہیں، فقیہ تھے، دیار حضرم میں مفتی رہے۔

بعض تصانیف: "بغية المسترشدين في تلخيص فتاوى بعض الأئمة من العلماء المتأخرين" اور "غاية تلخيص المراد من فتاوى ابن زياد"۔

[ہدیۃ العارفین ۱/ ۵۵۷؛ الاعلام ۴/ ۱۱۰؛ معجم المؤلفین ۵/ ۱۷۳؛ معجم المطبوعات/ ۵۱۷]

البخاری: یہ محمد بن اسماعیل ہیں:

ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۲ میں گذر چکے۔

بریرہ (؟-؟)

بریرہ صحابیہ ہیں، یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ کی آزاد

کردہ باندی تھیں، پہلے یہ بنی ہلال کے ایک شخص کی ملکیت میں تھیں، انہوں نے ان سے مکاتبت کر لی، پھر ان کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور انہوں نے ان کو آزاد کر دیا، حضرت عائشہ کی ملکیت میں آنے سے قبل وہ حضرت عائشہ کی خدمت کرتی تھیں، حضرت بریرہ ؓ کے بارے میں یہ حدیث پاک وارد ہے: "الولاء لمن أعتق" (ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے)۔ بعض ائمہ نے اس حدیث کے فوائد کو جمع کیا ہے، آزادی کے وقت وہ شوہر والی تھیں، ان کے شوہر کا نام مغیث تھا، ان کی آزادی کے وقت ان کے شوہر آزاد تھے یا غلام؟ مختلف فیہ مسئلہ ہے، صحیح ہے کہ وہ غلام تھے۔

[الإصابہ ۴/ ۲۵۱؛ اسد الغابہ ۶/ ۳۹؛ الاستیعاب ۴/ ۱۷۹۵]

البغوی: یہ الحسین بن مسعود ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

البہوتی: یہ منصور بن یونس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

ت

التنسولی: یہ علی بن عبد السلام ہیں:

ان کے حالات ج ۵ ص ۴۸۴ میں گذر چکے۔

التمرتاشی: یہ محمد بن صالح ہیں:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

ث

الثوری: یہ سفیان بن سعید ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گذر چکے۔

ج

جابر بن عبد اللہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

الجصاص: یہ احمد بن علی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گذر چکے۔

ح

الحسن بن زیاد:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۸ میں گذر چکے۔

الحصکفی: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

الحطاب: یہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

الحکم: یہ الحکم بن عتیبہ ہیں:
ان کے حالات ج ۲ص ۵۸۲ میں گذر چکے۔

حکیم بن حزام:
ان کے حالات ج ۳ص ۴۷۴ میں گذر چکے۔

الحلوانی: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۵۹ میں گذر چکے۔

حماد بن ابی سلیمان:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

الحموی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱۰ص ۳۶۶ میں آئیں گے۔

خ

الخرشی: یہ محمد بن عبداللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

الخرقی: یہ عمر بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۰ میں گذر چکے۔

الخطابی: یہ حمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۱ میں گذر چکے۔

الخلال: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۱ میں گذر چکے۔

خیرالدین الرملی:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۲ میں گذر چکے۔

د

الدردیر: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

الدسوقی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گذر چکے۔

ر

الرازی: یہ محمد بن عمر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

الرافعی: یہ عبدالکریم بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گذر چکے۔

ز

زفر بن الہذیل:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

زید بن ثابت:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

الزیلعی: یہ عثمان بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

س

السائب بن یزید:
ان کے حالات ج ۵ ص ۴۸۷ میں گذر چکے۔

سالم بن عبداللہ:
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۶ میں گذر چکے۔

السبکی: یہ علی بن عبدالکافی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۶۷ میں گذر چکے۔

السرخسی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

سعد بن ابی وقاص:
ان کے حالات ج ا ص ۴۶۸ میں گذر چکے۔

سعید بن المسیب:
ان کے حالات ج ا ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

سہل بن ابی حثمہ (؟-؟)

یہ سہل بن ابی حثمہ بن ساعدہ بن عامر بن عدی، انصاری، اوسی ہیں، ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں عبداللہ ہے، دوسرا قول عامر ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ، زید بن ثابت، اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کیا۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے محمد، ان کے بھتیجے محمد بن سلیمان، نیز بشیر بن یسار اور نافع بن جبیر بن مطعم وغیرہ نے روایت کیا۔ ابن مندہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے کہا: وفاتِ نبوی کے وقت ان کی عمر آٹھ سال یا اس کے قریب تھی۔ طبری نے قطعی طور پر کہا کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے اوائل میں ان کا انتقال ہوا، ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے نقل کیا کہ وہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے، اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔

[الاصابہ ۸۶/۲، تہذیب التہذیب ۲۴۸/۴؛ اسد الغابۃ ۳۱۶/۲؛ الاستیعاب ۶۶۱/۲]

السیوطی: یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۶۹ میں گذر چکے۔

ش

الشاشی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

الشاطبی: یہ قاسم بن فیرہ ہیں:
ان کے حالات ج ۴ ص ۵۴۳ میں گذر چکے۔

الشافعی: یہ محمد بن ادریس ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۰ میں گذر چکے۔

الشربینی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۰ میں گذر چکے۔

الشرنبلالی: یہ حسن بن عمار ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

الشروانی: یہ شیخ عبدالحمید ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۱ میں گذر چکے۔

الشلبی (؟-۱۰۲۱ھ)

یہ احمد بن محمد بن احمد بن یونس، ابو العباس، مصری ہیں، شلبی (چلپی) سے مشہور ہیں، حنفی فقیہ، محدث، نحوی تھے۔ اپنے والد سے اور جمال الدین یوسف بن قاضی زکریا وغیرہ سے علم حاصل کیا، اور خود ان سے شہاب احمد شوبری، شیخ حسن شرنبلالی، اور شمس محمد بابلی وغیرہ نے علم حاصل کیا۔

بعض تصانیف: "تجرید الفوائد الرقائق فی شرح کنز الدقائق"، مناسک الحج" اور "فتاوی" جس کو ان کے پوتے علی بن محمد نے جمع کیا ہے۔

[خلاصۃ الاثر ۱/۲۸۲؛ معجم المؤلفین ۲/۸۷؛ الأعلام ۱/۲۲۵]

الشوکانی: یہ محمد بن علی ہیں:
ان کے حالات ج ۲ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

شیخ خلیل:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۶۲ میں گذر چکے۔

شیخ العدوی: یہ علی بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۳۷ میں گذر چکے۔

شیخ علیش: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

شیخین:
اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ۱ص ۴۷۲ میں گزر چکی۔

ص

صاحب الانصاف: یہ علی بن سلیمان المرداوی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

صاحب البحر الرائق: یہ زین الدین بن ابراہیم ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۱۴ میں گذر چکے۔

صاحب البدائع: یہ ابو بکر بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج ۱ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

صاحب بغیۃ المسترشدین:
دیکھئے: باعلوی۔

صاحب البیان:
دیکھئے: ابراہیم المقدسی۔

صاحب الخلاصہ: یہ طاہر بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۵ص ۴۹۰ میں گذر چکے۔

صاحب الشرح الکبیر: یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن قدامہ ہیں:
دیکھئے: ابن قدامہ (ابو الفرج)۔

صاحب الشرح الکبیر: یہ محمد بن احمد الدسوقی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۳۶۳ میں گذر چکے۔

صاحب کشاب القناع: یہ منصور بن یونس ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۵۴ میں گذر چکے۔

صاحب المہذب: یہ ابراہیم بن علی الشیرازی ابواسحاق ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۰ میں گذر چکے۔

صاحب النہر: یہ عمر بن ابراہیم بن نجیم ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۴۱ میں گذر چکے۔

صاحب الہدایہ: یہ علی بن ابی بکر المرغینانی ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۹۲ میں گذر چکے۔

صاحبین:
اس لفظ سے مراد کی وضاحت ج ا ص ۴۷۳ میں گذر چکی۔

الصاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۳ میں گذر چکے۔

ط

الطحاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۴ میں گذر چکے۔

الطحطاوی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ا ص ۴۷۵ میں گذر چکے۔

طلحہ بن عبید اللہ (۲۸ ق ھ-۳۶ ھ)

یہ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمر قرشی رضی اللہ عنہ، ابو محمد ہیں، صحابی، بہادر تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، چھ اصحاب شوری میں سے ہیں، اور آٹھ سابقین اولین میں سے ہیں، ان کو "طلحہ الجود"، "طلحہ الخیر"، اور "طلحہ الفیاض" کہا جاتا ہے۔ یہ سارے القاب رسول اللہ ﷺ نے ان کو مختلف مواقع پر عطا فرمائے تھے۔

غزوۂ احد میں شریک تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ ﷺ سے موت کی بیعت کی، ان کو چوبیس زخم آئے، اپنے جسم کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ڈھال بنادیا، اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ پر آنے والے تیروں کو روکا، جس کی وجہ سے آپ کی انگلی شل ہوگئی، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں شریک رہے۔ عراق کے ساتھ ان کی زبردست تجارت تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اور حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے

روایت کی ہے۔ اور خود ان سے ان کی اولاد، محمد، موسی، یحیی، عمران، عائشہ، اور مالک بن اوس بن حدثان وغیرہ نے روایت کیا۔

[الاصابہ ۲/۲۲۹؛ الاستیعاب ۲/۷۶۴؛ تہذیب التہذیب ۵/۲۰؛ الاعلام ۳/۳۳۱]

ع

عائشہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۷۵ میں گذر چکے۔

عامر بن فہیرہ:

ان کے حالات ج ۳ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

عبادہ بن الصامت:

ان کے حالات ج ۴ ص ۵۶ میں گذر چکے۔

عبداللہ بن عمر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گذر چکے۔

عبداللہ بن عمرو:

ان کے حالات ج ۱ ص ۷۶ میں گذر چکے۔

عثمان بن عفان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۷۷ میں گذر چکے۔

عطاء بن اسلم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۷۸ میں گذر چکے۔

علی السغدی (؟-۴۶۱ھ)

یہ علی بن حسین بن محمد، ابوالحسن، سغدی، قاضی ہیں، سمرقند کے ایک نواحی علاقہ ''سغد'' کی طرف منسوب ہیں۔ حنفی فقیہ تھے، بخاری میں سکونت پذیر تھے، قاضی رہے، افتاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ سمعانی نے کہا: وہ امام، فاضل، فقیہ تھے، حدیث سنی۔ ان سے شمس الائمہ سرخسی نے روایت کیا ہے۔ حنفیہ کی ریاست انہی پر ختم ہوئی۔

بعض تصانیف: '' النتف'' (فتاوی میں)، محمد بن حسن شیبانی کی الجامع الکبیر کی شرح، اور خصاف کی کتاب ادب القاضی کی شرح۔

[الجواہر المضیہ ۱/۳۶۱؛ الفوائد البہیہ ۱۲۱؛ لأعلام ۵/۹۰؛ معجم المؤلفین ۷/۷۹]

عمر بن الخطاب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۷۹ میں گذر چکے۔

عمران بن الحصین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۸۰ میں گذر چکے۔

عمرو بن شعیب:

ان کے حالات ج ۴ ص ۵۸ میں گذر چکے۔

عمرو بن العاص:
ان کے حالات ج ۶ ص ۴۹۵ میں گذر چکے۔

عمیرہ البرلسی: یہ احمد عمیرہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۰ میں گذر چکے۔

غ

الغزالی: یہ محمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۱ میں گذر چکے۔

ق

قاضی ابو الحسن: یہ علی بن الحسن الماتریدی ہیں:
دیکھئے: الماتریدی۔

قاضی زکریا الانصاری: یہ زکریا بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گذر چکے۔

القرافی: یہ احمد بن ادریس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۴ میں گذر چکے۔

القفال: یہ محمد بن احمد بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

القلیوبی: یہ احمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گذر چکے۔

القہستانی (؟ - تقریباً ۹۵۳ھ)

یہ محمد بن حسام الدین، خراسانی، شمس الدین، قہستانی ہیں۔ قہستان: خراسان کا ایک قصبہ ہے، حنفی فقیہ ہیں، بخاری کے مفتی تھے۔ ابن العماد نے شذرات الذہب میں کہا: وہ امام، عالم، زاہد، اور متبحر فقیہ تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے کان میں جو بات پڑگئی، اس کو وہ کبھی نہیں بھولے۔

بعض تصانیف: ''جامع الرموز'' جو النقایة مختصر الوقایة کی شرح ہے، ''جامع المبانی فی شرح فقه الکیدانی''، اور ''شرح مقدمة الصلاة''، یہ سب فروع فقہ حنفی میں ہیں۔

[شذرات الذہب ۸/۳۰۰؛ الاعلام ۷/۲۳۳؛ معجم المؤلفین ۹/۱۷۹]

ک

الکاسانی: یہ ابوبکر بن مسعود ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

الکرخی: یہ عبید اللہ بن الحسین ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گذر چکے۔

الکرلانی: یہ جلال الدین بن شمس الدین ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۸ میں گذر چکے۔

م

الماتریدی (؟-۵۱۱ھ)

یہ علی بن حسن بن علی بن محمد بن عفان، ابو الحسن، قاضی، ماتریدی ہیں، شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی کے نواسے ہیں، انہوں نے اپنے نانا سے فقہ حاصل کی۔
[الجواہر المضیہ ۱/۳۵۶]

مالک: یہ مالک بن انس ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۹ میں گذر چکے۔

الماوردی: یہ علی بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گذر چکے۔

المتولی: یہ عبد الرحمٰن بن مامون ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گذر چکے۔

مثنی بن جامع (تیسری صدی کے ہیں)

یہ مثنی بن جامع، ابو الحسن، انباری ہیں، امام احمد کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے سعد بن سلیمان واسطی، محمد بن صباح دولابی، عمار بن نصر خراسانی، اور احمد بن حنبل وغیرہ سے روایت کیا ہے، اور خود ان سے احمد بن محمد بن ہیثم دوری اور یوسف بن یعقوب بن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا۔ ابو بکر خلال نے کہا: مثنی ایک پرہیزگار شخص تھے، بشر بن حارث، اور عبد الوہاب وراق کے نزدیک بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا مذہب تھا کہ اہل بدعت سے قطع تعلق رکھا جائے، ان سے علاحدہ رہا جائے۔ ابو عبد اللہ (یعنی امام احمد) ان کی حیثیت اور حق کو جانتے تھے، انہوں نے ان سے "اچھے مسائل" نقل کئے۔
[طبقات الحنابلہ ۱/۳۳۶]

المحاملی: یہ احمد بن محمد ہیں:
ان کے حالات ج ۳ ص ۴۹۱ میں گذر چکے۔

المحلی: یہ محمد بن احمد ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گذر چکے۔

محمد بن الحسن:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۱ ۴ میں گذر چکے۔

المرداوی: یہ علی بن سلیمان ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۲ ۴ میں گذر چکے۔

المرغینانی: یہ علی بن ابی بکر ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۲ ۴ میں گذر چکے۔

معاذ بن جبل:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۳ ۴ میں گذر چکے۔

ن

نافع: یہ نافع المدنی، ابو عبد اللہ ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۴ ۴ میں گذر چکے۔

النخعی: یہ ابراہیم النخعی ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۷ ۲ ۴ میں گذر چکے۔

النووی: یہ یحیی بن شرف ہیں:
ان کے حالات ج ۱ ص ۹۵ ۴ میں گذر چکے۔

ی

یحیی بن ابی کثیر (؟-۱۲۹ھ)

یہ یحیی بن صالح ابو کثیر، ابو نصر، یمامی ہیں، ان کا رشتۂ ولاء قبیلہ بنو طے سے تھا، حضرت انسؓ سے روایت کیا، اور ان کو دیکھا تھا، اور ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف، محمد بن ابراہیم تیمی، اور ہلال بن ابومیمونہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ اور خود ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ، نیز یحیی بن سعید انصاری، عکرمہ بن عمار، اور علی بن مبارک وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ عجلی نے کہا: ثقہ ہیں۔ اصحاب حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ اور ابو حاتم نے کہا: یحیی امام ہیں، وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ''ثقات'' میں کیا ہے۔ اور بعض اصحاب حدیث نے ان کو زہری پر ترجیح دی ہے۔

[تہذیب التہذیب ۲۶۸/۱۱: الأعلام ۱۸۶/۹]